إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا

تجلیاتِ رحمانی

طبع ثانی مع اضافہ جات

سوانح

فقیہ العصر محدث کبیر عارف باللہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

مُرتّبہ

قاری سعید الرحمٰن

ناشر

جامعہ اسلامیہ

کشمیر روڈ، راولپنڈی صدر

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيلًا

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

○

تجلّیاتِ رحمانی

طبع ثانی مع اضافہ جات

سوانح

فقیہ العصر محدث کبیر عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

قاری سعید الرحمٰن

ناشر

جامعہ اسلامیہ

کشمیر روڈ ○ راولپنڈی صدر

نام کتاب : تجلیات رحمانی

طبع : دوم

مرتب : قاری سعید الرحمٰن

ناشر : جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

طابع : عتیق الرحمٰن

تعداد : ایک ہزار

قیمت : [redacted] روپے

ملنے کے پتے

۱۔ جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی صدر فون: ۰۵۱-۵۶۷۳۸۱

۲۔ ادارۂ نشر واشاعت علوم اسلامیہ۔ محلہ جنگی پشاور

فون: ۰۹۱-۲۵۶۵۹۶۹

۳۔ مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ۔ بھبوڑی ضلع اٹک

تجلیاتِ رحمانی

عہد حاضر کی مشہور علمی و روحانی شخصیت، عارف باللہ، جامع شریعت و طریقت شیخ الحدیث علامہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ خلیفۂ اجل حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ سابق صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور، کے حالات زندگی، انکی شخصیت، انکے روحانی ارتقاء، علمی تبحر، انکے نمایاں صفات اور خصوصی کمالات، فیض و تاثیر، معرفت و سلوک اور اصول تربیت کا ایمان افروز مرقع اور دل آویز تذکرہ

مرتبہ:

قاری سعید الرحمٰن

فہرست مضامین تجلیات رحمانی (طبع دوم)

عرض مؤلف

(طبع دوم)

تجلیات رحمانی پہلی دفعہ سنہ ۱۹۶۹ء میں اس وقت طبع ہوئی تھی۔ جب صاحب سوانح مولانا عبدالرحمٰن کی وفات کے تقریباً پانچ سال ہوئے تھے۔اور حضرت کے ہم عصر اکابر اور کبار تلامذہ بقید حیات تھے۔

جن میں سے خصوصیت سے بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا اسم گرامی سر فہرست ہے تجلیات رحمانی کی طباعت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضرت مرحوم کے ہم عصر ساتھیوں اور قابل ولائق تلامذہ اور شخصیتوں کی حوصلہ افزائی سے ہوئی ان کی طرف سے مضامین کی شکل میں مواد کی فراہمی سے مولف کی ڈھارس بندھی تھی اویہ تقریباً ۵۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا سوانحی خاکہ سامنے آیا۔

تجلیات رحمانی کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد اکابر علماء و مشائخ نے اس کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا بعض اکابر نے انتہائی دقیق نگاہوں سے اس کا مطالعہ کیا اور خامیوں کی نشاندہی بھی کرائی۔ جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجہ والتفات سے بہت سی نئی باتیں سامنے آئیں۔ چونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ اور صاحب سوانح کا طویل عرصہ رفاقت میں گزرا اور قریب سے ایک دوسرے حالات سے واقف تھے ۔ حضرت شیخ الحدیث نے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تجلیات رحمانی بالاستیعاب سماع فرمائی اور انتہائی دقت نظر سے تصحیح فرمائی حضرت کے خطوط اس طبع ثانی کے ابتداء میں ہی درج کئے جارہے ہیں تاکہ قارئین کے سامنے مخفی گوشے سامنے آسکیں۔

اور ''تجلیات رحمانی'' کی اہمیت واضح ہو سکے علاوہ ازیں مولانا عبدالباری ندوی، مولانا محمد ازہر قیصر صاحب، مولانا افتخار فریدی صاحب، مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، مولانا سعید احمد خان صاحب، مولانا محمد تقی عثمانی کے مکاتیب بھی درج ہیں علاوہ ازیں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور خود نوشت سوانح آپ بیتی میں جہاں جہاں صاحب سوانح کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اس کو بھی اس نئے ایڈیشن میں عنوانات کے ساتھ شامل کیا گیا ہے میرے سفر امریکہ میں کیلفورنیا کے مشہر لوڈائی کے خطیب مولانا محمد یوسف بھولا صاحب سے حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و مواعظ حاصل ہوئے خصوصاً جو جنوبی افریقہ میں مرتب کئے گئے اس ذخیرہ کے مطالعہ کا موقع ملا حضرت مفتی صاحبؒ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے انہوں نے اپنے ملفوظات و مواعظ میں جو ذکر فرمایا وہ بھی اس ایڈیشن میں شامل کیا جارہا ہے۔

تجلیات رحمانی کے پہلے ایڈیشن کے بعد تاریخ مظاہر العلوم حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی زیر سرپرستی شائع ہوئی اسکے اقتباسات بھی طبع دوم میں درج کئے گئے ہیں مولانا مفتی محمود داؤد یوسف مفتی اعظم برما رنگون کا ایک مضمون گزشتہ اشاعت میں رہ گیا تھا اگرچہ بعض اقتباسات اس کے درج ہو گئے تھے اب مکمل مضمون شریک اشاعت کیا جارہا ہے حضرت صاحب سوانح کے آبائی علاقہ ''چھچھ'' ضلع اٹک کی تاریخی حیثیت واضح کرنے کے لئے مولانا غلام رسول مہر صاحبؒ اور جناب خواجہ محمد خان صاحب مرحوم آف حضرو اور جناب سکندر خان آف ویسہ کی کتابوں کے اقتباسات بھی تحریر کئے جارہے ہیں۔

تقریباً اٹھائیس سال بعد یہ دوسرا ایڈیشن پیش کیا جارہا ہے اس میں مولانا

فضل حق صاحب کتب خانہ نشرواشاعت علوم اسلامیہ پشاور اور برخوردارم عتیق الرحمٰن نے طباعت و تصحیح میں بڑی محنت فرمائی اور عزیزم قاری محمد ابراہیم صاحب جو کہ صاحب سوانح کے خصوصی متوسل اور شاگرد حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ کے بھتیجے ہیں، کی خدمات بھی قابل ستائش ہیں۔ مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب کے قیمتی مشورے ہر مرحلہ پر شامل رہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے، اور اس محنت کو اپنی رضا، صالحین سے محبت اور نئی نسل کیلئے دینی رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سوانح نگاری بڑا محنت طلب کام ہے طبع ثانی میں جدید اضافہ جات جس دقت نظر اور حسن انتخاب سے شامل کئے گئے انشاء اللہ قارئین کو پڑھنے سے اس کا اندازہ ہوگا اس سعی اور جدو جہد کے باوجود ابھی اس موضوع پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے خصوصاً صاحب سوانح کے مکاتیب اصلاحی کی ترتیب اور آپ کے عظیم تلامذہ کرام کے وہ نگارشات جو ابھی تک منصۂ شہود پر نہ آسکے۔ وقت کی کمی اور ھندوپاک کے جغرافیائی بعد نے اس کو مستقبل پر چھوڑ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو مزید یہ علمی سرمایہ بعد میں پیش کیا جاسکے گا۔

طبع اول

اکابر و مشائخ اور اصحاب علم کی نظر میں

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری کی سوانح حیات "تجلیات رحمانی" کے نام سے ۱۹۶۹ء میں پہلی بار طبع ہوئی ۔ اکابر کی دعا اور صاحب سوانح کی کرامت و محبوبیت کہ سوانح کو اکابر علماء اور علم دوست طبقہ میں پذیرائی حاصل ہوئی ۔ اور تاریخی و علمی اعتبار سے اس کو پسند کیا گیا اور اکابر سے محبت رکھنے والے طبقے نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اکابر نے اس کو پسند کیا اور مولف کے نام اپنے مکاتیب سے اپنی قیمتی آراء کااظہار کیا جس سے ڈھارس بندھی اور مسرت ہوئی کہ ناچیز کی اس کوشش کو ان اکابر علماء نے سراہا فجزاہم اللہ ذیل میں چند اکابر کے خطوط نقل کئے جا رہے ہیں ۔ جس سے کتاب کی اہمیت بھی واضح ہو گی اور ان کی خصوصی توجہات کا بھی اندازہ ہوگا

صاحب سوانح کے محب و محبوب بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، کو اس کتاب کی طباعت سے جو دلچسپی تھی حضرت کے مندرجہ ذیل مکاتیب سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں بنام مولانا عبدالشکور صاحب

"حاجی محمود کی معرفت سوانح کی فہرست بھی ملی بہت دل خوش ہوا اللہ تعالیٰ جلد از جلد طباعت سے آراستہ فرما کر لوگوں کو متمتع فرمائے یہاں بڑے مجمع میں عصر کے بعد کی مجلس میں بہت غور سے سنی گئی تین بابوں کا اضافہ تجویز کیا گیا

(۱) مشاہیر تلامذہ جیسے مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم' میرے خیال میں مولوی ادریس بھی شاگرد ہیں دریافت کر لیا جائے اگر کہیں ذیل میں نہ آگئے ہوں تو مستقل باب کی ضرورت ہے

(۲) خلفاء اور ان کے پتے (۳) مولانا کی اولاد اور انکے مشاغل 'خلفاء کا حال تو

وہیں معلوم ہو سکتا ہے تلامذہ کا اگر اب تک ذکر نہ آیا ہو تو عنوان تو کوئی ملا نہیں تو بندہ کے خیال میں مظاہر کی روئیدادوں سے کچھ پتہ چل جائیگا مولانا مرحوم کے گھر میں سلام مسنون کہہ دیں اور خط لکھیں تو مولوی سعید الرحمان کو بھی سلام کے بعد کتاب کی تکمیل پر مبارک باد لکھ دیں میں مکہ مکرمہ سے بھی مبارک باد کا خط لکھ چکا ہوں " ۲۹ ذی قعدہ حضرت شیخ الحدیث
بقلم محمد اسماعیل

مکتوب (۲) جو بنام راقم حضرت نے تحریر فرمایا۔

عزیزم الحاج قاری سعید الرحمان صاحب سلمہ۔ بعد سلام مسنون "تجلیات رحمانی کا نسخہ الحاج محمود صاحب کا بھیجا ہوا پہنچ کر موجب مسرت ہوا۔ اور بے اختیار تمہارے لئے دعائیں نکلیں اللہ تعالی تمہیں دارین کی ترقیات سے نوازے کتاب سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ متمتع فرماوے مولانا مرحوم کیلئے بھی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب روضہ اقدس پر بیٹھ کر کیا اور تمہاری اور تمہاری والدہ کی طرف سے صلوۃ و سلام بھی عرض کر دیا اگر چہ یہاں کے قیام میں وقت تو بہت ہی کم ملتا ہے دن میں تو بالکل وقت نہیں ملتا رات عشاء کے بعد تھوڑا سا سنا تھا اور اس وقت بھی بعد عشاء سن رہا ہوں صہ ۲۷ پر تھوڑا سا تسامح ہو گیا۔ اس زمانہ میں حضرت سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہما کے یہاں صرف ترمذی اور بخاری ہوا کرتی تھی اور مظاہر میں ابن ماجہ کے علاوہ حدیث کی بقیہ سب کتابیں میرے والد صاحب کے یہاں ہوا کرتی تھیں ابن ماجہ البتہ مولانا ثابت علی صاحب مرحوم کے یہاں ہوا کرتی تھی مولانا عنایت الہی صاحب پہلے تو اکابر مدرسین میں سے تھے۔ بلکہ مدرس دوم تھے لیکن مولانا مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ میں اہتمام کی مشغولی اتنی بڑھ گئی تھی کہ مہتمم صاحب کے یہاں کوئی سبق نہیں ہوا کرتا تھا۔ اللہ جل شانہ تمہاری کوششوں کو بہت ہی قبول فرماوے دین و دنیا دونوں کے منافع سے متمتع

فرماوے

صہ ۴۹ پر حضرت سہارنپوری نظامت سنہ ۲۵ ھ لکھی گئی ہے جو غالباً" تذکرۃ الخلیل کے کاتب کی غلطی کا ثمرہ ہے یہ نظامت سنہ ۳۵ ھ کی ہے ابھی تک تو اتنا ہی سننے کی نوبت آئی ہے۔ خدا کرے کہ یہاں کے قیام میں پوری ہو جائے ۔ معلوم نہیں اس کی پلیٹیں آپ کے یہاں محفوظ ہیں یا نہیں ۔ اگر پلیٹیں ہوئیں تو تصحیح میں بڑی سہولت رہے گی فقط والسلام۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم محمد اسماعیل ۲۰ جولائی

مکتوب ۳ بنام حاجی محمود صاحب

عنایت فرمائم سلمہ ۔ بعد سلام مسنون کئی دن ہوئے تمہارا محبت نامہ جس میں عزیزم قاری سعید الرحمان اور مولانا عبدالشکور صاحب کے پرچے بھی تھے پہنچا تھا جس کا ہمروزہ جواب لکھوا چکا ہوں غالباً" پہنچ گیا ہوگا باوجود مشغولی اور قلت وقت تجلیات رحمانی کچھ نہ کچھ اشتیاق میں سنتا رہتا ہوں تصانیف کے سلسلہ میں شرح ترمذی کا ذکر بالکل چھوٹ گیا حالانکہ الطیب الشذی کے نام سے جو مولانا اشفاق الرحمان مرحوم کے نام سے شائع ہوئی ہے اس کی دراصل ابتداء مولانا مرحوم ہی کیطرف سے تھی مجھے تو یاد ہے قاری سعید الرحمان کو ابتدائی خط میں بندہ نے ادھر متوجہ بھی کیا تھا اور غالباً" الطیب الشذی کے شروع میں اس کا حوالہ بھی ہے ۔ اس ناکارہ کے شدید اصرار پر مولانا مرحوم نے شروع کی تھی اس طرح پر کہ مولانا اشفاق الرحمان صاحب لکھتے تھے اور مولانا املاء کرتے تھے اس کے بعد کچھ حصہ اس کا مولانا اشفاق الرحمان صاحب نے لکھا اور ان کے نام سے شائع ہوئی ۔ یہاں الطیب الشذی نہیں ہے اگر وہاں ہو توتلاش کرکے دیکھ لیں۔ ورنہ اس ناکارہ کے سہار ںپور پہنچ پر بشرط زندگی مجھے لکھیں۔
کتاب پر میں نے کئی جگہ نشانات بھی لگوائے ہیں انشاء اللہ کسی وقت نوٹ کراکے بھیجوں گا تعزیتی خطوط کے سلسلہ میں جلی اور واضح الفاظ میں یہ مضمون

آنا ضروری تھا کہ ہندو پاک کی ڈاک اس زمانہ میں بند تھی اس ناکارہ کو بھی، حادثہ کی اطلاع آخیر رمضان میں مدینہ منورہ کے ایک خط سے جو مولانا مرحوم کے شاگرد نے لکھا تھا اطلاع ہوئی تھی جس کی طرف مولوی منظور نعمانی نے اپنے خط میں اشارہ بھی کیا۔ جنگ کیوجہ سے دونوں ملکوں میں عرصہ تک ڈاک کا سلسلہ بند رہا۔ اس سے وہاں کے اوز احباب کو بھی اطلاع ہوئی کہ ڈاک کا سلسلہ کئی ماہ تک بند رہا ہے۔ مضمون آنا ضروری تھا، تاکہ یہ معلوم ہو جاتا کہ تعزیتی خطوط میں ہندی خطوط کم کیوں ہیں۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث صاحب۔ بقلم محمد اسماعیل ۲۰ اکتوبر سنہ ۶۹ ء

مکتوب ۴ بنام راقم

یہ مکتوب تفصیلی ہے اس کے مندرجات نئے ایڈیشن میں متعلقہ مقامات پر درج کر دیئے گئے ہیں یہاں مکتوب گرامی کو من وعن نقل کیا جا رہا ہے تاکہ سابقہ ایڈیشن جن حضرات کے پاس ہو وہ اس مکتوب سے تصحیح و اضافہ فرما سکیں اس مکتوب گرامی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے کس اہتمام اور باریک بینی سے " تجلیات رحمانی" کا سماع فرمایا یہ حضرت کی مرحوم صاحب سوانح سے محبت اور خصوصی تعلق کا آئینہ دار ہے نیز مرتب اور راقم کی بھی خوش قسمتی ہے کہ ایسے اکابر نے اس حقیر کوشش کو لائق اعتناء سمجھا اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے

مکتوب حسب ذیل ہے

عزیز گرامی قدر و منزلت، قاری سعید الرحمان سلمہ، بعد سلام مسنون باوجود یہ کہ مدینہ پاک میں کسی چیز میں وقت مشغول کرنا بہت ہی مشکل ہے لیکن "تجلیات رحمانی" کے شوق نے سونے کے وقت میں بہت کمی کی عشاء کے بعد کھانے وغیرہ سے فراغت اور مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد عربی چار بجے اگر کوئی دوسرا اہم ضروری خط نہ ہوتا تھا تو اکثر اس کو سنتا تھا لیکن یہاں بھی

ڈاک کا ہجوم بہت رہا ۔ مختصر خطوط تو دن میں نمٹاتا تھا ۔ لیکن طویل اور اہم خطوط تو عشاء کے بعد ہی سننے اور جواب لکھوانے ہوتے تھے ۔ الحمد اللہ کہ آج دس شعبان کی شب میں سننے میں پوری ہو گئی ۔ کہیں کہیں سننے میں نشانات لگائے ہیں وہ نقل کرکے بھیج رہا ہوں تاکہ طبع ثانی میں کام دے اپنی ذاتی کتاب پر تو ابھی نشان لگا لیں اور ہو سکتا ہو تو حاجی محمود صاحب مولانا عبدالشکور صاحب کی کتابوں پر بھی لگوا دیں تاکہ طبع ثانی تک میرا یہ پرچہ کہیں گم ہو جائے تو نشانات کم از کم کتابوں پر موجود رہے

(ا) صہ ۲۸ سہ ۲۲ آپ نے دورہ کی اکثر کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے پڑھیں یہ صحیح نہیں ۔ اس زمانے میں حضرت کے یہاں صرف بخاری اور ترمذی ہوتی تھی اور بقیہ کتب حدیث میرے والد صاحب کے یہاں اور صرف ابن ماجہ مولانا ثابت علی صاحب کے یہاں ہوتی تھی ۔ حدیث کی کتابیں ان تین کے علاوہ کسی کے یہاں نہیں ہوتی تھی

نمبر ۲ صہ ۴۹ سہ ۲ پر تم نے لکھا کہ ۱۳۲۵ ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ناظم بنائے گئے یہ غلط ہے اس پر میں شاید پہلے بھی متنبہ کر چکا ہوں کہ حضرت سہارنپوری ۱۳۳۵ ھ میں ناظم بنائے گئے تھے یہ میرا خیال ہے کہ تذکرۃ الخلیل کی غلطی ہے

نمبر ۳ صہ ۵۲ سہ ۱۸ پر تم نے لکھا ہے کہ بہاولپور میں مناظرہ شیعوں کے ساتھ ہوا تھا یہ مناظرہ بریلویوں سے براہین قاطعہ پر ہوا تھا جیسا کہ تذکرۃ الخلیل میں بھی یہی وجہ لکھی ہے اگر تم نے شیعوں سے مناظرہ تحقیق سے لکھا ہو تو مجھے بھی مطلع کریں

نمبر ۴ صہ ۵۴ سہ ۱۹ پر تم نے لکھا کہ بذل المجہود وصال سے دو ماہ قبل ختم ہوئی ۔ یہ غلط ہے ۔ بذل المجہود رجب ۱۳۴۵ ھ میں ختم ہوئی اور حضرت کا وصال ۱۶

ربیع الثانی سنہ ۴۶ ھ میں ہوا تقریبا نو ماہ بعد ایسا تو نہیں کہ تذکرۃ الخلیل میں نو ماہ قبل ہو اور تم نے دو ماہ نقل کر دیئے ہوں۔

نمبر۵ صہ ۵۵ سہ ۶ پر لکھا ہے کہ آپ یعنی حضرت شیخ الہند جمعہ کے دن علی الصباح دیوبند سے گنگوہ پہنچتے یہ غلط ہے معمول جمعرات کے دن عصر کے بعد چلنے کا تھا دیوبند سے اور رات میں کسی وقت پہونچنے کا معلوم نہیں یہ آپ نے کہاں سے لیا ہے۔ گنگوہ سے کبھی تو واپسی جمعہ کے بعد عصر ہوتی تھی بالخصوص سردیوں میں اور گرمیوں میں آخر شب میں۔

نمبر۷ صہ ۲۱ مولانا عبدالرحمان صاحب کی ابوداود کی تقریر بذل کے وقت سامنے نہیں آئی اور نہ حضرت قدس سرہ کو اس کا علم تھا۔ البتہ میں نے جب ابو داود ابتداء میں پڑھائی ہے تو ابوداود کی یہ تقریر میرے پاس رہی ہے اور میں نے اس سے استفادہ کیا۔

نمبر۸ صہ ۶۶ سنہ ۱۶ پر سناتے ہوئے جولائی ۱۳۵۳ء پر نشان لگوایا مگر اس وقت بالکل ذہن میں نہیں کیوں لگوایا تم خوب غور کر لو (سن لکھنے میں غلطی ہو گئی تھی۔ جولائی ۱۹۵۳ء صحیح ہے حضرت شیخ کی دقت نظر کا اندازہ لگائیے۔ از مؤلف)

نمبر۹ صہ ۷۳ پر بھی ۲۵ ھ غلط لکھا گیا سنہ ۳۵ ھ ہے

نمبر۱۰ صہ ۷۶ سنہ ۱۰ میرا مشیر ناظم ہونا حضرت کی روانگی حجاز کے وقت نہیں اس وقت تو اس ناکارہ کی صدر مدرسی تجویز ہوئی تھی میں اس بار کے اٹھانے کا ہرگز متحمل نہیں ہوا جس کو مولانا مرحوم نے اپنے قوت و کمالات سے اٹھا لیا اس صدر مدرسی کی تجویز پر ہی میں نے حضرت کی ہم رکابی میں حجاز جانیکی درخواست پیش کی جس کو حضرت نے بہت خوشی سے قبول فرما لیا۔ میرا عہدہ مشیر ناظم کا سفر حجاز سے واپسی پر ذی قعدہ سنہ ۴۵ ھ جب حضرت نور اللہ مرقدہ

نے مدرسہ کے متعلق ایک لمبی چوڑی تحریر پر لکھوا کر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہ سرپرست مدرسہ کے ہمراہ جنکی ہمرکابی میں ہم لوگ مدینہ سے واپس ہوئے ۔ بھیجی اس میں تجویز ہوئی ہے ۔

نمبر ۱۱ صہ ۱۸۸ فیض یافتگان کی سرخی کے اندر کوئی نوٹ اس قسم کا ہونا چاہئے کہ جس سے یہ شبہ نہ ہو کہ یہ سب مجازین ہیں بندے کے خیال میں اس قسم کا نوٹ ہونا چاہئے کہ مولانا مرحوم کے غایت اخفاء کی وجہ سے ہم لوگوں کو ابتک علم نہ ہو سکا کہ کسی کو اجازت دی یا نہیں ۔ اگر خدام میں سے کسی کو دی ہو تو براہ کرم ضرور مطلع کریں ۔

نمبر ۱۲ صہ ۲۴۷ سہ ۱۱ تصنیف و تالیف میں بندہ کا خیال یہ ہے شرح ترمذی کا ذکر ضرور آنا چاہئے جس کے متعلق ایک مفصل کارڈ پہلے حاجی محمود کے ذریعہ سے لکھوا چکا ہوں لیکن کوئی پختہ بات میں سہارنپور پہنچے بغیر نہیں لکھ سکتا اگر زندگی ہے اور وہاں پہنچنا ہو گیا تو وہاں سے دریافت کریں

نمبر ۱۳ صہ ۳۲۲ سہ ۸ مولانا یوسف صاحب نے مولانا مرحوم سے دورہ کی سب کتابیں نہیں پڑھیں اس زمانہ میں مولانا مرحوم کے یہاں صرف ترمذی ہوتی تھی وہی مولانا یوسف مرحوم نے پڑھی اس صفحہ میں سہ ۱۰ پر عبدالمجید قریشی کا نام غلط ہے محمد شفیع قریشی ہے۔

نمبر ۱۴ صہ ۴۴۲ سہ ۴ تعزیت کے خطوط کے سلسلہ میں جیسا کہ میں کل کے کارڈ میں بھی وضاحت سے لکھ چکا ہوں ایک نوٹ اس قسم کا ضرور ہونا چاہئے تھا کہ اس زمانہ میں ہندو پاک کی ڈاک بند تھی ۔ زکریا کو بھی اطلاع حجاز کے خط سے اخیری رمضان میں ملی جس سے وہاں کے اور لوگوں کو علم ہوا ۔ جیسا کہ مولانا منظور نعمانی نے بھی اپنے خط میں اشارہ کیا ۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم محمد اسماعیل ۱۲ شعبان سنہ ۸۹ ھ

مکتوب گرامی حضرت مولانا عبدالباری ندوی صاحب خلیفہ اجل حضرت تھانوی

شبستان ۱ مارچ سنہ ۷۰ ء بسم اللہ

برادر گرامی قدر عزیز محترم سراپا سعادت مولانا سعید الرحمان زادہ اللہ سعادۃ
وفقنا اللہ لما یحب و یرضٰی
السلام و علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

یہ پیر صد عیب ادھر تو خصوصاً" مہینوں سے فریش و نیم فریش ہی چلا آرہا ہے اور اسی مہینہ میں فالج کا بائیں جانب حملہ بھی ہو گیا لیکن الحمدللہ ہلکا رہا اور اس قابل ہوں کہ لیٹے لیٹے آپ کو حیات رحمانی رحمتہ اللہ کی رسید لکھ رہا ہوں اور اتنی تاخیر پر شرمندہ اور عذرخواہ ہوں باقی کتاب لیٹے بیٹھے جس دن ملی اسی دن سے پڑھتا رہا اور قریب قریب پوری کتاب سے مستفید ہوا ماشاء اللہ وجزاک اللہ ۔ الحمد اللہ کہ ظاہری و معنوی ہر لحاظ سے آپ نے اس سعادت کا حق ادا فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو قبول اور نافع فرمائے میں تو دوسروں کو بھی استفادہ کیلئے دیتا رہا۔ آج کل بھی ندوۃ کے ایک استاذ کے پاس ہے او غلبہ نسیان کیوجہ سے پتہ بھی یاد نہ رہا انشاء اللہ ان سے منگو اکر جب لکھوں گا یہ رسیدی کارڈ روانہ ہو گا ۔ ابھی دو دن ہوئے کہ محب عزیز مولوی غلام محمد صاحب مسلم نے لکھا کہ آج کل کارڈ ہی لکھنا مناسب ہے وہ اکثر پہنچ ضرور جاتے ہیں لفافوں کا ملنا البتہ مشکوک رہتا ہے امید ہے کہ آپ اور سب گھر والے ہر طرح بخیر و عافیت اور اپنے والد کی برکلت کے علماً" و عملاً" حقوق ادا فرما رہے ہوں گے اپنے حق میں ایمان پر خاتمہ اور مغفرت کی دعا کا آپ سب سے خصوصا ملتجی ہوں ایک اور دعا کی بھی درخواست کر دیتا ہوں کہ تجدید کلامیات کے عنوان سے ایک کتاب کا سلسلہ برسوں سے چل رہا تھا مگر خود سائنس سے نابلد ہونے کی بناپر کام زیادہ عام فہم سائنس کی انگریزی کتابوں سے لینا پڑا اس لئے کسی مسلم سائنسدان کا مقدمہ ہونا ضروری تھا جس کے لئے اسلام آباد کے وائس چانسلر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کو تکلیف دے رکھی ہے تازہ تار سے مطلع فرمایا کہ جلدی واپس فرما سکیں گے اس کا دوسرا حصہ کلامیات قرآن کے عنوان سے چل رہا تھا ۔ لیکن ادھر مہینوں سے قریباً" بند ہے اور کام زیادہ نازک اور ذمہ داری کا ہے

اس لئے خصوصاً" دعا کا ملتجی ہوں کہ جس کا کلام ہے وہی بخیر اتمام اور قبول فرمائے

والسلام دعاگو

احقر العباد عبدالباری ۷-۳-۷۰

مکتوب مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر صاحبزادہ حضرت العلامہ مولانا انور شاہ کاشمیری صدالمدرسین دارالعلوم دیوبند و مدیر ماہنامہ دارلعلوم دیوبند

۲۳ مارچ سنہ ۱۹۷۰ء برادر مکرم مولانا قاری سعید الرحمان صاحب

برادر عالی قدر سلام مسنون مرسلہ کتاب کا نسخہ باصرہ نواز ہوا اس کے مطالعہ سے حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی پوری شخصیت بھی سامنے آگئی - اور پچھلی صحبتوں کی یادیں تازہ ہو گئیں آپ کا یہ ایک قابل قدر کارنامہ ہے کہ آپ نے اتنی تفصیل و تکمیل کے ساتھ یہ کتاب لکھی حق تعالی اس محنت کو قبول فرمائے جو مضامین مختلف حضرات سے آپ نے اس موضوع پر لکھوائے تھے - اگر انہیں ایک مختصر کتاب کی شکل میں آپ الگ چھاپ دیں تو وہ بھی ایک قابل مطالعہ چیز بن جائیگی

اس کتاب میں کئی جگہ صوفی نذیر احمد صاحب کے تحریری اقتباسات آئے ہیں کیا یہ صوفی صاحب وہی بزرگ ہیں جو مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھتے تھے قد کچھ کم تھا - گندم گوں اور سادہ زندگی سادہ لباس کے آدمی تھے حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں آتے جاتے تھے - اگر وہی ہیں تو میرا بھی ان سے کچھ تعارف تھا ایک دفعہ پنجاب سے واپسی پر سہارنپور پہنچ کر میں بیمار ہو گیا - برادرم مولوی عبدالحق صاحب سملکی کے کمرہ میں دو شب و روز بیماری کی حالت میں مقیم رہا ان صاحب نے اس وقت میری خبر گیری فرمائی تھی اگر صوفی صاحب وہی بزرگ ہوں تو ان کی خدمت میں میرا سلام فرمائیں - اپنی والدہ صاحبہ محترمہ کی خدمت میں بھی میرا سلام اور درخواست دعا پیش فرما دیں

والسلام سید محمد ازہر شاہ قیصر

مکتوب مولانا محمد افتخار فریدی صاحب جو ہندوستان کے مشہور عالم دین اور تبلیغی جماعت سے لگاؤ رکھنے والے معروف بزرگ ہیں۔

مراد آباد ۱۰ اگست ۱۹۷۰ء

محترم مکرم قاری سعید الرحمان صاحب سلمہ السلام علیکم مزاج گرامی

تجلیات رحمانی کے دو نسخے وصول ہوئے جزاکم اللہ ایک پنڈی سے آیا ایک سہارنپور سے حکیم محمد الیاس صاحب نے ارسال کیا۔ جزاکم اللہ حضرت رحمہ اللہ کی سوانح بہت سے حضرات کو مطلوب ہے خصوصا علماء کرام انشاء اللہ ان دونوں کو ایسے حضرات کو دے رہا ہوں جو شاید اس کو نلپاسکتے ماشاء اللہ آپ نے خوب لکھا ہے ہمیں تو یہ اندازہ نہ تھا کہ آپ ایسے صاحب قلم ہوئے ہیں۔ بعض اکابر نے اپنے اکابر کی سوانح لکھی ہے۔ یہ ان ہی کے ہم پلہ محسوس ہوتی ہے۔ حضرت کی زندگی کے تقریبا سب ہی پہلو احاطہ تحریر میں آگئے ہیں حضرت شیخ اور اہل ھند کی یہ حسرت ناک آرزو کہ سہارنپور حضرت کی تشریف آوری ایک بار ہوتی رہ ہی گئی حضرت کے تاثرات اہل ہندو سہارنپور کیلئے تو بہت زیادہ تذکرہ میں آئے ہونگے مگر آپ نے تو بہت کم دیئے ہیں مکتوبات "عبادۃ الرحمٰن" کا سوانح میں آنا بھی اچھا ہوا مولانا نسیم احمد فریدی امرد ہوی حضرت تھانوی کی تصانیف میں کچھ انتخابات مرتب کر رہے ہیں انکو تجلیات رحمانی کے ملنے سے بڑی مسرت ہے ایک نسخہ وہ لے گئے ہیں۔ بزرگوں کی زندگی سے جو چراغ جلائے جاتے ہیں انشاء اللہ یہ سوانح بھرپور اس کا کام دیگی۔ جزاکم اللہ حضرت کے متعلقین کو ضرور توجہ دلائیں خصوصا" دوسرے ممالک افریقہ وغیرہ کے حضرات کو۔ امت دعوت میں اس وقت کام کرنیکی از حد ضرورت ہے جب تک نیا خون نہیں ملے گا امت کے مسائل حل نہیں ہوں گے اس کیطرف بہت توجہ کی ضرورت ہے دعوت کے اہل حضرات کے وفود ایسے ممالک میں جانے چاہئیں جہاں کچھ توقعات ہیں

والسلام خادم افتخار فریدی۔ سنبھل گیٹ مراد آباد

مکتوب مولانا محمد افتخار فریدی صاحب

مراد آباد ۔ ۳ ۔ ۱۵ اپریل ۱۹۷۰ء محترم مکرم حضرت قاری سعید الرحمان صاحب مسلم

السلام علیکم

مزاج گرامی

تجلیات رحمانی کی کاندھلہ میں زیارت کرکے بڑی مسرت ہوئی مبارک دینے کو دل چاہا اور دل سے دعا نکلی حق تعالیٰ آپ کی مساعی کو قبول فرمائے اکابر کے حالات بہت کم محفوظ رہتے ہیں اور کسی ملت کا مستقبل اسی وقت بن سکتا ہے جب اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلا جائے آپ نے اس سلسلہ کا بڑا کام کیا ہم سب ممنون و مشکور ہیں جزاکم اللہ ایک نسخہ تجلیات رحمانی کا ڈاکٹر رضا حسن انصاری کو لالکرتی پہنچا دیں تاکہ وہ کسی آنے والے کے بدست روانہ کر دیں اور ہندوستان میں نہیں ہوں تو انہیں تحریر کر دیں کہ ایک نسخہ بذریعہ ڈاک روانہ کر دیں حضرت کی وفات پر ایک عریضہ آپکو تحریر کیا جواب سے محروم رہا حضرات علماء کرام مولانا غلام اللہ خان صاحب مولانا عبدالشکور صاحب مولانا عبدالحنان مولانا محمد اسلام صاحب مولانا عبدالخالق صاحب کوہ نور ملز والے شیخ عبدالقدیر صاحب مولانا عزیز گل صاحب حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب میں سے جن حضرات سے ملنا ہو سلام فرما دیں آپ کی طرف آنے کی کوشش کی مگر ویزا نہیں دیا گیا اس لئے محروم رہا بھائی صاحبان اور مسجد کے حضرات سے سلام فرما دیں والسلام خادم افتخار فریدی فریدی بلڈنگ سنبھلی گیٹ مراد آباد

مکتوب گرامی از مولانا سعید احمد خان صاحب از بزرگان جماعت تبلیغ

مسجد النور باب العوالی بالمدینتہ المنورۃ
یکشنبہ ۶ جمادی الاول سنہ ۱۳۸۹ ھ

مخدومی و مکرمی و استاذی حضرت مولانا قاری سعید الرحمان صاحب
دامت برکاتہم

السلام علیکم بندہ کے نام حضرت اقدس مولانا عبدالرحمان صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح بھیج کر بڑا احسان فرمایا جزاکم اللہ خیر الجزاء ۔ گو بندہ ضعف بصر کیوجہ سے خود نہیں پڑھ سکتا ۔ لیکن دوسروں سے پڑھوا سکتا ہے تاکہ حضرت اقدس کی حیات طیبہ سے استفادہ حاصل کر سکے اور حضرت مشفق استاذ مولانا عبدالشکور صاحب دامت برکاتہ کی مسلسل علالت سن کر رنج ہوا حق تعالیٰ صحت عاجلہ کاملہ مستمرہ عطا فرمائے بندہ کا سلام حضرت کی خدمت میں اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کی خدمت میں اور دعا کی درخواست پہنچا دیں تو بڑی عنایت ہو گی
فقط
سعید احمد بقلم جمیل ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۶۹ ء

مکتوب از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری
رئاستہ القضاء الشرعی ۔ وزارۃ العدل ۔ ابو ظبی
تاریخ ۷ ذی الحجہ سنہ ۹۹ ھ دولتہ الامارات العربیتہ المتحدہ
برادر محترم جناب مولانا قاری سعید الرحمان صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ مع متعلقین خیر و عافیت سے ہونگے آنجناب نے "تجلیات رحمانی" اور "الحاوی" جیسے نادر تحفے سے محظوظ فرمایا ثانی الذکر عرصہ ہوا حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ نے مدینہ منورہ میں مرحمت فرمائی تھی مگر اول الذکر کا اشتیاق تھا اس کے بعض بعض حصے متعدد بار پڑھے اللہ تعالیٰ ان بزرگان دین کی برکات سے ہم گنہگاروں کو بھی کوئی حصہ نصیب فرمائے مگر کتاب میں ایک اہم باب کی کمی محسوس ہوئی ۔ اس ناچیز کے

خیال میں سیرت کی کتاب میں اس کا ہونا بھی ضروری ہے ۔ وہ ہے حضرت کے عائلی حالات اور اولادو واحفاد کا ذکر ۔ غالباً جناب نے خود مرتب فرمایا ہے اس لئے تواضعاً اس میں اختصار سے کام لیا آئندہ اگر اس کا اضافہ کر دیا جائے تو مفید رہے گا

اور حالات اچھے ہیں امسال مقدر سے حج میں بھی جانا نہیں ہوا ۔ البتہ یونیورسٹی میں مسلم شریف پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ خیر کی صورت پیدا فرمائے اگر خط تحریر فرمائیں تو حضرت مولانا احمد الرحمان صاحب اور مولانا محمد بنوری کی خدمت میں سلام مسنون ۔ حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ کو سلام مسنون

مخلص تقی الدین ندوی مظاہری

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے البلاغ شوال سنہ ۱۳۹۰ھ جنوری سنہ ۱۹۷۱ء میں تجلیات رحمانی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"**تجلیات رحمانی" مرتبہ مولانا قاری سعید الرحمٰن"** یہ کتاب حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری کی سوانح حیات ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے عرصہ دراز تک مظاہر علوم سہارنپور میں صدر مدرس رہے اور یہ خصوصیت حضرت تھانوی کے تمام خلفاء میں آپ ہی کو حاصل ہے کہ حضرت نے آپ کو بیعت سے پہلے ہی خلافت سے سرفراز فرما دیا تھا موصوف کی یہ سوانح حیات ان کے فرزندارجمند مولانا قاری سعید الرحمان صاحب نے بڑی محنت عرق ریزی اور تحقیق و جستجو کے ساتھ مرتب کی ہے ۔

اس کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ صاحب سوانح کی زندگی کا ایک عکس جمیل نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے بلکہ حضرت تھانوی کے ساتھ ان کے تعلق ، اور ارشاد و سلوک کے سلسلہ میں ان کا مسلک بھی بہت وضاحت کے ساتھ معلوم

ہو جاتا ہے فاضل مولف نے صاحب سوانح کے وہ مکاتیب بھی درج کتاب کئے ہیں جو انہوں نے اپنے مسترشدین کے تربیتی خطوط کے جواب میں تحریر فرمائے ہیں اس طرح ایک طرف موصوف کا طریق اصلاح واضح ہو گیا ہے ۔ اور دوسری طرف سالکین کیلئے طریق تصوف کے بہت سے مسائل کی تحقیق سامنے آگئی ہے ۔ اس مفید پیش کش پر مولف اور ناشر دونوں مبارک باد کے مستحق ہیں

ماہنامہ بینات نے شمارہ رجب سنہ ۱۳۸۹ھ مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۶۹ء میں " تجلیات رحمانی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا

فقیہ العصر حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری کا شمار اس صدی کی ان شخصیتوں میں ہے جو اسلام کے لئے مایہ صد فخر ہیں حضرت مرحوم ' حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی تلمیذ رشید اور حضرت حکیم الامتہ تھانوی کے جلیل القدر خلیفہ تھے کم گوئی و بے آزاری ' حلم وقار ' رحمت و شفقت ' زہدوقناعت ' تواضع و انکسار اور خداترسی و نیک شعاری جیسے اخلاق فاضلہ تو گویا آپ کے فطری ملکات تھے اس پر اکابر اہل اللہ کی نظر عنایت اور فیضان صحبت نے آپ کو کندن بنا ڈالا تھا ۔ صورت و سیرت اذا رأوا ذکراللہ کا مظہر اور رفتار و گفتار و عبادالرحمان الذین ۔یمشون علی الارض ھونا" الخ کا مصداق تھی ۔ زیر نظر کتاب تجلیات رحمانی آپ کے حالات و کمالات ' عادات و فضائل ' تعلیم و تدریس تلقین و تربیت کا جامع مرقع ہے۔ جسے صاحبزادہ قاری سعید الرحمان صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی اور تحقیق و تفتیش سے مرتب کیا ہے کتاب پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوگا گویا آپ حضرت کی مبارک مجلس میں آپ کے انفاس قدسیہ سے مستفید ہو رہے ہیں

مولانا عبدالرشید ارشد صاحب ملک کے مشہور صاحب طرز ادیب ' مؤلف اور اکابر کی سوانح سے خصوصی شغف رکھنے والے بزرگ ہیں

" بیس مردان حق " ان کی جدید تالیف ہے حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کی سوانح " تجلیات رحمانی " کا خلاصہ اپنی اس کتاب میں درج کیا ابتداء میں موصوف نے یہ الفاظ تحریر فرمائے ۔

" تجلیات رحمانیہ " حضرت مولانا کے صاحبزادہ مولانا قاری سعید الرحمان نے تحریر فرمائی ہے ۔ لیکن اس کو پڑھ کر یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت مولانا کو اپنے والد محترم سمجھ کر تعریف کے پل باندھے ہیں ۔ جابجا معاصر حضرات کے تاثرات ہیں جو بالکل صحیح ہیں راقم نے حضرت کو کم دیکھا لیکن محسوس ہوتا تھا کہ اتنے بڑے عالم اور اتنا انکسار 'جو کچھ آئندہ آرہا ہے وہ سو فیصد صحیح ہے (ارشد)

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوت والتسلیمات کے ہر دور میں و مختلف طبقات میں بڑے بڑے عظیم المرتبت رجال کی کمی نہیں رہی ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کثرت کی وجہ سے زیادہ قدردانی نہیں ہوئی ۔ اور آخری ادوار میں ایسے افراد بھی گزرے جن سے بڑے بڑے دین و علم کے کام سرانجام پذیر ہوئے اور بسا اوقات سابقین سے گویا سبقت لے گئے ۔

متحدہ ہندوستان کی سرزمین کے آخری علمی دوروں میں ایسی ایسی ہستیاں گزری ہیں جن کی نظیر دوسرے ممالک میں بمشکل ملے گی ۔ حضرت شاہ ولی اللہ ' حضرت شاہ عبدالعزیز' حضرت شاہ اسماعیل شہید ' حضرت سید احمد بریلوی شہید ' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن' حضرت مولانا خلیل احمد امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ ہر ایک اپنے زمانے میں علم و دین کے آفتاب و ماہتاب تھے ۔ انہی بزرگوں کے صدقے ہندوستان کی آخری علمی دور میں دو بڑے علم دین کے مرکز قائم ہوئے ۔ دہلی کے اجڑنے کے بعد دوبارہ علمی بہار انہی مرکزوں کے ذریعہ آئی

ضلع سہارنپور میں دارالعلوم دیوبند اور شہر سہارنپور میں مظاہر العلوم' ان دونوں مراکز علم سے نہریں جاری ہوئی ہیں اور آج تک وہ نہریں ہندو پاک میں جاری ہیں اور انہی منابع سے جدید نہریں نکلتی ہیں ۔ جن کے ذریعہ تمام ملک میں آبیاری ہو رہی ہے ۔

انہی مراکز سے ایسے جلیل القدر افراد پیدا ہوئے جو ہر ایک اپنی وسعت میں پوری امت کا قائم مقام ہے ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ نے تمام امت کی رہنمائی کا وہ کام کیا کہ عقل حیرت میں ہے ۔ ایک مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کارنامے انجام دیئے کہ عقل حیران ہے ۔ سیاسی زندگی کے بادیہ پیمائی ' مجاہدانہ خدمتیں '

حدیث نبوی کی لیل و نہار کا وشیں ' شراب طہور کی بادہ نوشی سیاست ' مدرسہ و خانقاہ کا یہ سہ آبہ دین کے لئے آج بھی باعث حیرت ہے

امام العصر کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی علم و تحقیق' دقت نظر' تبحر کی دھاک چار دانگ عالم میں بیٹھ گئی ۔ تین چشموں سے بیک وقت سیراب حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی جامع صفات ہستی تھی ۔ ایک طرف حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے فیضیابی دوسری طرف حضرت مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرف استفادہ تیسری طرف حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خانقاہ معرفت سے سرشار تھے سہارنپور ' دیوبند ' تھانہ بھون ' تینوں آستانوں سے فیض حاصل کیا میرے نزدیک ان کی سب سے بڑی خصوصیت وہ فطری ملکات و طبعی کمالات تھے جن نے حضرت مرحوم کو ممتاز شخصیت بنا دیا تھا

حدیث نبوی الناس معادن کمعادن الذهب و الفضه خيارهم فی الجاهليته خيارهم فی الاسلام اذا فقهوا) کے پورے مصداق تھے نیز حدیث نبوی (اقربكم الى مجلسا" يوم القيامة احاسنكم اخلاقا")

کہ قریب ترین مجلس قیامت میں میرے ساتھ ان کی ہو گی جن کے اخلاق عمدہ ہیں ۔ ان پر پوری صادق آتی تھی ۔ بحرین کے قبیلے کا ایک رئیس جب بارگاہ نبوت میں مشرف باسلام ہو کر آیا جس کو شیخ عبدالقیس کہا کرتے تھے ۔ آپ نے فرمایا ان فيک لخصلتين يحبهما الله الحلم والانائة) کہ تم میں ایسی دو خصلتیں جو اللہ تعالی کو پسند ہیں اور محبوب ہیں " بردباری اور وقار" اس نے کہا کہ اسلام کے بعد یہ خصلتیں آئیں یا اسلام سے قبل بھی تھیں ؟ آپ نے فرمایا کہ یہ خصلتیں اسلام سے پہلے آپ میں تھیں ۔ اس نے کہا کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ میں ایسی خصلتیں پیدائشی رکھی ہیں جو اللہ تعالی کو محبوب ہیں

ان تینوں احادیث نبویہ کی روشنی میں کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا کامل پوری میں حلم ' صبر' تواضع ' قناعت و زہد' خاموشی' کم گوئی' صدق و صفائی' تقوی و ورع یہ وہ کمالات ہیں جو ان میں کوٹ کوٹ کرکے بھر دی گئیں تھیں ان میں ایک ایک کمال اگر مجاہدات و ریاضات سے حاصل ہو جائے جب بھی کمال ہے لیکن حق تعالی نے یہ تمام

صفات ان کی ذات میں رکھی تھیں ۔ ان فطری محاسن کے ساتھ منقول و معقول، فقہ و اصول، فلسفہ و کلام وغیرہ تمام علوم و معارف میں کمال دستگاہ رکھنا اور ان کی درس و تدریس میں تمام زندگی گزارنا

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

عزیز گرامی حافظ قاری برادرم مولانا سعید الرحمان صاب سلمہ نے امت پر احسان کیا کہ ایسی ہستی کے کملات و حیات کا ایک مرقع پیش کیا ۔ مجھے امید ہے کہ اس باکمال ہستی کے ہر کمال کے ممتاز کرنے کے لئے اور مخلصین کے قلوب پر نقوش باقیہ مرتسم کرنے کے لئے ان کی یہ خدمت اہل علم سے داد حاصل کرے گی برادر موصوف کو اللہ تعالی عمر و علم و قلم و زبان تمام امور میں برکت عطاء فرمائے اور امت کو ان سے مستفید فرمائے آمین

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۱۰ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۸۸ ھ

تشکر و امتنان

اہل اللہ کی سوانح نگاری کس قدر کٹھن اور مشکل کام ہے ؟ اس کا اندازہ ان ہی حضرات کو ہو سکتا ہے جن کو اس قسم کے کاموں سے واسطہ رہا ہو۔

اللہ کے مقبول بندوں کے الوان مختلف ہوتے ہیں

ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

کسی پر حزن و شکستگی کا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی پر احساس نعمت اور انبساط کا کسی پر جلال کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ کسی پر جمال کے اور کسی پر (بقول حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے) جذب کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی پر صرف کا

صاحب سوانح حضرت الشیخ علامہ مولانا عبدالرحمان صاحب نوراللہ مرقدہ ان پاکیزہ نفوس میں سے تھے جن پر ایک طرف جمال کے آثار نمایاں تھے۔ اور ساتھ ہی فنائیت اور " انا" کی نفی کا غلبہ تھا بلکہ فناء کا وہ مقام عالی حاصل تھا۔ جہاں اپنی فناء کا بھی احساس نہیں رہتا

آپ کی ساری زندگی گوشۂ خمول و حاشیہ عزلت اور کتمان و اخفاء میں گزری ایسی کیفیات و خصائل کے حامل حضرات سے اپنی زندگی کے پریشان اوراق اور مختلف ادوار کے بارے میں اظہار تو درکنار ' اشارتاً" لب کشائی کی نوبت بھی نہیں آتی

حضرت مولانا کے سانحہ ارتحال کے بعد بعض اکابر اور حضرت کے بعض تلامذہ و منتسبین کو سوانح کی ترتیب کا خیال آیا۔ اس بارے میں بزرگوں سے مشورے کئے۔ اہل دل و ارباب علم کی طرف سے تعاون کا یقین دلایا گیا۔ حضرت کی زندگی پر مختلف علمی رسائل میں شائع شدہ مضامین سے مزید ہمت بندھی۔ خدا کا نام لیکر کام شروع کر دیا گیا۔ بزرگوں کی دعاؤں ' اکابر کے مخلصانہ مشوروں ' اور احباب و متعلقین کی نیک تمناؤں کا ثمرہ ہے کہ یہ تقریباً" پانچ سو صفحات پر پھیلا ہوا سوانحی خاکہ آپ اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں

رب کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے بے بس اور ناتواں ہاتھوں سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچایا۔

اعتراف

سوانح کی ترتیب میں حضرت مولانا کے محب و محبوب اور مخلص رفیق بقیۃ السلف حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم ۔(مظاہر علوم سہارنپور) کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کے کمال لطف سے کئی باتیں خصوصاً" جو اکابر سے متعلق تھیں علم میں آئیں ۔ نیز آپ کی مستجاب دعوات سے ہر لمحہ ہمت بندھتی رہی اور عزم میں پختگی اور تسکین کا سامان مہیا ہوتا رہا۔

صاحب سوانح کے خصوصی تلامذہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپوری اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوری حال استاذ حدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ' کا رہین منت ہوں ۔ جن سے قیمتی معلومات حاصل ہوئے ۔ اور زندگی کے مختلف ادوار کے نادر حالات کا انکشاف ہوا

حضرت الشیخ العلامہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم العالی کی خصوصی توجہات ' مستجاب دعوات اور قیمتی مشورے ہر لحظہ ساتھ رہے ۔ جن سے اس راہ کی دشواریاں آسان ہوتی چلی گئیں

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور مولانا محمود داؤد یوسف مفتی اعظم برما رنگون ' مولانا ازہر شاہ صاحب قیصر مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد وجیہ صاحب استاذ حدیث دارالعلوم ٹنڈوالہ یار ' مولانا عبدالجلیل صاحب اور دیگر کرم فرماؤں کا بھی از حد ممنون ہوں جنہوں نے مختلف طریقوں سے تعاون فرمایا ۔

مولانا غلام محمد صاحب (مؤلف تذکرہ سلیمان) کا صمیم قلب سے مشکور ہوں جنہوں نے نہایت عرقریزی سے مسودات کی ترتیب اور مکاتیب عبادہ الرحمان برافادات کی تحریر میں حصہ لیا آپ کے تالیفی تجربوں اور قیمتی مشوروں سے وقتاً" فوقتاً" استفادے کا موقع ملا

مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ الحق کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اپنے تحریری صحافتی و طباعتی تجربوں سے نیز ماخذ کی تلاش میں اعانت فرمائی تذکرہ

الرشید ، تذکرہ الخلیل ، سوانح حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور تذکرہ سلیمان سے بھی استفادہ کیا گیا

کوشش کی گئی ہے کہ صاحب سوانح کی زندگی کے مختلف گوشوں پر اعتدال و احتیاط سے کچھ نہ کچھ مواد میسر آجائے انشاء اللہ قارئین کتاب مطالعہ کرنے کے بعد حضرت مولانا کی غیر معمولی شخصیت کا اندازہ لگا سکیں گے اور آپ کی زندگی کو ایک مرد مومن اور ایک مثالی انسان کی زندگی پائیں گے ۔ ابتدائی حالات کی ترتیب میں خصوصاً" نہایت عرقریزی سے کام لیا گیا ہے

اس تالیف میں جو واقعات آئے ہیں ۔ جا بجا ان کے ماخذ کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے

دعا ہے اللہ تعالی اس کوشش کو قبول فرمائے اور عوام و خواص کیلئے نافع اور مفید بنائے (ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

حرف آغاز

دریائے سندھ کے جنوب مشرق کی طرف وادی چھچھ ایک سرسبز و شاداب اور مردم خیز خطہ ہے۔ یہ میدانی علاقہ ہے جو اٹک سے لیکر ضلع ہزارہ کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے ۔ زمین زرخیز اور علاقہ گنجان ہے۔ ۸۴ گاؤں یہاں آباد ہیں۔ آبادی کی اکثریت پٹھانوں پر مشتمل ہے۔

محمود غزنوی نے جب ہندوستان پر فوجی یورشیں کیں اور سومنات اور وسط ہند کے مندروں کی پامالی کے لئے غزنی سے شمشیر بکف ہو کر نکلے تو ان کے ساتھ اکثریت ان افغان قبائل کے مجاہدین کی تھی جو افغانستان ' ترکستان اور ملحقہ علاقوں میں رہتے تھے اور آج تک تاجک وردگ ' ابوبکر خیل ' سعادت خیل ' آدم خیل ' یوسف خیل ' اسماعیل خیل اور طورخیل وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں

محمود غزنوی اپنی مختلف مہموں سے کامیاب ہو کر جب واپس جانے لگے تو کچھ افغان قبائلی مجاہد راستہ میں اس علاقہ (وادی چھچھ) کی سرسبزی و شادابی اور محل وقوع کی بہتری سے متاثر ہو کر یہاں آباد ہو گئے۔ مقصد آباد ہونے سے یہ بھی تھا کہ آئندہ ہندوستان پر حملہ کی صورت میں یہ ایک فوجی[1] چھاؤنی کا کام دے سکے اور ضرورت پڑنے پر مسلمان بادشاہوں کو فوجی امداد فوری طور پر یہاں سے مہیا ہو سکے نیز ملحقہ علاقوں پر مسلمانوں کی گرفت مضبوط ہو سکے

یہ علاقہ جو ظاہری طور پر سرسبز و شاداب تھا اور ظاہری حسن و خوبی سے نوازا گیا تھا وہاں مستقبل نے یہ بھی بتلا دیا کہ اس علاقہ میں روحانی و باطنی

نمبر۱ اس علاقہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ایک خاص سمت میں کچھ مصنوعی ٹیلے اور اونچی اونچی ڈھیریاں بنی ہوئی ہیں یہاں کے حالات کے واقف کاروں کا کہنا ہے کہ یہ مسلمانوں کے ابتدائی دور میں فوجی چوکیاں تھیں رات کے وقت اس پر روشنی جلا کر دوسری چوکیوں کو اطلاع دی جایا کرتی ۔ اور ڈاک کا انتظام بھی ان چوکیوں کے ذریعہ انجام دیا جاتا ۔

تازگی بھی ہے۔

اس علاقہ میں ابتداء سے مذہب کا چرچا رہا۔ لوگ دیندار تھے عموی طور پر اسلام سے لگاؤ تھا۔ مذہبی اور دینی اقدار کو یہاں کے لوگ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے اور آج بھی اس گئے گزرے دینی انحطاط کے دور میں یہ خطہ بھارت کے صوبہ یو۔ پی کے دیندار خطوں کا مثیل سمجھا جاتا ہے۔ دین کا احترام اور دینداروں کی عزت افزائی اس علاقہ کی ممتاز صفت ہے۔ لوگوں کی انفرادی زندگی میں وہی سادگی نظر آتی ہے جو ایک پاکیزہ معاشرہ کی امتیازی شان ہوتی ہے اجنبی اور نووارد انسان یہاں کے معاشرہ کو دیکھ کر فوراً" یہ احساس کر لیتا ہے کہ یہ لوگ غیر اسلامی طور و طریقہ سے کوسوں دور ہیں۔[1]

ہندوستان کے صوبہ یو۔ پی میں دیوبند۔ سہارنپور ' گنگوہ۔ تھانہ بھون اور مظفر نگر کا علاقہ بڑا مردم خیز گزرا ہے۔ ہندوستان کی عظیم شخصیتیں یہاں پیدا ہوئیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر یہیں جلوہ گر ہوئے۔ علم و عمل کے منبع بن کر ان حضرات نے دنیا کو سیراب کیا۔ درحقیقت ہندو پاکستان میں دین جو اپنی اصل شکل و صورت میں نظر آ رہا ہے یہ ان ہی حضرات کی قربانیوں کا نتیجہ ہے انگریزوں کے مظالم کو انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ جنگ آزادی کے سپہ سالار یہ بنے۔ ہندوؤں ' آریوں ' نیچریوں ' عیسائیوں کا ہر محاذ پر مردانہ وار مقابلہ انہوں نے کیا۔ شمالی

---

[1] دربھنگہ ۔ (بہار) کے ممتاز افغان خاندان کے جناب احمد علی خان صاحب جب پہلی مرتبہ بہودی آئے یہاں کے لوگوں کی بود و باش ' رہن سہن کے طریقے ' اخلاق و مروت اور اسلامی روایات کی سختی سے پابندی کو دیکھ کر کہنے لگے کہ میں پاکستان میں اس گاؤں کو ایک مثالی گاؤں کہہ سکتا ہوں ۔ جس کی جھلک ہمیں ہندوستان کے بعض دیندار علاقوں میں نظر آتی ہے ۔ جس صاحب ذوق کا یہاں آنا ہوا یہی تاثر لیکر واپس ہوا ۔

اور تھانہ بھون کے میدانوں میں انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے خون انہوں نے بہایا۔ شاہجہان پور وغیرہ کے مباحثوں و مناظروں میں عیسائیوں آریوں اور دوسرے باطل پرست فرقوں کو عبرتناک شکست انہوں نے دی۔ الحاد و زندقہ کے لئے سد راہ یہ بنے۔ اپنوں اور پرایوں کی گالیاں انہوں نے سنیں۔

اور بالآخر "دارالعلوم دیوبند" اور "مظاہر العلوم سہارنپور" کی شکل میں مضبوط دینی حصار قائم کرنے والے بھی یہی حضرات ہوئے ' جو ہندوستان کے انتہائی نازک دور میں علم و عمل کی پناہ گاہ اسلام کے حصار اور آنے والی نسلوں کے لئے رشد و ہدایت کے سرچشمے ثابت ہوئے اور نامساعد حالات ' ناساز ماحول اپنوں اور پرایوں کی مسلسل مخالفت اور شدید کشمکش کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔

جس طرح ہندوستان کا یہ وسطی حصہ مردم خیز گزرا ہے اسی طرح ہندوستان کے شمال مغرب کے اس حصہ (وادی پکھلی) کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ بڑے بڑے علماء ' اولیاء ' صلحاء ' اور اصحاب معرفت یہاں پیدا ہوئے۔

اس علاقہ کے دیہات کی مساجد میں تعلیم دین کا انتظام تھا۔ بڑے بڑے علماء مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر خالصتہ" للہ درس دینا اپنی زندگی کا مقصد بنائے ہوئے تھے۔ دورو دراز سے علم کے طلباء آکر فیضیاب ہوتے یہاں کا ایک ایک عالم اپنی ذات میں انجمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ طلباء کی رہائش مسجدوں میں ہوتی۔ ان کے طعام و دیگر ضروریات کا انتظام گاؤں والے بڑے محبت و خلوص سے کرتے تھے ہندوستان کا قدیم نظام تعلیم اسی طرح رائج تھا جو یہاں کے لوگوں نے اب تک کسی حد تک اپنایا ہوا ہے۔

صاحب سوانح حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب اسی مردم خیز علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں آپ ہندوستان کے اس دور افتادہ گوشہ میں پیدا ہوئے اور علم و فضل میں ترقی کرتے کرتے دنیائے اسلام کی عظیم درسگاہ دیوبند ثانی یعنی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی صدارت کے منصب تک پہنچ گئے۔ اور دیکھتے دیکھتے

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم ربانی مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ وقت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب اور منظور نظر بن گئے۔

حضرت مولانا کی ذات جامع طریقت و شریعت تھی۔ آپ ایسے اوصاف و خصائص کے مالک تھے جن کا اس تاریک دور میں تلاش بسیار کے باوجود ملنا مشکل ہے ایک مرد مومن کے جو اوصاف و خصائل احادیث نبویہ میں مذکور ہیں آپ کی ذات میں باحسن وجوہ جمع تھیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عالمانہ رفعت و عظمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وہ مظاہر العلوم سہارنپور جیسی جلیل القدر درسگاہ کی صدارت پر فائز تھے۔ طلبہ کے علاوہ بڑے بڑے اساتذہ و علماء اپنے اشکالات کے حل کرنے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں ایسی مہارت حاصل تھی کہ آپ کی رائے کو سند سمجھا جاتا تھا۔

دوسری طرف طریقت سے ایسی طبعی مناسبت تھی کہ اس راہ میں قدم اٹھاتے ہی منزل پر پہنچ گئے اور اپنے شیخ و مرشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بیعت سے قبل ہی آپ کو خلافت سے نوازا۔ جو غالباً" طریقت اور سلسلہ ولایت میں نادر واقعہ ہے (جس کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا)

اتباع سنت فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ چہرہ پر مومنانہ وقار ' عالمانہ متانت اور سنجیدگی طاری رہتی تھی۔ ریاضت و عبادت اور علم و فضل کی یکجائی نے حضرت کی شخصیت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ رشد و اصلاح کے وہی طریقے آپ کے یہاں رائج تھے جو تھانوی سلسلہ کا نشان امتیاز ہیں۔

درحقیقت اس قحط الرجال والے دور میں ایسی ہستیاں مغتنم تھیں جن کے ہر فعل سے اتباع سنت مترشح ہوتا تھا اور حدیث "اذا راوا ذکر اللہ" کے صحیح مصداق تھے آئندہ صفحات میں آپ کی زندگی کا ایک سوانحی خاکہ پیش

کیا جاتا ہے اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کو علماء اور عوام دونوں کے لئے نافع بنائے۔

سوانح میں جو واقعات پیش کئے جائیں گے وہ سب مستند ہوں گے اور سند کے لئے ہر ایک کا حوالہ ساتھ ملے گا۔ واللہ الموفق و المعین

باب اول

خاندان، طفولیّت، تعلیم اور سفر

پہلا باب

خاندان　　　طفولیت　　　تعلیم اور سفر

نسب۔ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کا سلسلہ نسب مشہور افغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے جدی بزرگوں کا سلسلہ اس طرح ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب ولد مولانا حکیم گل احمد صاحب ولد محمد عباس صاحب ولد محمد حبیب صاحب

خاندان۔ تقریباً" آٹھ نو سو برس کی بات ہے کہ محمود غزنوی جب ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ملک غزنی سے نکلے اور سو منات اور ہندوستان کے دوسرے مندروں کو پامال اور فرش زمیں کر کے واپس لوٹنے لگے تو سابق پنجاب اور صوبہ سرحد کے سنگم اور دریائے سندھ کے مشرقی حصہ کے اس سرسبز و شاداب حصہ علاقہ چھچھ میں کچھ افغان مجاہدین رہ بس گئے یہ افغان مجاہدین اس علاقہ کے مختلف حصوں میں پھیل گئے چنانچہ اس وقت یہ علاقہ چوراسی (۸۴) دیہاتوں کی جغرافیائی صورت میں پھیلا ہوا ہے۔

وطن۔ حضرت مولانا کا وطن بہبودی۔ ضلع کیمبل پور[۱] (جو سابقہ صوبہ پنجاب کا آخری، صوبہ سرحد سے متصل ضلع ہے) کے مشہور قصبہ ' حضرو سے مشرق کی طرف دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

---

(۱) انیسویں صدی میں یہ علاقہ ضلع راولپنڈی میں تھا ۔ اس کے بعد دریائے سندھ کے کنارہ پر ضلع اٹک مقرر ہوا ۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کیمبل نے آکر اٹک سے پندرہ میل کے فاصلہ پر نیا شہر کیمبل پور آباد کیا ۔ جواب علاقہ کا ضلع ہے

چھچھ تاریخ کے آئینے میں!

حضرو علاقہ چھچھ کے مشہور صاحب علم اور دینی ذوق رکھنے والے بزرگ خواجہ محمد خان اسد مرحوم فرماتے ہیں۔

حضرو پنجاب کے شمالی مغربی سرے پر واقع ضلع اٹک کی تحصیل اٹک کا زریں خطہ ہے اباسین (موجودہ دریائے سندھ) کے کنارے شرقاً غرباً تقریباً انیس میل کی لمبائی اور آٹھ میل کی چوڑائی میں پھیلا ہوا ہے جس کے شمال میں تحصیل صوابی اور جنوب میں غازی سے لے کر اٹک تک جو آبادی ہے وہ تمام علاقہ چھچھ کہلاتا ہے چھچھ کی مشرقی جانب کوہ گنگر اور دریائے ہرو کا پل ہے اور جنوب مغربی جانب انتہائی آخری سرے پر دریائے سندھ اور اس پر تعمیر شدہ اٹک کا مشہور پل اور قلعہ واقع ہے جنوب میں ریلوے لائن اور کامرہ کی پہاڑیاں ہیں علاقہ کے گردو نواح میں مشہور تاریخی مقامات واقع ہیں تربیلہ ڈیم اور حسن ابدال کا مشہور تاریخی شہر مشرق میں ہے۔ خیر آباد کا مشہور قصبہ دریائے سندھ کے پار مغرب میں مشہور تاریخی گزرگاہ ہنڈ(وے ہند) شمال میں اور کامرہ کی پہاڑیوں کے پاس جنوب میں ہوائی جہازوں کا اڈہ اور فیکٹریاں ہیں چھچھ کا پرانا نام "چوراسی چھچھ" ہے کیونکہ انگریزوں کی آمد سے پہلے اس کے چوراسی دیہات تھے۔ ۱۔ اٹک (قدیم)۔ ۲۔ حضرو۔ ۳۔ غور مشتی اس علاقے کے بڑے بڑے قصبے ہیں کل آبادی تقریباً چار لاکھ نفوس پر مشتمل ہے چھچھ ہی کے میدان میں محمود غزنوی اور انند پال کا آخری تاریخی معرکہ ہوا جو درہ خیبر کی طرف سے مسلمان فاتحین کا پہلا حملہ تھا۔

وجہ تسمیہ

علاقہ "چھچھ" چاچ ایک ترکی لفظ سے ماخوذ ہے مگر زمانے کے ساتھ اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف آراء قائم ہوتی رہیں جس طرح خاص کر مستشرقین مورخین نے پاک و ہند کی تاریخ بگاڑی ہے اسی طرح چھچھ کے نام پر

بھی نئی ریسرچ کی گئی سب سے پہلے بعض افراد نے یہ کہا کہ چھچھ کا نام ہند کے برہمن حکمران نے اس علاقے کو دیا جو بعد میں سندھ کا راجہ چچ کہلاتا تھا یہ ۶۴۱ھ میں گزرا ہے اور اس کا بیٹا راجہ داہر مسلمان فاتح محمد بن قاسم ثقفی کا ہم عصر تھا اسی طرح راولپنڈی گزیٹیر ۱۸۶۵ء میں کرنل کریکر افٹ نے لکھا ہے کہ چھچھ کا ماخذ پشتو کا لفظ چھج ہے یعنی جس آلے سے اناج صاف کیا جاتا ہے ۔ حضرو کی کمیٹی کے کاغذات میں یہ بھی تحریر ہے کہ چھچھ کے معنی سنسکرت میں جھیل یا تالاب کے ہیں چونکہ یہ علاقہ دریائے سندھ کے نشیب میں واقع ہے اس لئے دریا کی طغیانی سے پانی آکر جھیل یا تالاب میں تبدیل ہوجاتا ہے اس وجہ سے اس خطے کو چھچھ کہتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ چھچھ کا لفظ چھاچھ کا مخفف ہے ابتدائی ایام میں گنگر پہاڑ کے ساتھ ساتھ آکر جو قوم آباد ہوئی تو ان کی گائے اور بھینسوں کی کثرت سے چھاچھ ہوتی تھی یہ لفظ چھاچھ سے چھچھ میں تبدیل ہوگیا ۔ اٹک گزیٹیر ۱۹۰۷ء ص ۲ میں تحریر ہے کہ چھچھ کا لفظ چھب سے ہے جس کے معنی دلدلی زمین کے ہیں مشہور دکنی مورخ مولوی محمد حسین اغلب نے اپنی تاریخ نیرنگ افغاناں میں صفحہ سترہ پر چھچھ کا نام علاقہ چھچھا تحریر فرمایا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھچھ ' چھب' چچ' چھج' چاچ' چھاچ' چھاچھ' چھچھا یہ الفاظ تمام کے تمام سنسکرت کے علاوہ موجودہ ہندی اور اردو کی لغت میں بھی ملتے ہیں سب سے پہلے چھچھ کے متعلق دیکھنا چاہئے کہ اسے کس طرح سنسکرت اور ہندی میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے کیا معنی ہوتے ہیں. کیا یہ چھچھ کی وجہ تسمیہ کیلئے موزوں ہیں بھگت کبیر داس جی مشہور سنسکرت و ہندی کے عالم اور شاعر نے آں حضرتؐ کی مدح میں ایک شعر کہا ہے جس میں چھچھ کا لفظ نگاہ کے معنے میں استعمال کیا ہے -

واقعہ معراج کے متعلق ان کا شعر ہے -

نب کا در کھلا نہیں نبی گئے اوہ پار
جیسے چھچھ' چھچھ ماں نکل جات اوہ پار

(ترجمہ) معراج کی شب' آسمانوں کے دروازے بھی نہیں کھلے مگر نبیؐ آسمانوں سے اس طرح گزر گئے جیسے نگاہ شیشہ کے پار ہوجاتی ہے۔

ہندی میں پچھ ۔بمعنی نگاہ اور اسی طرح باقی الفاظ بھی ہندی میں ان معنوں میں استعمال ہوتے ہیں ۔

پچ ایک راجہ کا نام ہے جس کی تشریح کی یہاں ضرورت نہیں ہے ۔ پچج یا چھاج بھی ہندی لفظ ہے یہ پشتو کا لفظ نہیں یہ لفظ ہندی سے پشتو میں منتقل کیا گیا ہے تشریح پہلے گزر چکی ہے چھاچھ ہندی میں لسی کے معنوں میں مستعمل ہے چھب ہندی میں وجاہت' تزئین اور شان و ناز کے معنوں میں استعمال ہوا ہے چہچہا ۔بمعنی پرندوں کی آواز ہے ۔

اب ایک مورخ ہی اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ پچھ کی وجہ تسمیہ کے لئے ان میں سے کوئی بھی لفظ موزوں اور مناسب نہیں ہے میرا خیال ہے کہ چھب یونانی لفظ نہیں ہے بلکہ سنسکرت یا ہندی لفظ ہے جو عام طور پر اردو لغت میں ملتا ہے کسی لغت نے چھب یا پچج کو اردو میں یونانی یا پشتو لفظ استعمال نہیں کیا ہے پچھ ایک بہت قدیم لفظ ہے جو پاک و ہند کی قدیم زبانوں میں مسلمان دور سے کچھ عرصہ پیشتر استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے اب میں دو بزرگ ترین مورخین کا ذکر کرتا ہوں ایک قابل احترام محترم مولانا غلام رسول مہر ہیں جنھوں نے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں پچھ اور ہزارہ کا چپہ چپہ دیکھا ہے اور حیات حاضر خانی کا مخطوطہ دیکھ کر پچھ کے ترکی لفظ ہونے پر میری توجہ دلائی دوسرے سید ملت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے انہوں نے بھی پچھ کو ترکی لفظ قرار دیا ہے پاک و ہند کے مشہور مورخین سے خط و کتابت کی گئی جو میرے پاس محفوظ ہے صرف ماہر لسانیات مخدومی سید عبدالقدوس ہاشمی صاحب کے گرامی نامے کا کچھ حصہ تحریر کرتا ہوں فرماتے ہیں :

"اپنے ناقص علم کی حد تک جواب پیش کر رہا ہوں پچھ ایک بہت ہی قدیم لفظ

ہے جو اب بھی گجراتی زبان اور سندھی میں مستعمل ہے اس کے معنی ہیں اوبھری ہوئی اوتھلی، ریتلی یا صحرائی زمین، مجازاً" کم گہرے حصہ دریا کو بھی کہتے ہیں گجرات اور سندھ کے مابین اسی طرح ایک علاقے کو اب بھی چھچھ کا علاقہ کہا جاتا ہے اس کی طرف کوئی نسبت میری نظر سے نہیں گزری اس علاقے میں دو چار چھوٹے چھوٹے دیہات ہیں - جن لوگوں کو چھاچھی لکھا گیا ہے وہ لفظ چاچی کی بگڑی ہوئی صورت ہے - چاچ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "غلے کا ڈھیر یا کھلیان" اس نام کی آبادیاں بلکہ بڑے قصبے موجودہ سمر قند (ترکستان روسی) اور کاشغر (ترکستان چینی - سنکیانگ) کے قریب تھیں - فارسی اور ترکی میں اس کی نسبت چاچی اور عربی میں شاشی آتی ہے - سید صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ (سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ) نے جو لکھا ہے بس اتنا ہی ملتا ہے - "(مکتوب گرامی ۱۸ مئی ۱۹۷۷ء کراچی)

مورخین کی آراء کے علاوہ ہماری مقامی روایات اس طرح ہیں کہ چھچھ ترکی لفظ چچ سے ہے جس کے معنی پشتو میں "اچ خوڑ" اور مقامی زبان میں "چھڑ" کے ہیں یعنی دریا کا وہ حصہ جو سیلابی موسم میں نالوں کی شکل اختیار کر جاتا ہے اور بعد میں ریت اور پتھر چھوڑ جاتا ہے اسی طرح "اچ خوڑ" بھی دریا کے ساتھ ملحقہ نالہ کو کہتے ہیں - اس سے زیادہ تشریح پرانے بزرگوں نے اس طرح فرمائی ہے کہ کشان خاندان سے پہلے کامرہ کی پہاڑیوں سے لے کر تحصیل صوابی کے مواضعات جہنگی و جلسئی تک ایک بڑی جھیل تھی اور دریائے سندھ بھی آ کر اس میں گرتا تھا - اس جھیل میں جا بجا ٹیلے تھے جن پر کچھ آبادیاں جھونپڑیوں کی طرز کی تھیں - ان جھونپڑیوں میں مچھیرے اور لٹیرے رہتے تھے اسی وجہ سے اسے سندھ ساگر کہا جاتا ہے - قدرتی عمل سے دریائے سندھ نے رخ تبدیل کیا تو یہ زرخیز خطہ وجود میں آگیا اور ایک مشہور ضرب المثل بن گئی "چھچھ بنا سمندر کی - جو بیجے سو ہوت" جب پانی خشک ہوگیا اور پتھر ہی پتھر رہ گئے تو جو تاتاری قوم یہاں آباد تھی وہ اپنی زبان میں چچ یا چاچ کہنے لگی جو

بگڑتے بگڑتے چھچھ ہوگیا - واللہ اعلم بالصواب!

ماخوذ از مسودہ "تاریخ علی زئیاں چھچھ"

چھچھ کی تاریخی حیثیت

مولانا غلام رسول مہر فرماتے ہیں

ضلع کیمبل پور (اٹک) میں حضرو، حسن ابدال اور اٹک خورد یہ تین قصبات خاص تاریخی اہمیت رکھتے ہیں - حضرو ان تینوں میں مشہور اور تاریخی اعتبار سے قدیم ہے اس کا نواحی علاقہ سکندر اعظم کی گزر گاہ رہا حضرو، لارنس پور اور ہٹیاں کا تاریخی میدان تاریخ میں وے ہند کے نام سے مشہور ہے - سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا پانچواں اور فیصلہ کن معرکہ ۱۰۰۸ء میں اسی مقام پر ہوا سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سکھوں سے معرکے بھی اسی جگہ ہوئے - ۱۹۲۰ء میں ظفر الملت ظفر علی خان مرحوم کو اپنی معرکہ آراء تقریر کی وجہ سے پانچ سال کے لئے اسی جگہ سے پابند سلاسل کیا گیا حضرو کے بانی محمود غزنوی کی فوج کے ایک مرد مجاہد امیر خان تھے جو پٹھانوں کی درانی قوم کی شاخ علی زئی سے تعلق رکھتے تھے اس مرد مومن کی اولاد میں سے عزت خان چھاچھی سولھویں جلوس جہانگیری میں جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا - عزت خان چھاچھی کا شمار امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص عقیدت مندوں میں ہوتا تھا اور باغی تصور کئے جاتے تھے اس کے باوجود نور الدین جہانگیر کا یہ فقرہ "توزک جہانگیری" میں موجود ہے -

"عزت خان چھاچھی بمعہ قلعہ دار اٹک کے میرے دربار میں حاضر ہوا اور میں نے خاص خاص نوازش کے ساتھ اس کو رخصت کیا -"

یہی خاندان اورنگ زیب عالمگیر کا معاون و مددگار رہا حضرو درانیوں کی وجہ سے سکھوں کے عہد میں بھی سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے زخمی و مجروح غازیوں کی پناہ گاہ رہی - مولانا ظفر علی خان صاحب کو حضرو سے جو عشق

تھا اس کا اظہار آپ نے بارہا مرتبہ ان الفاظ میں فرمایا کہ "علاقہ چھچھ" خصوصاً "حضرو" سادہ و غیور مسلمانوں کا وہ خطہ زمین ہے جہاں سے قرون اولی کی بو آتی ہے۔

علاقہ چھچھ میں پٹھانوں کی آمد

خواجہ محمد اسد مرحوم کے نزدیک اس علاقہ میں پٹھان سلطان محمود غزنوی کے ساتھ آئے اور یہیں آباد ہوگئے انہوں نے لکھا ہے کہ ہمارے جد امجد امیر حاضر خان اپنے سات بیٹوں سمیت شامل لشکر تھے لشکر جب دارالحکومت ہنڈ (وے ہند) کے مقام پر پہنچا تو امیروں کے باہم مشورہ سے امیر حاضر خان کو ہراول کی کمان سونپی گئی۔ جب یہ علاقہ فتح ہوگیا تو سلطان نے بطور جاگیر یہ علاقہ امیر حاضر خان کو دے دیا۔

چھچھ کے حالات پر جناب سکندر خان صاحب (آف ویسہ ضلع اٹک) نے ایک معلوماتی اور وقیع کتاب "دامن اباسین" کے نام سے لکھی ہے۔ اس کتاب سے مختلف اقتباسات درج کئے جارہے ہیں جس سے چھچھ کی تاریخی اورعلاقائی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وادی چھچھ کی وجہ تسمیہ

مصنف کتاب " دامن اباسین" لکھتے ہیں کہ

بچپن میں بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ وادی چھچھ پہلے پہل ایک بہت بڑی جھیل کی مانند تھی۔ کسی زمانہ میں جھیل کا پانی اترنا شروع ہوا تو دلدلی زمین نظر آئی۔ اسی دلدل کی وجہ سے اسے سکندر اعظم یونانی نے چھچھ کانام دیا جو قدیم یونانی زبان میں دلدلی زمین کے لیے بولا جاتاہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک چھچھ یا چیچ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ جو پشتو کے چھڑ سے مشابہ ہے۔ جو ایسی زمین کے لیے بولا جاتاہے جو پانی کی گزرگاہ ہواور پانی

کے ریلے سے وہاں ریت اور پتھر جمع ہوجائیں -فارسی لغت میں شاش یا چاچ توران (ازبکستان) کے مشہور شہر تاشقند کا پرانا نام ہے - (تاشقند میں اصول فقہ کی مشہور کتاب " اصول الشاشی " کے مصنف کی قبر بھی ہے) بعض کے نزدیک کاشغر کا یہ پرانا نام ہے - ازبکستان کے تاجک قبیلہ کے ایک گروہ کا نام بھی چچ تھا - یہ عین ممکن ہے کہ چاچ شہر یا تاجک قبیلہ کی چاچ شاخ سے کچھ لوگ پہلے پہل یہاں وادی چھچھ میں آباد ہوگئے ہوں - جس کی بنا پر اس وادی کا نام چھچھ پڑگیاہو- اس وادی میں تاجک نامی موضع کی موجودگی سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے-

وادی چھچھ کے قدیم حالات

مشہور مورخ مسٹر ویلر نے اپنی کتاب" ویدکازمانہ " vedicage میں لکھا ہے کہ پنجاب کی سرزمین میں پہلی آبادی راولپنڈی اور اٹک کے اضلاع میں تھی اس علاقہ میں دیہی زندگی کا آغاز زمانہ حجر سے ایک ہزار سال بعد ہوا-

مشہور محقق قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کے بیان کے مطابق دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے پہلے تین پیغمبروں کے ادوار بھی اس سر زمین میں گزرے ہیں - ایک انگریز محقق جنرل کننگھم کے بیان کے مطابق ۱۴۲۶ق م میں آریاؤں کے بعد تورانی نسل کے لوگوں نے اس علاقہ میں قدم رکھا-

وادی چھچھ میں مسلمانوں کی آمد

مشہور مورخ و محقق قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کی تحقیق کے مطابق وادی چھچھ میں اسلام کی ابتداء سن ۵۰ھ سن ۶۸۰ء میں حضرت مہلب ابن ابی صفرۃ العتکی کی فتوحات سے ہوتی ہے - العتکی خاندان قبیلہ ازدی کی ایک شاخ ہے-

حضرت مہلب انصاری صحابی رسول تھے انکے والد ابو صفرہ اوردادا عبید العتک تھے - اس صحابی ابن صحابی ابن صحابی نے فتح وادی چھچھ

کے بعد اسکے مغرب میں اپنے نام پر ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ جس کانام العتک رکھا۔ جو بعد میں اتک اور پھر اٹک پکارا جانے لگا۔ اس اعتبار سے دریائے سندھ کے مشرق میں یہ وادی پہلا باب الاسلام ہے۔حضرت مہلب کے بعد اس وادی میں اسلام کانور پھیلا نے والے انہی کی نسل میں حضرت داؤد مہلبی تھے۔ تیسرے نمبر پر سلطان محمود غزنوی چوتھے نمبر پر سیدابراہیم شاہو اورپانچویں سلطان شہاب الدین غوری تھے۔ قطب الدین عون جن کا شجرہ نسب حضرت علی سے ملتاہے۔ اورجو ہزارہ اورپنجاب کے قطب شاہی اعوانوں کے جدامجد ہیں۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۷۵ء میں وادی چھچھ میں شہید ہوئے تھے۔ یہ اس وادی میں اسلام کا پانچواں دورتھا۔ "منتخب التواریخ" کے بیان کے مطابق حضرت مہلب نے یہ حملہ سن ۴۴ھ میں کیا تھا۔ سن ۵۰ھ سے ۵۷۱ھ تک (سن ۶۸۰ سے ۱۱۷۵ء) کے درمیان پانچ سو اکیس برسوں میں کبھی اسلام اور کبھی کفر وشرک کا غلبہ رہا ۵۷۱ھ، ۱۱۷۵ء سے آج ۱۴۱۸ ۹۱_۱۹۹۸ء تک خداوند عالم کی مہربانی سے اس وادی میں اسلام کا پرچم مستقل طورپر لہرارہاہے۔ قبیلہ یوسف زئی مندن کے سربراہ یوسف مندن ابن شہاب الدین عمرابن معزالدین ابراہیم اورقطب الدین عون (سربراہ قطب شاہی اعوان) دونوں شہاب الدین غوری کے ساتھ جہاد میں شامل تھے۔ یوسف مندن ۵۹۸ھ / ۱۱۹۹ءمیں فتح دھلی کے جہاد میں شہید ہوئے۔ انکا مزارمبارک لاہور (ضلع صوابی صوبہ سرحد) قصبہ کے وسط میں واقع ہے۔

سن ۱۰۰۸ءمیں سلطان محمود غزنوی اورراجہ انندپال کی لڑائی وادی چھچھ کے تقریباً" وسط میں حضرو کے قرب و جوار میں لڑی گئی۔ انندپال نے اس لڑائی کے لیے ہندوستان کے تمام راجوں مہاراجوں کو بمع انکے لاؤ لشکر جمع کیا تھا۔ لیکن راجے مہاراجے شکست فاش کھا کرمیدان جنگ سے بھاگ گئے۔ انندپال سے پہلے سلطان محمود غزنوی نے اس کے باپ جے پال کو پشاور کے قریب شکست فاش دی تھی۔ اس شکست کا صدمہ اتنا زیادہ تھا کہ

راجہ جے پال آگ میں زندہ جل مرا تھا۔ " تاریخ اسلام" کے مصنف صوفی کرم الہی نے پرانی تورایخ کے حوالہ سے اس جنگ کا موقع حضرو کا میدان لکھا ہے -

۹۴۔۱۸۹۳ء راولپنڈی ضلع کے گزیٹر نے بھی روایات کے مطابق اسی جگہ کو میدان جنگ لکھا ہے - اس جنگ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ بے انداز مال غنیمت آیا - جرنیل عبداللہ طائی اور ارسلان جاذیب نے تعاقب کرکے مزید آٹھ ہزار کفار قتل کرڈالے - یہی وہ جنگ تھی جس نے ہندوستان کی تاریخ ایک ہزار سال تک بدل ڈالی - یہاں سے فارغ ہونے کے بعد سن ۱۰۰۹ء میں سلطان محمود غزنوی نے نگر کوٹ - (بھیم نگر) پر حملہ کیا اور اسکو تین دن میں فتح کیا نگر کوٹ کو کانگڑہ کہا جاتاہے - نگر کوٹ کا قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا - انندپال یہاں قلعہ بند ہوگیا تھا محمود غزنوی کے حملہ کے بعد راجہ یہاں سے بھی بھاگ نکلا۔ وادی چھچھ ' ہزارہ اورسوات میں افغانوں کا ورود سلطان محمود غزنوی کے عہد سے شروع ہوا۔

سن ۱۲۰۵ءمیں سلطان شہاب الدین محمد غوری کا اس وادی سے گزر ہوا - اس نے دہلی کی فتح کے بعد قطب الدین ایبک کو دہلی کا پہلا مسلمان حکمران مقرر کیا۔

مشہور سیاح البیرونی کے بیان کے مطابق کابل سے حسن ابدال تک ایک ملک تصور ہوتاتھا - کچھ مورخین کے بیان کے مطابق کشمیر ' مارگلا اور کابل کاعلاقہ ایک ہی ملک تصور کئے جاتے تھے ظاہر ہے وادی چھچھ بھی اس کا ایک حصہ تھا امیر تیمور اور بابر بادشاہ بھی یہاں سے گزرے۔ بابر جب دوبارہ سن ۱۵۲۶ءمیں سیالکوٹ جانے کی غرض سے یہاں سے گزرکردریا ہرو کے ساتھ ساتھ پیدل چلتا ہے تو اپنی خود نوشت " تزک بابری " میں اس علاقہ کی خشک سالی کاذکر بھی کرتاہے۔

مغل بادشاہ محمد اکبر نے سن ۹۹۲ھ /۱۵۸۱ءمیں موجودہ قلعہ اٹک

تعمیر کرایا - شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں چونکہ امن وامان تھا افغانوں اور مغل حکمرانوں کے مابین کوئی خاص چپقلش نہیں تھی۔ لہٰذا پٹھانوں کے اکثر قبائل اس دور میں وادی چھچھ میں آباد ہوئے۔

درانی افغانی عہد میں وادی چھچھ - ماہ ربیع الثانی سن ۱۱۵۱ھ میں ایران کا مشہور بادشاہ نادر شاہ دہلی کی فتح سے واپس ہوتے ہوئے حسن ابدال سے اٹک پہنچا - نادر شاہ کی وفات کے بعد تمام قبائل نے احمد شاہ ابدالی کو ۱۷۴۷ء میں اپنا بادشاہ تسلیم کیا - احمد شاہ کے کمانڈر جہان خان ابن حلیم خان نے وادی چھچھ وہزارہ کو فتح کیا احمد شاہ ابدالی کی وفات ۱۱۸۲ھ ۱۷۷۲ء کے بعد اس کے بیٹے تیمور شاہ نے عنان حکومت سنبھالی - سن ۱۷۹۳ء میں اسکی وفات پر اسکے بیٹے تخت کے لیے آپس میں لڑپڑے - اس بے اتفاقی کی وجہ سے پنجاب میں سکھوں نے زور پکڑا - اور بالآخر کچھ عرصہ کے لیے وہ کامیاب ہوگئے - درانیوں نے علاقہ کا بندوبست خوانین کے حوالہ کیا تھا تیمور شاہ درانی کے دور میں علی مردان خان چھچھ وہزارہ کا حاکم تھا۔جو قلعہ اٹک میں ہی رہتا تھا

وادی چھچھ سکھوں کے عہد میں - سکھوں نے ۱۸۱۳ء کی اٹک کی لڑائی کے بعد اس علاقہ پر مکمل قبضہ حاصل کرلیا۔سکھوں کے عہد میں قلعہ اٹک کے حاکم حکما سنگھ چمنی - گورمکھ سنگھ - سردھنا سنگھ دیوان سنگھ اور سربلند خان رہے - افغانوں اور سکھوں کی ۱۸۱۳ء کی لڑائی تاریخ میں حضرو' حیدر یا اٹک کی لڑائی سے مشہور ہے۔ یہ لڑائی نہایت تاریخی اہمیت کی تھی کیونکہ اس کے بعد ہی سکھوں کو پشاور اور گردو نواح تک بڑھنے کا موقع ملا۔ سکھوں کو اپنی زبردست فوجی تنظیم کیوجہ سے اس لڑائی میں کامیابی حاصل ہوئی - اس فتح کی خوشی میں لاہور میں دو مہینے تک جشن منایا گیا - اسکے بعد رنجیت سنگھ نے مفتوحہ صوبہ اٹک کا دورہ کیا اس نے ۳ محرم ۱۲۳۴ھ حضرو میں قیام کیا۔

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی کی کتاب تہذیب الکمال سے مہلب بن ابی صفرۃ الازدی العتکی کا تذکرہ اور مختصر سوانحی خاکہ کا ترجمہ ذکر کیا جا رہا ہے صفحہ ۴۳۱ تا صفحہ ۴۴۴

مہلب بن ابی صفرۃ الازدی العتکی - محمد بن سعد نے بصرہ کے طبقہ اولی کے تابعین میں ان کو ذکر کیا ہے ابو صفرۃ ازد دبا قبیلہ سے ہیں - دبا عمان اور بحرین کے درمیان واقع ہے اس قبیلہ کے وفد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قبیلہ کے حذیفہ بن الیمان الازدی کو جو اہل دبا میں سے تھے ان کی تصدیق کیلئے بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد منع زکوۃ کے بنا پر ارتداد اختیار کیا - چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی سرکوبی کے لئے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو بھیجا - جنہوں نے کامیابی سے انکو زیر کیا اور حذیفہ بن الیمان کے حکم پر ان کے سرکردہ سو اشخاص کو قتل کیا گیا اور انکی اولاد کو قیدی بنا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا جن میں ابو صفرۃ بھی تھے جو اس وقت نو عمر اور نابالغ تھے حضرت ابوبکر نے ان کے قتل کا ارادہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے خلیفہ رسول اللہ یہ ایک ایسی قوم تھی جنہوں نے بخل کا ثبوت دیا اور اللہ کے راہ میں خرچ کرنے سے انکار کیا یہ لوگ حکم کی تعمیل کا انتظار کرتے رہے کہ اتنے میں حضرت ابوبکر وفات پا گئے اور حضرت عمر خلافت راشدہ کے منصب پر فائز ہوئے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ تمہارا معاملہ اب میرے سپرد ہے میں تم کو اجازت دیتا ہوں تم جہاں چاہو جا سکتے ہو تم آزاد ہو - تم پر کوئی فدیہ بھی نہیں چنانچہ ان میں سے اکثر بصرہ چلے گئے کچھ اپنے علاقوں کی طرف چلے گئے ابو صفرۃ جو مہلب کے باپ ہیں یہ بھی بمع اپنے بیٹے کے بصرہ آ گئے تھے

مہلب کی کنیت ابو سعید ہے حضرت عمر کا زمانہ انہوں نے پایا لیکن روایت آپ سے نہیں کی - سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ان کی روایت ثابت ہے - روایت ہے کہ ابو صفرۃ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بمع اپنے دس

بیٹوں کے آئے مہلب ان میں سب سے چھوٹے تھے حضرت عمران کی طرف غور سے دیکھنے لگے پھر ابو صفرۃ سے مہلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ تمہاری اولاد میں سردار ہے ۔ حسن بن عمارۃ ابو اسحاق سبیعی سے نقل فرماتے ہیں میں نے مہلب بن ابی صفرۃ سے زیادہ اچھا امیر کوئی نہیں دیکھا۔

ایک روایت میں ہے ابو اسحاق سبیعی سے کہا گیا کہ آپ مہلب بن ابی صفرہ سے کیوں روایت کرتے ہیں فرمایا اس لئے کہ میں نے کبھی مہلب سے زیادہ شریف مزاج اور دشمن کے مقابلے میں بہادر اور ناپسندیدہ چیزوں سے زیادہ دور اور پسندیدہ چیزوں سے زیادہ قریب شخص نہیں دیکھا۔

محمد بن سلام جمحی فرماتے ہیں بصرہ میں چار ایسے حضرات تھے جن میں سے ہر شخص کی مثال اس دور میں نہیں ملتی (۱) احنف بن قیس بردباری پاک دامنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں اپنے مقام میں مشہور تھے (۲) حضرت حسن اپنے زہد ' فصاحت ' سخاوت اور لوگوں کے دلوں میں اپنے اچھے مقام میں معروف تھیں ۔ تیسرے مہلب بن ابی صفرۃ تھے اور ان کے فضائل بھی بیان کئے چوتھے سوار بن عبداللہ القاضی تھے جو اپنے فضل و علم اور حق پرستی میں معروف و مشہور تھے ۔

منقول ہے کہ مہلب فرمایا کرتے تھے حکومت کی بقاء کیلئے سب سے زیادہ فائدہ مند چیز عفو و درگزر ہے بادشاہوں کے بہترین مناقب میں عفو و درگزر ہے ۔

فرماتے کہ میری قوم کے حلیم الطبع لوگوں کی فرماں برداری سے بہتر ہے کہ میری قوم کے ناسمجھ لوگ میری تابعداری کریں

اپنے صاحبزادگان سے فرماتے اے میرے بیٹو دوسروں کے کام پر بھروسہ مت کرو وہ کام کرو جس کی نسبت تمہاری طرف کی جائے پھر یہ شعر پڑھتے

انما المجد ما بنی والدالصدق
واحیٰی افعاله المولود

ترجمہ ۔ بزرگی اور شرافت وہ ہے جس کی بنیاد والد نے رکھی ہو جو سراپا صداقت

ہو اور اس کے کارناموں کو بیٹوں نے زندہ جاوید رکھا ہو

ان کے سن وفات میں تین قول ہیں خلیفہ بن خیات نے سنہ ۸۱ھ ' ابو عبید قاسم بن سلام نے ۸۲ھ اور ابو حسان زیادی نے ذی الحجہ سنہ ۸۳ھ مقام مروالروذ گاؤں داغول میں وفات کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے چھتر سال عمر پائی فتح مکہ کے سال آپ کی ولادت ہوئی

نھار بن توسعہ نے ان کی شان میں ایک زور دار مرثیہ تحریر کیا ہے ابو داؤد ترمذی اور نسائی نے ان سے ایک حدیث ذکر کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ان بیتم فلیکن شعارکم ثم لا ینصرون

بہبودی۔ آپ کے آبائی مسکن کے نام "بہبودی" ہی سے سعادت و کامرانی مترشح ہوتی ہے۔ بہبودی افغان قبائل کی برادری میں ممتاز ہے۔ اسی لئے اس کی خاندانی زبان (پشتو) میں کوئی اور زبان مخلوط نہ ہو سکی حالانکہ اس علاقہ کے دیگر دیہاتوں میں دوسری زبانیں مخلوط ہو کر پشتو زبان کی انفرادیت اور روایتی اقدار ختم ہو گئیں۔

بہبودی اکبری دور میں

بہبوذی کے بارے میں سکندر خان صاحب مصنف "دامن اباسین" تحریر فرماتے ہیں کہ اکبری دور کے مظفر خان حاکم بنگال کے مقابلہ میں ایک شخص جان محمد خان بہبودی کا تذکرہ بھی ملا عبدالقادر بدایونی نے "منتخب التواریخ" صفحہ ۲۸۴ پر کیا ہے۔

آبائی سلسلہ ۔ آپ کے آباء و اجداد شرافت ' دیانت ' پاکیزگی عمل اور دینداری میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ اہل خاندان میں عمومی حیثیت سے دین اور تعلق مع اللہ سرایت کئے ہوئے تھے۔ آپ کے پردادا محمد حبیب خان صاحب بڑے خدا ترس بزرگ تھے۔ زیادہ تر ان کا وقت عبادت خداوندی میں

گزرتا۔ گاؤں کے لوگوں کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ بعض وہ خاندان جن کے آپ کے قبیلہ سے تعلقات کشیدہ تھے وہ بھی انتہائی احترام کا سلوک آپ سے کرتے اور آپ کو ایک بابرکت ہستی سمجھتے تھے۔

آپ کے دادا حکیم محمد عباس خان صاحب بھی عبادت گزار متقی اور پرہیز گار انسان تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی لحاظ سے بھی بڑی توانائی عطا فرمائی تھی۔ مضبوط اور بھاری ودان (لوہار لوہا کوٹنے کے لئے استعمال کرتے ہیں) صرف دو انگلیوں میں اٹھاتے۔ آپ کی طاقت و قوت کے حیرت انگیز کرشمے علاقہ بھر میں مشہور تھے۔ آپ ایک اچھے طبیب بھی تھے۔

ننھیال۔ آپ کی ننھیال گڑھی افغاناں میں تھی۔ گڑھی افغاناں واہ فیکٹری سے شمال کی طرف ۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے عرصہ دراز قبل "بہبودی" کے بڈود خان صاحب نے اس گاؤں کو آباد کیا۔ آپ کے افغان اور پٹھان ہونے کی وجہ سے اس گاؤں کا نام "گڑھی افغاناں" پڑ گیا۔ یہ گاؤں دیندار ' شریف و غیور باشندوں پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا کی والدہ صاحبہ اور دادی صاحبہ یہیں کی تھیں۔

ننھیال کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ زیب النساء دختر خیر اللہ خان صاحب ولد محمد گل خان ولد خان گل ولد علی نجف ولد خداداد خان ولد شاہ نواز خان ولد بڈود خان۔

آپ کی والدہ صاحبہ کے دو بھائی تھے۔ رسول خان ' واحد خان ' آپ کے دادا محمد عباس خان صاحب نے اسی سلسلہ نسب میں محمد گل خان کی صاحبزادی اور خیر اللہ خان کی ہمشیرہ سے نکاح کیا۔ گویا آپ کی دادی آپ کی والدہ کی پھوپھی تھیں۔ آپ کی دادی کے دو بھائی اور بھی تھے جن کا نام نواب خان اور محمد خان تھا۔ آپ کی والدہ صاحبہ ایک عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔

والد ماجد اور چچا صاحبان۔ حکیم محمد عباس کے چار فرزند تھے۔ مولانا حکیم گل احمد صاحب ، مولانا نور احمد صاحب ، مولانا فضل احمد صاحب اور مولانا حکیم غلام رسول صاحب۔

حضرت مولانا کے والد ماجد حکیم مولانا گل احمد صاحب اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے۔ ایک سنجیدہ عالم دین ، متورع متقی اور عبادت گزار انسان تھے حزم و احتیاط استقلال و استقامت نمایاں اوصاف تھے۔ آپ کا یومیہ معمول بلاناغہ پانچ پارے تلاوت قرآن کا تھا شب خیز و تہجد گزار تھے۔ خشیت خداوندی کا ہمیشہ غلبہ رہتا تھا۔ دن میں زمینداری بھی کرتے مگر یہ دنیوی مشاغل عبادت و ریاضت اور دینی مصروفیتوں میں خلل انداز نہ ہوتے زراعتی مشاغل کے بعد زیادہ وقت مسجد میں تلاوت اور نوافل میں گزرتا۔

زندگی کا کچھ حصہ صوبہ بہار کے مقام ملک ٹولہ بیبی ہٹ ضلع پورنیا میں بھی حکمت و طب کے سلسلہ میں گزرا۔ خود فرماتے کہ بارہا بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں سے فنی اور طبی مقابلے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ بتاریخ ۲۷ اگست ۱۹۲۹ء مطابق ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ - ۱۲ بھادوں بروز منگل آپ کا انتقال ہوا۔

بہبودی اور ملحقہ علاقہ میں اس دور کے اکثر حضرات صوبہ سرحد کے مشہور دینی پیشوا مولانا عبدالوہاب صاحب عرف پیر صاحب مانکی شریف سے بیعت تھے۔

پیر صاحب مانکی شریف حضرت حاجی عبدالغفور اخوند صاحب سوات سے بیعت تھے۔ مولانا حکیم گل احمد صاحب کا تعلق بھی پیر صاحب مانکی شریف سے تھا۔

مانکی شریف کے سلسلہ میں یہ بات بڑی نمایاں تھی کہ باوجود بعض فرعی امور میں غیر معمولی تشدد کے اتباع سنت پر بڑا زور دیا جاتا تھا یہی چیز اس سلسلہ میں خیر و برکت کا باعث تھی۔ برصغیر ہندو پاکستان کے شمال مغربی حصہ پر

ایک دور میں دینی سیادت اس خاندان کی تھی۔ سلسلہ مانکی شریف کے اکابر بڑے متبع سنت تھے۔ بدعات اور خلاف شرع امور سے ان کو نفرت تھی۔ تمباکو اور بعض دوسری چیزوں کے بارے میں تشدد اسی جذبہ کا نتیجہ تھا۔ دور دراز سے عقیدت مند آکر فیض حاصل کرتے۔ پنجاب کی خانقاہوں اور گدیوں کی طرح یہاں بدعات و سیئات کا نام نہیں تھا۔ بزرگوں کی قبریں کچی اور غیر مسقف ہیں۔ جود و سخا ان بزرگوں کی خاص شان تھی زائروں اور مسافروں کی ضیافت محیر العقول طریقہ سے ہوتی تھی بسا اوقات ہزاروں معتقدین کا اجتماع ہو جاتا مگر ان کی ضیافت میں کوئی کمی نہ ہوتی اور مختلف انواع کے کھانے ان کے لئے تیار ہوتے۔ یہ نہیں کہ کسی خاص دن یہ اجتماع ہوتا۔ جیسا کہ پنجاب کی خانقاہوں میں عرس وغیرہ کے موقع پر نذرانے اکٹھا کر کے کھانا کھلایا جاتا ہے بلکہ ہر وقت اور ہر دن آنے والوں کا جم غفیر رہتا۔ اور سامان ضیافت مہیا رہتے۔ ناواقف لوگ اس جود و سخا کو دیکھ کر کیمیا گری کا گمان کرنے لگتے تھے۔ قرون وسطی میں کچھ بزرگوں[1] کے اس قسم کے واقعات جو ملتے ہیں ان کا نمونہ یہاں نظر آتا تھا۔

بہرحال مجموعی حیثیت سے یہ خانوادہ اس دور میں مغتنم تھا۔ تاہم اشارہ بالسبابتہ۔ قضاء عمری۔ صلوٰۃ بالعمامہ اور حرمت تمباکو میں ان حضرات کا تشدد مشہور ہے۔

حضرت مولانا کے چچا مولانا نور احمد صاحب بڑے خدا ترس بزرگ تھے۔ ہر وقت خوف و خشیت خداوندی کا غلبہ رہتا۔ ساری عمر مجرد رہے۔ شادی نہیں کی۔ دنیا سے بے تعلق رہے۔

زمینداری اور دوسرے دنیوی امور سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آپ کا تعلق بیعت بھی پیر صاحب مانکی شریف سے تھا۔ مولانا اپنے شیخ یعنی پیر صاحب مانکی شریف کے مخلص عقیدت مند اور منظور نظر مرید تھے۔ مولویت اور علم شریعت کے ساتھ اصلاح نفس اور تصوف و سلوک کے دریائے فیض سے بھی وافر حصہ پائے ہوئے تھے۔ شیخ سے تعلق اور تصوف و سلوک کی

حاشیہ صـ۳ـے (ب) پر

طرف طبعی رجحان کی وجہ سے اپنے وطن کو خیرباد کر کے مانکی شریف میں قیام پذیر ہو گئے تھے اور ساری عمر دنیا سے منقطع ہو کر یاد خدا میں گزار دی اور بالاخر ۱۳۱۵ھ میں مانکی شریف ہی میں وفات پا کر اپنے مرشد کے قریب دفن ہو گئے۔ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ صورت و شکل میں ان کے زیادہ مشابہ تھے۔

مولانا فضل احمد صاحب:۔ یہ بھی سلسلہ مانکی شریف سے منسلک تھے۔ بڑے عابد ' زاہد اور متواضع انسان تھے۔ فارسی زبان پر کافی عبور تھا۔ بڑی سادہ زندگی گزارتے۔ آپ کے ایک ہی صاحبزادے غلام اکبر صاحب تھے جو امریکہ چلے گئے تھے۔ وہیں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

امریکی ریاست کیلفورنیا کے دارالخلافہ سیکرے منٹو کے مسلمانوں کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

مولانا غلام رسول صاحب بھی بڑے بزرگ اور عالم تھے۔

تصوف و احسان سے خاص لگاؤ تھا۔ علم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے۔ سلسلہ بیعت ان کا بھی پیر صاحب مانکی شریف سے تھا۔ کریم النفس ' سخی ' خاشع ' خاضع ' مہمان نواز اور متواضع انسان تھے۔ زیادہ وقت عبادت ' نوافل اور تلاوت میں گزارتے۔ کتابوں کے مطالعہ اور جمع کرنے کا بڑا شوق تھا اس دور میں تفسیر ' حدیث و فقہ ' عقائد اور تصوف پر مشتمل نایاب کتابوں کا ایک اچھا خاصا کتب خانہ آپ نے جمع کر لیا تھا اور قلمی کتابوں کا ذخیرہ بھی آپ کے پاس تھا۔ ساتھ ہی بڑے حاذق حکیم تھے۔ آپ کی طبی مہارت دور دور تک مشہور تھی۔ جود و سخا ان کی خصوصی شان تھی۔ سب سے پہلے چائے کا استعمال اپنے علاقہ میں آپ نے کیا۔ لوگ چائے کے استعمال سے ناواقف تھے اور صرف دوا کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ علاقہ کے لوگ ضرورت پڑنے پر آپ سے دوا کے طور پر چائے لینے جاتے تھے۔

زندگی کا کچھ حصہ آپ نے بنگال[1] کے ضلع رنگپور کے مقالہ بگولہ گاڑی میں بھی گزارا ہے وہاں کے لوگ آپ کے بڑے عقیدت مند تھے۔ آپ کے مختصر قیام میں وہاں کی فضائے جہل کو آپ نے دینی علوم کی فضاء سے تبدیل کر دیا تھا ویسے عمر کے آخری حصہ تک اس علاقہ میں آپ کا فیض جاری رہا۔

اپنے بڑے بھائی مولانا حکیم گل احمد صاحب کے صرف ایک ماہ بعد[2] بتاریخ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ بمطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو بہبودی میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شادی انہی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

ولادت۔ جن دیندار اور روشن ضمیر بزرگوں کا اجمالی تذکرہ اوپر کیا گیا۔ ان کے برکات ظاہری اور انوار باطنی سے معمور فضا مین تقریباً" ۸۳ سال قبل ۲۷ اگست ۱۸۸۲ء بمطابق ۱۳۰۰ھ کو مولانا حکیم گل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ایک

۱۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولنا عبدالقدیم صاحب فاضل مظاہر العلوم سہارنپور ضلع رنگپور میں اپنے والد مرحوم کی جگہ اور چھوٹے صاحبزادے مولنا حافظ عبدالحمید صاحب فاضل دار العلوم ٹنڈوالہ یار میں دینی خدمات سرانجام دینے میں معروف ہیں۔

۲۔ حضرت مولنا عبدالرحمٰن یا آپ کے کسی عزیز یا بھائی کو تعین کے ساتھ آپکا سن ولادت یاد نہیں۔ اس وقت کسی کو اس کا احساس نہیں ہوگا۔ کہ یہ بچہ آگے چل کر کتنا بڑا عالم اور شیخ ہونے والا ہے اس لئے گاؤں میں پیدا ہونے والے بچوں کی طرح کسی نے آپ کا سن ولادت لکھنے یا یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا۔ بعض قرائن سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ بہبودی کے مولوی عبدالغنی صاحب جو مولانا سمندر خان مشہور بہ فقیہ بابا کے صاحبزادے تھے۔ حضرت مولنا صاحبؒ کے ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔ مولانا صاحبؒ انکے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھ ۶ ماہ بڑے ہیں کیمبلپور میں سرکاری کاغذات (پیدائش) دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بیسویں صدی سے قبل کے کاغذات میں۔ بچہ پیدا ہونے پر عموماً ولدیت کے ساتھ لڑکا یا لڑکی لکھ دیا کرتے۔ نام نہیں لکھا کرتے سرکاری کاغذات میں مولوی عبدالغنی صاحب کی تاریخ پیدائش فروری یعنی ۱۸۸۲ء لکھی ہوئی ہے۔ اور اس کے چھ ۶ ماہ بعد یعنی ۲۷ اگست ۱۸۸۲ء پسر گل احمد صاحب کی پیدائش مسطور ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپکی تاریخ یہی ہے' واللہ علم

پیکر جمال نمودار ہوا۔ نام عبدالرحمان رکھا گیا۔

چو نام ایں است نام آورچہ باشد (۱)

عبدالرحمان کی وجہ تسمیہ۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔ نام ہی ایسا منتخب کیا گیا جس سے اللہ کی محبوبیت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع مترشح ہوتی تھی۔ بزرگوں کے قول کے مطابق انسان کے نام سے ہی شخصیت جھلکتی ہے۔ نام میں جو عبدیت ہے وہ آگے زندگی میں ظاہر ہوئی۔ حضرت مولانا نے ساری زندگی مجسمہ عبدیت و بندگی اور پیکر عجز و انکسار بن کر گزار دی۔ اور خدا کی صفت رحمانیت کا اثر یہ پڑا تھا کہ رحم و کرم گویا طبیعت و مزاج کا خمیر بن گیا تھا عبدالرحمن پورا نام تھا۔ ہر لاحقہ و سابقہ سے بے نیاز۔ یوں بھی حضرت مولاناؒ کے ذوق تواضع پر مزید القاب (زوائد) گراں تھے۔ مگر جو چیز غیب سے بن آئے اور مقدر ہو جائے اسے کیسے روکا جاسکتا ہے چنانچہ ساری عمر دین اور علم دین کی خدمت کرتے گزری۔ مقبولیت و محبوبیت اور عزت و احترام نے لفظ "مولانا" گویا نام کا جزو بنا دیا۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کو طلبہ نے اپنے کسی معاملہ کی درخواست دی۔ ناظم صاحب نے تحریر فرمایا کہ

---

(۱) رواہ مسلم عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب اسمائکم الی اللہ عبداللہ وعبدالرحمان ۔ وفی روایتہ ابی داؤد عن ابی وھب الحشمی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسموا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمان واصدقھا حارث وھمام واقبحھا حرب ومرۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان ہیں ۔ دوسری روایت میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ناموں جیسے نام رکھو ۔ اور اللہ کے یہاں پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان ہیں اور سچے نام حارث و ہمام ہیں ۔ اور برے نام حرب و مرۃ ہیں ۔

حضرت مولانا صاحب سے استصواب رائے کیا جائے۔ طلبہ نے عرض کیا کونسے مولانا صاحب سے۔ حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں تو حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کوئی دوسرے مولانا ہے ہی نہیں۔

آبائی وطن "بہبودی" ضلع کیمبل پور میں واقع ہونے کی وجہ سے نسبت کیمبلپوری(۱) ہونی چاہئے تھی مگر یہ نسبت آپ کے نام سے مناسبت نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے کمال علم و تقویٰ کی وجہ سے کامل پوری نسبت مشہور ہوئی۔ اشرف السوانح میں مکتوبات عبادۃ الرحمن کے ذیل میں آپکی یہی نسبت مندرج ہے

حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب، تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی لطیفہ گوئی۔ بذلہ سنجی اور لطافت طبع مشہور ہے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کامل پوری(۲) نہیں، پورے کامل ہیں حضرت حکیم الامتہ کے اس الہامی مختصر جملہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمال کی طرف کیا لطیف اشارہ ہے۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

علاوہ ازیں سہارنپور میں طویل قیام کے باعث اور مظاہر العلوم میں تہائی صدی دینی خدمات بجا لانیکی وجہ سے گاہے گاہے "سہارنپوری" کی نسبت بھی استعمال کی جاتی تھی۔

بہرحال یہ نسبتیں ایسی مقبول ہوئیں کہ صرف مولانا کاملپوری یا سہارنپوری کے الفاظ کے ساتھ فوراً" ذہن میں حضرت مولانا کی تصویر کھنچ جاتی تھی۔

عہد طفولیت۔ بچپن کے مفصل واقعات کا معلوم ہونا کوئی آسان بات نہیں۔

---

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ اس میں مزید اختصار کرکے صرف " الکاملی" تحریر فرماتے تھے

(۲) مضمون مولانا اسعد اللہ صاحب۔ از ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اکتوبر ۱۹۶۶ء

وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص دینی یا دنیوی حیثیت سے کیسا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے زمانہ طفولیت میں کسی کو کیا خبر ہوتی ہے کہ آگے چل کر اس نونہال کی شاخیں کہاں کہاں تک پھیلیں گی اور کس کس مقام تک اسکی تازگی و شادابی اپنا اثر پہنچائے گی۔ باغبان سے پھلدار درخت کی ابتدائی نشوونما کے ہر لحظہ کی کیفیت اگر آپ دریافت کرنا چاہیں تو وہ اس بارے میں جواب دینے سے قاصر ہی رہیگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ صرف اجمالی کیفیت بتا سکے گا۔

بزرگان دین و مشاہیر سلف کی سوانح کے اوراق الٹنے اور صفحات پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کیونکہ تمام حالات میں شرح و بسط سے کام لیا جاتا ہے مگر طفولیت کے حالات میں زیادہ تر اختصار یا سکوت اختیار کیا جاتا ہے کیونکہ زندگی کے اس زاویہ خمول کی طرف مربی اور سرپرستوں تک نگاہیں نہیں جاتیں۔

حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے حالات طفولیت بھی مختصر طور پر معلوم ہوسکے۔ آپ کے بعض معمر اعزہ و اقرباء[1] سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بچپن ہی سے آپ میں خدا ترسی، رحمدلی خوش خلقی، سنجیدگی، شائستگی اور عابدانہ زندگی کا اثر نمایاں تھا طبیعت میں سلامتی تھی، ضد شرارت نام کو نہ تھی اور بے تہذیب وغیر تربیت یافتہ بچوں کی عادتوں سے طبعاً نفرت تھی آغاز تعلیم ہی میں اساتذہ آپ کی ذہانت و ذکاوت اور قوت حفظ کے قائل ہوچکے تھے۔ بعض اساتذہ نے آپکی ذہانت (اور غالباً اپنی کم مائیگی) کی وجہ سے آپ کو بعض اسباق پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ خود حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ اپنے بعض اساتذہ کے اس طرز عمل کو ذکر فرمایا کرتے تھے۔

---

(1) از حاجی محمد زمان صاحب

آپ چار بھائی تھے۔ سب سے بڑے حاجی شیر محمد صاحب[1] ' حاجی محمد زمان صاحب ' حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ' اور سب سے چھوٹے رحیم داد صاحب

آپ امتیازی حسن و جمال کے مالک تھے اور یہ حسن و جمال عمر کے ساتھ ساتھ اور بڑھتا چلا گیا۔ والدہ مرحومہ کو بہ نسبت اوروں کے آپ سے زیادہ محبت تھی حالانکہ نہ آپ سب سے بڑے تھے اور نہ سب سے چھوٹے۔

تعلیم کا آپ کو بچپن سے شوق تھا ماحول زراعت کا تھا۔ گزارہ کے لئے زمین موجود تھی مگر آپ نے اس طرف توجہ نہ کی۔ ہاں تعلیم کے دوران جب گھر آتے تو زمینداری میں ہاتھ ضرور بٹاتے تھے۔ گھر آکر اپنی تعلیم سے بے توجہ نہ ہوتے ۔ بلکہ مطالعہ میں فارغ وقت گزارتے۔ بچپن میں ہمیشہ بڑوں کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتے بزرگوں کی مجلس میں بیٹھنا اپنی سعادت اور ترقی درجات کا سبب سمجھتے۔

ابتدائی تعلیم۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ علاقہ چھچھ قدیمی دور سے علماء کا مرکز رہا ہے بڑے بڑے جید علماء جو مختلف فنون میں مہارت رکھتے تھے اپنی فیض رسانی میں مشہور تھے اگرچہ باقاعدہ منظم مدرسے یہاں نہ تھے مگر ہر عالم اپنی ذات میں ایک ادارہ تھا۔ دور دراز علاقوں کے طالب علموں کا ایک جم غفیر ہر جید عالم کے گرد رہتا اس تعلیمی نظام کو یہاں "درس" کے نام سے تعبیر کیا جاتا

---

(1) حضرت مولانا کے سب سے بڑے بھائی حاجی شیر محمد صاحب خیر اور علم دوست بزرگ گزرے ہیں ۔ علاقہ چھچھ میں بڑی شہرت کے مالک تھے جو دوسخا امتیازی وصف تھی آپکا گھر علاقہ کے علماء کا مورد ہے علاقہ سندھ میں کافی جائداد کے مالک تھے ۔ ۲۲ ذیقعدہ سنہ ۱۳۷۶ ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۵۷ء کو آپ کا انتقال ہوا دوسرے بھائی حاجی محمد زمان صاحب کا زیادہ تر قیام امریکہ میں رہا ۔ تقریبا چالیس سال مختلف کاروبار کے سلسلہ میں آپ امریکہ مقیم رہے سنہ ۱۹۶۰ ء میں آپ امریکہ سے واپس آ گئے تھے اور تادم تحریر بقید حیات ہیں چھوٹے بھائی رحیم دلو کا انتقال جوانی ہی میں سنہ ۱۹۲۸ ء میں ہو گیا تھا

حاشیہ ص ۶۶

(۱) امام یافعی نے "مرآۃ الجنان" میں اور حافظ ابن حجر نے "درر کامنہ" میں اور ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں ایک بزرگ محمد بن عبداللہ المرشدی کا تذکرہ کیا ہے۔ تمام ان کے کوائف و کرامات کے ایک خاص کرامت یہ تھی کہ باوجودیکہ وہ ایک ریگستانی گاؤں "مرشد کملان" میں قیام پذیر تھے۔ وہاں نہ کھانا پکانے کے وسیع انتظامات تھے اور نہ خادم اور نوکر چاکر کا سلسلہ مگر ان کو عام انسانوں کی خدمت اور مہمان نوازی کا خاص شوق تھا جو بھی ان کے سامنے سے گزرتا بڑا ہویا چھوٹا تھوڑے لوگ ہوں یا بڑی جماعت سب کو کھلاتے تھے۔ امام یافعی فرماتے ہیں کہ مخلوقات خدا کی بڑی سی فوج ہی کیوں نہ انکی خانقاہ میں آجاتی ہر ایک کے سامنے اسی وقت بلا تامل ضیافت میں اسی چیز کو پیش فرماتے جو اسکا دل چاہتا۔ ذہبی کا بیان ہے کہ اعلیٰ درجہ کے بہترین کھانے لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور ان کے دستر خوان پر ایسی چیزیں ہوئیں جو دمشق اور قاہرہ کے سوا کہیں نہ پائی جاتی۔ مرشدی کے ان خوارق و کرامات کو کچھ لوگوں نے تعجب کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ سلسلہ مانکی شریف کے صاحب ثانی مولانا عبدالحق صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ اس قسم کی ضیافتوں کا اہتمام انکے یہاں روزمرہ کا معمول تھا ایسا بھی ہوا کہ بیک وقت چھ ہزار کے قریب لوگ جمع ہوئے لیکن انکے کھانے میں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی اور پر تکلف طعام مہیا ہوا مشہور ہے کہ بغیر انکی اجازت کے کھانا پکنا شروع نہیں ہوتا تھا ایک بار طباخوں نے بغیر انکی اجازت کے شروع کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ کھانا پک نہیں رہا تھا۔ (روایات از مولانا عبدالشکور صاحب)

حاشیہ ص ۷۲

(۱) طورو خشتی قدیم زمانہ سے علم کا مرکز رہا ہے۔ منطق میں مولانا میاں عبدالحق صاحب کے چچا فیض میاں صاحب اور دوسرے چچا باتلی میاں صاحب مشہور تھے حکیم خطاب الدین صاحب کے والد صاحب گل بابا "ادب و معانی" کی کتابوں میں شہرت رکھتے تھے۔ شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین صاحب کے والد صاحب مولانا بہاءالدین صاحب تفسیر میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ یہ خاندان پورا دینی و علمی گزرا ہے مولانا بہاءالدین صاحب بڑے پایہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ کئی کے بڑے استاذ مولانا غلام رسول آپکے شاگرد تھے۔ اور بیعت بھی آپ سے تھے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے دادا صاحب سعدالدین صاحب جو "اخوان صاحب" کے نام سے مشہور تھے بڑے پایہ کے بزرگ تھے حضرت سوات بابا حاجی عبدالغفور صاحب اخوند صاحب سوات کے ہم قرن تھے۔ اخوند صاحب سوات فرمایا کرتے تھے کہ مجھ میں جب "اخوان صاحب" موجود ہیں تو مجھ کے لوگوں کی میرے پاس آنیکی کیا ضرورت ہے۔ مولانا قطب الدین صاحب جو حضرت گنگوہی کے شاگرد تھے اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے علوم عقلیہ میں بڑا ملکہ تھا بڑے بڑے علماء نے آپکے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور پھر آخری دور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین صاحب نے اس خاندان کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ اس مرد درویش نے ۵۰، ۶۰ سال مسلسل طورو خشتی میں درس حدیث دیکر بہت سے بجز قلوب کو سیراب کیا جا طور پر آپکو افغانوں کا شاہ ولی اللہ کہا جا سکتا ہے افغانستان اور قبائل میں حدیث کا جو فیض آپکی وجہ سے جاری ہوا اسکی نظیر نہیں ملتی آپکی عمر اسوقت ۱۰۰ برس کے قریب ہے ضعف کی وجہ سے کچھ عرصہ سے درس کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ طبیعت ہر وقت فکر دین اور اعلاء کلمۃ الحق میں محو ہے چہرہ پر ہر وقت معصومیت اور فکر آخرت نمایاں رہتی ہے حضرت مولانا سے بڑی محبت تھی۔ متعنا اللہ بطول حیاتہ ودوامہ لجمیع المسلمین

(۲) جالبہ کے مولانا سعدالدین صاحب فن تفسیر و میراث و ادب میں بڑی شہرت کے مالک تھے انکے صاحبزادے مولانا عبدالغنی صاحب بڑے جید عالم ہیں دوسرے صاحبزادے حکیم مولانا عبدالشکور صاحب ایک ماہر طبیب اور صاحب ذوق عالم تھے۔ مولانا عبداللہ جان صاحب کا درس بھی مختلف علوم و فنون میں مشہور رہا ہے آپکے صاحبزادے مولانا اظہار الحق صاحب بھی ماشاء اللہ عالم دین ہیں۔

(۳) بہودی میں مولانا سمندر خان صاحب کی فقہ میں اور مولانا عبداللہ جی کی ترکیب و نحو میں شہرت تھی۔

(۴) شمس آباد میں مولانا فضل حق صاحب حدیث اور نحو میں شہرت یافتہ تھے شمس آباد میں مولانا قاضی غلام جیلانی صاحب، صاحب تصانیف بزرگ فقیہ اور عالم تھے۔ ان کے بھائی مولانا غلام ربانی صاحب بھی جید عالم گزرے ہیں۔

چچھ میں غور[۱] غشتی ، جلالیہ[۳] ، بہبودی[۳] اور شمس[۴] آباد کے درس مختلف علوم و فنون کے لئے مشہور تھے۔ طلبہ کا قیام مساجد کے حجروں میں ہوتا۔ گاؤں والے طلبہ کے خورد و نوش اور دیگر ضروریات کے کفیل ہوتے۔ ہندوستان کا قدیم نظام تعلیم اسی طرح کا تھا اساتذہ کے خلوص ، طلبہ کی ہمت اور عوام الناس کی دینداری[۵] نے سب تعلیمی مسائل کو حل کر دیا تھا مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت میں مولانا آزاد غلام علی بلگرامی کی کتاب "ماثر الکرام" سے ہندوستان کے مختلف حصوں کے نظام تعلیم کے بارے میں نقل فرمایا ہے۔

(درپورب) "بہ فاصلہ پنج کروہ نہایت دہ کروہ تخمینا آبادی شرفاء و نجباء است کہ از سلاطین و حکام وظائف و زمین مدد معاش داشتہ اند۔ و مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و مدرساں عصر در ہر جا ابواب علم بر روئے دانش پژوہاں کشادہ و صدائے اطلبوا العلم درداہ"

پھر اطلبوا العلم کے اس صدائے عام کی تعمیل جس شکل میں ہوتی تھی اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

طلبہ علم خیل خیل از شہرے بہ شہرے می روند و ہر جا موافقت دست دید بہ تحصیل مشغولی می شوند"

ان طلبہ کے قیام و طعام کے نظم کی جو صورت تھی اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ "صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبۂ علم رانگاہ می دارند و خدمت ایں جماعت راسعادت عظمٰی می دانند۔"

اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں:۔

گویا آج بورڈنگ ہاؤس اور اقامت خانوں کے کپکپا دینے والے مصارف سے تعلیم کے جس مسئلہ کو حل کیا جا رہا ہے۔ پڑھنے والے بچوں کے

---

۵ عوام میں دینداری اور طلبہ سے ایسی محبت تھی کہ معمر اور بوڑھے لوگ طلبہ کے لئے مختلف گھروں سے کھانا (جس کو وظیفہ کہتے ہیں) مانگنے میں فخر محسوس کرتے

حاشیہ ۱ تا ۴ ص ۳۰-۱ پر

ماں باپ جن مصارف کی تکمیل میں دیوانے بنے ہوئے ہیں۔ جائدادوں کو بیچ بیچ کر بلکہ بسا اوقات ماں اور بہنوں کے زیوروں کو بھی فروخت کر کر کے جس مقصد کو ہندوستان میں حاصل کیا جارہا ہے صرف دو ڈھائی صدی پہلے یہ مسئلہ اس قابل ہی نہ تھا کہ اسے سوچا جائے بلکہ ہر آبادی کے باشندوں کا باورچی خانہ علم کے پیاسوں کا باورچی خانہ بنا ہوا تھا۔ اور ان کے مکانات محلّہ کی مسجدوں کی حجرے ان طلبہ کے لئے اقامت خانوں کا کام دے رہے تھے "

اور آخر میں فرمایا :۔

سچی بات یہی ہے کہ زیادہ تر اس ملک میں مساجد اور شہروں یا قری و قصبات میں امراء کی حویلیوں اور ڈیوڑھیوں سے بھی مدرسہ کا کام عموماً" لیا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا سطور میں ہندوستان کے جس نظام تعلیم و تعلم کا نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ یہی صورت حال علاقہ چھچھ کے "دروس" کی تھی اور بفضلہ تعالیٰ ابھی تک کسی نہ کسی حد تک یہ حالت باقی ہے۔ طلبہ اور علماء سے محبت اور حسن سلوک اس علاقہ کا خصوصی امتیاز رہا ہے۔ جس کا لازمی اثر تھا کہ علماء مختلف مقامات پر فارغ البالی کے ساتھ درس کی مسندیں بچھائے ہوئے مصروف تعلیم و تدریس تھے۔

تحصیل علوم دینیہ کی اس سہولت اور غیبی نظم کی وجہ سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ابتدائی تعلیم کے حصول کے لئے اس علاقہ سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتب کی تعلیم آپ نے بہبودی میں حاصل کی۔ وطن کے قیام اور گھر کے عیش و آرام کی وجہ سے بہبودی میں مزید تعلیم مشکل تھی۔ اس لئے آپ گاؤں کے قریب کسی جگہ حصول تعلیم کے متمنی تھے۔ کم عمری کی وجہ سے یہ مسئلہ بھی پیچیدہ بن گیا تھا۔ مگر آپ کے چچا مولانا غلام رسول صاحب اور بہبودی کے بعض دوسرے بزرگوں کے قیام شمس آباد نے اس کو حل کر دیا

بھبودی سے مغرب کی طرف تقریباً ۶ میل کے فاصلہ پر شمس آباد ایک قصبہ ہے بھبودی کے کچھ حضرات پہلے سے وہاں مقیم رہ کر کچھ دینی خدمات بجا لا رہے تھے۔ شمس آباد کچھ عرصہ تک مقامی علماء اور سلسلہ مانکی شریف کے شیوخ کا مرکز رہا ہے۔ بھبودی کے مولانا امیر حسین صاحب معروف بہ "بزرگ بابا" کافی عرصہ تک اور حضرت مولانا کے چچا مولانا غلام رسول صاحب بھی کچھ عرصہ کے لئے شمس آباد مقیم رہے۔

اپنے چچا کے قیام اور وطن کے قرب کی وجہ سے بچپن میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم شمس آباد میں ہوئی۔ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں مولانا فضل حق صاحب(۱) سے پڑھیں۔ مولانا فضل حق صاحب حدیث اور نحو میں مشہور تھے ۔ یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے بھی شاگرد تھے مثنوی حاجی صاحب سے پڑھی بڑے خوش آواز تھے۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں بھی رہے۔ ان سے حضرت مولانا نے کافیہ پڑھی۔ خوش خطی کی مشق آپ نے شیخ فتح احمد صاحب مشہور بہ "شیخ بابا" سے کی جو مشہور خطاط تھے۔ کتابت اور خوشخطی کا آپ کو بڑا شوق تھا۔ ابتداء عمر ہی میں "شیخ بابا" سے یہ فن سیکھا خط آپکا بڑا صاف اور خوبصورت تھا۔ آپکا خط مولانا خلیل احمد صاحب کے خط سے بہت مشابہ تھا۔ دور طالب علمی کے آپ کے ساتھی مولانا محمد حیات صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خوش خط ایسے تھے کہ ممتحن صحت جوابات کے نمبروں کے علاوہ خوشخطی کے نمبر بھی (بطور اضافہ دیتے) بڑھاتے اس فن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سی کتابیں آپ نے اپنے ہاتھ سے نقل فرمائیں اور اساتذہ کی تقریروں کو نفاست سے

---

(۱) مولانا فضل حق صاحب کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد عمر صاحب بھی پایہ کے عالم تھے ۔ علاقہ چھچھ کے مفتی مقرر ہو گئے تھے ۔ یہ ایک علمی خاندان ہے اور ابھی تک یہ سلسلہ باقی ہے ۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس کو باقی رکھے ۔ حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادگان میں مولانا محمد عثمان صاحب مولانا حبیب الرحمان صاحب ماشاء اللہ عالم دین اور اپنے آباء کے نقش قدم پر قائم ہیں

قلمبند فرمایا اسلاف میں جو نقل نویسی کا سلسلہ رہا ہے آپ کو بھی اس سے حظ وافر ملا تھا۔ پہلے زمانہ میں پریس اور طباعت کے جدید آلات کے ایجاد ہونے سے قبل جبکہ کتابوں کی فراہمی کا مسئلہ مشکل تھا، وراقیت[1] اور نساخیت یعنی کتابوں کی نقل نویسی کے ذریعہ سے ہی علماء کتابوں کا ذخیرہ جمع کرتے اور علمی نوادر نقل کرکے ایک دوسرے کو پہنچاتے اور اس طرح افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد مزید علوم و فنون کے تحصیل کے لئے آپ کو قابل اور لائق اساتذہ کی تلاش ہوئی۔ اس جستجو میں آپ اپنے علاقے سے باہر مختلف علماء کی خدمت میں پہنچے اور ان کے فیوضات سے مالا مال ہوئے۔

یک فنی علماء۔ اس دور میں بعض علماء کسی ایک علم میں مہارت حاصل کرکے اس کی خدمت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے اپنے مخصوص فن میں مکمل عبور کی وجہ سے دور دراز علاقوں کے طلبہ کے مرجع بن جاتے تھے۔ کسی کی فقہ میں شہرت تھی تو کسی کی نحو و صرف میں کوئی علم میراث میں کمال تام رکھتا تو کوئی منطق و فلسفہ میں۔ کسی کو علم حدیث و تفسیر میں ید طولے حاصل ہوتا اور تعجب یہ کہ کتاب کے کسی ایک مغلق مقام و مسئلہ کی تحصیل و تشریح میں بعض علماء کا چرچا ہوتا مثلاً" شرح وقایہ کے مسئلہ ثمانیہ اور طہر متخلل کے لئے بعض لوگ دور دراز پہاڑوں کا سفر کرتے۔

تحصیل علم کا جذبہ۔ حضرت مولانا کے قلب میں بچپن سے ہی تحصیل علم کے جس جذبہ کی تخم ریزی کر دی گئی تھی اس کی آبیاری کے لئے مختلف اساتذہ کی خدمت میں پہنچنے کے لئے آپ کو کافی صحرا انوردی اور بادیہ پیمائی کرنی

(۱) وراق سلف میں ان لوگوں کو کہا جاتا جو کتابوں کے نقل کرنے کا کام کرتے مولانا عبدالحی صاحب فوائد بہیہ میں فرماتے ہیں الوراق اسم لمن یکتب المصاحف و کتب الحدیث وغیرها

پڑی۔ بڑی صعوبتوں[1] اور پریشانیوں کے ساتھ دشوار گزار گھاٹیوں، پر خطر وادیوں اور برساتی نالوں کو طے کر کے آپ علم کے سرچشموں تک پہنچے۔ آپ اپنے وطن میں رہ کر بھی علم حاصل کر سکتے تھے اور والدین کی طبعی خواہش بھی یہی تھی لیکن وطن سے دور علاقوں میں سفری صعوبتوں کو برداشت کر کے یکسوئی کے ساتھ جس طرح تعلیم حاصل کی جا سکتی تھی[2] وہ اپنے وطن میں مشکل تھی۔ اسلئے وطن کو خیرباد کہہ کر آپ باہر نکل کھڑے ہوئے اور پھر جو مشکل اس راہ میں آئی آپ نے خندہ پیشانی سے اس کو برداشت کیا۔ علم کی ایسی لگن اور پیاس تھی کہ اگر ایک جگہ ایک استاذ کی خدمت میں نہ بجھتی تو رخت سفر دوسرے استاذ کی خدمت کے لئے باندھنے پر اپنے نفس کو تیار پاتے۔ مولانا کے رفیق درس مولانا محمد حیات صاحب تحریر فرماتے ہیں مولانا کو ایسا شغف علمی تھا کہ پنجاب ہندوستان کے مشاہیر و اکابر سے تلمذ و تعلم کے شائق رہے۔

---

(1) آپ کی ابتدائی تعلیمی دور میں ذرائع آمد و رفت کی سہولتیں مفقود تھیں ۔ ریلوے لائنیں اور پختہ سڑکیں صرف بڑے بڑے شہروں تک محدود تھیں ۔ نقل و حرکت اور سفر صرف جانوروں کے ذریعہ یا پیادہ ہوتا ۔ مولانا نے جن علاقوں میں تعلیم حاصل کی یہ بالکل غیر ترقی یافتہ تھے ۔ ریگستانی یا پہاڑی علاقے تھے اب بھی یہ علاقے نئے وسائل سے کما حقہ بہرہ ور نہیں

(2) علم کے لئے پھر ان شدائد و متاعب کا موجب خیر و برکت ہونا سلف کی آزمائی ہوئی سنت تھی تمام بزرگوں نے حصول علم کے لئے مشقت اور قربانی کے عجیب نمونے پیش کئے ہیں

ہمارے اسلاف میں حضرات محدثین کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ حصول علم کے لئے دور دراز اسفار کو اختیار کرنا اپنے لئے سرمایہ حیات سمجھتے بہت سے محدثین صرف علو سند کے لئے مہینوں کی مسافتیں طے کرتے۔ مشیت ایزدی جس شخص کو مستقبل کا عظیم محدث اور عالم بنانے والی تھی اس کو اسلاف کے نقش قدم پر چلایا آپ کے اساتذہ عموماً ان ہی علاقوں میں تھے جہاں تک پہنچنا سہل نہ تھا پہاڑی اور ریگستانی خطے تھے جن میں یہ حضرات تشنگان علوم کو سیراب کرتے۔ صحرا اور دریا کوئی چیز آپ کے عزم صمیم میں رکاوٹ نہ بن سکے ہر پریشانی اور ہر تکلیف کو آپ نے خوش آمدید کہا۔

حضرت مولانا خود ذکر فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار پنڈی سرال جاتے وقت میں اور مولوی عبدالغنی صاحب مرحوم دریائے سواں پار کر رہے تھے دریائے سواں اپنی ہولناکیوں اور پرپیچ راستوں میں مشہور تھا ہم سے آگے کچھ فاصلہ پر ایک دوسرا شخص بھی دریا عبور کر رہا تھا ہمیں پانی کا صحیح اندازہ نہیں تھا دریا کے وسط میں جب پہنچے تو اچانک پانی کا دباؤ بڑھنے سے ڈوبنے کا خطرہ محسوس ہوا کم عمری کی وجہ سے پانی کا مقابلہ بھی مشکل تھا تیرنا بھی نہیں جانتے تھے کتابوں اور کپڑوں کے بھیگنے کا الگ خطرہ تھا اتفاق سے پار ایک شخص نے ہماری اس پریشان کن حالت کو دیکھا دوڑتا ہوا آیا اور ہم دونوں کو انگلی سے پکڑ کر مختلف پیچدار راستوں سے گزار کر دریا عبور کرایا۔

درحقیقت اس قسم کے مصائب اور شدائد اور سفری صعوبتیں ہی مستقبل کی کامیابیوں کی ضامن ہوتی ہیں۔ ان مع العسر یسراً" ان مع العسر یسراً" کے مطابق "عسر" کی سنگلاخ وادیوں سے گزر کر ہی "یسر" آتا ہے ان دشواریوں اور پھر لیلائے علم کے وصال کے لئے حضرت کے ذوق و شوق کے لئے متنبی کا یہ شعر غمازی کر رہا ہے۔

کیف الوصول الی سعاد ودونها
قلل الجبال ودونهن حتوف

لور والذین جاھدو وافینا لنھدینھم سبلنا کے مطابق علم و حکمت اور ہدایت و سعادت کی راہیں کھل جاتی ہیں وہ راہیں جو دارین کی سرخروئی اور حصول جنت اور مرضیات مولی پر فائز ہونے کی ضامن ہیں اور جس کی طرف صادق و مصدوق علیہ السلام نے اپنے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا

من سلک طریقاً یلتمس فیہ علماً سھل اللہ لہ طریقاً الی الجنتہ او کما قال

پنڈی سرہال

کوہاٹ ریلوے لائن پر پنڈ سلطانی اسٹیشن سے شمال مشرق کی طرف ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر پنڈی سرہال واقع ہے[1] یہاں کے قاضی مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نحو اور منطق میں شہرت تھی ۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہاں تقریباً تین سال مقیم رہے شرح جامی اور ملا حسن تک منطق کی کتابیں آپ نے یہاں پڑھیں

---

(۱) حضرت مولانا اپنے ابتدائی حالات کا تذکرہ بہت کم فرماتے تھے بعض باتیں عبرت یا مصلحت سے کبھی بیان فرمادیا کرتے سنین کا تعین اپنے حالات میں بہت کم فرمایا کرتے تھے اس بنا پر حتمی طور پر ان مقامات میں تاریخی ترتیب قائم کرنا مشکل ہے ۔ جہاں آپ نے تعلیم کی غرض سے قیام کیا لیکن بعض واقعات اور کتابوں کی تفصیل سے زمانہ کا کچھ تعین اور ترتیب قائم کی جاسکتی ہے شمس آباد کے قیام کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ۔ کہ یہ ابتدائی زمانہ تھا خوشخطی فارسی اور نحو کی کافیہ تک تعلیم آپ نے وہاں حاصل کی ۔ کافیہ کے بعد نحو میں شرح جامی کا مرتبہ آتا ہے اور منطق کی کتابیں بھی اسی زمانہ کے مناسب ہیں ۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ شمس آباد سے آپ پنڈی سرال تشریف لائے ہوں گے کیونکہ شرح جامی اور ملا حسن تک منطق کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قاضی صاحب سے پڑھی ہے ۔ اورنگ آباد پنڈی سرال سے ۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اورنگ آباد میں آپ نے شرح وقایہ پڑھی اپنے استاد کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ شرح وقایہ میں طہر متخلل کا مسئلہ پڑھاتے وقت تھوڑی دیر رک کر اور سوچ کر پنجابی میں فرمانے لگے کہ " تساں واسطے کوئی ول جئی صورت ویکھناں واں " بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پنڈی سرال کے قیام کے دوران یابعد میں آپ اورنگ آباد گئے ہوں کیونکہ نصابی طور پر شرح وقایہ شرح جامی کے بعد ہوتی ہے اورنگ آباد سے آپ مکھڈ گئے ۔ مولانا حسن الدین صاحب سے آپ نے منطق اور دیگر علوم کی اونچی کتابیں پڑھیں انئ کے مولانا ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مکھڈ میں تصریح پڑھ چکا تھا ۔ مولانا، حمد اللہ وغیرہ کتابیں پڑھا کرتے تھے ۔ مکھڈ سے پھر آپ ڈاگئی اور چھچھر گئے وہاں کی منطق بھی اونچی کتابوں کی مشہور تھی پھر آخر میں آپ ہندوستان تشریف لے گئے کتابوں کی ترتیب سے سنین کے تعین میں مدد مل سکتی ہے ۔

اورنگ آباد

پنڈی سرہال سے جنوب مغرب کی طرف نو میل کے فاصلہ پر اورنگ آباد واقع ہے یہاں کے مولانا عبدالرؤف صاحب (جن کا پہلا نام جناب شاہ تھا) کا فقہ میں مشہور[1] درس تھا فقہی مناظروں اور مسائل کی چھان بین میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

مکھڈ[2]

اورنگ آباد سے آپ مکھڈ شریف ضلع کیمبل پور پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے یہ اس وقت بڑا علمی اور روحانی مرکز تھا یہاں دو سلسلے تھے ایک چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ کا سلسلہ جن کی ایک بڑی خانقاہ تھی اس سلسلہ کے مولانا محمد علی مشہور تھے جو حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے خلفاء میں سے تھے تونسہ شریف سے ان حضرات کا گہرا تعلق تھا اس سلسلہ میں علمی رنگ غالب تھا ہمیشہ یہاں جید عالم تدریس کے لئے مقرر ہوتے حضرت مولانا کے زمانہ قیام میں اخلاص[3] کے مولانا حسن الدین صاحب یہاں پڑھاتے تھے بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے مشائخ تونسہ سے آپ کا تعلق تھا منطق و فلسفہ ریاض اور ہندسہ اور عقلی علوم میں مانے ہوئے استاذ تھے آپ کے پاس بڑا کتب خانہ تھا بلخ و بخارا کے تاجر جو اس وقت دریا کے راستہ تجارت کرتے مکھڈ دریائے سندھ کے کنارے پر واقع

---

(۱) پنجاب اور صوبہ سرحد کی اصطلاح میں جہاں کوئی عالم بیٹھ کر درس دینا شروع کر دیتے تھے اور طلباء جمع ہو جاتے تھے اس کو درس کہتے ہیں

آپ کا سنہ ۱۹۵۶ء میں انتقال ہوا از مولانا ثناء اللہ صاحبزادہ مولانا عبدالرؤف

(۲) مشہور ہے کہ یہ اصل مقعد تھا۔ یعنی بیٹھنے کی جگہ۔ دریائی مسافرو تاجر یہاں آرام کرنے کے لئے رکتے اس مناسبت سے مقعد نام رکھا گیا تھا۔ ہوتے ہوتے مکھڈ بن گیا۔ (از مولانا محمد قاسم صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا قاضی عبدالرحمان صاحب

(۳) اخلاص پنڈی سرال کے قریب ایک گاؤں ہے

ہونے کی وجہ سے آپ کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوتے مولانا سے عرض کرتے کہ بخارا سے ہم آپ کے لئے کیا تحفہ لائیں ؟ آپ نادر کتابوں کے نام لیتے کہ ان کو نقل کرا کے مجھے پہنچا دو چنانچہ بہت سی نادر کتابیں ان تاجروں کے ذریعے آپ کے پاس پہنچیں' انی کے علماء جنہوں نے بعد میں منطق و فلسفہ میں بڑی شہرت پائی یہیں سے یہ فنون حاصل کئے تھے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں منطق و فلسفہ کے اونچے درجے کی کتابیں حمد اللہ ' صدرا ' شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں مولانا حسن الدین صاحب کو اپنے شاگرد پر بڑا اعتماد تھا جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

دوسرا سلسلہ پیر غلام عباس کا تھا جو گیلانی غوثیہ سلسلہ کے سجادہ نشین تھے بڑے بااثر اور بارسوخ تھے عمال و حکام سے تعلق کی وجہ سے بڑے باوجاہت تھے اسی وجہ سے بعد میں آنے والے سجادہ نشینوں نے ملکی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا

ڈاگئی

ڈاگئی ضلع مردان میں ایک گاؤں ہے یہاں کے مولانا عبدالحکیم صاحب اور ان کے بھائی صاحب منطق کی بڑی کتابوں میں مشہور تھے آپ نے تھوڑے دن یہاں بھی قاضی حمد اللہ وغیرہ کتابیں پڑھیں

چکیسر

ریاست امب دربند کے قریب علاقہ چکیسر منطق و فلسفہ میں بڑا مشہور تھا مختلف علماء نے صرف اسی علم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا ان علوم کی سرحد و پنجاب اور مغربی ہندوستان میں بڑی اہمیت تھی مختلف متون اور پھر شروح و حواشی کی درس و تدریس پر بڑا وقت لگایا جاتا صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ

میں چکیسر معقولات کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا جیسے ہندوستان میں رامپور معقولات میں مشہور تھا

اس وقت ان علوم کی بڑی قدر تھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی جس استاد کی شہرت سنتے ان کے پاس تشریف لے جاتے علاقہ چکیسر کو پہاڑ نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے مشرقی و مغربی' مشرقی حصہ میں آپ ایک استاذ صاحب (جن کا نام نہیں معلوم ہو سکا) سے مولوی عبدالغنی صاحب کی معیت میں پڑھتے تھے

مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہاں کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ استاذ صاحب پہلے پہل ہماری طرف کوئی خاص توجہ نہیں فرماتے تھے اس لئے ہمارا خیال ہوا کہ پہاڑ کے دوسری جانب مغرب کی طرف ایک دوسرے عالم مشہور تھے ان کی خدمت میں پہنچا جائے شام کے وقت روانہ ہوئے دیر سے نکلے تھے اندھیرا ہو گیا اندھیرے میں راستہ بھول گئے پہاڑوں کا دامن تھا دور سے روشنی نظر آرہی تھی روشنی کی سمت روانہ ہوئےوہاں ایک آدھ کچا گھر تھا گھر والے نے ہم اجنبی اور ناوقت کے مسافروں کے قیام و طعام کا انتظام کیا صبح اپنے سفر پر روانہ ہوئے شام کو استاذ صاحب کو معلوم ہو چکا تھا کہ ہم یہاں سے چلے گئے ہیں ان کو ہماری ناواقفیت اور راستہ کی پیچیدگی کا حال معلوم تھا چنانچہ وہ مختصر راستہ سے وہاں پہنچ گئے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو اپنے ساتھ لے گئے اور دلچسپی سے پڑھانا شروع کیا ایک طرف حصول علم میں طالب صادق کی یہ تکالیف دیکھئے اور ساتھ ہی ساتھ استاذ کی شفقت بھی کہ خود شاگرد کی تلاش میں سرگرداں رہے

تشنگان گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بہ عالم تشنگان

(رومی رحمۃ اللہ علیہ)

عزم ہندوستان

وطن کے قریب صوبہ سرحد و پنجاب کے مشہور و یکتا "یک فنی" اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد آپ نے ہندوستان جانے کا عزم کیا ہندوستان کا مرکزی اور شمالی حصہ (دہلی و صوبجات متحدہ) علمی و تعلیمی مرکز تھا وہاں بڑے

بڑے نامور اور جید علماء موجود تھے جن سے پڑھنے کے لئے افغانستان سرحد اور پنجاب کے دور دراز گوشوں سے طالب علم جایا کرتے نیز صاحب بصیرت علماء و صلحاء کے زیر نگرانی منظم طور پر مدارس اسلامیہ کا سلسلہ قائم تھا عام طور پر اسی حصہ کو سرحد و پنجاب میں ہندوستان کہتے تھے علاقہ پچھ میں ہندوستان کے علماء کی شہرت تھی غور غشتی کے مولانا قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بہبودی کے مولانا سعد اللہ جی صاحب ' حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اور جلالیہ کے مولانا سعد الدین صاحب ' حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہندوستان کی علمی شہرت سن کر وہاں جانے کا ارادہ کیا والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اس تعلیمی جذبہ کو دیکھ کر بطیب خاطر جانے کی اجازت فرما دی

ہندوستان میں اس وقت دو علمی دینی مراکز کو ہر اعتبار سے فوقیت اور شہرت حاصل تھی یہ فوقیت اور شہرت ان حضرات علماء و صلحاء کی وجہ سے تھی جو صحیح معنوں میں وراثت نبوی کے مستحق تھے اور علوم دینیہ کی اشاعت کا صحیح اور مخلصانہ جذبہ ان کے قلوب میں موجزن تھا علم کا ایک آفتاب عالمتاب اور مینارہ نور دیوبند میں "دارالعلوم" کے نام سے جگمگا رہا تھا اور دوسرا سہارنپور میں "مظاہر العلوم" کے نام سے ضیاء پاشیاں کر رہا تھا دونوں کا نظم و نسق اس وقت کے نامور و جید علماء اور خداترس و متقی صلحاء کے ہاتھوں میں تھا دونوں کا منبع حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاک طینت اور قدسی الاصل نفوس تھے ان کی للہیت ' خلوص ' زہد و تقویٰ اور جذبہ خدمت دین کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں عوام و خواص کے قلوب ان اداروں کی طرف منجذب ہونے لگے اور ان بزرگوں کی توجہات سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جن دنوں "یک فنی علماء" کی خدمات میں مختلف علوم و فنون حاصل کر رہے تھے طلبہ و علماء کی مجالس میں ہندوستان کے حضرت

مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے علم حدیث میں کمال کا بڑا چرچا تھا یہ ان حضرات کی مقبولیت و محبوبیت کا نتیجہ تھا کہ ان دور دراز علاقوں کے طلبہ کے قلوب بھی ان کی طرف منجذب ہوتے رہے

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جس وقت مولانا حسن الدین کے پاس کھڈ اور اخلاص میں تھے انہی دنوں آپ کا ہندوستان جانے کا پختہ عزم ہو گیا بعض ساتھیوں نے آپ کو روکا بھی مگر آپ علم حدیث کی سیرابی کے لئے ہندوستان جانے کے لئے بے قرار تھے ساتھیوں کا مشورہ اور وطن سے بعد کوئی چیز بھی آپ کی علمی تڑپ میں رکاوٹ نہ بن سکی حضرت مولانا کے رفیق درس مولانا قاضی عبدالمجید صاحب[1] کملیالی فرماتے ہیں کہ میں اخلاص میں مولانا کے ساتھ پڑھتا رہا اخلاص میں قیام کے دوران مولانا نے مجھ سے اپنے ہندوستان جانے کا ذکر کیا میں نے آپ کو بہت روکا تھا مگر اخلاص سے گھر چلے گئے اور وہاں سے سہارنپور تشریف لے گئے حضرت مولانا کے ایک تلمیذ مولانا عاشق الٰہی صاحب[2]' حال ' مدرس دارالعلوم کراچی تحریر فرماتے ہیں " حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے نو عمری میں اپنے وطن بھبودی ضلع کاملپور کو چھوڑ کر تحصیل علم کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا بڑے ماہر اور کامل اساتذہ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند دونوں ہی مرکزی اداروں سے فراغت حاصل کی سہارنپور میں شارح ابی داؤد ' حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی اور دارالعلوم دیوبند میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے انور التلامذہ حضرت مولانا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی"

---

(۱) مکتوب حضرت قاضی صاحب مد ظلہ

(۲) اس نام کے دو حضرات کا نام کتاب میں آئے گا ایک بزرگان دیوبند کے مشہور سوانح نگار حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مؤلف تذکرۃ الرشید و تذکرۃ الخلیل دوسرے صاحب سوانح کے تلمیذ جو دارالعلوم کراچی کے استاد ہیں۔

حضرت مولانا کے حالات کے متعلق حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے ایک مضمون مکتوب کی شکل میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ اقتباسات مکتوب سے ہیں

بابِ دوم

سفرِ ہندوستان

مظاہر العلوم میں داخلہ

مختلف علوم و فنون سے آپ پہلے فراغت حاصل کر چکے تھے ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۱۲ء میں آپ مظاہر العلوم تشریف لے گئے پہلے سال دورہ حدیث اور بعض دوسری اونچے درجہ کی کتابوں میں داخلہ لیا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

"شعبان ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۳ء میں مولانا مرحوم نے دورہ کی کتابوں میں امتحان دیا جس میں صحاح ستہ کے علاوہ موطائین ' بیضاوی ' نخبتہ الفکر ' توضیح تلویح ' ہدایہ آخرین ' طحاوی ۱۳ کتابوں میں امتحان دیا"

دورہ سے فراغت کے بعد آپ نے ادب اور فلسفہ و ہیئت کی بعض کتابیں بھی مظاہر العلوم میں پڑھیں چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ تحریر فرماتے ہیں

شعبان ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۴ء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کتب ذیل میں امتحان دیا اقلیدس ' تصریح ' صدرا ' متنبی ' سبعہ معلقہ ' مقامات ' حماسہ ' شرح ' چغمینی ' مسلم الثبوت ' خلاصتہ الحساب ' سبع شداد ' شمس بازغہ

حضرت شیخ آگے فرماتے ہیں

"مولنا نے ادب کی کتابیں دورہ حدیث کے بعد پڑھی تھیں اور اس ناکارہ نے دورہ سے پہلے حماسہ ' اس سال میرے والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں تھا اس لئے حماسہ میں اس ناکارہ کی بھی شرکت ہوئی اور کتابیں اس ناکارہ نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ میں متنبی کے امتحان میں شمولیت ہے لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ مرحوم نے مولانا

ثابت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور اس ناکارہ نے اپنے والد صاحب اور مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے"

درجہ اول میں کامیابی

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مظاہر العلوم کے سالانہ امتحان میں اول درجہ میں کامیاب ہوئے اور انعام بھی حاصل کیا

حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں

علاوہ انعامی کتابوں کے پانچ روپے نقد انعام بھی بحیثیت نمبر اول آنے کے ملے ہیں کہ اس زمانہ میں مدرسہ کا قانون یہ تھا کہ جو شخص سارے طلبہ میں اول نمبر آئے اس کو پانچ روپے ' نمبر ۲ کو تین روپے اور نمبر ۳ کو دو روپے نقد انعام بھی دیا جاتا تھا دور طالب علمی کے آپ کے ساتھی مولانا محمد حیات صاحب تحریر فرماتے ہیں حضرت مولانا دو سال مظاہر العلوم میں پڑھتے رہے اور ایک سال دارالعلوم دیوبند میں ہر جگہ تمام مدرسہ میں آپ اول نمبر آئے۔

مظاہر العلوم کے اساتذہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دوران تعلیم مدرسہ کے اکابر اساتذہ یہ حضرات تھے

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین ' مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم ' مولانا عبدالوحید صاحب ' مولانا ثابت علی صاحب ' مولانا عبداللطیف صاحب ' مولانا محمد یحیٰی صاحب

مظاہر علوم میں دورہ حدیث کی اکثر کتب[1] آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں کہ آپ ہی کی علمی شہرت سن کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہاں آئے تھے مدرسہ مظاہر العلوم سے آپ نے ۱۳۳۱ھ میں سند فراغت حاصل کی جس کا عکس شامل ہے

---

(۱) حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اس زمانہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بخاری شریف و ترمذی شریف ' مولانا ثابت علی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ابن ماجہ اور بقیہ کتب حدیث مولانا محمد یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہوتی تھیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا خير الخلق محمد وآله واصحابه اجمعين
اما بعد فيقول العبد المفتقر الى رحمة الله تعالى خليل احمد بن الشاه مجيد علي بن
الشاه احمد علي الانبہٹوی ان اخا لي في الدين المولوي عبد الرحمن بن
المولوي محمد احمد البهبودي من علاقة كاملپور قد قرأ علي الصحاح الستة
وغيرها من الكتب والفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الامين
والنوادر من احاديث سيد الاوائل والاواخر والدر الثمين في مبشرات
النبي الامين للشيخ الشاه ولي الله قدس سره العزيز فاجزته لكل ما يجوز لي
روايته ودرايته من منقول ومعقول بشرائطه التي هي معتبرة عند اهله و
اوصيه بتقوى الله في السر والعلن وفيما ظهر وما بطن وان لا ينساني في
الدعوات الصالحة وصلى الله تعالى على سيد الانس والجان عليه وعلى آله واصحابه
الصلوة والسلام

مطبوعہ مطبع اسلامی سہارنپور

خصوصی سندِ مسلسلات از مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الواحد الاحد الصمد رافع السماء بغير عمد الذي اكرم بمتصلات نعمائه والنعم بمتواليات آلائه۔
خلق الانسان في احسن تقويم وخلع عليه خلع التشريف والتكريم۔ والصلوة والسلام على افضل رسله
وهادي سبله۔ الذي جعل الصلوة عليه من اوضح براهين الحسنات والسلام عليه من اهدى سبل الكمالات۔
سيدنا ومولانا محمد سيد الاولين وسند الآخرين وعلى آله واصحابه الهادين المهديين۔ وبعد فان اخانا
في الدين المولوي عبد الرحيم بن المولوي گل احمد المتوطن قرية بهبودي من مضافات كامل فور من متعلقات پنجاب
قد حضر هذه المدرسة المسماة بمظاهر العلوم الواقعة في بلدة سهارنفور صانها الله عن الآفات و
الشرور في اثناء ذي قعدة سنة ثلثين بعد ثلثمائة والف سنة من الهجرة النبوية على صاحبها
الصلوة والتحية والقى فيها رحله سنتين وقرء على مدرسيها الكتب المختلفة من العلوم المروجة
بالتدبر والاتقان فمن علم التفسير البيضاوي ومن الحديث الصحاح الستة اعني الصحيح للامام الهمام محمد بن اسمعيل البخاري
والصحيح للامام الجليل مسلم بن الحجاج القشيري والسنن لابي داود السجستاني والجامع للترمذي والسنن لابي عبد الرحمن النسائي و
السنن لابن ماجة القزويني والموطا للامام مالك بن انس صاحب المذهب والموطا للامام محمد بن الحسن الشيباني وشرح معاني
الآثار للطحاوي ومن اصول الحديث شرح نخبة الفكر ومن اصول الفقه مسلم الثبوت والتوضيح
والتلويح ومن الفقه النصف الثاني من الهداية ومن الفلسفة الصدرا والشمس البازغة ومن الهيئة التصريح شرح التذكرة
وشرح چغميني والتشريح الشاذ ومن الهندسة التحرير لاوقليدس ومن الحساب خلاصة الحساب ومن الادب
المقامات للحريري والديوان للمتنبي والسبعة المعلقة والحماسة ومن التجويد شيئا من الشاطبية
ثم بعد التحصيل صار مدرسا في هذه المدرسة العالية وعلم حق التعليم واغنية عنه راضون
ولما رحل مطايا السفر بعد ان ادرك من تحصيل مرامه الوطر ونال من تحصيل ما توفر رغبته في حدادني
واوفر طلب منا السند واستجازنا وهو على ما نراه بحمد الله شاب صالح اهل للدين ولا فادة فنود منه
ونحن عنه راضون وهو عنا راض فنجيزه بما قرء هو علينا او غيره وهو يسمع كما اجازنا مشائخنا الكرام
على الشروط المعتبرة عند علماء هذا الشان ونعطيه هذه الصحيفة الانيقة سندا ونوصيه بتقوى الله
بالسر والعلانية وبلزوم السنة السنية واجتناب البدعة المضلة وان يشتغل بتعليم علوم الدين و
يحض على الطلبة بسجالها ويشغل سره بالذكر والفكر في خلالها وان لا يميل الى الدنيا ولذاتها و
لا يعرج على ابنائها وزخرفاتها ولا يخاف في الله لومة لائم وان لا ينسانا من صالح دعواته في خلواته
وجلواته واخر دعوينا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعين فقط

مورخه عشرين من رجب ۱۳۳۲ھ

سند مظاہر علوم کا عکس

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد فخر الاولين والآخرين وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته اجمعين. اما بعد فيقول المفتقر الى رحمة ربه القوي خليل احمد بن الشاه مجيد علي الانصاري الايوبي الانبيتهوي عفا الله عنه ان اخي في الله مولانا الشيخ عبد الرحمن [illegible] قرأ علي الكتب الصحاح الستة وطلب مني اجازة وقد حصل لنا الاجازة لجميع كتب الحديث وغيرها اولا من شيخي واستاذي البحر الكامل والبحر الفاضل الفائق بالفوائد [illegible] مولانا الشيخ محمد مظهر النانوتوي الصديقي ثم قرأت بعض الصحاح اعني الجامع الصحيح للبخاري وجامع الترمذي والمسلسلات للشيخ ولي الله المحدث الدهلوي ومسند الجن المسمى بالنور المبين له وابوابا معدودة من صحيح الامام مسلم وشيئا من مسند الدارمي على مولانا الشيخ عبد القيوم بن مولانا الشيخ عبد الحي المرحوم البرهانوي ثم البدهانوي فاجازني باجازة عامة سنة الف ومائتين وثلاث وتسعين حين كنت مقيما في بهوبال في خدمة التدريس بالمدرسة السليمانية ثم لما حضرت حرم الله مكة المشرفة زادها الله شرفا وكرامة لزيارة البيت الحرام اول مرة سنة الف ومائتين وثلاث وتسعين حصلت لي اجازة عامة من مولانا الشيخ السيد احمد بن زيني دحلان ثم لما تكملت بطيبة الطيبة وتشرفت بزيارة خير البقاع روضة سيد المرسلين صلوة الله وسلامه عليه وعلى آله الى يوم الدين حضرت حضرة مولانا الشيخ عبد الغني المجددي الدهلوي رحمه الله رحمة واسعة وقرأت عليه من اوائل الكتب الستة فاجازني باجازة عامة سنة الف ومائتين واربع وتسعين ولي اجازة عامة من مولانا الشيخ السيد احمد البرزنجي مفتي الشافعية بالمدينة النبوية اجازني بها سنة الف وثلاث مائة وست وعشرين وفي هذه السنة حصلت لي اجازة عامة من مولانا الشيخ بدر الدين المحدث الشامي مراسلة وقد اجزت الاخ المذكور بكل ما يجوز لي درايته وروايته من كتب الحديث الصحاح الستة والموطأين للامامين الهمامين الامام محمد بن الحسن الشيباني والامام مالك بن انس الاصبحي ومسند الدارمي والمسلسلات للشيخ ولي الله المحدث الدهلوي وغيرها من كتب الحديث والتفسير والفقه والاصول والمعقول والمنقول كما اجازني بها مشائخي الاعلام واجيزه ان يجيز غيره ممن تأهل لهذا الفن الشريف بالشروط المعتبرة عند اهله واوصيه ان لا ينسى تقوى الله في السر والعلانية وان يشتغل بالعلوم الدينية [illegible] في اكثر الاحيان وان يجتنب عن [illegible] في الدين ومن طلب الدنيا ولذاتها وان لا ينساني في دعواته الصالحة وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم. حرره العبد الاثيم خليل احمد عفا الله عنه

[illegible] شوال سنة [illegible]

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خصوصی سند کا عکس

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

ہندوستان کے ایک علمی چشمہ (مظاہر العلوم) سے سیرابی کے بعد بھی آپ کی علمی تشنگی دور نہیں ہوئی بلکہ علم کی پیاس بجھانے کے لئے آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دورہ حدیث پڑھیں جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور روح رواں تھے جن کی علمی و ملی شہرت کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا

اپنے استاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ حضرت مجھے دیوبند میں دورہ حدیث پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے حضرت نے اجازت دے دی مگر اس شرط پر کہ فراغت کے بعد تدریس مظاہر العلوم میں کرنی ہو گی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص دوستوں اور عزیز ساتھیوں میں سے تھے ان کا بھی مشورہ ہوا کہ آپ دیوبند تشریف لے چلیں اور خود حضرت شیخ الحدیث صاحب کا دل بھی چاہ رہا تھا مگر مجبوریوں کی وجہ سے آپ نہ جا سکے

حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں

”مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا دیوبند تشریف لے جانا اس ناکارہ ہی کے مشورے اور اصرار سے تھا کہ جی میرا بھی چاہ رہا تھا مگر میں اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی شدید پابندیوں کی وجہ سے کسی دوسری جگہ نہیں جا سکتا تھا“

چنانچہ شوال ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۴ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کی کتابوں میں داخلہ لیا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تدریسی زندگی کا یہ آخری سال تھا غیر معمولی برکات و آثار سعادت و فلاح اس سال نمودار تھے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آخری دورہ حدیث کا تذکرہ حیات شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں ان الفاظ سے فرماتے ہیں

ہر حادث کی انتہا ہے اور ہر شے کو فنا افسوس ہے کہ اس (مدرسی) کے بعد حضرت کے روحانی سرپرست ہونے کا نمبر آیا اور رخصت ہونے کا زمانہ قریب آپہنچا یعنی اسی دارالعلوم کی مسلسل خدمت کرتے ہوئے آپ نے بخاری شریف اخیر تک پڑھا کر حسب معمول ماہ رجب ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۴ء میں ختم کرائی چونکہ ارادہ سفر باوجود اخفاء کے مشہور ہو چکا تھا دعاؤں میں معمول سے زیادہ آدمی شریک ہوئے کہ دیکھئے پھر کبھی حضرت کا حلقہ درس دیکھنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں اور آئندہ اس برکت کے حصول کا موقع ملتا ہے یا نہیں اس وقت حقیقی علم کس کو تھا مگر درحقیقت دعا کے بعد جب حضرت درسگاہ سے اٹھے تو چوالیس سال کے بعد دارالعلوم کی خدمت تعلیم و تعلم کو ختم کر کے اٹھے پھر کبھی نہ درسگاہ نے آپ کی تلقین و تعلیم کی آواز سنی اور نہ آپ کا کبھی درس دینے کے لئے وہاں قدم آیا۔

(حیات شیخ الہند ص ۲۷۔۲۸)

بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی ابوداؤد شریف حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری سے اور مسلم شریف حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم سے بخاری شریف اور ترمذی شریف کے سبق میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا عزیز گل صاحب اسیر مالٹا بھی شریک ہوتے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ طلبہ کو ان حضرات کی شرکت سے بڑی خوشی ہوتی یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے طبیعت کے مزاج شناس تھے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علم کا ناپید کنار سمندر تھے اس سمندر میں موتیوں کی تلاش کے لئے ان جیسے مزاج شناس غواصوں کی ضرورت تھی جو تلاطم پیدا کر سکیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر نہایت مختصر ہوتی مگر اختصار کے باوجود انتہائی جامع اور ہر قسم کے اشکالات کے لئے رافع ہوتی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں طلبہ سوالات بہت کم کرتے جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عزیز گل صاحب کوئی سوال کر کے بحث چھیڑتے پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا اندازہ ہوتا جو

خاموش سمندر کی طرح مد و جزر سے بے نیاز تھا۔

دارالعلوم کے اساتذہ

اس وقت دیوبند کے اساتذہ میں یہ حضرات نمایاں حیثیت کے مالک تھے
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین ' حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' ابن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا حکیم محمد حسن صاحب ' مولانا غلام رسول صاحب ' مولانا میاں اصغر حسین صاحب ' مولانا گل احمد صاحب ' مولانا اعزاز علی صاحب ' مولانا شبیر احمد صاحب ' مولانا محمد ابراہیم صاحب ' مولانا عبدالسمیع صاحب ' مولانا احمد شیر صاحب ' مولانا رسول خان صاحب

نمایاں کامیابی

مظاہر العلوم کی طرح دارالعلوم میں بھی آپ نے نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی جو شفیق اساتذہ کی مسرت و توجہ کا باعث بنی دورہ حدیث کی سب کتابوں میں نمبر اول آئے جیسا کہ سالانہ امتحان کے نتیجہ سے معلوم ہوتا ہے دارالعلوم دیوبند میں سالانہ امتحان میں کامیابی کے بعد مدرسہ کی طرف سے سند فراغت سے قبل ایک سند انعام دی جاتی جس میں حاصل کردہ نمبر اور جو کتب انعام میں دی جاتی ان کا ذکر ہوتا (اس کا عکس یہاں شائع کیا جارہا ہے) اس سے نمایاں کامیابی کا اندازہ ہو سکتا ہے اس سند پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط بھی موجود ہیں۔

طب کے ساتھ آپ کو خاندانی مناسبت تھی آپ کے والد صاحب اور دادا صاحب ماہر طبیب گزرے ہیں (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند ' مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا حکیم محمد حسن صاحب طب پڑھایا کرتے تھے آپ نے ان سے طب کی کتابیں "نفیسی شرح اسباب موجز اور قانونچہ" پڑھیں اور پھر باقاعدہ امتحان دے کر اس میں بھی نمایاں کامیابی

حاصل کی۔
دیوبند و سہارنپور میں دورہ حدیث کے ساتھ ساتھ مدرسہ کے خارج اوقات میں بھی بعض کتابیں آپ پڑھا کرتے یا سماع کرتے یہ ذہانت اور جذبہ حصول علم کی انتہا تھی کہ ایک طرف دورہ حدیث کو باضابطہ طور پر پڑھا جارہا ہے تو دوسری طرف اساتذہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خارج میں فنون کے کتب کی تکمیل ہو رہی ہے
اس دور میں جبکہ حصول علم کا جذبہ سرد پڑ چکا ہے اساتذہ و طلبہ دونوں کے لئے مولاناؒ کی زندگی سراپا سبق ہے کہ وقت کو غنیمت جانا اساتذہ کی قدر کی جس استاذ سے جو بھی موقع ملا حاصل کیا حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں کہ مولانا شبیر احمد صاحبؒ بھی میرے استاد تھے خارج میں عصر کے بعد امور عامہ کا سبق ہوتا چند اسباق کا میں نے سماع کیا تھا۔
مطمع نظر صرف یہ تھا کہ اساتذہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے صرف علمی استفادہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر ایک استاذ سے اکتساب فیض کرتے طبیعت میں سلامتی اور سنجیدگی اور اساتذہ کی قدر و منزلت کا نتیجہ تھا کہ ہر استاد کو آپ سے محبت ہوتی اساتذہ کے خصوصی توجہات کے مستحق بنتے

سند انعام امتحان سالانہ مدرسہ اسلامی عربی دیوبند ضلع سہارنپور بابت ١٣٣٢ھ

نمبر	نام طالب العلم بقید سکونت	نام کتاب جسمیں امتحان ہوا	نمبر	درجہ	قسم امتحان	العبد مدرس	نام کتاب جو انعام میں ملی	العبد مہتمم ومہر مدرسہ
٢	مولوی عبدالرحمن کامل پوری	بخاری شریف	٥١	اعلیٰ	تحریری	[illegible]	[illegible]	محمد احمد مہتمم مدرسہ
		ابوداؤد شریف	٥١	״	״			
		طحاوی شریف	٥١	״	״			
		نسائی شریف	٥١	״	״			
		ابن ماجہ شریف	٥١	״	״			
		موطا امام مالک	٥١	״	״			
		ترمذی شریف	٥١	״	״			
		مسلم شریف	٥٠	اول	״			
		شمائل ترمذی	٥٠	״	״			
		موطا امام محمد	٥٠	״	״			
		شرح اسباب	٥٠	״	״			
		نفیسی	٥٠	״	״			
		موجز	٤٨	دوم	״			
		قانونچہ	٤٨	״	״			

المرقوم [illegible] ذیقعدہ ١٣٣٢ھ

بطبع قاسمی دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی سندِ انعام کا عکس اسمیں حضرت شیخ الہندؒ کے دستخط بھی ہیں

سند الفراغ من المدرسة العربية العالية الإسلامية

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

الحمد لله الذي جعل الشريعة المطهرة مقياساً للحلال والحرام وأنار لها معالم وأعلاماً يهتدي بها المتخبطون في غياهب الظلام
وأقام لها أئمة قائمين بأمر الله لا يضرهم من خذلهم لا يخافون في الله مصميا الملام ثم أخلفهم في كل عصر خلفاً
يحفظون الدين وينقلون الأحكام فهم من حملة العلوم ولولاهم من ورثة الأنبياء العظام والصلاة والسلام
على من أرسله حين ما أظلمت الدنيا وأحاطت بها أحناء وبين السالك دخين الأصنام ليقيم الملة الحنيفية ويطهرها عن دنس
الكفر ونجاسة الأنصاب والأزلام فجاهد صلوات الله عليه وسلامه للشريعة أصولاً وبين لها فروعاً وفصولاً حتى تم
منبعه لا يرومه غير وإلى أصحابه البررة الكرام المتمسكين بذروة عمود الإسلام القائمين لنصرة الدين مقاماً تزل
فيه أقدام وبعد فإن العلوم شأنها رفيع وجنابها منيع لا سيما العلوم الشرعية الدينية الحقيقية فإنها أبت
أن ينتصب لأمل وفقه الله تعالى للخير والفضائل وجنبه عن الشين والرذائل أن الأخ الصالح البار المولوي
عبد الرحمن بن گل احمد المتوطن بهمودي من مضافات كامل پور قد دخل هذه المدرسة العربية العالية الإسلامية
الديوبندية التي هي مركز العلوم الدينية ومدارها منها تتفجر أنهارها وبحارها الاثنين والعشرين من الشوال المكرم
سنة اثنين وثلاثين بعد الألف وثلاثمائة من الهجرة النبوية على صاحبها ألف ألف سلام وتحية فقرأ من علوم الحديث
صحيح الإمامين الهمامين البخاري ومسلم وسنن أبي داود والنسائي وابن ماجه والترمذي وشمائل الترمذي
والموطأين للإمامين مالك ومحمد ومعاني الآثار للإمام الطحاوي رحمهم الله تعالى ومن علم الطب
النفيسي وشرح الأسباب والموجز والقانونچه في مدة ما قرأ على طريقة حسنة رضي عنها الأساتذة وأركان المدرسة وهو
حسن تسليم الطبع جيد الفكر ذو استعداد ومعرفة تامة بالعلوم ولما طلب الإجازة أجزناه وكتبنا له هذه الورقة لتكون
سنداً وتذكرة منا بما ... ونوصيه بالله الموفق بتقوى الله سراً وعلانية وبتتبع السنة السنية مشتغلاً بنشر الأحكام
الشرعية مكباً على مطالعة الكتب الدرسية مجداً في ترويج العلوم الدينية سالكاً مسلك السلف الصالحين مجتنباً
عن البدع المبتدعة من الاختراع في الدين عاضاً بالنواجذ على ما مضى عليه القرون المشهود لها بالخير من الصحابة
والتابعين والأئمة المجتهدين وأن لا ينسانا في دعواته الصالحة والله الموفق والمعين وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين
قد كتبت لعشرين من ذي ... سنة ثلاثمائة وثلث وثلاثين من الهجرة النبوية ...
... الإ... ... ...

غلام رسول ...

سند دار العلوم دیوبند کا عکس

دور طالب علمی کی خوبیاں

آپ کے اس دور کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ بچپن سے آپ کم سخن اور خاموش طبع تھے متانت ہر انداز پر غالب رہتی یہ خاموشی اور متانت عمر کے ساتھ بڑھتی چلی گئی طبیعت میں لطافت اور نرمی تھی سختی نام کو بھی نہ تھی اگر کوئی سختی سے گفتگو کرتا تو نرمی سے جواب دیتے البتہ اساتذہ کے بارے میں بے ادبی کا کوئی لفظ کسی سے سننے کے لئے تیار نہ ہوتے ایسے موقع پر آپ کی طبیعت میں قوت اور سختی آجاتی پنڈی سرال[1] میں قیام کے دوران آپ کے استاذ مولانا قاضی عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ لوگ مخالف تھے وہ مسجد میں آکر شرارت کرتے ۔ استاذ اور طلبہ کو تنگ کرتے ' مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خود چند بار ان کو سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے آخر میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ اپنے استاد کی بے ادبی ہم سے نہیں دیکھی جاتی آئندہ اگر شرارت کی نیت سے آؤ گے تو ہم مسجد میں نہیں آنے دیں گے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ان پرزور الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ مسجد میں ان کی شرارتیں موقوف ہو گئیں

بچپن[2] میں اور بچوں کی طرح شرارتوں اور چھچھورپن سے کنارہ کش رہتے کبھی ٹھٹھا مار کر آپ نہ ہنستے آوارگی سے آپ کو نفرت تھی بچوں کی طرح کھیل کود میں مشغول نہ ہوتے علم سے شروع ہی سے لگاؤ تھا اس علمی لگن کی وجہ سے آپ نے بچپن ہی سے والدین و اقرباء کی جدائی اور وطن کی مفارقت گوارا کر لی تھی

مولانا قاضی عبدالمجید صاحب کملیالی اخلاص میں آپ کے ہم درس رہے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں

مولانا کے دل میں ہندوستان جانے کا بڑا جذبہ تھا مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جانے کے لئے آپ بڑے بے قرار تھے مولانا بڑے

---

(۱) روایات از مولانا محمد قاسم صاحب، صاحبزادہ حضرت قاضی صاحبؒ

(۲) از حاجی محمد زمان صاحب برادر اکبر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ

متحمل مزاج تھے طبیعت میں برداشت اور صبر کا مادہ بہت تھا(۱)

اساتذہ کی عزت اور ان کی تعظیم و تکریم آپ کا امتیازی نشان رہا کسی استاذ کے بارے میں کبھی بے ادبی کا کوئی لفظ اشارتاً بھی آپ سے نہ سنا گیا اور نہ آپ نے اساتذہ سے تلمذ(۲) کا کبھی انکار کیا

نماز کی پابندی اور اس کے اہتمام کا آپ کو ابتداء سے خیال تھا تہجد اور شب خیزی طالب علمی کے زمانہ سے آپ کی عادت تھی آپ کے ساتھی مولانا محمد حیات صاحبؒ میانوالی والے فرماتے ہیں کہ

"سحر کے وقت جاگنا گویا آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی"

سہارنپور میں طالب علمی کے دوران آپ کا "نیا بانس محلہ کی مسجد اور تیلی محلہ کی مسجد میں قیام رہا

تیلی محلہ میں رہنے والے مولوی برکت علی صاحب کے والد صاحب کا بیان ہے

"کہ مولانا رات کا اکثر حصہ مطالعہ اور عبادت میں گزارتے جب ہم مسجد میں جاتے آپ کو ان مشاغل میں مصروف پاتے

ذہانت و فطانت آپ کی بے مثال تھی طبعی خاموشی کے ساتھ ذہنی و فکری طور پر انتہائی نکتہ رس اور ذکی الفطرت تھے اساتذہ کو آپ کی قابلیت پر ناز تھا اساتذہ کے اس علمی اعتماد کو بھی آپ کے مزید علمی ترقیوں میں بڑا دخل ہے دوران طالب علمی میں ہی طلبہ آپ کی طرف رجوع کرتے اور مشکل کتابیں آپ سے پڑھتے جس کا اعتراف خود مظاہر العلوم کی روئیداد ۱۳۳۴ھ میں کیا گیا (آئندہ اس کا ذکر آئے گا)

---

(۱) مکتوب قاضی عبدالمجید صاحب

(۲) متاخرین میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رسول خان صاحب آپکے اساتذہ میں سے ہیں ۔ اپنی علمی شہرت و وجاہت کے باوجود اپنے ان اساتذہ کا تذکرہ بڑے احترام سے فرماتے ۔ مولانا نے چند متعلقین کو جو لاہور رہتے تھے حکم دیا ہوا تھا کہ استاد مولانا رسول خان صاحب کی خدمات میں جایا کریں ۔ ایک صاحب نے لکھا مولانا رسول خان صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی ہے ۔ آپ نے تحریر فرمایا بہت اچھا کرتے ہو مولانا سلمہ ہمارے بزرگ اور شیخ ہیں

(۳) از افادات مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہ

مولانا محمد حیات صاحب فرماتے ہیں کہ فلسفہ کی مشہور مشکل کتاب صدرا کا سبق مظاہر العلوم میں مولانا عبدالوحید صاحب کے پاس تھا بارہا ایسا ہوتا کہ دوران درس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ انتہائی ادب سے اپنی رائے استاذ کی خدمت میں حل مشکلات کے سلسلے میں پیش فرماتے استاذ خندہ پیشانی سے مولانا کی رائے تسلیم فرمالیتے مکھڈ شریف میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس مولانا عبدالمالک صاحب (ساکن یٹیین ضلع کیمبل پور) فرماتے ہیں کہ دوران طالب علمی میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ پاکیزہ اخلاق اور حسن ادب میں دوسرے ساتھیوں سے ممتاز تھے ہمہ تن درس میں مشغول رہتے ادراک و فہم بہت تیز تھا آپ کی خوش مزاجی کی سب تعریف کرتے اساتذہ کی خدمت ان کا شیوہ تھا مولانا فرماتے ہیں کہ ہم نہ سمجھتے کہ مستقبل میں اپنے یہ ساتھی اس مرتبہ کو پہنچیں گے اور اتنے بڑے ادارہ کی خدمت ان کے سپرد ہو گی حضرت مولانا عزیر گل صاحب اسیر مالٹا دیوبند میں آپ کے ساتھ دورہ حدیث میں شریک رہے ہیں فرماتے ہیں دوران طالب علمی ہی میں معلوم ہوتا تھا کہ مولانا عبدالرحمان صاحب ولی اور بزرگ ہیں انتہائی خاموش طبیعت اور اپنے کام سے کام یہ ان کا امتیازی وصف تھا"

قاری محمد صدیق صاحب باندویؒ بانی جامعہ عربیہ (ہتورا باندہ انڈیا) اپنی مشہور کتاب آداب المتعلمین میں لکھتے ہیں۔

حضرت استاذی مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب محدث صدر المدرسین مظاہر علوم نے اپنا ایک واقعہ سنایا تھا کہ میں اپنے وطن سے جب سہارنپور پڑھنے کیلئے آیا تو ہر استاذ سے مل کر آیا تھا۔ ایک استاذ جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ جب سہارنپور آکر پڑھنا شروع کیا تو کتاب بالکل سمجھ میں نہ آئے۔ حالانکہ میں اپنی جماعت میں بہت سمجھدار سمجھا جاتا۔ اسکے اسباب پر غور کیا۔ اللہ پاک نے رہنمائی فرمائی۔ اور ان استاذ کی خدمت میں خط لکھ کر معافی مانگی، اور ملاقات نہ ہوسکنے کی وجہ لکھی، انہوں نے جواب میں فرمایا۔ میرے دل میں خیال ہوا تھا کہ مجھے چھوٹا سمجھ کر شاید تم نہیں ملے لیکن تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں تھی۔ اسکے بعد دعائیہ الفاظ لکھے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اساتذہ کے احترام ہی کا نتیجہ ہے کہ

تمہارے سامنے ترمذی پڑھا رہا ہوں۔

درس کا یہ عالم تھا کہ سب کا اس پر اتفاق تھا کہ ان سے بہتر اس وقت ترمذی پڑھانیوالا پورے ملک میں کوئی نہیں۔ (آداب المتعلمین ص ۳۱)

مولانا محمد حیات صاحب[1] تحریر فرماتے ہیں۔ "حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں میں کچھ مدت کوٹ چاند نہ میں اور کچھ مدت سہارنپور آپ کے زمانہ طالب علمی میں رہا مگر زبان آپ کی محاسن اخلاق سے قاصر۔ اور خداداد ملکات اور خوبیوں کے جاننے سے دل عاجز ہے"۔

مقبولیت و محبوبیت

ابتدا ہی سے لوگوں کے دلوں میں آپ کے لئے اللہ نے محبت پیدا کر دی تھی۔ آپ اساتذہ اور بزرگوں کی نگاہوں میں محبوب بنا دئے گئے تھے۔ بہبودی میں جب کسی مجمع میں آپ پہنچتے تو باوجود کم عمری کے بوڑھے اور معمر لوگ آپ کے احترام اور تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست

اساتذہ کے ساتھ آپ کا مثالی تعلق رہا جہاں آپ کے دل میں ان کی تعظیم و تکریم تھی وہاں اساتذہ کے قلوب بھی آپ کے لئے محبت سے پر تھے۔

اساتذہ کی نگاہوں میں آپ کا مقام

آپ کے اساتذہ و مشائخ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام سب سے نمایاں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی اور باوجود مولانا کے شاگرد ہونے کے ادب کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد تھے ایسا احترام مولانا کا کیا کرتے تھے جیسا بڑوں کا کیا جاتا ہے اور مولانا مرحوم بھی اتنا ادب کیا کرتے تھے کہ قابل رشک ہے"۔

---

(۱) از افادات مولانا عبدالشکور صاحب و مولانا عبدالجلیل صاحب

مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب چند دن تونسہ میں تدریس کے بعد مظاہر العلوم واپس تشریف لائے (جس کا ذکر آئندہ آئے گا) تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا

کشتے کہ عشق دارد نگذاروت بدینساں

بجنازہ گرنیائی بمزار خواہی آمد

اس شعر کو پڑھ کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کس قدر اپنے قلبی تعلق و محبت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دوبارہ کشاں کشاں مظاہر العلوم اپنے شیخ کی خدمت میں آنا پڑا اور کسی دوسری جگہ کا ماحول سازگار نہ آیا اور یہی تعلق پھر استاد کی جانشینی پر منتج ہوا۔

مولانا ثابت علی صاحب ' مدرس مظاہر العلوم جن سے مولانا نے ادب کی بعض کتابیں پڑھی تھیں مولانا کی قابلیت اور مرتاض طبیعت کی وجہ سے بڑی عزت فرماتے تھے مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں۔

"کہ ملا نذیر مظاہر العلوم میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے خادم تھے ان سے مولانا ثابت علی صاحب[1] ایک بار ناراض ہو گئے۔ گفت و شنید کے باوجود مولانا ان سے خوش نہ ہوئے۔ کچھ اور حضرات کو بھی ان سے شکایات ہوں گی۔ مولانا ثابت علی نے درس میں ایک بار فرمایا کہ "مولانا عبدالرحمان صاحب مقدس ہستی ہیں" مگر ان کی شکایت بھی ملا نذیر کے بارے میں نہیں سنی جاتی"۔

لفظ "مقدس ہستی" ایک استاد کی طرف سے شاگرد کے لئے کتنی بڑی سند ہے۔

---

(۱) مولانا ثابت علی صاحب بڑے مخلص اور متقی علماء میں سے گزرے ہیں آپ مولانا عبداللطیف صاحب سابق ناظم مدرسہ مظاہر العلوم کے چچا تھے۔ مدرسہ مظاہر العلوم کے نہایت ہی قدیم مدرسین میں سے تھے۔ مدرسہ ہی میں اول تا آخر پڑھا ہے۔ پھر دو روپے پر نئے مدرس رکھے گئے اور اخیر عمر تک مدرسہ میں زندگی گزار کر سہارنپور ہی میں ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ کی شب میں وفات پائی۔ اور وہی مدفون ہوئے۔ (افادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ)

مولانا قاضی عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنڈی سرہال والے ' مولنا رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شفیق استاد تھے مولانا ان کی شفقت و محبت کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا سے بڑا تعلق تھا اور فخریہ انداز سے اپنے شاگرد کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں کہ "پنڈی سرہال کے بعض "شیوخ" حضرات نے جو مانکی شریف کے سلسلہ سے منسلک تھے۔ اپنے پیر صاحب کی خدمت میں جا کر شکایت کی کہ ہمارے گاؤں میں مولانا قاضی عبدالرحمان "ضاد" کو مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں۔

مانکی شریف کے سلسلہ والے ضاد کو مشابہ بالظاء پڑھنے سے احتراز پر بڑا تشدد کیا کرتے تھے۔ پنڈی سرہال کے شیوخ نے پیر صاحب سے عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کسی ایسے عالم کو بھیج دیئے جو قاضی صاحب سے مناظرہ کر سکیں۔ پیر صاحب نے اپنے ایک خاص مرید اور جید عالم مولانا غلام حبیب صاحب (ساکن تمبولک ضلع مردان) کو بھیج دیا۔ مولانا غلام حبیب صاحب مظاہر العلوم میں مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ چکے تھے اور آپ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔

مولانا غلام حبیب صاحب پیر صاحب کے حکم سے پنڈی سرہال گئے۔ رات ' شیوخ حضرات کے پاس قیام کیا۔ صبح قاضی صاحب کی خدمت میں آئے۔ آنے کا مقصد بیان کیا کہ ان شیوخ نے پیر صاحب مانکی شریف کی خدمت میں شکایت کی کہ آپ با ضاد کو مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں میرا خیال ہے کہ حکمت عملی سے ان کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے۔ باتوں باتوں میں قاضی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ نے تعلیم کہاں حاصل کی۔ مولانا غلام حبیب صاحب نے فرمایا کہ مظاہر العلوم سہارنپور[1] میں۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

---

(1) آپ کے صاحبزادے مولوی لطف الرحمن صاحب اور بھتیجے مولوی دوست محمد صاحب نے بھی مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کی۔

وہاں میرے ایک شاگرد مولاناعبدالرحمان صاحب ہیں آپ ان کو جانتے ہیں۔ مولانا غلام حبیب صاحب نے فرمایا کہ حضرت وہ تو میرے شفیق استاذ ہیں اور بہت بڑے عالم ہیں۔ اوز یہ سن کر کہ قاضی صاحب تو استاذ کے استاذ ہیں ان کو بڑی خوشی ہوئی اور معافی مانگی کہ حضرت میری کیا شان !کہ آپ سے مناظرہ کروں۔ آپ تو میرے استاذ الاستاذ ہیں۔ یہ تو ان شیوخ حضرات کے اصرار پر پیر صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔ اللہ تعالی نے اس ذریعہ آپ سے ملاقات کرا دی۔ قاضی صاحب بڑے خوش ہوئے کہ ایک علمی مرکز میں ان کے شاگرد کا فیض عام ہو رہا ہے۔ اس محبت کے اظہار کے لئے قاضی صاحب نے اپنے شاگرد کے شاگرد کو کھانے پر مدعو کیا۔

مگر مولانا غلام حبیب نے تنہائی میں فرمایا کہ حضرت میں آپ کی دعوت قبول کروں تو یہ سب شیوخ مجھ کو مانکی شریف میں بدنام کریں گے۔ لہٰذا آپ ناراض نہ ہوں آپ تو میرے استاذ الاستاذ ہیں۔ یہ واقعہ خود قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کو سنایا۔

قاضی صاحب کے اس تعلق اور شفقت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا محمد حسن کو مظاہر العلوم میں آپ کی نگرانی پر داخل کر دیا اور وہیں سے فارغ ہوئے۔ حالانکہ دیوبند میں مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت صدر مدرس تھے اور قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے دورہ حدیث میں ہم درس رہے۔ قاضی صاحب نے دورہ حدیث شیخ الہند سے پڑھا ہے۔

کھڈ اور اخلاص میں مولانا حسن الدین سے آپ نے پڑھا تھا۔ مشائخ تونسہ سے آپ کا تعلق تھا۔ اس تعلق کی وجہ سے اپنے خانقاہی مدرسہ کے لئے ایک جید استاذ کی خدمات مشائخ تونسہ نے آپ سے مانگی کہ اپنے کسی قابل شاگرد کو ہمارے مدرسہ میں بھیج دیں۔

مولانا حسن الدین نے فرمایا کہ اگر اپنے مدرسہ کو کامیاب بنانا چاہتے ہو

تو میرے شاگرد مولانا عبدالرحمان صاحب کو اپنے مدرسہ میں لیجاؤ چنانچہ مدرسہ کے مہتمم سہارنپور اور بہبودی آپ کے پاس آئے اور استاذ کی سفارش سے آپ کو تونسہ لے جانے پر آمادہ کیا (جیسے آگے آئے گا) مدرسہ کی کامیابی کے لئے استاذ کی نگاہوں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی کی واحد شخصیت تھی۔

مولانا عبدالشکور صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا مرحوم نے اپنے اساتذہ کو ہمیشہ خوش رکھا اور دعائیں لیں۔ خصوصاً" حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اساتذہ کرام ہمیشہ آپ سے خوش رہے۔"

پاکستان بننے کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ[1] کے دل میں جب ایک امتیازی اور مثالی دارالعلوم بنانے کا خیال آیا تو اس کی صدارت کے لئے مولانا کی نگاہ انتخاب آپ کے اوپر ہی پڑی یہ استاذ کی جوہر شناسی نہیں تو اور کیا ہے ؟

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے ایک صاحب نے تحریر فرمایا۔

"حضرت مولانا رسول خان صاحب حضرت کی بڑی تعریف فرمایا کرتے ہیں کہ بہت بڑے عالم ہیں فرمایا کہ جب خط لکھو تو میرا سلام لکھنا اور ساتھ خاتمہ بالخیر کی دعا کا بھی لکھنا"۔

مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا۔

یہ حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ کی خاص شفقت ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کر دے احقر کی طرف سے حضرت کی خدمت میں سلام اور دعا کی درخواست عرض ہے۔"

---

[1] گزر چکا ہے کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے خارج میں امور عامہ کے چند اسباق کا سماع، مولانا نے کیا تھا اور ہمیشہ حضرت الاستاذ سے مولانا شبیر احمد صاحبؒ کا نام لیا کرتے۔

علمائے سلف نے اساتذہ کے ادب و احترام کے بارے میں جو لکھا ہے کہ یہ علم میں برکت کا سبب ہوتا ہے اس کا مشاہدہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بخوبی ہوتا ہے۔

ہندوستان کے علمی مراکز

حضرت مولانا نے ہندوستان کے جن دو علمی و دینی مرکزوں میں حدیث اور دوسرے بعض علوم کی تکمیل کی تھی اور پھر جن کے ساتھ آپ نے اپنی زندگی وابستہ کر کے عمر کا بیشتر حصہ علم دین کی خدمت میں وہیں گزارا۔ ان دونوں اداروں کے مختصر طور پر حالات بیان کئے جاتے ہیں تاکہ ان کا مقام معلوم ہو سکے اور قدرت نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جس ادارہ کی خدمت کے لئے منتخب کیا تھا اس کا اپنے بانیوں اور منتظمین کے اعتبار سے کس پایہ کا مقام تھا اور ہندوستان میں علم دین کی اشاعت میں اس کا کیا حصہ ہے۔

دارالعلوم دیو بند

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ طالب علمی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر ہوں اور میرے قدموں کے نیچے سے ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ نے علم کے فیض سے اس کی تعبیر فرمائی۔ ان نہروں میں "دارالعلوم دیوبند" اور مظاہر العلوم سہارنپور کا نام سرفہرست ہے۔ جن کی فیض رسانی کا مشاہدہ پورے دنیا کے مسلمانوں نے کیا۔

ان مدارس کا وجود کوئی اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ علماء اسلام کی دور رس نگاہوں نے "انگریزی عفریت" کی بڑھتی ہوئی سازشوں اور چالبازیوں کو جب محسوس کیا کہ کس طرح یہ مسلمانوں کے ذہن سے مذہب اور اسلام کا نام مٹانا

چاہتے ہیں۔ اقتدار اور عیارانہ چالاکیوں سے ان کو اپنے دین سے بیگانہ بنانا چاہتے ہیں۔ لالچ حرص و آز کے مکروہ راستوں سے مسلمانوں کے قلب و دماغ کو خراب کرنا چاہتے ہیں ۔ انگریز نے مسلمان کو اپنے اقتدار میں حائل سمجھا۔ اس لئے عیسائی مشنریوں اور دوسرے ناجائز حربوں سے جاہل عوام کے عقائد کو خراب کر کے دین سے برگشتہ کرنے کا عزم کیا۔ عہدوں اور ملازمتوں کا لالچ دیکر انگریزی تعلیم کو لازمی قرار دیا تاکہ دینی احساس مسلمانوں میں کم ہوتا چلا جائے۔

علماء دیوبند جو نور بصیرت اور دینی و ملی احساس سے نوازے گئے تھے۔ انگریزی اقتدار کے اس اتار چڑھاؤ اور خلاف اسلام حرکتوں کابخوبی جائزہ لے رہے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد فضا میں کچھ سکون کے بعد ان حضرات نے آپس میں مشورہ کیا اور آئندہ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے بقاء کے لئے لائحہ عمل تجویز کر کے دیوبند اور سہارنپور میں مدارس قائم کرنے شروع کئے۔

دیوبند ، ضلع سہارنپور کا مشہور قصبہ ہے۔ آبادی کا بیشتر حصہ عثمانی صدیقی فاروقی شیوخ کی اولاد پر مشتمل ہے۔ قدیم زمانہ سے علماء اور مشائخ کا مسکن اور مرکز رہا ہے۔ گذشتہ صدی[1] میں قطب العالم مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بریلوی کا مع مجاہدین کے جب اس بستی سے گزر ہوا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا کہ "یہاں علم کی بو محسوس ہوتی ہے۔" حضرت مجدد الف ثانی[2] سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔

قدرت کے ہاتھوں اس ادراک معنوی کا اس طرح ظہور ہوا کہ حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء کے ہاتھوں مسجد چھتہ میں ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۸ء بروز پنجشنبہ ایک مدرسہ کی ابتداء ہوئی

---

(۱) تذکرة الخلیل صفحہ ۱۰۹

(۲) حضرت مدنی قدس سرہ نے حضرت مجدد صاحب کے کسی غیر مطبوعہ مکتوب کے حوالہ سے بارہا یہ ارشاد نقل کیا

جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا۔
مولوی ملا محمود پہلے مدرس. بمشاہرہ پندرہ روپیہ ماہوار مقرر ہوئے اور پھر اخیر سال میں مولانا محمد یعقوب صاحب. بمشاہرہ بیس روپیہ مدرس اول ہو کر تشریف لائے اور سب سے پہلے متعلم مولانا محمود الحسن صاحب (شیخ الہند) تھے۔ چند سال کے بعد طلبہ کی روز افزوں تعداد کی وجہ سے دارالعلوم کی الگ عمارت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ۲ ذی الحجہ ۱۲۹۴ھ یوم جمعہ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کوششوں سے نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ پہلی اینٹ[1] میاں منے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسری حضرت حاجی محمد عابد صاحب تیسری حضرت گنگوہی اور ان کی بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور دوسرے حضرات نے رکھی۔ سنگ بنیاد رکھتے وقت بڑے اہل اللہ و مشائخ کا اجتماع تھا۔ مدرسہ کے اصل روح رواں حضرت مولانا قاسم نانوتوی تھے۔ پہلے مہتمم حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اور حضرت گنگوہی سرپرست مقرر ہوئے۔
مجلس شوریٰ میں مندرجہ ذیل حضرات تھے۔
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی 'حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب ' حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب ' حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب دیوبندی ' منشی فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سالوں میں ہی پنجاب ' کابل اور ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے کافی بڑی تعداد میں طالب علم جمع ہو گئے۔

---

(۱) منے شاہ صاحب میاں اصغر حسین صاحب کے نانا ہوتے ہیں ۔ صاحب استغراق بزرگ گزرے ہیں معصومیت کا پہلو غالب تھا ۔ مخلص از تذکرہ مشائخ دیوبند صفحہ ۱۶۸
ان کا نام شاہ محمد حسین تھا
حضرت قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ
میاں اصغر حسین کے نانا شاہ محمد حسین بچوں کو قرآن پڑھاتے اس زمانہ میں گھڑی موجود نہ تھی نشانیوں سے وقت پہچانا جاتا ۔ ایک جگہ نشان لگا کر رکھ لیا دھوپ یہاں تک پہنچ جائے تو چھٹی کا وقت ہو جاتا بچے شرارت کر کے نشان آگے گاڑ دیتے تاکہ جلدی چھٹی ہو جائے لوگوں نے کہا کہ میاں جی بچے شرارت کرتے ہیں ۔ فرمایا مسلمان بچے جھوٹ نہیں بولتے۔
خطبات حکیم الاسلام ص ۴۲-ج ۲

۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں جبکہ مدرسہ کی عمر کا چودھواں سال تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بمرض ضیق النفس انچاس سال کی عمر میں دنیا کو الوداع کہا۔ جس کے بعد مدرسہ کی پوری ذمہ داری حضرت گنگوہی کے سپرد کر دی گئی۔ ۱۳۰۲ھ میں مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد مولانا سید احمد صاحب دہلوی ۵ سال تک صدر مدرس رہے اور ۱۳۰۲ھ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مقرر ہو گئے۔

مظاہر العلوم سہارنپور

ہندوستان میں دوسرے علمی و دینی مرکز کی بنیاد دارالعلوم دیوبند کے قیام کے چھ ماہ بعد ماہ رجب ۱۲۸۳ھ میں رکھی گئی ابتداء میں مولانا سعادت علی خان صاحب سہارنپوری نے محلہ قاضی میں اس کی بنیاد رکھی اور مولانا سخاوت علی خان صاحب کو مدرس مقرر کیا۔ شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں مولانا محمد مظہر صاحب صدر مدرس بنائے گئے۔ حافظ فضل حق صاحب جو حضرت نانوتوی سے بیعت اور مولانا محمد مظہر صاحب کے مخلص دوستوں میں سے تھے انہوں نے اپنا ذاتی مکان توڑ کر مدرسہ کی موجودہ حالت پر تعمیر کرایا اور اسی تعمیری سال پر مولانا محمد مظہر صاحب کے نام کی مناسبت سے مدرسہ کا تاریخی نام مظاہر علوم ۱۲۹۲ھ تجویز ہوا۔ اس وقت مدرسہ کے ممبران و سرپرست تین حضرات تھے۔ مولانا محمد مظہر صاحب قاضی فضل الرحمان صاحب حافظ فضل حق صاحب (ف ۱۳۰۴)

مولانا محمد مظہر نانوتوی

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتہ کے رہنے والے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے محمد مظہر بن شیخ لطف علی بن حافظ غلام حسن بن غلام اشرف یہاں سے آگے وہی سلسلہ نسب ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد یعقوب

قدرت نے کچھ ایسے مقبول و مخلص بندوں کو ایک جگہ جمع فرمایا دیا تھا جس کی نظیر شاید دنیا نے کم دیکھی ہوگی۔ ان حضرات کی توجہات کا اثر تھا کہ ایسے نازک زمانہ میں جبکہ مدارس جاری کرنے کا نام لینا بھی دشوار تھا۔ ابتدائی

صاحب کا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولانا محمد مظہر صاحب آپس میں چچا زاد بھائی ہوتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے قصبہ میں حاصل کی۔ عربی فارسی اور دیگر فنون کی تکمیل دہلی میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب ' مفتی صدر الدین صاحب ' مولانا رشید الدین صاحب سے کی ہے۔ حدیث حضرت شاہ محمد اسحاق سے پڑھی ہے۔ نہایت عابد و زاہد متقی پرہیز گار مشائخ عظام میں آپ کا شمار ہوتا ہے ان حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دستار خلافت اور اجازت بیعت عنایت فرمائی تھی۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی عزت فرمایا کرتے تھے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب فرماتے ہیں "مولانا محمد مظہر صاحب گو عمر میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے تھے مگر عقید تمندانہ حاضر آستانہ ہوا کرتے اور بے اختیار حضرت کے سامنے انتہائی تعظیم و تکریم سے پیش آتے۔ حضرت گنگوہی شرماتے اور فرمایا کرتے کہ آپ مجھے کیوں نادم بنایا کرتے ہیں آپ تو مجھ سے بڑے ہیں اور آپ کا ادب و احترام مجھ پر ضروری ہے آپ ایسا کام نہ کیا کریں کہ مجھے شرم آتی ہے" (تذکرۃ الخلیل ص ۳۵)

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اب حادثہ جدیدہ یہ ہوا کہ مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم ۲۴ شب ذوالحجہ یکشنبہ کو فوت ہوئے۔ عالم اندھیرا ہوا اب سب رفیق رخصت ہوئے۔ دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکے لکھے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"[1]

ابتداء میں آپ مطبع نو لکشور میں کتابت کرتے تھے۔ مظاہر علوم کے سب سے پہلے صدر مدرس آپ مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب آپ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ شب چہار شنبہ بعد مغرب آپ کا انتقال ہوا ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی آپ

---

(۱) مکاتیب رشیدیہ صفحہ ۴۴

استاذ ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے بعض ابتدائی کتابیں پڑھی ہیں۔ وفات کے وقت آپ کی پیشانی پر پسینہ آتا تھا۔ جیسے کہ حدیث میں مومن کی موت کی علامت بتلائی گئی ہے۔ جنگ[1] آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار آپ نے حصہ لیا۔ اس جنگ میں آپ کے پیر میں گولی لگی تھی۔ جہاد شاملی کے بعد تمام شرکاء مصائب و آلام میں مبتلا رہے مولانا مظہر صاحب بھی روپوش ہو گئے۔

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کے انتقال پر سرسید احمد خان بہادر (ف ۱۸۹۸ء نے ایک شذرہ لکھا ہے جو یہاں (بحوالہ سیرت مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی) نقل کیا جاتا ہے۔ ص ۱۵۷

"مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم: افسوس ہے کہ مولوی محمد مظہر صاحب نے جو عربی مدرسہ سہارنپور میں مدرس تھے اور ان ہی کی ذات بابرکات سے اس مدرسہ کو عزت اور رونق تھی بروز شنبہ تیسری اکتوبر ۱۸۸۵ء کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولوی صاحب ممدوح بہت بڑے عالم تھے جس زمانے کے دہلی میں طالب علم تھے اسی زمانے میں ان کی ذہانت مشہور تھی۔ تقوی و ورع میں بھی نہایت اعلی درجہ رکھتے تھے۔ بیس برس سے انہوں نے اپنے ہم قوموں کو علوم دینی کی فیض رسانی پر کمر ہمت چست باندھی تھی اور عربی مدرسہ سہارنپور میں پا شکستہ ہو کر بیٹھ گئے تھے آمدنی مدرسہ سے صرف پچیس روپیہ ماہواری بقدر گزر اوقات لیتے تھے اور علوم کی تعلیم میں مصروف تھے۔ بہت لوگ ان سے فیض یاب ہوئے مگر افسوس ہے کہ اجل نے لوگوں کو اس فیض سے محروم کر دیا۔"

مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری۔

مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی مظاہر العلوم کے بانیوں اور اساتذہ میں سے ہیں۔ بچپن میں تعلیم کی طرف توجہ نہ تھی۔ لہو و لعب کبوتر

[1] از سیرت مولانا محمد احسن نانوتوی صفحہ ۱۵۴

بازی وغیرہ مشاغل میں مشغول رہتے ایک بار مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوری نے ایک شخص کو ان کے پاس کسی لفظ کے معنی پوچھنے کے لئے بھیجا۔ آپ جواب نہ دے سکے ۔ دل پر چوٹ لگی اور اپنی گزری ہوئی زندگی پر نادم ہو کر میرٹھ پہنچے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ پھر سہارنپور میں آ کر مولانا سعادت علی خان صاحب فقیہ سہارنپوری سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ علوم کی تکمیل آپنے دھلی میں مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا وصی الدین سہارنپوری سے کی ۔ حدیث مکہ مکرمہ میں مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے پڑھی۔ علوم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں کچھ عرصہ مشغول رہے۔ اس کے بعد دھلی میں مطبع احمدیہ جاری کیا۔ جس میں کتب حدیث کی طباعت کا اہتمام کیا۔ بخاری پر آپ کا حاشیہ مشہور ہے صرف آخری پانچ پاروں کا حاشیہ آپ کے ایماء سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے لکھا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعہ غدر کے بعد آپ سہارنپور تشریف لے آئے اور مدرسہ مظاہر العلوم میں حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کے حج پر جانے کے بعد تدریس میں مشغول ہو گئے ۶ جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ کو ۷۲ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا

دو ہمعصر و توام مدارس

دونوں مدارس کے بارے میں مولانا عاشق الٰہی صاحب مولف تذکرۃ الرشید فرماتے ہیں ۔

"یوں تو آپ کو (یعنی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو) دینی محبت کے باعث ہندوستان کے جملہ مدارس اسلامیہ کی ساتھ محبت تھی۔ مگر مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے ساتھ گویا عشق تھا۔ یہ دونوں دینی مدرسے اپنی بناء کے اعتبار سے بھی قریب قریب ہم عصر اور توام ہیں اور بانی کے لحاظ سے بھی ہمجد اور اخوین ان دونوں نونہالان چمنستان دین میں قدامت و اصلیت کا افتخار مدرسہ عالیہ دیوبند کو حاصل ہے۔ دونوں مدرسوں کی بنیاد حضرت مولانا محمد

قاسم العلوم رحمتہ اللہ کے ہاتھوں رکھی گئی مگر مدرسہ عالیہ دیوبند کی شروع سال میں بماہ محرم ۱۲۸۳ھ نبوی میں ابتداء ہوئی اور مظاہر العلوم سہارنپور کا چھ مہینے بعد بماہ رجب ۱۲۸۳ھ افتتاح ہوا۔ قدرت نے دونوں مدرسوں میں مدرسین و اہل شوری بھی ایسے چیدہ و منتخب مخلص اہل دل دیندار عطا فرمائے تھے جن پر زمانہ کو ناز تھا۔ مظاہر العلوم میں مدرس اول حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور بانی و مہتمم مولانا مولوی سعادت علی صاحب اور مولانا کے انتقال پر سرپرست حضرت مولانا المولوی احمد علی صاحب محدث قدس سرہ اور مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس اول مولانا الحافظ الحاج المولوی محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھے اور مہتمم حضرت مولانا المولوی رفیع الدین صاحب قدس سرہ۔

تذکرۃ الرشید ص ۲۴۶/ج۔ ۱

مدارس دینیہ کا عام الحزن

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں
۱۲۹۷ھ جس کو مدارس دینیہ کی تاریخ میں عام الحزن اور سال غم کہا جاتا ہے جس کی چوتھی جملوی الثانی کو پنجشنبہ کے دن معدن الحسنات قاسم الخیر والبرکات قدوۃ الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ نے بمرض ضیق النفس انچاس سال کی عمر میں بمقام دیو بند اس عالم فانی سے انتقال فرما کر احباب و اقارب دنیا کو اس وقت الوداع کہا جبکہ آفتاب خط استوا سے ڈھل چکا تھا گویا زوال شمس اس دن اس آفتاب دین کے ڈھلنے کی اطلاع دے رہا تھا جس کی چمکدار شعاعوں سے آج تک عالم جگمگا رہا اور اسی سال حضرت فقید النظر وحید العصر مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے بمقام سہارنپور داعی اجل کو لبیک کہی گویا دونوں مدرسے یتیم ہوئے دونوں جانکاہ و روح فرسا حادثوں سے زمین باوجود وسعت کے تنگ اور عالم روز روشن میں تاریک نظر آنے لگا اس وقت حضرت قطب العالم (مولانا گنگوہی) قدس سرہ کی وہ توجہ ان مدارس کی طرف عالم آشکارہ ظاہر ہوگئی جو اب تک ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے مخفی و مستور تھی چنانچہ ۱۲۹۸ھ کی روداد مدرسہ اسلامیہ دیو بند میں امام ربانی کی زیر سرپرستی شائع ہوگئی اور ام المدارس کے ساتھ آپ کا ظاہری اور باطنی علاقہ دنیا پر ظاہر ہوگیا۔ ۱۳۰۲ھ میں مولانا محمد مظہر صاحب اور ۱۳۰۴ھ میں مولانا فیض الحسن صاحب کا وصال ہوگیا جنہوں نے مظاہر العلوم کو من کل الوجود یتیم بنا چھوڑا اس وقت مدرسہ مظاہر العلوم کی بھی ظاہری و باطنی سرپرستی آپ کے حوالہ ہوئی۔

مظاہر العلوم مماثل و عدیل دار العلوم دیو بند

مولانا عاشق صاحب رحمہ اللہ حضرت گنگوہی کے ۱۳۰۱ھ میں دار العلوم

دیو بند کے جلسہ دستار بندی سے فراغت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں -

حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) نے چند یوم دیو بند میں قیام فرمایا اور آخر براہ سہارنپور گنگوہ واپس تشریف لے گئے - سہارنپور کا مدرسہ مظاہر العلوم جس کو مدرسہ عالی دیو بند کا مماثل و عدیل کہنا چاہئے اپنے افتتاح کے وقت سے بہ سرپرستی و اہتمام خاصان خدا بابرکت رفتار پر چل رہا تھا اس کی عمر بھی اٹھارہ سال کے قریب پہنچ گئی ہے دو مہینے بعد انیسواں سال شروع ہونے والا تھا اس اٹھارہ سال کی مدت میں بہت اشخاص فارغ التحصیل بن چکے اور نصاب نظامیہ کا تکملہ کرکے اپنے ملک و وطن اور ادھر ادھر دیگر بلاد میں منتشر ہوچکے اہل سہارنپور کو چونکہ اب تک دستار بندی کے جلسہ کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی تھی اس لئے کوئی جلسہ وہاں منعقد نہیں ہوا تھا چنانچہ اب جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ دیو بند سے فارغ ہوکر سہارنپور تشریف فرما ہوئے تو مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو فارغ التحصیل طلبہ کو دستار فضیلت باندھنے کی خواہش ظاہر فرمائی جس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بخوشی قبول فرمایا اور جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ جناب مولانا مولوی فخر الدین صاحب گنگوہی اور مولانا حافظ محمد جان صاحب پنجابی حال قاضی ریاست ٹونک کے سروں پر دست مبارک سے دستار باندھی - اس طرح ایک ہفتہ کے اندر دونوں دینی مدرسوں کے جلسہ دستار بندی سے بخیر و خوبی اور بحسن انتظام و خوش اسلوبی فراغت حاصل ہوئی اور قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے گنگوہ مراجعت فرمائی -

(تذکرۃ الرشید ج-۱ ص ۲۵۲)

گویا دونوں مدارس کے حالات میں یکسانی کا ظہور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک سے دونوں مدارس کے جلسوں میں فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کی صورت میں ہوا - مندرجہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ دونوں مدارس شجر علم کی دو بار آور اور مثمر شاخیں ہیں - دونوں کی بنیاد اس وقت کے ممتاز علماء زہد و صلحاء کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی - دونوں

مدارس کے بعض اکابر کا دنیا سے الوداع بھی ایک ہی سال میں ہوا اور دستار بندی بھی ایک ہی سال میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے انجام پذیر ہوئی - دونوں عظیم علمی و دینی ادارے ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے -

مولانا محمد مظہر صاحب اور مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے بعد مولانا عبدالعلی صاحب ۱۳۰۶ھ تک پھر مولانا احمد علی صاحب میرٹھی ۱۳۰۱ھ تک پھر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے صاحبزادہ مولانا حبیب الرحمان صاحب ۱۳۱۴ھ مدرس اول رہے آٹھ جمادی الثانیہ ۱۳۱۴ھ کو مولانا خلیل احمد صاحب حضرت گنگوہی کے حکم سے مظاہر العلوم میں بحیثیت صدر مدرس کے تشریف لائے اس وقت مدرسین کی تنخواہیں حسب ذیل تھیں -

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول چالیس' مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم و مدرس بیس' مولانا ثابت علی صاحب مدرس پندرہ' مولوی محمد احکم صاحب دس' حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مظاہر العلوم آنے سے قبل دارالعلوم دیو بند میں مدرس دوم تھے -

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے تشریف لانے سے مظاہر العلوم کو ایک نئی زندگی نصیب ہوئی آپ کی جدوجہد و مساعی سے مدرسہ روز بروز ترقی کرتا گیا اپنے استاذ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے لگائے ہوئے اس باغ کی آبیاری کا فرض بخیرو خوبی سر انجام دینا شروع کیا -

۱۳۶۰ھ بمطابق ۱۹۰۳ء میں مدرسہ کے کچھ جاہ طلب ممبران کی طرف سے ایک ہنگامہ اٹھا ان نا سمجھ اور ناعاقبت اندیش ممبران کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی انس و تعلق نہ تھا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت بھی ان کو ناگوار تھی ان وجوہات سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سرپرستی سے استعفیٰ دے دیا اور مولانا خلیل احمد صاحب کو پانچ ممبران مدرسہ نے غیر آئینی طور پر مدرسی سے برخاست کر دیا -

یہ ممبران اپنی کامیابی پر بڑے نازاں تھے مگر مخلص کی بے کسی جب

اس کو چاروں طرف سے مایوس کر دیتی ہے تو قدرت اپنا کرشمہ دکھانے کے لئے اسباب ظاہری کا پردہ اٹھا دیتی ہے بعض حضرات نے حکمت عملی سے حکام وقت کو اطلاع دی واقعات سے آگاہ کیا۔ بعض سمجھدار حکام کی مداخلت پر کچھ معاملات کی تحقیق کے بعد باہمی مشورے سے تین حضرات سرپرست مقرر ہوئے ۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیو بندی' حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری' حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ کی علیحدگی ناجائز قرار پائی آپ بے قصور تھے سابق ممبران کے غلط فیصلہ کو رد کرتے ہوئے آپ کے ذمہ مدرسہ کی صدارت حوالہ ہوئی۔

ان فیصلوں پر عام مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی نئے عزم کے ساتھ چھبیس ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ کو سرپرستان نے مدرسہ میں جمع ہوکر اپنا کام شروع کیا مدرسہ صحیح طور پر اپنے خیر خواہوں کے ہاتھ میں آیا ترقیات کا دروازہ کھلا حضرات مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ کی توجہ اور شب و روز سعی سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا آمدنی میں توسیع ہوئی طلباء کی بھی کثرت اور مدرسین میں بھی اضافہ ہوا کتب اور خالی چھتوں پر درسگاہوں کی تعمیر ہوئی ماہر تجوید اور مفتی حضرات کا تقرر ہوا وہ مدرسہ جو کسمپرسی میں پڑا ہوا تھا اب گویا تیز رفتاری سے ترقی کے مراحل طے کرنے لگا۔

۱۳۲۵ھ[1] میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ ناظم بھی بنا دیئے گئے گویا انتظامی اور تدریسی دونوں شعبوں کی سربراہی اور نگرانی آپ کے ذمہ قرار پائی ۔ ۱۳۲۷ھ میں آپ کے زیر نگرانی مدرسہ کی جدید عمارت کی تعمیر شروع ہوئی جو دس سال کے اندر یعنی ۱۳۳۷ھ تک تکمیل پذیر ہوئی ۔ ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ بقصد ہجرت مدینہ منورہ روانہ ہوئے وہاں ڈیڑھ سال کے قیام کے بعد آپ نے وصال فرمایا ۔ حضرت مولانا خلیل احمد

(۱) بقول شیخ الحدیث رحمہ اللہ حضرت سہارنپوری ۱۳۳۵ھ میں ناظم بنائے گئے ۔ تذکرۃ الخلیل میں غلطی سے ۱۳۲۵ھ تحریر ہے۔

صاحب کی ہجرت کے بعد صاحب سوانح حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مظاہر العلوم کی صدارت پر فائز ہوئے (تفصیل آگے آ رہی ہے)

مظاہر العلوم کی خصوصیات

مولف تذکرہ مشائخ دیو بند اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔

مدرسہ مظاہر العلوم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اب تک مدرسہ ان ہی لائنوں پر کام کر رہا ہے جو لائنیں اس کے لئے روز اول سے مقرر کر دی گئیں تھیں دنیا کی بڑی ہستیوں یعنی بادشاہوں' وزیروں کے سامنے دست سوال ہرگز دراز نہیں کرتے غریبوں اور عام مسلمانوں کے چندے پر انحصار زندگی ہے ۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور نمائش سے مدرسہ کا ہر فرد پرہیز کرتا ہے اور خلوص و توکل کا سہارا لیتے ہوئے خدمت دین میں مصروف ہے ۔ استاد اور شاگرد سب ایک ہی خانہ میں ہوتے ہیں گرمی کے دنوں میں سب کے ہاتھوں میں دستی پنکھا ہوتا ہے یا بوقت درس پسینہ پسینہ ہوتے ہیں اسی طرح طلبہ اور اساتذہ میں محنت اور جفا کشی کی عادت تو پڑتی ہی ہے ضروریات زندگی بھی محدود ہوگئی ہیں اور کم اخراجات کی وجہ سے "ہل من مزید" کی ہوس دل میں پیدا نہیں ہوتی مدرسوں کی تنخواہیں نہایت قلیل مقدار میں اتنی دی جاتی ہیں کہ غریبانہ اور درویشانہ شان کے ساتھ زندگی گزار سکیں اس طرح مدرسوں کو متوکل علی اللہ بننا پڑتا ہے اور ان کے دماغوں میں تنعم اور عیش و عشرت اور رئیسانہ ٹھاٹھ کی بو پیدا تو کیا ہوتی پاس بھی نہیں بھٹکتی ۔ اللہ تعالیٰ مدرسہ کے تمام حضرات میں توکل اور اخلاص اور زیادہ پیدا کرے اور آخرت میں مراتب عالیہ پر فائز کرے ۔ (آمین)

(تذکرہ مشائخ دیو بند ص ۱۹۷-۱۹۶)

مؤلف سیرت مولانا محمد احسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ۔

مدرسہ مظاہر العلوم ہندوستان کی مشہور اسلامی درسگاہ ہے اس نے مذہب اور علوم اسلامی کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں بڑے بڑے نامور

علماء اس درسگاہ سے فارغ التحصیل ہوکر نکلے اور برصغیر پاک و ہند میں دین و ملت کی خدمت میں مصروف ہیں (ص ۱۵۵)

مندرجہ بالا حوالہ جات میں جو نقشہ مظاہر العلوم کی خصوصیات کا کھینچا گیا ہے وہ بالکل صحیح طور پر اظہار حقیقت ہے یہ روح توکل و اخلاص ابھی برقرار ہے اور سارا سلسلہ اسی نہج پر قائم ہے جس طرح اکابر کے دور میں قائم تھا جن دو عظیم الشان دینی و اسلامی اداروں کا تعارف سطور بالا میں کیا گیا ہے حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخر میں ان سے فیض یاب ہوئے اور دونوں کے مجمع البحرین ہوئے اور آپ کے علوم کی اشاعت کا ذریعہ بھی یہی مراکز بنے۔

تعارف اساتذہ

مناسب یہ ہے کہ یہاں مختصر طور پر حضرت مولانا کے بعض مشہور اساتذہ کا تعارف بھی کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو معلوم ہوسکے کہ کن کن ناپید کنار سمندروں سے آپ نے اکتساب فیض کیا اور کیسے کیسے اہل اللہ اور زاہد و صالح علماء کے سامنے اپنے زانوے تلمذ تہ کئے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الشیخ مولانا خلیلؒ احمد مکسواحلہ خلة الرحمٰن و سمی ابراہیم یوسف وقتہ من وجھہ کا لقلب فی اللمعان

(حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ از خوان خلیل ۴)

خلیل		آسادر	ملک	یقین	زن
صدائے	لا	احب	الا	آفلین	زن

وطن مالوف

سہارنپور سے سولہ میل کی طرف انبیٹھ[1] آپ کا آبائی قصبہ ہے ۔ ۷۷۴ میں فیروز شاہ تغلق کی فوج کے سپہ سالار سعد اللہ بیگ نے آباد کیا اور فیروز آباد نام رکھا مرور ایام کے بعد انبیٹھ مشہور ہوگیا ۔
۱۱۰۰ میں شاہ ابوالمعالی جو خاندان چشتیہ کے مشہور صاحب نسبت بزرگ گزرے ہیں نے اس بستی کو قیام گاہ بنایا ۔ ۱۱۱۲ شاہ ابوالمعالی کا انتقال ہوا اور اس بستی کے غربی جانب آپ مدفون ہوئے شاہ ابوالمعالی کے دختری سلسلہ سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا بھی تعلق ہے ۔

نسبی شرافت

نسبی طور پر آپ کا تعلق حضرت ابو ایوب انصاری سے ہے دسویں پشت پر آپ کا سلسلہ نسب حضرت گنگوہی سے مل جاتا ہے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے ۔

مولانا خلیل احمد بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی بن شاہ قطب علی بن شاہ غلام محمد بن شرف الدین بن غلام محی الدین بن عبدالرشید بن محمد فضیل نظام الدین بن امن الدین عرف قاضی امن آگے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کا ایک ہی سلسلہ نسب ہے ۔

ولادت

اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء آپ اپنے ننھیال نانوتہ میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ مبارک النساء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب

---

(۱) وجہ تسمیہ کے بارے میں بعض کہتے ہیں کہ اس زمین کی صلاحیت اور زراعت و غلہ جات کی کثرت پیداوار کے سبب اس کا نام انیسھ ہوا ۔ کہ ان غلہ کو کہتے ہیں یا چونکہ انبہ اس جگہ بکثرت پیدا ہوتا ہے اس لئے انباٹھہ یعنی انبہ کی آڑت اور منڈی بنکر انیسھ کہلانے لگا (تذکرہ خلیل صفحہ ۴)

صدر مدرس دارالعلوم دیو بند کی حقیقی ہمشیرہ اور مولانا مملوک علی صاحب کی بیٹی تھیں پانچ سال کی عمر میں آپ کے نانا مولانا مملوک علی صاحب نے آپ کی بسم اللہ خود ہی کرائی قصبہ کے ایک مکتب میں قرآن ختم کیا ابتدائی اردو و فارسی کی تعلیم مختلف اساتذہ سے انبیٹھ اور نانوتہ میں حاصل کی -

آپ کے چچا انصار علی صاحب ریاست گوالیار میں ممتاز عہدہ (صدر الصدور) پر فائز تھے ابتدائی عربی کتب صرف و نحو اُن سے گوالیار میں پڑھیں آپ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ والد صاحب نے وطن واپس بلا لیا اور اپنے قصبہ انبیٹھ میں کافیہ تک کتابیں مولانا سخاوت علی صاحب سے پڑھیں اس کے بعد اپنے چچا زاد بھائی مولانا صدیق احمد کے ہمراہ سرکاری سکول میں انگریزی پڑھتے رہے اس دوران دارالعلوم دیو بند کی خبر ملی - ۱۲۸۳ھ میں آپ اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں دیو بند حاضر ہو کر کافیہ کی جماعت میں شریک ہوئے چھ ماہ بعد سہارنپور اپنے دوسرے ماموں مولانا محمد مظہر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر مختصر المعانی کی جماعت میں داخل ہوئے درس نظامی کی سب کتابیں آپ نے یہیں پڑھیں - انیس سال کی عمر ۱۲۸۶ھ میں آپ فارغ التحصیل ہوئے حدیث میں آپ کو مکہ کے مشہور عالم مفتی شیخ احمد دحلان سے بھی اجازت ہے -

تدریس

مظاہر العلوم سے فارغ ہونے کے بعد وہیں معین مدرس ہوگئے اس کے بعد کچھ دنوں کے لئے مولانا فیض الحسن صاحب کی خدمت میں لاہور حاضر ہوئے یہاں سے واپسی پر مولانا محمد یعقوب صاحب نے آپ کو قاموس کے ترجمہ کے لئے منصوری بھیج دیا وہاں سے فراغت کے بعد منگلور کے مدرسہ میں مدرس ہوگئے - ۱۲۹۳ھ میں حضرت گنگوہی کے حکم سے مدرس ہوکر بھوپال تشریف لے گئے آپ کی فقیرانہ طبیعت کو بھوپال کا شاہی ماحول سازگار نہ آیا - ۱۲۹۵ھ میں حضرت گنگوہی اور مولانا محمد یعقوب صاحب کے مشورے سے بہاولپور

کے مدرسہ میں مدرس ہو کر تشریف لے گئے اور بہاولپور کے قیام کے دوران شیعوں[1] سے آپ کا مشہور مناظرہ ہوا جس میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مولانا محمود الحسن اور مولوی صدیق احمد صاحب وغیرہ بھی تشریف لے گئے اس مناظرہ میں کامیابی کی وجہ سے آپ رئیس المناظرین مشہور ہوئے اس کے بعد بریلی کے مدرسہ مصباح العلوم (جس کو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۸۹ھ میں قائم کیا تھا) میں ۱۳۰۸ھ تک مدرس رہے اس کے بعد دارالعلوم دیو بند تشریف لائے اور ۱۳۱۴ھ تک مدرس دوم رہے اس کے بعد زندگی مظاہر العلوم میں گزاری (جیسے پہلے گزر چکا)

بیعت اور خلافت

آپ کا نکاح گنگوہ میں ہوا تھا اس لئے سسرال میں آتے جاتے حضرت قطب العالم مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا اپنے استاد مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کو بھی حاضری دیتے دیکھا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے بیعت کے لئے سفارشی رقعہ لکھوا کر گنگوہ حاضر ہوئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرمایا ذکر و فکر میں مشغول ہوگئے - ۱۲۹۷ھ میں دوسرے حج کے ارادہ سے جب حجاز روانہ ہونے لگے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ مولوی خلیل احمد صاحب حاضر خدمت ہوئے ہیں آپ ان کی حالت پر مطلع ہوکر مسرور ہوں گے حضرت حاجی صاحب نے جب مولانا کی باطنی کیفیت مشاہدہ فرمائی تو بہت خوش ہوئے اور سر سے دستار اتار کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر رکھ دی اور اجازت نامہ بیعت سے مزین فرما کر حوالہ کیا حج سے فارغ ہوکر جب گنگوہ حاضر ہوئے تو دونوں عطیے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیئے - حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مبارک فرما کر مکرر دستار آپ کے سر پر رکھ دی اور اجازت نامہ بیعت پر دستخط فرما کر

---

(۱) تصحیح شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ یہ مناظرہ بریلویوں سے براہین قاطعہ پر ہوا تھا - تذکرۃ الخلیل میں ایسا ہی لکھا ہے روافض سے مناظرہ نومبر ۱۹۲۰ء میں ہوا تھا جس میں آپ نے مولانا عبدالشکور صاحب کو مناظر کھڑا کیا تھا اور خود جلسہ کے پورے وقت میں پاس بیٹھے رہے تذکرۃ الخلیل ص ۱۵۲ مطبوعہ مکتب الشیخ

عنایت فرمایا اس طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شیخین کی طرف سے اجازت بیعت اور دستار خلافت حاصل ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمال کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

میاں جو میں وہی خلیل احمد (ملخص از تذکرۃ الرشید ۱۵۴ جلد ۲)

خلیفہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

بظاہر کسی کی بیعت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر آپ (مولانا خلیل احمد صاحب سے مقدم نہیں ہے۔ قدرت کے ہاتھوں صورت[1] اور سیرت میں آپ کو اپنے شیخ کے ساتھ مشابہت کا حظ وافر عطا ہوا ہے ایک بار آپ نے بعد رمضان ۱۷ھ میں اپنا خواب حضرت سے بیان کیا کہ حضرت اعتکاف، میں خواب دیکھا کہ خربوزہ تراش رہا ہوں اور قاشیں آپ کو دے رہا ہوں آپ رغبت سے کھا رہے ہیں اور کھاتے وقت جو لعاب وغیرہ آپ کے دھن سے گرتا ہے وہ میں اپنی زبان پر لیتا ہوں حضرت مسکرائے اور فرمایا تم خود سمجھتے ہو گے آخر نسبت تو ایک ہی ہے۔ حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں آپ کو تحریر فرماتے ہوئے لکھا ہے تم میرے سلسلے کے فخر ہو مجھے تم سے بہت خوشی اور مسرت ہے۔ اللہ اکبر شیخ الشیوخ کی طرف سے کس قدر اعزاز و اکرام ہے۔

پانچویں حج میں آپ طواف قدوم کیلئے حرم شریف میں داخل ہوئے تو مولانا محب الدین صاحب خلیفہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا دیکھو حرم میں کون آیا ہے اور پورا حرم منور ہو رہا ہے جب آپ طواف سے فارغ ہوکر ان

---

(۱) یہی حالت حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کی تھی آپ صورت و سیرت میں اپنے استاذ اور شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے مشابہ تھے"مولانا محمد زکریا صاحب (تلمیذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب) قدوسی مظاہر العلوم سہارنپور عموما اس کا تذکرہ فرماتے مولانا قدوسی صاحب سے طالب علموں نے پوچھا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب شکل و صورت میں کیسے تھے فرمایا انتہائی حسین و جمیل و فرشتہ عادت اور مولانا عبدالرحمان صاحب شکل و صورت میں اپنے استاذ کے مشابہ ہیں (از مولانا عبدالجلیل صاحب)

کے پاس گئے تو مولانا محب الدین نے فرمایا " آہا آپ ہی تھے کہ جن کی وجہ سے پورا حرم منور تھا۔" ۔

سہارنپور میں ایک مناظرہ[1] آریہ اور اہل اسلام کا ہوا تھا آریہ اپنے ایک سادھو کو لائے تھے کہ جو توجہ دے رہا تھا اور اپنی باطنی توجہ سے مناظر اسلام کو غالب نہیں آنے دیتا تھا چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو یہ معلوم ہوا تو آپ بھی اس سادھو کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے تمام کرتوت سلب کر لئے چنانچہ وہ بھاگ نکلا اور مناظر اسلام غالب آیا ۔ آپ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ریشمی خطوط میں بھی شریک رہے اور اس میں اہم کردار انجام دیا)(جیسے آگے آئے گا)

تصنیفات

'تمام فنون میں آپ کو مہارت حاصل تھی لیکن حدیث سے زیادہ شغف تھا اسی وجہ سے آپ نے ابو داوٗد کی شرح فرمائی ۔ ۱۳۳۵ھ میں آپ نے ابتداء کی اور ۱۳۴۵ھ میں وصال سے دو[2] ماہ قبل اس کی تکمیل فرمائی ۔ المہند علی المفند یعنی عقائد علماء دیو بند تنشیط الأذان اتمام النعم علی تبو یب الحکم مطرقۃ الکرامتہ علی مراۃ الامامہ' ہدایتہ الرشید' وغیرہ بھی آپ کی تصانیف میں سے ہیں ۔

ہجرت اور وصال

۱۳۴۴ھ میں آپ نے ہندوستان کو خیر باد کہا اور مدینہ منورہ ہجرت

---

(۱) مسلمانوں کی طرف سے مولانا عبدالحق صاحب حقانی مناظر تھے آپ کی آواز بڑی اونچی تھی مگر اس مناظرمیں آواز بیٹھ گئی لوگ سادھو کا اثر بتلاتے تھے مگر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی توجہ سے یہ اثر دور ہوگیا اور مناظرہ اسلام کی آواز کھل گی ۔ مولانا ظہور الحق صاحب مدرس مظاہرالعلوم اس موقع پر شریک تھے وہ اس واقعہ کو بیان فرمایا کرتے (ازمولانا عبدالجلیل صاحب)

(۲) بصحیح شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ۔ وصال سے نو ماہ قبل تکمیل فرمائی ۔ بحوالہ تذکرۃ الخلیل ' ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ کو بذل ختم ہوئی ۔ ۲۷ رمضان کو آپ پر فالج کا اثر ہوا اور ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ بیوم چہار شنبہ آپ کی وفات ہوئی ۔ ص ۳۷۹

فرمائی آپ کے دل میں دیار رسولؐ میں مدفون ہونے کی تمنا تھی - اسی تمنا میں آپ نے سات حج کئے - اس تمنا کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا اور بالا آخر ۱۳۴۵ھ[1] میں آپ نے وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے -

ملخص از تذکرہ الخلیل و تذکرہ مشائخ دیو بند)

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے دورہ حدیث پڑھا ہے اور بیعت بھی آپ سے کی تھی استاد و شاگرد میں بڑا گہرا تعلق تھا اور یہی تعلق پھر جانشینی پر منتج ہوا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مدت العمر اپنے شیخ کے احسانات کا تذکرہ فرماتے تھے استاد کو بھی اپنے قابل شاگرد پر ناز تھا اور شیخ کی دوربین نگاہوں نے جانچ لیا تھا کہ یہ نگینہ اس منصب کو سنبھالنے کے قابل ہے جو ان کو حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی سے ملا تھا شاگرد بھی اپنے استاد کے نقش قدم پر چل کر مظاہر العلوم نامی گلستان علم کی آبیاری کرتے رہے -

حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے ہے آپ کے والد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیو بندی جید عالم صاحب تصانیف کثیرہ اور با اقبال بزرگ گزرے ہیں -

ولادت

علم کا یہ نیر ستارہ ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء گویا غدر سے چھ سال قبل طلوع ہوا آپ نے قرآن شریف میاں جی منگلوری سے اور فارسی مولوی عبداللطیف سے پڑھی فارسی کی بڑی کتابیں اور عربی کی ابتدائی کتابیں قدوری تک اپنے چچا مہتاب علی سے پڑھیں جب آپ کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو ۱۲۸۳ھ میں چھتہ کی مسجد (دیوبند) میں جس مدرسہ کا قیام ہوا آپ اس کے سب سے پہلے طالب علم ہیں اس مدرسہ میں آپ نے پہلے معلم ملا محمود کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا - مولانا محمد یعقوب صاحب سے بھی آپ نے پڑھا صحاح

---

(۱) صحیح شیخ الحدیث یہ غلط ہے انتقال ۱۳۴۶ھ میں ہوا - کمامر

ستہ اور دیگر فنون کی تکمیل سفر و حضر میں ساتھ رہ کر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کی ۱۲۸۹ھ میں آپ فارغ التحصیل ہوئے اور انیس ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ آپ کے دستار[1] فضیلت باندھی گئی - حدیث میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی سے بھی اجازت حاصل ہے -

شان علم

آپ جامع شریعت و طریقت تھے علم میں بقول حضرت گنگوہی "علم کا کٹھلا تھے" حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس استاد کو "شیخ العالم" کہتے - حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو علم شریعت و طریقت کا "ناپید کنار سمندر" کہتے تھے مگر باوجود کمالات علمیہ و عملیہ کے اپنی حالت کا اخفا اور کتمان اس درجہ تھا کہ خواص کو پتہ لگنا مشکل تھا - ۱۲۸۹ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا معین مدرس بنا دیا گیا تھا - ۱۲۹۵ھ میں آپ کو دارالعلوم کا صدر مدرس منتخب کیا گیا اور مسلسل چالیس سال تک آپ نے دارالعلوم میں درس دیا - اس طویل عرصہ میں ہزاروں علماء نے آپ سے فیض حاصل کئے اور آپ کے تلمیذ بنے آپ اپنے علم اور زہد و تقویٰ میں نمونہ تھے -

سلوک و تصوف

علم ظاہری کے ساتھ ساتھ علم باطنی، معرفت الٰہیہ اور تصوف و سلوک میں آپ کا بہت اونچا مقام تھا - حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی

---

[1] دارالعلوم دیوبند میں پہلا جلسہ دستار بندی ۱۲۹۰ھ میں منعقد ہوا جس میں پانچ علماء کی دستار بندی ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ بھی شامل تھے۔ دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں پانچ علماء کی دستار بندی ہوئی تیسری مرتبہ ۱۲۹۸ھ سات علماء کی دستار بندی ہوئی۔ چوتھی مرتبہ ۴ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ بروز جمعرات کو بڑے اہتمام وانتظام سے جلسہ دستار بندی منعقد ہوا۔ گیارہ علماء کی دستار بندی ہوئی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی بھی شامل تھے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے دست مبارک سے ہر ایک کے سر پر دستار باندھی اور پھر پانچویں مرتبہ ۱۳۱۰ھ میں جلسہ دستار بندی منعقد ہوا۔ جس میں تقریباً تیس ہزار افراد نے شرکت کی۔ (ملخص از تذکرۃ الرشید)

محبت اور صحبت اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات نے آپ کے روحانی ارتقاء میں بڑا اہم کردار سرانجام دیا۔ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے آپ کے کمالات روحانیہ سے خوش ہوکر دستار خلافت اور اجازت نامہ بیعت سے سرفراز فرمایا اور دربار رشیدی سے بھی آپ کو یہ نعمت عظمیٰ حاصل تھی۔ مولانا کی مدتوں یہ عادت رہی کہ جمعہ کے علی الصباح دیو بند سے پا پیادہ گنگوہ پہنچتے اور جمعہ کی نماز پڑھ کر اور اپنے پیر و مرشد کی صحبت سے فیض یاب ہوکر دیو بند تشریف لاتے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں آپ کسی کو بیعت نہ کرتے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شدید اصرار سے بمشکل تمام بیعت کرتے۔

جدوجہد آزادی

انقلاب ۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد دو مشہور تربیت گاہیں دارالعلوم دیو بند اور مظاہر العلوم کی سرپرستی حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد ہر دو تربیت گاہوں کی سرپرستی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے رہے اور نیز ہر دو تربیت گاہوں کے سپہ سالار حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا تعلق آستانہ عالیہ گنگوہ اور ہیڈ کوارٹر مکہ معظمہ مدینہ منورہ (آستانہ عالیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب و شاہ عبدالغنی دہلوی مہاجر مدنی) سے رہا اور ان تین حضرات (حاجی صاحب شاہ صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کے بعد چار حضرات پر مشتمل ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا یہ چار حضرات حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی اس انجمن کے رکن اعظم ہوئے۔

حضرت شیخ الہند کے سامنے انقلاب ۱۸۵۷ء کی ہولناکیاں' حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی روپوشی اور حضرت حاجی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت کے واقعات اور ان کے نتائج تھے اس لئے آپ نے ایک ہمہ گیر تحریک شروع کرنے کا ارادہ کیا اس کے لئے ۱۳۲۷ھ میں دیو بند کے جلسہ دستار بندی کا اعلان کیا جس میں تیس ہزار افراد تقریباً" شریک ہوئے - اس موقع پر جمعیتہ الانصار کا قیام عمل میں آیا حکومت برطانیہ ان حضرات کو شکوک کی نگاہوں سے دیکھنے لگی اور خفیہ پولیس کے ذریعہ نگرانی کرنے لگی -

تحریک ریشمی خطوط

اس تحریک کا منشاء ایک ہمہ گیر انقلاب اور جہاد کے ذریعہ برطانوی حکومت کا تختہ الٹنا[1] تھا - حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک کو انتہائی صیغہ راز میں رکھا ۱۹۱۵ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس مہم پر افغانستان روانہ کیا - سات سال تک مولانا سندھی حکومت کابل کی شرکت میں اپنا کام کرتے رہے اس کے بعد حضرت شیخ الہند ہندوستان سے باارادہ ہجرت حجاز روانہ ہوئے - آپ نے مکہ میں گورنر حجاز غالب پاشا سے خفیہ بات چیت کی اور ان سے خطوط لے کر مولانا محمد میاں صاحب کو دیئے کہ ہندوستان ہو کر یاغستان کے لئے روانہ ہوں - بڑی دقت سے مولانا ان خطوط کے پہنچانے میں کامیاب ہوئے - ادھر مولانا عبید اللہ سندھی نے امیر افغانستان کے خطوط لے کر خفیہ طریقہ سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس طرح پہچانا چاہتے تھے کہ ایک شخص کے کپڑوں پر ان خطوط کو لکھ دیا تھا لیکن افسوس مخالفوں کی مخبری کی وجہ سے اس تحریک کے متعدد ہندوستانی اراکین گرفتار ہوئے حضرت شیخ الہند انور پاشا اور جمال پاشا سے مدینہ منورہ میں ملاقات کرنے کے بعد جب یاغستان کے لئے روانہ ہونا چاہتے تھے تاکہ اس تحریک کو عملی جامہ پہنایا جائے کہ اچانک گرفتار کر لئے گئے اور اسیر کر کے مالٹا پہنچا دیئے گئے - وہاں تقریباً"

---

(۱) وہ اسکیم یہ تھی کہ شمال مغربی سرحدات پر گڑ بڑ پیدا کیا جائے اور اس کے لئے باہر کی اسلامی سلطنتوں کی امداد سے گوریلا جنگ کے ذریعہ حکومت برطانیہ کو کمزور کیا جائے جس سے ہندوستان کی آزادی کے لئے راستہ ہموار ہو۔

تین سال دو ماہ تک اپنے رفقاء[1] حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی حضرت مولانا عزیر گل صاحب، مولانا وحید احمد صاحب وغیرہ کی معیت میں مصائب برداشت کرتے رہے[2]

ہندوستان واپسی اور وفات

اسارت مالٹا کا زمانہ ختم کرکے بیس رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ مطابق آٹھ جون ۱۹۲۰ء کو آپ ہندوستان تشریف لائے - بمبئی دہلی اور دیو بند میں آپ کا بڑا عظیم الشان استقبال ہوا - ۱۹۳۹ء میں متعدد امراض کے آپ شکار ہوئے - بیماری کی حالت میں ہی آپ نے علی گڑھ میں جامعہ ملیہ کے جلسہ کی صدارت کی آپ کی علالت بڑھتی رہی علاج کے لئے آپ دہلی تشریف لے گئے ڈاکٹر انصاری کے مکان پر قیام کیا علاج شروع ہوا - اسی حالت میں جمعیتہ العلماء کا سالانہ اجلاس ہوا - آپ کی طرف سے خطبہ صدارت حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے مرتب کیا - اخیر دم تک ملک و قوم اور آزادی وطن کے لئے انگریز سے ٹکر لیتے رہے بالآخر آٹھ ربیع الاول کو اس عالم فانی سے رخصت ہوئے دہلی سے آپ کا جنازہ دیو بند لایا گیا راستہ میں متعدد مقامات پر نماز جنازہ ہوئی اور آپ کو اپنے شفیق استاذ کے قدموں میں دیو بند میں سپرد خاک کر دیا گیا -

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند سے ۱۳۳۲ھ میں حدیث کی کتابوں میں بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھیں اور اس نیر علم کی آخری شعاعوں سے اپنے آپ کو منور کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہندوستان آنے کی دیرینہ تمنا اس طرح پوری فرمائی -

---

(۱) اس تحریک کے مشہور اراکین میں حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا عزیر گل صاحب، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب وغیرہ حضرات شامل تھے (۲) لیکن حضرت شیخ الہند مولانا خلیل احمد صاحب کے ذریعہ پیغام پہنچانے میں کامیاب ہو چکے تھے (از تذکرہ مشائخ دیوبند)

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت و دور طالب علمی

محدث العصر مولانا حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کی پیدائش اٹھائیس شوال ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ موضع دودھوان لولاب علاقہ کشمیر جنت نظیر میں ہوئی - آپ سادات میں سے تھے - بچپن سے آپ ذہین تھے - ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد معظم شاہ صاحب سے حاصل کی - چودہ سال کی عمر میں آپ مزید علوم کی تحصیل کے لئے ہزارہ گئے - تین سال وہاں قیام کیا - ۱۳۰۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کی شہرت سن کر دیو بند تشریف لائے - اس وقت دیو بند میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ استاد حدیث تھے - اکیس سال کی عمر میں دارالعلوم دیو بند سے سند حدیث حاصل کی اس کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری اور مولانا محمد اسحاق صاحب محدث سے بھی استفادہ حاصل کیا - دیو بند و اکابر دیو بند سے علمی استفادہ کے بعد گنگوہ حضرت مولانا قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے - ظاہری علوم کے ساتھ سلوک و طریقت کے مدارج طے فرمائے اور حضرت گنگوہی سے بیعت ہو کر خلیفہ اور مجاز بنے -

علمی و درسی مشاغل

دارالعلوم دیوبند اور گنگوہ سے فراغت کے بعد دہلی تشریف لے گئے - دس شعبان ۱۳۱۹ھ کو مدرسہ امینیہ میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مدرس دوم تھے - یہاں کافی عرصہ قیام کے بعد اپنے وطن تشریف لے گئے وہاں مدرسہ فیض عام میں تین سال درس حدیث دیا - ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر آپ بھی دیوبند گئے - دارالعلوم کے ارباب حل و عقد اور اکابر نے آپ کو

دارالعلوم میں تدریس کے لئے روک لیا اور کئی سال تک آپ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کا درس دیتے رہے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ۱۳۳۳ھ سے مسند صدارت پر آپ فائز رہے ۱۳۴۵ تک یہ سلسلہ برقرار رہا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں کچھ اختلافات کی وجہ سے ڈابھیل سورت تشریف لے گئے۔(۱)

علمی مقام

حضرت شاہ صاحب علم ، حفظ ، قوت استدلال ، ذکاوت اور فطانت میں یکتا اور نمونہ سلف تھے ۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری کا مسلمان ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام حق پر ہے ۔ حافظہ اور قوت یادداشت جو آپ کو عطا کی گئی قریبی دور میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ فتح القدیر جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے چھبیس روز میں ختم کیا اور اب چھبیس سال گزرنے کے باوجود دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑی ۔ عربی کے چالیس ، پچاس ہزار کے قریب اشعار یاد ہوں گے جب حوالہ کے لئے کوئی شعر پڑھتے تو بجائے ایک شعر کی پوری نظمیں پڑھتے چلے جاتے ۔ بڑے بڑے علماء مشکل علمی مسائل کے حل کرنے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے ۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ

"میں نے ممالک اسلامیہ کے بہت سے علماء و فضلاء سے علمی مسائل پر گفتگو کی لیکن تجربہ علمی ، ہمہ دانی ، وسعت معلومات ، نقلی علوم قرآن یعنی قرآن و حدیث اور عقلی علوم یعنی فلسفہ ، تاریخ ، ہیئت میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی عالم فاضل نہیں پایا " (از تذکرہ عبدالقادر صاحب)

مصر کے مشہور عالم علامہ رشید رضا نے اپنے اعزاز میں شاہ صاحب کی دیوبند میں کی ہوئی تقریر سننے کے بعد کہا کہ "اگر وہ سفر ہندوستان کے دوران

(۱) از تذکرہ شاہ عبدالقادر صاحب" ص ۲۸

مولانا سید انور شاہ صاحب سے ملاقات نہ کرتے تو یہ سمجھتے کہ ہندوستان کے سفر سے انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور وہ ہندوستان سے مایوس جاتے"[1]

علامہ اقبال بھی شاہ صاحب کی علمی بصیرت ۔ دقت نظر اور وسیع مطالعہ کے قائل تھے ۔ علامہ اقبال سمجھتے تھے کہ تمام عالم اسلام میں اگر کوئی عالم فقہ جدید کو مرتب و مدون کر سکتا ہے تو وہ حضرت شاہ صاحب ہیں ۔ علامہ اقبال مرحوم کے خیالات کی بہت حد تک اصلاح حضرت شاہ صاحب کے ارشادات سے ہوئی۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہتے تھے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"حضرت شاہ صاحب کی مثال اس سمندر کی طرح ہے جس کی سطح تو اوپر سے ساکن ہو لیکن اس کی گہرائیوں میں گران بہا موتی چھپے ہوئے ہوں"

اہم خدمات

حضرت شاہ صاحب نے مذہب اسلام کی جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں ۔ علمی خدمات کا مظاہرہ تو دارالعلوم دیوبند اور جامعہ ڈابھیل کے دوران صدارت ہوا کہ بڑے بڑے جید علماء آپ سے مستفید ہوئے ویسے تو سب علوم میں آپ غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے لیکن حدیث سے آپ کو بڑا شغف تھا اور درس حدیث میں مباحث کی وسعت کے مطابق تحقیق و تمحیص کی نئی راہیں آپ نے کھولیں ۔ مذہب حنفیہ کی جس انداز سے آپ مدافعت فرماتے اور اس ضمن میں جس نہج پر آپ احادیث کی تطبیق فرماتے یہ

---

(1) دارالعلوم دیوبند اور حضرت شاہ صاحب کی محدثانہ شان اور حدیثی خدمات سے متاثر ہوکر علامہ نے علماء ہند کو شاندار خراج تحسین پیش کیا ۔ دیکھئے مقدمہ مفتاح کنوزالسنة ازعلامہ رشید رضا

آپ ہی کا کام تھا۔ علاوہ ازیں ایک اہم ترین خدمت یعنی قادیانیت کا استحصال آپ کی زندگی کا مشن بھی بن گیا تھا۔ اپنے تلامذہ اور مستفیدین کو بھی اس کی طرف متوجہ فرماتے۔ قادیانی فتنہ ۱۳۴۰ھ میں اٹھا بہت سے ان پڑھ لوگ اس فتنہ کا شکار ہوئے حضرت شاہ صاحب نے قادیانی فرقہ کے غلط عقائد کی تردید میں ایک منظم مہم چلانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے اپنے تلامذہ سمیت ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ شروع کیا۔ قادیانی مقرروں سے مباحثے کئے۔ قادیان میں جا کر ان کو صراط مستقیم دکھائی۔

قادیانیت کی رد میں آپ نے مختلف تصانیف فرمائیں۔ اور اپنے تلامذہ کو بھی اس تحریری خدمت کی طرف متوجہ کیا۔

تردید قادیانیت میں شاہ صاحب کا تاریخی کارنامہ بہاولپور ۱۹۳۳ء میں شہادت دینا تھا۔ یہ مقدمہ ایک مسلمان عورت نے اپنے خاوند کے مرزائی ہونے پر اس کے خارج اسلام ہونے سے تنسیخ نکاح کے لئے قائم کیا تھا۔ قادیانیوں نے مقدمہ جیتنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی ہوئی تھی شاہ صاحب کو اس مقدمہ کا علم ہوا تو بنفس نفیس اپنے تلامذہ کے ہمراہ بہاولپور تشریف لائے حضرت شاہ صاحب کی مدلل بحث اور بصیرت افروز تقریر سے مقدمہ بحق مدعیہ فیصل ہوا۔

وفات

دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد آپ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ ڈابھیل میں قیام کے دوران آخری دنوں کچھ علیل رہنے لگے تھے آپ رخصت لے کر دیوبند تشریف لائے۔ بیماری کے دوران ہی بہاولپور کے مقدمہ میں تشریف لے گئے اور کئی ہفتے وہاں بیماری کی حالت میں اسلام کا دفاع کرتے ہوئے قیام فرمایا۔ مقدمہ کے بعد مرض بڑھتا گیا اس دوران بھی آپ نے ڈابھیل میں درس جاری رکھا۔ قویٰ نے جب بالکل جواب دے دیا تو مجبوراً دیوبند تشریف لے آئے اور دو صفر ۱۳۵۲ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں ابو داؤد شریف پڑھی۔ شاہ صاحب کی تقریر ابی داؤد آپ

نے قلمبند فرمائی اور بقول مولانا عبدالشکور صاحب ' مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ جس وقت ابی داؤد کی شرح بذل المجہود لکھ رہے تھے تو مولانا کی قلمبند تقریر ابی داؤد سے بھی استفادہ کیا جاتا۔"(۱)

حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

آپ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادہ تھے علم و فضل کی لائن میں آپ کی تفہیم ضرب المثل تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم خاص ہوئے مگر دور اہتمام میں بھی درس و تدریس کا مشغلہ نہیں چھوڑا۔ مشکوۃ ' جلالین ' صحیح مسلم اور منطق میں میر زاہد وغیرہ آپ کے درس میں رہتی تھیں۔ کٹھن سے کٹھن مسئلہ کو اپنے انداز تفہیم سے سہل کر دیتے تھے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے متوسل اور خلیفہ تھے۔ بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی تھا مگر کم زیادہ مصروفیت نظم دارالعلوم اور اہتمام میں رہتی تھی آپ کا چالیس سالہ دور اہتمام تعمیری و تعلیمی برقیات کا دور سمجھا جاتا ہے یہ دینی ادارہ" مدرسہ کی حیثیت سے ترقی کر کے آپ ہی کے دور اہتمام میں دارالعلوم بنا اور اس کا حلقہ اثر ہندوستان کے تمام خطوں میں زیادہ پھیلا آپ مشاہیر ہند میں سے تھے زیادہ انہماک انتظام دارالعلوم اور درس و تدریس میں تھا لیکن وقتی طور پر ملکی سیاست میں بھی کم و بیش آپ نے حصہ لیا چنانچہ جمعیت العلماء روہیلکھنڈ کے اجلاس عام مراد آباد کی آپ نے صدارت فرمائی اور ۳ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ کو اپنا خطبہ صدارت پڑھا جو اس زمانہ میں کتابی صورت میں بھی شائع ہوا جس میں انگریزوں سے ترک موالات پر زور دیا گیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی عظمت کے پیش نظر نظام دکن نے

---

(۱) حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ کی ابوداؤد کی تقریر بذل کے وقت سامنے نہیں آئی اور نہ حضرت قدس سرہ کو اس کا علم تھا البتہ میں نے جب ابوداؤد ابتداء میں پڑھائی تو ابوداؤد کی یہ تقریر میرے پاس رہی ہے اور میں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ مکتوب بنام مرتب

آپ کو حیدر آباد کے عہدہ مفتی عدالت عالیہ کے لئے نامزد کر کے بلانے کی استدعا کی جسے آپ نے بمشورہ جماعت منظور فرمایا اور چار سال وہاں گذارے واپسی پر بھی بدستور اپنے فرائض سنبھال لئے۔ آپ کا اخلاص اور ظاہر و باطن کی یکسانی جماعت میں مسلم تھی آپ کی آبائی نسبت کی عظمت کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ آپ کے اساتذہ بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔ (از دارالعلوم دیوبند ص ۶۳)

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب نے آپ سے دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کے سال مسلم شریف پڑھی تھی

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب

آپ ۱۲۸۷ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام بلند اختر ہے آپ فطرتاً" ذہین و ذکی اور طبعاً" نظیف اور لطیف المزاج پیدا ہوئے تھے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ حفظ قرآن کے زمانہ میں ہی آپ نے فارسی کی بہت سی کتابیں پڑھ لی تھیں حفظ قرآن کے بعد چھ مہینہ تک مسلسل والد صاحب کی طرف سے اس بات پر مامور رہے کہ دن میں ایک مرتبہ ضرور پورے قرآن کو حفظ پڑھا کرو مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً" ظہر سے قبل پورا قرآن مجید ختم کر لیا کرتا تھا چھ مہینہ کے بعد والد ماجد نے خود ہی عربی پڑھانی شروع کر دی ادب کی کتاب مقامات کا کچھ حصہ آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کے بھائی مولانا حکیم محمد حسن سے پڑھا۔ منطق کا ندھلہ کے مدرسہ عربیہ میں مولانا ید اللہ صاحب سے پڑھی۔ مولانا ید اللہ آپ سے ادب پڑھتے منطق اور ادب کے علاوہ باقی کتابیں آپ نے دہلی کے مدرسہ حسین بخش میں پڑھیں عربی ادب میں. آپ نے اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ نظم و نثر دونوں بے تکلف لکھتے۔ ادب کی اکثر کتابیں محض اپنے حافظہ سے لکھ کر طلبہ کو دے دیتے تھے۔ آپ کی علمی

استعداد اور فنون نقلیہ کے ساتھ فنون عقلیہ کی مہارت تامہ نو عمری ہی میں مسلم اور مشہور ہونے کے ساتھ علماء عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی۔ دہلی میں حدیث پڑھنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیا تھا کیونکہ یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ دہلی میں حدیث پڑھنے سے آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی مولوی محمدؒ صاحب نے چونکہ حدیث گنگوہ میں پڑھی تھی اس لئے میں حضرت کا معتقد تھا اور میں نے ٹھان لی تھی کہ حدیث پڑھونگا تو گنگوہ میں پڑھوں گا ورنہ نہیں پڑھوں گا مگر یہ زمانہ وہ تھا جب حضرت محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں پانی اترنا شروع ہو چکا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دورہ حدیث کا درس بند فرما دیا تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو آپ کی صلاحیتوں کو پہلے بھانپ چکے تھے جب گنگوہ پہنچے تو امام ربانی سے سفارش فرمائی کہ ایک مرتبہ دورہ حدیث میری خاطر مولوی یحییٰ کو اور پڑھا دیجئے کہ ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہو گا چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے وعدہ فرمالیا۔ شوال ۱۳۱۱ھ میں آپ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دورہ حدیث پڑھنے حاضر ہوئے اور اب حضرت گنگوہی کا وہ دورہ حدیث شروع ہوا جس کو آخری دور کا آخری منظر کہا جاتا ہے آپ کے طفیل ایک کثیر جماعت جو مایوس ہو چکی تھی اس آخری بہار کو دیکھنے پھر گنگوہ میں جمع ہو گئی اس دورہ کی تقریر ترمذی کو آپ نے عربی زبان میں قلمبند فرمایا جو الکوکب الدری کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ بخاری شریف کی تقریر بھی آپ نے قلمبند فرمائی جو لامع الدراری علی صحیح البخاری کے نام سے شائع ہو چکی ہے دونوں تقریریں آپ کے شہرہ آفاق صاحبزادے محدث کبیر شیخ وقت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مد ظلہم العالی کی تعلیقات و تشریحات سے مزین ہیں۔

آپ گنگوہ میں صرف طالب علم بن کر نہ رہے بلکہ بیعت ہو کر ذکر و شغل بھی شروع کر دیا حضرت گنگوہی کے وصال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے وہ عمامہ جو آپ کے سر اقدس پر حضرت حاجی صاحب نے باندھا تھا

اور جس کو اصل پیچوں پر آپ نے سی لیا تھا حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے سر اقدس پر یہ کہہ کر رکھ دیا کہ

"اس کے مستحق تم ہو اور میں آج تک اس کا محافظ اور امین تھا۔ الحمد اللہ کہ آج حق کو حقدار کے حوالہ کر کے بار امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا"

۲۸ھ میں جب مولانا خلیل احمد صاحب حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے مولانا کا قائم مقام بن کر مظاہر علوم میں درس حدیث دیا اور تنخواہ ایک پیسہ نہیں لی بعد میں آپ مظاہر العلوم میں مستقل پڑھانے لگے اور ساڑھے پانچ سال بالکل مفت پڑھایا یہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب ہی کی امتیازی[1] شان تھی۔ ۱۳۳۴ھ میں آپ کا وصال ہوا

حضرت مولانا عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ منطق و فلسفہ کے امام تھے علم ہیئت کی کتابیں کسرے کی مدد سے اتنی تفصیل سے سمجھاتے تھے کہ طالب علم کے ذہن میں ساری باتیں بہت وضاحت سے آجاتی تھیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت تقریباً" ۱۲۹۰ء میں سنبھل ضلع مراد آباد میں ہوئی ابتدائی عمر میں ان کے والد نے ان کو اردو سکول میں تعلیم دلوائی اور اس سے فراغت کے بعد دنیوی کاروبار میں لگا لیا مگر اللہ نے علم کا اعلیٰ درجہ مقرر فرمایا تھا اس لئے ابتداء" سرائے مرین ضلع مراد آباد کے مدرسہ عربیہ میں داخل ہوئے مگر چونکہ وہ گھر سے ڈھائی میل دور کے فاصلے پر تھا آمد و رفت میں وقت زیادہ خرچ ہوتا تھا

---

[1] آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مدظلہم العالی نے بھی اپنے والد محترم کی اس سنت پر عمل کر کے ساری زندگی بغیر تنخواہ کے قال اللہ و قال الرسول میں گذار دی (متعنا اللہ بطول حیاتہ)

اس لئے حسن پور ضلع مراد آباد کے مدرسہ میں مولانا احمد الدین سرحدی کے پاس صرف و نحو کی تعلیم پوری کی اس کے بعد کسی ماہر فن سے علوم عقلیہ پڑھنے کا شوق ہوا اور معلوم ہوا کہ مولانا غلام محمد صاحب ان فنون کے امام ہیں چنانچہ ان کی خدمت میں حسن پور سے گھر والوں کو اطلاع کئے بغیر پیدل چل دیئے دو آنہ صرف پاس تھے ایک ماہ میں لاہور پہنچے وہاں علوم عقلیہ کی تکمیل اور خاص طور سے علم ہیئت میں تجربہ حاصل کیا اور معلوم ہوا کہ لاہور کے قیام میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ رائپوری بھی مولانا موصوف کے رفیق درس رہے ۔ علوم آلیہ کی تکمیل کے بعد حضرت حدیث شریف کی تکمیل کیلئے دارالعلوم تشریف لائے اور فراغت کے بعد تقریباً" پانچ برس مدرسہ سرائے ترین میں تدریس کی خدمت انجام دی اس کے بعد مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں صدر مدرس رہے اس کے بعد مینڈھو ضلع علی گڑھ کے مدرسہ میں مدرس رہے وہاں کے قیام میں جلسہ دستار بندی ہوئی اس میں حضرت سہارنپوری مولانا احمد حسن صاحب امروہوی اور اعلی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نے شرکت فرمائی اور حضرت سہارنپوری نے نواب صاحب سے جو مدرسے کے سرپرست اور مربی تھے مولانا مرحوم کو مظاہر العلوم کیلئے طلب کیا نواب صاحب مرحوم نے حضرت مولانا کے اصرار پر اجازت دے دی اور مولانا عبدالوحید صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۲۸ھ کو مظاہر میں تشریف لائے ذی قعدہ ۳۳ھ میں دوبارہ تشریف لائے اور مظاہر سے پھر دوبارہ استعفیٰ دے کر اولاً" مدرسہ شاہی مراد آباد میں اور پھر مینڈھ میں چند سال مدرس رہ کر دارالعلوم مئو میں صدر مدرسی پر تشریف لے گئے اور وہاں سے علالت کی وجہ سے مکان تشریف لے گئے اور چند ماہ کی علالت کے بعد غرہ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ میں بعمر ۶۳ سال داعی اجل کو لبیک کہا مولانا مرحوم کی مستمر و مستقل عادت ہمیشہ نیچے نظر کرکے چلنے کی تھی حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے ۔

حضرت مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے اساتذہ میں سے مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب بن قاضی نوراحمد بھی مشہورعالم اورصاحب نسبت بزرگ گزرے ہیں - آپ پنڈی سرہال تحصیل فتح جنگ ضلع اٹک میں اندازاً" ۱۲۸۵ھ/۶۹-۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے - انہوں نے ابتدائی درسی کتابیں اپنے ماموں قاضی رحیم بخش ساکن راجڑ ضلع راولپنڈی سے پڑھیں آپ کے اساتذہ میں مولانا سعداللہ (علاقہ چھچھ) اور مولانا محمد حسن فیضی (ساکن بھیں ضلع جہلم جیسے فضلاء شامل ہیں اور علاقہ تیراہ چکیسر میں بھی منطق وفلسفہ کی تحصیل کے لیے مقیم رہے -۱۳۱۳ھ میں دارالعوم دیو بند میں حضرت شیخ الہند سے دورہ حدیث پڑھا(قاضی صاحب فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک سال قبل مفتی کفایت اللہ صاحب نے دورہ پڑھا تھا - دورہ حدیث میں آپ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے شریک درس رہے ہیں

سند فراغت کے بعد ہمہ تن تدریس و تبلیغ دین میں مصروف ہوگئے مدرسہ نعمانیہ لاہورمدرسہ نظامیہ محلہ امامباڑہ راولپنڈی اور پنڈدادن خان میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے زیادہ وقت اپنے گاؤں میں درس وتدریس میں صرف کیا-اللہ تعالیٰ نے آپ کا بڑا فیض جاری کیا- پنڈی سرہال میں ایک ایک وقت ساٹھ ستر طلبہ موجود رہتے تھے-

آپ اعوان شریف ضلع گجرات کے حضرت قاضی سلطان محمود صاحب سے بیعت تھے جو سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ گزرے ہیں اورحضرت اخوند صاحب سوات علیہ الرحمتہ کے مرید تھے حضرت قاضی صاحب سے بھی خلق خدا نے خاصا فیض حاصل کیا آخری عمر میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے مگر ہرحال میں صابر شاکر رہے - ۲۲ شوال سن ۱۳۷۲ھ مطابق ۳جولائی ۱۹۵۳ء کو قبل مغرب وفات پائی - بیماری کے ایام میں خود سال وفات میں اپنی تاریخ وفات تحریر فرمائی بظل الہ عبدلرحمٰن سن ۱۳۷۲ء یہی

تاریخ ان کی لوح مزار پر کندہ ہے - مولانا مرحوم عربی اورفارسی کے بلند پایہ شاعر تھے ایک کتاب کی ابتداء یوں کی ہے - الحمدللّٰہ علی الآلاء - والشکر للہ علی النعماء - الواحد الفرد الذی لامثلہ - فی وصفہ والذات والاسماء لم یتخذزوجا"ولامولودا" - وھوذوالتقدیس عن اکفاء

تاریخ گوئی میں یدطولیٰ رکھتے تھے - جب بینائی نہ رہی تو زبانی تاریخ کہہ دیتے تھے - مسجد تعمیر کرائی تو حسب ذیل تاریخی قطعہ کہا - چوں درخشیدنورایمانی - دردل مرد مان حقانی - گشت معمور مسجد زیبا - مسجد خوش لقا ولاثانی گفت ہاتف زبہر تار تخش - بالی الفیض باغ نورانی ۱۳۲۰ھ

قاضی صاحب کے تین صاحبزادے تھے(۱) قاضی فیض الرحمٰن -(۲) قاضی محمد قاسم حجازی مولوی فاضل و فاضل مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور (۳) قاضی محمد حسن مولوی فاضل وفاضل مدرسہ مظاہرعلوم سہارپور

حضرت قاضی صاحب مرحوم نے اپنے بیٹوں کواپنے لائق وفائق تلمیذ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری کے زیرتربیت مدرسہ مظاہرعلوم میں داخل فرمایا تھا۔

حضرت قاضی صاحب کا جو تعلق اپنے شاگرد سے تھا اور مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری کے دل میں اپنے استاد کا جو ادب و احترام تھا وہ اس خط سے واضح ہوتا ہے جو شاگرد نے اپنے استاد کے نام لکھا۔ بعینہٖ وہ خط درج ہے۔

بخدمت گرامی مخدوم محترم المقام جناب حضرت الاستاذ صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ الحمد للہ بندہ ناکارہ خیریت سے ہے اور آنحضرت والا کے لئے خیریت و عافیت کی دعائیں کرتا ہے۔ گرامی نامہ سامی نے سرفراز فرمایا معذوری بصارت سے بے حد صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ سبحانہ اس کا نعم البدل دنیوی و اخروی عطا فرمائے اور جناب والا کے فیوض و

برکلت کو تادیر قائم رکھے حسب ارشاد سامی حضرت مولانا شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کی سند تا دم بخاری رحمتہ اللہ علیہ ارسال خدمت بابرکت ہے اور غایۃ الاوطار ترجمہ در المختار کی قیمت کتب خانہ اعزازیہ وغیرہ سے دریافت کی معلوم ہوا کہ غایۃ الاوطار آج کل نایاب ہے صرف کتب خانہ اعزازیہ میں ایک نسخہ ہے لکھنؤ کا چھپا ہوا جس کی قیمت وہ چالیس روپیہ بتاتے ہیں اس کے علاوہ اور کتب خانوں میں نہیں ہے۔ جناب کی بزرگانہ اور قدیمانہ شفقتوں سے مجھ نالائق شاگرد کو پوری توقع ہے کہ جناب والا مجھ نالائق کو دعا میں یاد فرمائیں گے۔

فقط والسلام۔ بندہ ناکارہ نالائق عبدالرحمان غفرلہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم ۱۹ رجب ۷۰ھ پنجشنبہ

از آپ بیتی

حضرت استاذی مولانا الحاج الحافظ عبداللطیف صاحب سے تقریباً" منطق و فلسفہ کی بندہ نے ساری کتابیں پڑھیں جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے مولانا کی تاریخ ولادت میری تاریخ کبید میں خود مولانا کی ارشاد فرمودہ کہیں درج ہے مگر چونکہ میں علی گڑھ میں ہوں واپسی پر اگر کسی نے ڈھونڈ کر بتلا دی تو

درج کی جائے گی ۔ قرآن پاک حضرت حافظ صاحب نے اپنے وطن پور قاضی ہی میں ایک بکھرے کے حافظ صاحب حافظ امانت علی صاحب سے پڑھا جو مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد پور قاضی میں مدرس تھے اور اب تک یہ مدرسہ اسی نام سے قائم ہے اس کے بعد ابتدائی فارسی اپنے والد مولانا جمعیت علی صاحب سے جو گورنمنٹ کالج بہاولپور میں شعبہ عربی و فارسی کے صدر تھے حاصل کی پھر حضرت اقدس سہارنپوری کی بہاولپور تشریف بری کے موقع پر مولانا جمعیت علی صاحب نے حافظ صاحب کو مولانا کے سپرد کر دیا اور حضرت قدس سرہ ۔ مولانا کو سہارنپور لے آئے اور یہاں آکر از ابتداء تا انتہاء مظاہر علوم

میں پڑھا البتہ تین ماہ کیلئے شہر میں کچھ فتنہ کے خوف سے حافظ صاحب کو دیو بند بھیج دیا گیا اور وہاں آب و ہوا کی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے واپس تشریف لے آئے عمر شریف تقریباً ۷۵ سال کی ہوئی - (از آپ بیتی)

مظاہر العلوم میں تدریس

۱۳۴۳ھ کو مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں دورہ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد مظاہر العلوم اپنے استاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں حسب وعدہ تشریف لے آئے اور مظاہر العلوم میں تدریس شروع کر دی تدریس تو آپ طالب علمی کے دور میں بھی کیا کرتے تھے آپ کی علمی استعداد اور خداداد ذہانت ایسی تھی کہ طلبہ پہلے ہی سے آپ سے بڑی بڑی کتابیں پڑھتے تھے گویا ایک طرف اکتساب فیض ہو رہا تھا تو دوسری طرف فیض رسانی کا سلسلہ بھی جاری تھا چنانچہ مظاہر العلوم کی روئیداد ۱۳۴۳ھ میں حضرت مولانا صاحب کے نام کے ساتھ لکھا ہے

"مولوی عبدالرحمان صاحب کامپوری جو اس مدرسہ سے گزشتہ سال میں قابل اطمینان کامیابی کے ساتھ فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور نہایت قابل اور مستعد ہیں طلبہ کو طالب علمی کے وقت سے ہی ان کی طرف گرویدگی تھی ان سے طلباء مدرسہ اس وقت بھی پڑھتے رہتے تھے۔ مدرس عربی مقرر کئے گئے۔ فقط"

تاریخ مظاہر جلد دوم ص ۹ پر تغیرات کے عنوان کے ضمن میں درج ہیں کہ

"حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب جو مدرسہ سے وابستہ تھے اور تدریسی خدمات آپ کے سپرد تھی اس سال حضرت اقدس سہارنپوری کی معیت میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور بخیر و عافیت ربیع الثانی ۴۴ھ میں واپس تشریف لائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور چونکہ مولانا عبدالرحمان صاحب کا تقرر

ابھی حال ہی میں ہوا تھا اور خداداد قابلیت اور وہبی ذہانت و استعداد کی بنا پر طلبہ کو ان سے موانست تھی اس لئے ان ہر دو حضرات کی غیبت سے درس و تدریس میں کچھ تغیر نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی کمی محسوس ہوئی"۔ تاریخ مظاہر جلد دوم صفحہ ۹

ابتدائی تنخواہ

ابتداء تقرر کے وقت ۱۳۴۳ھ میں آپ کی تنخواہ پندرہ روپیہ مقرر ہوئی چنانچہ روئیداد مظاہر العلوم میں ہے۔ "مولوی عبدالرحمان صاحب کاملپوری جدید مدرس پندرہ روپے ماہوار۔ جو اس مدرسہ سے پچھلے سال کے اندر فارغ التحصیل ہوئے تھے اور لائق مدرس ہیں (تقرر کی منظوری شعبان میں ہوئی اور شوال سے عملدر آمد شروع ہوا") (تحریر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ)

اس قدر قلیل تنخواہ پر آپ نے کام شروع کیا جو آپ کے توکل اور زہد کی نشانی ہے بعد میں اہل و عیال کو بھی پاس بلا لیا تھا کہ قلت تنخواہ کی وجہ سے علیحدہ رہنا مشکل تھا خرچ بڑھنے لگا گھر پر بھائی صاحب وغیرہ کے ساتھ ایسے تعلقات تھے کہ بعد میں گھر کے اخراجات کی بھی یک گونہ آپ پر ذمہ داری پڑی بہبودی کے لوگ بھی کثرت سفر کی وجہ سے بمبئی وغیرہ ساحلی شہروں کو آتے جاتے تو حضرت مولانا ہی کے پاس ٹھہرتے آپ ان کی ضیافت کے ساتھ امداد بھی فرماتے

پہلی ترقی

آپ سن چکے ہیں کہ ۱۳۴۳ھ میں بحیثیت مدرس حضرت مولانا کا تقرر ہوا اور صرف پندرہ روپے تنخواہ مقرر ہوئی مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی قابلیت کے پیش نظر ارباب مدرسہ نے اگلے سال ہی یعنی ۴۴ھ میں تنخواہ میں اضافہ کر کے ترقی کی منظوری دی چنانچہ مدرسہ کی روئیداد ۴۴ھ میں تحریر ہے

تحریر مولوی عنایت الٰہی صاحب مورخہ ۲۳ شوال ۳۴ھ

ا مولوی عبدالرحمان جو لائق مدرس ہیں اور بعض متفرقات کی کتب پڑھاویں ہیں ان کی ترقی بجائے پندرہ کے بیس روپے فرمائی جائے ـــــــــــــــ بہتر ہے کہ اب بیس کئے جائیں

تونسہ میں آمد

تونسہ میں پنجاب کی ایک مشہور خانقاہ ہے خواجہ محمد سلیمان رحمتہ اللہ علیہ یہاں مشہور بزرگ گذرے ہیں ان کی خانقاہ میں مدرسہ تھا ارباب مدرسہ قابل مدرس کی تلاش میں تھے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا کے استاد مولانا حسن الدین صاحب کا تعلق تونسہ والوں سے تھا اور کچھ عرصہ آپ بھی یہاں مدرس رہے ـــــ مولانا حسن الدین صاحب نے ان کو مشورہ دیا کہ اگر اپنے مدرسہ کو کامیاب کرنا چاہتے ہو تو میرے شاگرد مولانا عبدالرحمان صاحب کو اپنے مدرسہ میں لے جاؤ۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مظاہر العلوم میں تدریس شروع کئے تھوڑا عرصہ ہوا تھا تونسہ کے مہتمم صاحب مولانا حسن الدین صاحب کا سفارشی خط لئے مظاہر العلوم پہنچے حضرت مولانا جانے پر آمادہ نہ تھے اپنے استاد اور شیخ مولانا خلیل احمد صاحب سے بھی ذکر کیا تو انہوں نے بھی اجازت نہیں دی بلکہ تونسہ کے مہتمم صاحب کو فرمایا کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اپنا کام بگاڑ کر کسی دوسرے کو مدرس دے دے۔ مہتمم صاحب ناکام واپس ہوئے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا بیماری کی وجہ سے رخصت لیکر بہبودی پہنچے تونسہ والوں کو آپ کی بہبودی میں آمد کا علم ہوا اور دوبارہ آپ کے استاد مولانا حسن الدین صاحب اور دوسرے باا‌ثر حضرات کو سفارش کے لئے لائے اور حضرت مولانا کے والد صاحب مرحوم اور چچا مولانا غلام رسول صاحب مرحوم پر اصرار کیا کہ آپ ضرور ان کو تونسہ جانے پر آمادہ فرمایئے۔

والد صاحب مرحوم اور چچا صاحب مرحوم کے اصرار اور استاد کی خواہش

سے مجبور ہو کر بادل نخواستہ آپ تونسہ مولانا غلام ربانی[1] صاحب مرحوم کو ہمراہ لے کر تونسہ تشریف لے گئے مگر چند دن وہاں رہ کر طبیعت اکتا گئی باوجودیکہ یہ حضرات مولانا کے ہر قسم کی راحت و آرام کا خیال کیا کرتے تھے مظاہر العلوم کی پرکیف اور پرنور فضا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جیسے شفیق استاد کی صحبت اور قلبی محبت جب یاد آتی تو دل تڑپ جاتا نیز یہاں کا مبتدعانہ ماحول بھی سازگار نہ آیا یہاں کی ظلمت بدعات اور لوگوں کا تتبع سنت نہ ہونا روحانی کوفت کا سبب بنا رہا۔ بعض اعمال میں تکاسل سے مزید اذیت پہنچتی رہی حضرت مولانا فرماتے کہ عصر کی نماز بہت تاخیر سے ہوتی جس سے عموماً" کراہت کا شبہ ہوتا ان وجوہات سے آپ نے یہاں سے جانے کا عزم کیا دیوبند اور سہارنپور میں رہ کر بدعت سے نفرت اور اتباع سنت کا جذبہ ایک فطری امر بن گیا تھا ادھر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو مولانا کی جدائی گوارا نہ تھی چنانچہ آپ نے تونسہ تار بھیجا کہ جلد مظاہر العلوم تشریف لے آئیں۔

مولانا کے ارادہ کو معلوم کر کے مدرسہ کے مہتمم صاحب اور اس وقت کے سجادہ نشین صاحب نے بڑی منت کی مگر آپ نے یہ ہی فرمایا کہ میری طبیعت یہاں نہیں لگتی مولانا خود بیان فرماتے تھے کہ مہتمم صاحب رونے لگے اور کہنے لگے کہ یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ آپ یہاں سے جارہے ہیں۔

حضرت مولانا براستہ ملتان و لاہور ' سہارنپور تشریف لے گئے جب مولانا مظاہر العلوم پہنچے مولانا خلیل احمد صاحب سبق پڑھا رہے تھے آپ کو مولانا کی آمد کا علم ہوا تو ملنے کے لئے تشریف لائے بڑا ہجوم آپ کے ساتھ تھا آتے ہی آپ نے یہ شعر پڑھا

---

(۱) مولانا غلام ربانی صاحب مرحوم بہبودی کے مشہور عالم دین مولانا عبدالقدیر صاحب کے صاحبزادے اور مولانا فضل الرحمان صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ حضرت مولانا مرحوم ان کو تعلیم کے لئے دیوبند ' سہارنپور لے گئے تھے بڑے قابل و ذکی تھے دوران طالب علمی ان کا انتقال دیوبند میں ہوگیا تھا۔

کشتے کہ عشق دارد نہ گذاردت بدنیساں۔ بجنازہ گرنیائی بمزار خواہی آمد[1]
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ استاد کو اپنے شاگرد سے کس قدر گہرا قلبی تعلق تھا۔

مظاہر العلوم میں دوبارہ آمد و تدریس

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو مولانا مرحوم سے بڑی محبت تھی اور باوجود اس کے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد تھے حضرت ادب کیا کرتے تھے چنانچہ شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ باوجود مولانا مرحوم کے شاگرد ہونے کے ایسا احترام کیا کرتے تھے جیسے بڑوں کا کیا جاتا ہے اور مولانا مرحوم بھی اتنا ادب کیا کرتے تھے کہ قابل رشک ہے" (مکتوب حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ)

اس تعلق کا نتیجہ تھا کہ مولانا خلیل احمد صاحب کی خواہش تھی کہ مولانا جیسے قابل تلمیذ اپنے مادر علمی مظاہر العلوم ہی میں مسند علم و درس کی زینت بنے رہے ہیں چنانچہ آپ نے پورے اطمینان و بشاشت کے ساتھ اس کو اپنے لئے پسند فرما لیا ایک تو اپنے شفیق استاد کی سرپرستی دوسری مظاہر العلوم کی مرکزی اور امتیازی شان غرض قدرت کو یہیں سے آپ کے ظاہری و باطنی فیوض کو شائع کرانا اور پھر جانشین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بنانا مقرر کیا چنانچہ آپ اپنے استاد کے لگائے ہوئے باغ کے مستقل باغبان بنے اور آخر تک آبیاری کرتے رہے۔

جس طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اپنے شیخ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے صورت و سیرت میں مشابہ تھے جیسا کہ مولانا عاشق الٰہی صاحب مولف تذکرۃ الرشید فرماتے ہیں۔ قدرت کے ہاتھوں صورت اور سیرت میں آپ کو

---

(1) از مولانا عبدالشکور صاحب ' مولانا عبدالجلیل صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا سے زندگی میں صرف ڈیڑھ شعر سنا۔ ایک یہ شعر اور دوسرا ملا حسن کے درس میں ملا حسن کی عبارت کے بے ربط اور غیر ضروری طوالت پر یہ مصرعہ بارہا آپ پڑھتے (لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر)

اپنے شیخ کے ساتھ مشابہت کا حظ وافر عطا ہوا ہے (تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۵۴ جلد ۲)

اسی طرح اللہ تعالٰی نے حضرت مولانا کو اپنے استاد و شیخ حضرت مولانا خلیل صاحب سے ظاہری و باطنی مشابہت عطا فرمائی تھی

اسی طرح مولانا محمد زکریا صاحب قدوسیؒ رحمۃ اللہ علیہ مدرس مظاہر العلوم سہارنپور سے جب کسی نے دریافت کیا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے کس کی مشابہت ہے آپ نے فرمایا کہ مولانا عبدالرحمان صاحب اپنے شیخ کے مشابہ تھے اور شاید اسی لئے آپ کو اللہ نے اپنے شیخ کا جانشین بنایا۔

حضرت مولانا کے قیام مظاہر العلوم سے دیگر فوائد کے ساتھ ایک عظیم فائدہ اپنے علاقہ کے لئے عمومی نفع رسانی کا پہلو بھی تھا جس طرح اکابر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے قیام دہلی نے نانوتہ کے اردگرد علاقوں میں رہنے والوں کے لئے علم کے لئے نئی راہیں کھول دی تھیں جیسا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ

"نانوتہ کے لئے تعلیمی راہ کا دروازہ مولانا مملوک علی کی وجہ سے کھل چکا تھا وہ دہلی میں مقیم تھے اور دلی کی سب سے بڑی مرکزی درسگاہ دلی کالج کے استاد تھے نہ صرف نانوتہ بلکہ عثمانی شیوخ کی برادری اطراف و جوانب کے جن قصبات میں پھیلی ہوئی تھی وہاں تک کے بچے مولانا مملوک العلی کے ان خاص حالات سے کافی استفادہ کر رہے تھے" آگے مولانا گیلانی حاشیہ میں فرماتے ہیں

جہاں تک میرا خیال ہے اس علاقہ کی اس جدید علمی روشنی میں بہت زیادہ دخل مولانا مملوک العلی رحمۃ اللہ علیہ کے وجود باجود کو ہے۔ دلی پہنچے اور وہاں کی تعلیمی سہولتوں سے مستفید ہونے کا موقع ان لوگوں کو بظاہر مولانا مملوک العلی صاحب ہی کی وجہ سے میسر آیا"۔ صفحہ ۲۱۰ جلد ۱ سوانح)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قیام مظاہر العلوم سے علاقہ [1] اور اردگرد کے علاقوں کے طلبہ و علماء کو استفادہ کا بہتر موقع میسر آیا حضرت مولانا کا وجود ان

[1] از مولوی عبدالجلیل صاحب

کے لئے ایک نعمت بے بہا اور علمی پناہ گاہ ثابت ہوا۔

شان خلیلی

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی شان عجیب تھی جس کا بھی آپ سے تعلق رہا محروم نہ ہوا تذکرۃ الخلیل میں مولانا عاشق الٰہی صاحب حضرت مولانا محمد یحییٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ

"مولانا خلیل احمد صاحب سے تعلق رکھنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا اور مولانا کی ایک شان خاص ہے جو بیان میں نہیں آسکتی یہی سبب ہے کہ آپ نے جس مخلص کو بھی امام ربانی کے بعد مشورہ دیا یہی دیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرو اور جس دوست کی خیر خواہی پر مٹے اس کو مجبور کیا کہ حضرت سے بیعت ہو اور آستانہ خلیلیہ سے نہ ہٹو کہ یہاں سے محروم جانے والا کامیاب نہیں ہو سکتا"

حضرت مولانا کی زندگی بھی اس شان خلیلی کا مظہر تھی اور نسبت خلیلی نے آپ کو ظاہری و باطنی فیوض کا مخزن بنا دیا

مظاہر العلوم میں مدرس ہو کر مختلف علوم و فنون کی کتابیں آپ نے پڑھائیں منطق و فلسفہ و دیگر علوم آلیہ میں آپ امتیازی شان رکھتے تھے یہ علوم و فنون اپنے پہلے "یک فنی اساتذہ سے حاصل کئے تھے یہاں آکر آپ کو اپنی قابلیت کے اظہار میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

۳۳ھ میں آپ نے مدرس کی حیثیت سے کام شروع کیا کچھ ہی عرصہ بعد آپ مدرس دوم ہو گئے ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۴۴ھ تک آپ کو بحیثیت استاد بھی اپنے استاد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی سرپرستی میسر رہی آپ کے زیر اثر اور منظور نظر رہ کر علمی مراحل آپ طے کرتے رہے۔

مظاہر العلوم کی صدارت

۱۳۴۴ میں مظاہر العلوم کی تاریخ میں یہ انقلاب آیا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے مدینہ طیبہ (بقصد ہجرت روانگی کا ارادہ فرمایا مظاہر العلوم سے حضرت سہارنپوری کی روانگی واقعی بڑا حیران کن واقعہ اور ناقابل تلافی نقصان تھا مگر آپ نے تلامذہ کی ایک ایسی پاکیزہ اور قابل و لائق جماعت تیار کر لی تھی کہ آپ کو یقین تھا کہ میرے جانے کے بعد اس چمنستان علم کی رکھوالی اور اس گلستان شریعت کی نگہبانی کی پوری صلاحیت ان میں موجود ہے چنانچہ ہر ہر تلمیذ کے ذمہ اس کا کام حوالہ فرما دیا اور اللہ کی یہ امانت ان کے سپرد کر کے آپ عازم مدینہ منورہ ہوئے۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب فرماتے ہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جب سفر حجاز کے لئے ڈیڑھ سال کی رخصت لی اور مدرسہ کو اپنے تلامذہ اور خدام کے حوالہ فرما کر ۲۶ شوال کو عرب سدھارے تو مدرسہ اس وقت مالی اور علمی ترقیات میں عروج کو پہنچ چکا تھا (تذکرۃ الخلیل) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مظاہر العلوم بحیثیت صدر مدرس تشریف لائے تھے پھر ۱۳۲۵ھ میں آپ پر نظامت کا بار بھی ڈال دیا گیا ۱۳۴۴ھ تک ان دونوں ذمہ داریوں سے آپ عہدہ برآ ہوتے رہے گویا دور ثانی مظاہر العلوم میں آپ کا تیس سال کا رہا)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذمہ داریوں کی اس تقسیم کے وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ مدرسہ کی صدارت تفویض کی۔ مظاہر العلوم میں مدرسین کی تقرری و ترقی کے قوانین کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں

"تقررات کی صورت ہمیشہ یہ رہی کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی رائے یہاں سے لکھ کر سرپرستان کے اجتماع میں یا

---

(۱)از رسالہ دار العلوم دیوبند ' اکتوبر ۱۹۶۶ء

نقشہ اسمائے گرامی ارباب مدرسہ و مناصب سن وار

ذیل میں کتاب ''تذکرہ مشائخ دیوبند'' سے نقشہ مع تصحیح دیا جارہا ہے جس سے مدرسہ کے حالات اور مدرسہ سے بزرگوں کی وابستگی کا حال بقید سن معلوم ہو سکے گا۔ ص ۱۴۸

نمبر شمار	نام سرپرست	نام مہتمم و منتظم	نام صدر مدرس	سن	کیفیت
۱	مولانا سعادت علی خان صاحب	مولانا سعادت علی خان صاحب	مولانا سخاوت علی خان صاحب انبیٹھوی	۱۲۸۳ھ	یکم رجب ۱۲۸۳ھ کو مدرسہ قائم ہوا
۲	مولانا محمد مظہر صاحب	مولانا محمد مظہر صاحب	مولانا محمد مظہر صاحب	۱۲۹۲ھ تا ۱۳۰۲ھ	اس زمانے میں تین سرپرست تھے مگر روح رواں مولانا مظہر صاحب ہی تھے۔
۳	مولانا محمد مظہر صاحب	مولانا محمد مظہر صاحب	مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری	۱۲۹۵ھ	مولانا محمد مظہر صاحب حج کو تشریف لے گئے تھے اس وجہ سے عارضی تقرر ہوا۔
۴	مولانا محمد مظہر صاحب	مولانا محمد مظہر صاحب	مولانا محمد مظہر صاحب	تا ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ	۱۳۰۲ھ میں مولانا محمد مظہر صاحب کا وصال ہو گیا
۵.	قاضی فضل الرحمٰن صاحب	قاضی فضل الرحمٰن صاحب	مولانا عبد العلی صاحب	۱۳۰۲ھ تا ۱۳۰۶ھ	

۶	قاضی فضل الرحمٰن صاحب	قاضی فضل الرحمٰن صاحب	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سہارنپوری	۱۳۰۶ھ تا ۱۳۱۴ھ	۱۳۰۲ھ تک مولانا احمد علی صاحب میر منشی بھی رہے
۷	حضرت امام ربانی صاحبؒ	مولانا عنایت الٰہی صاحب	مولانا خلیل احمد صاحب	۱۳۱۴ھ تا ۱۳۲۰ھ	
۸	مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری مولانا ذوالفقار علی صاحب مولانا اشرف علی صاحب حضرت شیخ الہند	مولانا خلیل احمد صاحب	مولانا خلیل احمد صاحب	۱۳۲۰ھ ۱۳۲۵ھ ۱۳۴۲ھ	۱۳۲۵ھ میں آپ ناظم بھی ہو گئے حضرت شیخ الہندؒ اپنے والد مولانا ذوالفقار علی صاحب کے انتقال کے بعد سرپرست بنے۔
۹	مولانا خلیل احمد صاحب	مولانا خلیل احمد صاحب	مولانا خلیل احمد صاحب	تا ۱۳۴۴ھ	۱۳۳۷ھ میں حضرت رائپوری کا وصال
۱۰	مولانا اشرف علی صاحب	مولانا عبداللطیف صاحب	مولانا عبدالرحمٰن صاحب	تا ۱۳۶۶ھ	مولانا محمد یحییٰ صاحب شیخ الحدیث
۱۱	مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری شیخ الاسلام مولانا مدنی "	مولانا عبداللطیف صاحب	مفتی سعید احمد صاحب	۱۳۶۷ھ	مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث
۱۲	مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری	مولانا اسعد اللہ صاحب	مولانا امیر احمد صاحب	۱۳۷۸ھ	مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث

بذریعہ ڈاک ان کی خدمت میں بھیج دیتے تھے ان حضرات کی طرف سے اس کی منظوری یا کسی جز میں کچھ ترمیم ہوتی تھی تو وہ کر دی جاتی تھی (مکتوب حضرت شیخ مد ظلہ العالی) چنانچہ روئیداد مظاہر العلوم ۱۳۴۴ھ میں مذکور ہے۔

"ماہ شوال ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ڈیڑھ سال کی رخصت بوضع تنخواہ لے کر عرب تشریف لے گئے ان کی جگہ قائم مقام مولانا الحاج عبداللطیف صاحب ناظم مقرر ہوئے اور ان کی جگہ مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری سابق مدرس دوم مدرس اول مقرر ہوئے" (از مکتوب شیخ الحدیث صاحب)

"حضرت مولانا نے جدید ذمہ داریوں کو جس طرح نبھایا اس سے مظاہر العلوم کی ترقی میں برابر اضافہ ہوتا رہا حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں

"علوم ظاہریہ و باطنیہ کی جامعیت کے باعث ۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے وقت اپنی خداداد مال اندیشی اور دور رس بصیرت سے جب اپنے بعد میں کام کرنے کے لئے مدرسہ کا نظام نو مرتب کیا تو اس میں صدارت تدریس کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا حضرت مولانا نے اس عہدہ جلیلہ اور خدمت عظیمہ کو جس خوش اسلوبی سے انجام دیا وہ مستغنی عن التعریف و التوصیف ہے"۔ حضرت مولانا کے ایک تلمیذ مولانا عاشق الٰہی صاحب فرماتے ہیں

"اساتذہ کی دور رس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ کامل پور کے اس مسافر میں فضل و کمال کے انمول جواہر بھرے ہوئے ہیں اگر ان کو کام پر لگا دیا جائے تو تشنگان علم کی سیرابی کے لئے آپ کی شخصیت چشمہ شیریں سے کم نہ ہو گی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو اس وقت مظاہر العلوم کے ناظم تھے آپ کے لئے عہدہ تدریس تجویز فرمایا ان کی موجودگی میں سالہا سال مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتے رہے پھر جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدینہ منورہ مستقل ہجرت فرمانے لگے تو مظاہر العلوم کا نظام اس طرح تجویز فرمایا کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث و مشیر[1] ناظم اور حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب صدر المدرسین و ناظم تعلیمات ہوں گے یہ واقعہ ۱۳۴۴ھ کا ہے اس وقت سے لے کر شعبان ۱۳۶۶ھ تک مسلسل بحیثیت صدر مدرس و ناظم تعلیمات مظاہر العلوم میں افادہ جاری رکھا"۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اس جگہ آپ کو خدمت دین کا بہترین موقع نصیب فرمایا ایک صدی کا پورا تہائی[2] حصہ آپ نے مظاہر العلوم میں گزارا آپ کے دور صدارت میں مظاہر العلوم سے ہزار سے زائد طلباء فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے سند لے کر رخصت ہوئے[3] جو ہندوستان کے تمام اطراف میں نیز حجاز ویمن افغانستان بلخ و بخارا برما اور افریقہ تک پھیلے کہ بحر رحمانی کی انہار جاریہ بن کر خشک زمین کو سیراب کریں اور قیامت تک یہ سلسلہ کہ ایک ایک مستفید سینکڑوں عالم بنا کر بنجر اور ویران زمین کو آبیاری کے قابل بناتے گویا شریعت و طریقت کے مستفیدین ' تلامذہ و مریدین ' ہزار ہا کی تعداد میں شرقا" غربا" پھیلے جو آپ کے نام مبارک اور آپ کی پاکیزہ مرشدانہ سوانح کو قیامت تک تازہ رکھیں گے

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو یہی کہ دو پشت چار پشت

ارشاد ربانی ہے کشجرۃ طیبتہ اصلها ثابت وفرعها فی السماء توتی اکلها کل حین باذن ربها الخ مستفیدین و تلامذہ کے کارنامے بھی حضرت مولانا ہی کے نامہ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا" وخیرا" املا"

-

مظاہر العلوم کی اس طویل علمی خدمت کے ساتھ قیام پاکستان کے بعد

حاشیہ صفحہ نمبر ۱۵۰

(۱) یعنی چودہویں صدی کا دوسرا ثلث ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۶۶ھ تک

(۲) مندرجہ ذیل سطور میں فضلاء مظاہر العلوم کی سن وار فہرست دی جا رہی ہے جس سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے زمانہ صدارت و تدریس میں فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد معلوم ہو سکیگی نیز اس سے یہ بھی واضح ہو سکیگا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے بعد بھی طلبہ میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

نام سن	تعداد	نام سن	تعداد	نام سن	تعداد	نام سن	تعداد
۱۳۱۴ھ	۴	۱۳۲۸ھ	۱۰	۱۳۴۱ھ	۱۴	۱۳۵۴ھ	۴۴
۱۳۱۵ھ	۵	۱۳۲۹ھ	۱۶	۱۳۴۲ھ	۲۵	۱۳۵۵ھ	۳۹
۱۳۱۶ھ	۷	۱۳۳۰ھ	۱۳	۱۳۴۳ھ	۳۴	۱۳۵۶ھ	۵۰
۱۳۱۷ھ	۷	۱۳۳۱ھ	۱۶	۱۳۴۴ھ	۳۰	۱۳۵۷ھ	۲۰
۱۳۱۸ھ	۶	۱۳۳۲ھ	۷	۱۳۴۵ھ	۲۶	۱۳۵۸ھ	۳۳
۱۳۱۹ھ	۷	۱۳۳۳ھ	۹	۱۳۴۶ھ	۲۱	۱۳۵۹ھ	۴۰
۱۳۲۰ھ	۱۰	۱۳۳۴ھ	۱۴	۱۳۴۷ھ	۴۴	۱۳۶۰ھ	۳۵
۱۳۲۱ھ	۵	۱۳۳۵ھ	۷	۱۳۴۸ھ	۳۰	۱۳۶۱ھ	۴۴
۱۳۲۲ھ	۸	۱۳۳۶ھ	۱۹	۱۳۴۹ھ	۲۷	۱۳۶۲ھ	۴۵
۱۳۲۳ھ	۱۰	۱۳۳۷ھ	۱۰	۱۳۵۰ھ	۲۳	۱۳۶۳ھ	۵۶
۱۳۲۴ھ	۹	۱۳۳۸ھ	۱۱	۱۳۵۱ھ	۲۶	۱۳۶۴ھ	۴۴
۱۳۲۵ھ	۹	۱۳۳۹ھ	۲۴	۱۳۵۲ھ	۳۶	۱۳۶۵ھ	۶۴
۱۳۲۶ھ	۱۶	۱۳۴۰ھ	۱۸	۱۳۵۳ھ	۳۱	۱۳۶۶ھ	۴۴
۱۳۲۷ھ	۸						

۱۳۴۴ھ تک فارغین طلباء وہ ہیں جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے شاگرد ہیں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا سن آغاز تدریس ۱۳۳۳ھ ہے شروع سالوں سے ہی آپ کے پاس اونچی درجہ کی کتابیں موقوف علیہ اور بعد میں دورۂ حدیث کے اسباق ہوئے اسلئے ۱۳۳۳ھ سے لیکر ۱۳۶۶ھ تک فارغین طلبہ آپ کے شاگرد ہیں۔

(۱) محرم ۱۳۶۷ھ سے لیکر شعبان ۱۳۶۹ھ تک خیر المدارس ملتان میں ۱۰۸ طلبہ اور شوال ۱۳۶۹ھ سے لیکر شعبان ۱۳۷۲ھ تک دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار میں ۶۶ طلبہ اور ۱۳۷۲ھ سے لیکر ۱۳۷۶ھ تک جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں ۹۰ طلبہ آپ سے فیضیاب ہوئے اور پھر اخیر تک بہاولپور میں بھی درس حدیث کا کچھ نہ کچھ سلسلہ جاری رہا۔

سولہ سترہ[۳] سالہ مزید تعلیمی و دینی خدمات کو بھی جمع کیا جائے تو یہ پوری صدی کا نصف حصہ بنتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تقریباً" پچاس سال حضرت مولانا نے کامل اور علی الاتصال علم دین کی اشاعت فرمائی اور اس آفتاب علم و دین کی ضو افشانیوں میں سے ایک عالم بقعہ نور بنتا رہا اس درمیان میں حضرت مولانا نے سوائے چند روزہ بیماری یا دیگر شدید اعذار کے نہ طویل سفر فرمایا اور نہ کوئی اور شغل اختیار فرمایا۔ یہ نصف صدی کا زمانہ کچھ کم نہیں ہے اس دور انتشار و خلفشار میں کم ہی علمائے کرام ہوں گے جن کو مسلسل نصف صدی مسند درس کی زینت بننا نصیب ہوا ہو گا اور جنہوں نے اس قدر طویل زمانہ افادہ تلامذہ اور علوم اسلامیہ کی خدمت و اشاعت میں گزارا ہو۔

پاکستان کے قیام کے دوران سولہ سترہ سال تک تدریس علم و نفع رسانی خلق خدا کو تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ رکھا جائے تو بھی صرف مدرسہ مظاہر العلوم کے صدقات جاریہ آپ کے اتنے کثیر در کثیر ہیں کہ ان کی نظیر اس دینی اضمحلال کے دور میں بمشکل مل سکے گی اور ایک ایسے شخص کے لئے جو اس کا سچا طالب ہو کہ بندہ کو دنیا میں آکر کیا کرنا چاہیئے آپ کی سوانح بتائے گی کہ بس اس تعلیم کی اشاعت[۱] میں مر مٹنا چاہیئے جو خالق جل شانہ کی طرف سے سیدنا محمد مصطفیٰ کی معرفت ہم تک پہنچی اور اس کی خدمت میں یہ سانس گذار دینے چاہئیں جو لمحات مہلت بنا کر مولیٰ کریم کی طرف سے ہم کو عطا ہوئے ہیں کہ یہی ہر وقت کا شغل ناز اور فخر کے قابل ہے۔

اوقات ہماں بود کہ بادوست بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خردی بود

اور باوجود دینی خدمات میں فنا ہو جانے کے کبھی اس کا وسوسہ بھی نہ آیا کہ آخرت کا کچھ ذخیرہ جمع ہو گیا بس عجز و انکساری کے الفاظ زبان پر جاری

---

(۱) ماقصہ سکندر و دارانہ خواندہ ایم
ازما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

رہتے جب فرمایا باچشم نم یہی فرمایا کہ دوستوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں کہ شاید کسی کے طفیل مغفرت ہو جائے اور حق تعالیٰ اپنے صلحاء کے حسن ظن کی لاج رکھ لے گویا بالکل وہی حال تھا جس کی ایک عارف نے ترجمانی یوں کی ہے۔

قدمت الی الکریم بغیر زاد
من الاعمال والقلب السلیم
فان الزاد اَقبح کل شی
اذا کان الوفاء الی الکریم

عموم فیض

ہر لحظہ جمال خود نوع دگرافزائی۔ شور دگر انگیزی شوق دگرافزائی

عموم فیضان[1] کا یہ حال تھا کہ اس طویل علمی زندگی میں ہندو پاکستان کے

---

(۱) آپ کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ سفرحج کے دوران مدینہ میں باب الرحمتہ کے قریب ایک دکان سے کوئی چیز خرید رہے تھے دکاندار نے پوچھا کہاں سے آئے' کہا پاکستان سے ' دکاندار نے پوچھا کس ضلع سے ' کہا کاملپور سے ' دکاندار کہنے لگا وہاں کے ایک عالم تھے جو ہمارے استاذ تھے ان کا نام مولانا عبدالرحمان صاحب ہے کیا آپ ان سے واقف ہیں؟ مکہ معظمہ میں مولانا حامد مرزا فرغینائی آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں بڑے صاحب مقامات بزرگ اور صاحب تصانیف عالم دین اور مفتی ہیں آج کل مدرسہ صولتیہ میں استاذ ہیں۔ حجاز میں فقہ حنفی کے ممتاز ترین علماء میں آپ کا شمار ہے مولانا سید عمران صاحب مدنی بھی آپ کے ارشد تلامذہ اور مخلص خدام میں سے ہیں ۔ آج کل مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ کے استاد حدیث ہیں اور مسجد نبوی کے انتظامی امور کے نگران اعلیٰ (الراقب العام) بھی ہیں بڑے سلجھے ہوئے عالم اور باوقار فاضل ہیں علاوہ ازیں مدینہ کے مولانا عبدالحق (باب الرحمتہ) اور مولانا عبدالکریم (حال وکیل ریاض ' سعودی عرب) بھی آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں آپ کے سلسلہ تلمذ سے وابستہ بہت سے حضرات علماء مختلف دینی خدمات میں مصروف ہیں لاہو کے قاری ابو محمد صاحب کو مشرقی افریقہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں مختلف شہروں میں حضرت مولانا کے تلامذہ اور فیض یافتگان کو دینی خدمات میں مصروف پایا۔

علاوہ افغانستان ‘ بلخ ‘ بخارا ‘ ترکستان ‘ تبت ‘ حجاز ‘ یمن ‘ برما اور افریقہ تک کے لوگ آپ کی شاگردی کا شرف پا گئے اور دنیا کے اطراف و اکناف میں فیض پھیل گیا حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب[1] فرماتے ہیں

”آج حضرت مولانا کے تلامذہ کی تعداد بالواسطہ و بلا واسطہ میرے اندازہ و خیال میں پچاس ہزار سے کسی طرح کم نہ ہو گی اور یقین ہے کہ یہ سلسلہ انشاء اللہ تاقیامت جاری رہے گا“

یہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب جیسے محتاط عالم و فاضل کا تخمینہ و اندازہ ہے مبالغہ آرائی اور صرف مدح سرائی نہیں ہے

مولانا محمد وجیہہ صاحب فرماتے ہیں

”حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کا تعارف ایسا ہے جیسے سورج کے سامنے ایک مدھم چراغ‘ حضرت کی ذات ستودہ صفات کے کمالات کا بیان کرنا اہل مقام ہی کا کام ہے حضرت کی شخصیت ایسی مشہور و معروف ہے کہ اکناف عالم ہندو پاکستان برما افغانستان ترکی ایران افریقہ شام عراق مصر و حجاز سب جگہ حضرت کے تلامذہ علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں“ (از ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک اگست ۱۹۶۶)

روایات مظاہر کی جلوہ گری

درحقیقت مظاہر العلوم جیسے دینی و علمی ادارہ کی صدارت اللہ کی عظیم امانت تھی جو آپ کے حوالہ کی گئی تھی جس خوش اسلوبی کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس منصب کو نبھایا تھا اسی طرح آپ کے تربیت یافتہ تلامذہ نے نبھایا

مولانا عاشق الٰہی صاحب تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۲۶ میں فرماتے ہیں

”بحمد اللہ وہ عروج جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ہاتھوں مدرسہ کے لئے روز ازل سے مقدر ہو چکا تھا کسی حال ھبوط پذیر نہ ہوا اور ایسی علمی

---

(۱) از رسالہ دارالعلوم دیوبند ماہ اکتوبر ۱۹۴۹

اسلامی یادگار بن کر صفحہ ہستی پر موجود ہے جس کو بعض امتیازی خصوصیات[1] کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں بے نظیر کہنا بے موقع نہیں کہ علمی افادہ کے ساتھ اب تک طلبہ کے عملی حالات پر بھی اہتمام کے ساتھ نظر رہتی ہے اور تمام مدرسین کی مخلصانہ اور متوکلانہ[2] معیشت اس وقت نمونہ اسلاف ہے کہ قلیل تنخواہ پر اس اہتمام و شوق کے ساتھ خدمات مفوضہ انجام دیتے ہیں جو دوسری جگہ کثیر تنخواہیں پانے والے بھی انجام نہیں دیتے کیونکہ دیکھ چکے ہیں کہ ان کے پیشوا (مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے تنگی معاش کی مختلف صعوبتیں اٹھائیں مگر قرض لینا بھی گوارا نہیں کیا (ص ۱۲۶)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور صدارت میں مظاہر العلوم کی اپنی قدیم روایات برقرار رہیں اور اسلاف کے لائحہ عمل پر زندگی کی راہیں طے کرتے رہے

مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں

"حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے مظاہر العلوم کی وہ قدیم روایات جلوہ گر رہیں جو اس جگہ پر کام کرنے والے ان کے کئی پیش رووں کا خصوصی امتیاز تھیں اور جن کی وجہ سے علمی و عرفانی تاریخ میں آج بھی ان کا ایک بہت بلند و ممتاز مقام ہے"۔

---

(۱) ان امتیازی خصوصیات کا ذکر پہلے مظاہر العلوم کے حالات میں گزر چکا۔

(۲) مظاہر العلوم کے سب سے پہلے مدرس مولانا سخاوت علی خان صاحب کی تنخواہ ۱۲ روپیہ تھی (تذکرۃ الخلیل ۱۲۶) اور جب ۱۳۱۴ھ میں مولانا خلیل احمد صاحب مظاہر العلوم تشریف لائے اس وقت مدرسین کی تنخواہیں حسب ذیل تھیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول ۴۰، مولانا عنایت الہی صاحب مہتمم و مدرس ۲۰ مولانا ثابت علی صاحب مدرس ۱۵ مولوی محمد احکم صاحب مدرس (تذکرۃ الخلیل ۱۲۰) ۱۳۳۰ھ تک تنخواہوں میں ترقی نہیں ہوئی ۳۰ میں جب سب ملازمین کو ترقی دی گئی تو مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی تنخواہ میں ۱۰ کا اضافہ کر کے ۵۰ کر دی گئی (تذکرۃ الخلیل ۱۲۶، ۱۲۷) یہ توکل وزہد کی زندگی آخر تک، حضرات مدرسین کی زندگی میں قائم رہی۔ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کی ابتدائی تنخواہ صرف پندرہ روپے مقرر ہوئی۔

ذوق حدیث

منصب صدارت ' ترقی مدارج اور اضافہ مشاہرہ سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشغلہ تدریس پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا تھا حضرت مولانا خلوص و للہیت تمام علوم کی کتابیں پڑھا رہے تھے اور طلبہ نہایت ذوق و شوق اور گرویدگی کے ساتھ دن رات میں جب بھی موقع ملتا تھا حضرت کے فیوض حاصل کرتے رہتے تھے۔

منصب صدارت پر فائز ہونے کے بعد آپ کی توجہ زیادہ تر حدیث کی طرف ہوتی صبح کے وقت آپ کے پاس حدیث کی کتابیں ہوتیں شام کے وقت فنون کی اعلیٰ درجے کی کچھ کتابیں ہوتیں کتب حدیث میں ترمذی شریف اور طحاوی شریف آپ کے پاس آخر تک زیر درس رہیں مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے ہیں

"آپ کا ترمذی شریف کا درس خصوصیت سے بہت زیادہ مشہور تھا حدیث کے ساتھ شغف پھر زندگی بھر بڑھتا ہی رہا رات دن متون و شروح احادیث کا مطالعہ رہتا تھا" (تفصیل آگے آئیگی)

نظام مظاہر العلوم سے تعلق

صدارت کے ساتھ آپ مجلس شوریٰ مظاہر العلوم کے رکن بھی تھے باوجودیکہ آپ انتظامی معاملات میں دخیل نہ ہوتے اور ہمیشہ اس سے احتراز کرتے مگر مجلس شوریٰ کے ہر اجلاس میں باقاعدگی کے ساتھ آپ شرکت فرماتے اور ارباب مجلس آپ کے قیمتی مشوروں سے استفادہ کرتے مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے ہیں

"حضرت کی وسعت فکر و نظر اور بصیرت افروز رائے گرامی سے مدرسہ کے اہل شوریٰ کو بہت مدد ملتی تھی"

مولانا عبدالشکور صاحب تحریر فرماتے ہیں

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ مظاہر العلوم کے کسی مشورہ کی مجلس کے متعلق حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سے فرمایا کہ مولانا عبدالرحمان صاحب کی جو رائے ہوتی ہے وہ بڑی صائب اور صحیح ہوتی ہے شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا بالکل صحیح ہے مگر کیا کیا جائے مولانا بہت کم بولتے ہیں بہت اصرار کے بعد ایک آدھ بات فرماتے ہیں حضرت مولانا کے ایک تلمیذ مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ناظم مظاہر العلوم مولانا عبداللطیف صاحب امور نظامت میں بطور مشورہ ضرور شریک رکھتے تھے اور اپنے پیچھے سفر کو جاتے وقت نظامت حضرت مولانا کو سپرد کر جاتے طلبہ درس ہی میں درخواستیں لے آتے تو سبق روک کر حکم تحریر فرما دیتے اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشورہ کے لئے بنفس نفیس آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کا معمول تھا کہ بالالتزام دارالطلبہ کی مسجد میں جمعہ کے فرائض ادا فرما کر مولانا کے کمرے میں تشریف لاتے اور وہیں سنتیں ادا فرما کر رخصت ہوتے تھے جامعہ مظاہر العلوم کی بااختیار مجلس شوریٰ کے امور ضروریہ کے مشورہ کے لئے جو کمیٹی تھی حضرت مولانا اس کے بھی رکن رکین تھے

مظاہر العلوم کے اساتذہ بجز چند کے سب شاگرد تھے(۱)

مظاہر العلوم میں لگاتار طویل عرصہ تک درس و تدریس کی وجہ سے وہاں کے اکثر مدرسین آپ کے تلامذہ تھے بجز چند کے جس طرح حضرت مولانا

(۱)مولانا عبداللطیف صاحب ناظم تو آپ کے استاذ تھے۔ شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب اور مولانا منظور احمد صاحب آپ کے رفیق درس تھے۔

خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ماتحت مدرسین سب آپ کے شاگرد تھے اسی طرح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور صدارت میں بھی ایسا ہی رہا کہ اکثر مدرسین آپ کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھے چند حضرات مدرسین کے اسماء گرامی یہ ہیں جو مظاہر العلوم میں مدرس تھے اور آپ کے تلامذہ میں شامل تھے۔
حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ' حضرت قاری سعید احمد صاحب ' مولانا عبدالشکور صاحب ' مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب ' مولانا امیر احمد صاحب ' مولانا ظریف احمد صاحب ' مولانا اکبر علی صاحب

باب سوم

سفرِ حج

سفرحج

قیام مظاہر العلوم کے دوران ۱۳۵۵ھ بمطابق ۱۹۳۶ء آپ نے حج ادا کیا آپ کے ایک خصوصی شاگرد اور متوسل جناب مولانا محمد داؤد یوسف صاحب[1] حضرت مولانا کے رفیق سفرحج اور خادم خاص تھے مولانا موصوف نے سفرحج پر مشتمل حالات قلمبند کئے ہیں جو بعینہ درج کئے جاتے ہیں

دل بیقرار کا عزم

سنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہو گا
اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں

سفرحج کے حالات

۱۹۳۴ء میں جماعت دورہ حدیث کے اسباق میں سے ترمذی شریف اور طحاوی شریف حضرت الاستاد قدس سرہ سے ہم نے پڑھی میں اکثر حضرت کے نزدیک بیٹھا کرتا تھا جب کتاب الحج شروع ہونے والی تھی تو حضرت الاستاد نے نہایت عاجزانہ اور موثر انداز میں طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حدیث و فقہ کی کتابیں سالہا سال سے پڑھاتا ہوں جب کتاب الحج کا آغاز ہوتا ہے تو دل

---

(1) جناب مولانا محمود داؤد یوسف مدظلہ آج کل برما کے مفتی اعظم وہاں کے جمعیتہ العلماء کے صدر ہیں ہمہ وقت تبلیغ و تدریس میں مصروف ہوتے ہیں رنگون میں آپ کا مدرسہ برما کا سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ ہے آپ کے آباؤ اجداد دیندار صاحب ثروت ہونے کے ساتھ علم اور بزرگان دیوبند سے خصوصی تعلق اور محبت رکھنے والے تھے۔

بیقرار ہو جایا کرتا ہے اب تک حج کی سعادت سے محروم ہوں اس وقت دل یہ چاہتا ہے کہ سب مل کر دعا کریں کہ اللہ جل شانہ اس دولت سے مجھے نوازے جب حضرت الاستاد کے الفاظ میرے کان میں پڑے تو حضرت کو متوجہ کرتے ہوئے آہستہ سے عرض کیا کہ حضرت دعا میں اس کا بھی اضافہ ہو جائے کہ حضرت کے ساتھ یہ خادم بھی شریک سفر رہے چنانچہ حضرت نے اس کے لئے بھی دعا کا اعلان فرمایا غرضیکہ دعا ہوئی مگر کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول بھی ہو گئی تھی سال ختم ہوا جامعہ مظاہر العلوم میں تعطیل ہو گئی سب اپنے اپنے وطن چلے گئے تعطیل گزار کر دوبارہ فنون کی تعلیم کے لئے سہارنپور حاضر ہوا پھر ذی الحجہ کا مہینہ آیا مگر سفر حج کا موقع نہیں ملا پھر ختم سال پر وطن واپس ہوا میں تقریباً" اس دعا ہی کو بھول گیا تھا جو ترمذی شریف کتاب الحج کے شروع کرنے سے قبل مانگی گئی تھی اور آخر شعبان میں عقد نکاح سے فارغ ہوا اس زمانہ میں حضرت استاد جناب مولانا الحاج محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہم العالی حال ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور ' رنگون کے مشہور مدرسہ محمدیہ راندیریہ کی نظامت کے عہدہ پر فائز تھے شوال کے پہلے ہفتہ میں جمعہ کی نماز سے قبل سورتی سنی جامع مسجد رنگون میں حضرت موصوف مدظلہم العالی

سے ملاقات ہوئی فرمایا کہ مجھ سے نماز کے بعد ملاقات کر لینا استاد محترم حضرت اقدس مولانا عبدالرحمان صاحب مدظلہم العالی کا ایک پیغام تنہائی میں تم کو پہنچانا ہے جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت مولانا موصوف مدظلہم کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں دوسرا کوئی موجود نہیں تھا فرمانے لگے کہ حضرت مولانا کا والا نامہ آیا ہے اس میں تحریر فرمایا ہے کہ امسال حج کا ارادہ ہو گیا ہے کسی اور کو اطلاع نہ دیں مگر محمود کو اس کی ضرور خبر کر دیں انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ سفر حج میں میرے ساتھ شریک رہیں گے جیسے ہی میں نے یہ پیغام سنا تو مجھے بھولا ہوا عہد یاد آگیا دل کو بڑا افسوس ہوا کہ ایسی نعمت سے محروم ہو رہا ہوں بات یہ تھی کہ ابھی رمضان شریف سے قبل عقد سے فارغ ہوا ہوں محترم والد

صاحب شادی پر کافی رقم صرف فرما چکے ہیں کاروبار کی حالت کچھ سقیم ہے اس لئے ایسی صورت میں والد صاحب سے اجازت طلب کرنا اور اخراجات مانگنا غیر مناسب ہے بہرحال مولانا اسعد اللہ صاحب مد ظلہم سے بھی یہی عرض کیا کہ ان حالات میں میرے لئے سفرِ حج کا امکان نہیں ہے حضرت موصوف مد ظلہم نے فرمایا کہ بھائی حضرت مولانا نے جو تحریر فرمایا وہ بے کم و کاست تم سے کہہ چکا ہوں پھر جیسی مصلحت ہو کیا جائے وہاں سے رنجیدہ ہو کر اٹھا اور کھانے کے لئے گھر روانہ ہوا راستہ میں خیال آیا کہ حضرت الاستاد کے ساتھ سفرِ حج میں تو نہ جا سکوں گا کم از کم حضرت کو آرام پہنچانے کے لئے کوئی سامان تیار کر کے بھیج دوں اس لئے تجویز یہ ہوئی کہ ضروری ادویات کا ایک بکس بھیج دوں تاکہ ضرورت کے موقع پر سفر میں کام آئے اس لئے رنگون کے مشہور "بڑا دواخانہ" میں پہنچا اس کے مالک میرے کرم فرما مخلص دوست مرحوم عبدالاحد صاحب تھے ان سے ملاقات کر کے اپنی خواہش کا اظہار کیا جس کو حسب عادت بڑی خندہ پیشانی سے قبول فرمایا وہاں سے گھر پہنچا راستہ بھر یہ سوچتا رہا کہ بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ حضرت الاستاد نے ازراہ کرم یاد فرمایا اور میں اس دولت سے محروم ہو رہا ہوں اس سے طبیعت نہایت غمگین ہوئی جس کا اثر چہرہ پر بھی ظاہر ہوا اسی حالت میں گھر پہنچا اہلیہ نے دیکھتے ہی کہا کہ آپ کچھ فکر مند معلوم ہوتے ہیں میں نے کہا کہ پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤں تو باطمینان کہوں گا ویسے کوئی فکر کی بات نہیں ہے کھانے کے بعد ان سے سارا قصہ بیان کر دیا وہ اللہ کی بندی کہنے لگی کہ آپ اپنے والد صاحب سے صرف اجازت طلب کر لیجئے اخراجات نہ مانگئے میں اپنے زیورات میں سے دے دوں گی اور کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کروں گی پھر آہستہ آہستہ آپ بنوا دیں جب میں نے اہلیہ کی اس پیشکش و ایثار کو دیکھا تو سوچا کہ حضرت والد محترم تو مجھ پر بے حد شفیق ہیں وہ ضرور میری درخواست کو قبول فرما لیں گے جب اہلیہ اس ایثار پر راضی ہیں تو والد صاحب انشاء اللہ ضرور ہی راضی ہوں گے چنانچہ حضرت والد صاحب

کی خدمت میں درخواست پیش کر دی جس کو انہوں نے قبول فرما لیا اور سفر حج میں حضرت الاستاذ کی رفاقت کا ارادہ کر لیا میں اس کو حضرت الاستاذ قدس سرہ کی مقبول دعا ہی کا ثمرہ سمجھتا ہوں

دسمبر ۱۹۳۶ء کو رنگون سے سہارنپور کے لئے روانہ ہوا سہارنپور پہنچ کر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضری دی میرے اس طرح حاضر ہو جانے پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا سفر کے سلسلہ میں روزانہ مشورے ہوتے ایک روز حاضر خدمت تھا حضرت اقدس مولانا عبداللطیف صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم بھی تشریف فرما تھے اور مختلف مشوروں سے نوازتے رہے اسی دوران میں فرمایا کہ تمہارے قافلہ میں چالیس اشخاص سے اوپر ہیں ایک کو امیر جماعت بنا لینا چاہیئے حضرت الاستاذ نے فوراً" میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کام کے لئے تمام رفقاء میں زیادہ موزوں ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت ہی کو ہم اپنا امیر منتخب کر لیتے ہیں اس پر فرمایا کہ نہیں بھائی مجھ سے کچھ نہ ہو سکے گا خود اپنا کام کر لینا میرے لئے دشوار ہوتا ہے میں نے پھر عرض کیا کہ امیر جماعت تو حضرت ہی ہوں گے اور تمام ذمہ داری میرے سر پر رہے گی اس پر خاموش رہے۔

رفقاء سفر میں میرے علاوہ جناب مولانا الحافظ عبدالوہاب صاحب سہارنپوری مرحوم جو اس وقت مظاہر العلوم کے مدرس تھے اور بعد میں نائب ناظم شعبہ مالیات بنا دیئے گئے تھے اور جناب مولانا حکیم عظیم اللہ صاحب سہارنپوری مرحوم ہم تینوں کے علاوہ مولانا عبدالوہاب کی والدہ محترمہ صاحبہ اور خالہ صاحبہ مستورات میں سے تھیں سہارنپور کے کچھ سادات اور دیہات کے کوئی تیس اصحاب اور تھے۔

روانگی

مقررہ تاریخ پر غالباً" وسط دسمبر ۱۹۳۶ء میں رات کی گاڑی سے لاہور روانہ ہوئے علی الصبح گاڑی لاہور پہنچ گئی وہاں سے دوسری گاڑی کراچی کے لئے بدلنا پڑی لاہور کے اسٹیشن پر حضرت کے ایک شاگرد مولانا قاضی خلیل

الرحمان صاحب نعمانی کلیانوی جو میرے بھی رفیق درس و محب خاص ہیں اور آج کل ناظم مکتبہ دارالعلوم کراچی کے عہدہ پر آگئے تھے ان کی وجہ سے بڑی راحت ملی دوسری گاڑی پر سوار ہونے کے لئے وقت باقی تھا غالباً" آٹھ بجے میل ٹرین سے کراچی روانہ ہوئے دوسرے روز نو دس بجے کراچی پہنچے سہارنپور سے ہی نماز باجماعت کا اہتمام کر لیا گیا تھا اکثر امامت کا فریضہ میرے ذمہ تھا رفقاء سفر میں جناب حکیم عظیم اللہ صاحب مرحوم سب سے زیادہ معمر تھے حضرت اقدس استاد الکل مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ سے ان کو شرف تلمذ حاصل تھا نہایت متواضع صابر اور سفرحج کا ایک خاص اثر ان پر تھا جناب مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم بھی بڑے ملنسار منتظم اور اپنے ساتھیوں کی راحت کا خیال رکھنے والے تھے ان کی وجہ سے سفر میں بڑی دلچسپی رہی۔

کراچی آمد

کراچی اسٹیشن پر بعض احباب آگئے تھے۔ مرحوم عثمان خان صاحب رئیس رنگون نے اپنے رشتہ داروں کو رنگون سے لکھ دیا تھا کہ ہم لوگوں کی راحت کا خیال رکھا جائے اور اپنے بنگلہ میں ٹھہرائیں یہ حضرات بھی اسٹیشن پر آگئے اور مصر ہوئے کہ ان کے یہاں قیام کیا جائے۔ آپس میں مشورہ کے بعد ان حضرات سے معذرت کر دی گئی۔ البتہ ان سے اسکا وعدہ کر لیا کہ اگر کوئی تکلیف ہوگی تو آپ حضرات سے مدد لیں گے۔ نیز کسی ایک وقت ہم میں سے چند لوگ کھانے پر بھی حاضر ہو جائیں گے ۔ کراچی میں ہمارے قیام کے لئے حضرت مولانا محمد صادق صاحب بانی و مہتمم جامعہ مظہرالعلوم محلہ کھڈہ نے مکان کا انتظام فرما دیا تھا۔ حضرت مولانا موصوف کی ذات گرامی سے چودہ روز کراچی کے قیام میں بڑی راحت ملی۔ اس ناکارہ پر تو بے حد شفقت فرمانے لگے بلکہ بڑی بے تکلفی کا برتاؤ فرمانے لگے تھے۔

جہاز کی روانگی

اسلامی جہاز بمبئی سے آنے والا تھا۔ اسی میں کراچی سے جانے والے حجاج کے لئے بھی جگہ تھی۔ مقررہ تاریخ پر ہم اس جہاز میں سوار ہوئے۔ تمام رفقاء نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا تھا۔ جگہ فراغت سے مل گئی۔ جہاز روانہ ہوا۔ تمام عازمین حج ذوق و شوق سے سفر کر رہے تھے۔ قسم قسم کے لوگ تھے ان میں مبتدعین کی بھی جماعت تھی۔ جو ہر رات کو میلاد کی مجلس منعقد کیا کرتے تھے۔ بعضے حسب عادت بدعات کی ترغیب دیا کرتے اور ہمارے حضرات اکابر رحمہم اللہ پر تبرا کیا کرتے۔ کافی تعداد میں بوہرہ فرقہ کے لوگ بھی تھے۔ اہل حق کی بھی جماعت تھی وہ تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے اور مسائل دریافت کرنے میں اپنا وقت صرف کیا کرتے تھے۔ حضرت الاستاذ قدس سرہ سے میں نے درخواست کی کہ عصر کے بعد حج کے موضوع پر تقریر فرمایا کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم تو جانتے ہو کہ مجھے تقریر کرنے کی عادت نہیں۔ پھر یہ کام میرے ذمہ تم کیوں کرتے ہو۔ تم تقریر کر لیتے ہو لہٰذا اس کام کو تم کرو۔ زیادہ ضرورت کی چیز مسائل سے واقف ہونا اور کرانا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ حضرت والا ایک روز عصر کے بعد مسائل حج پر ترتیب وار ضروری مضمون بیان فرما دیں۔ اس کے بعد اسی نہج پر عصر کے بعد روزانہ بیان کر دیا کروں گا۔ حضرت نے بخوشی قبول فرما لیا اور عصر کے بعد نہایت مرتب و دلنشین طریقہ سے ضروری مسائل کو سہل الفاظ میں بیان فرمایا۔ ختم کے بعد حکم ہوا کہ اب کل سے روزانہ اوپر کے عرشہ میں تم بیان کیا کرو تاکہ لوگ زیادہ تعداد میں سن سکیں۔

میں تازہ تازہ درسیات سے فارغ ہوا تھا۔ اس وقت میری عمر بھی اتنی نہ تھی اتنی بڑی ذمہ داری کو نا سمجھی میں قبول کر لیا بعد میں بہت ڈرا کہ اب کیا ہو گا۔ مگر حضرت الاستاذ کی برکت و روحانیت کے طفیل یہ مرحلہ با آسانی طے ہوا۔ تقریباً" روزانہ ایک گھنٹہ بیان کرتا رہا اور بفضلہ تعالیٰ عوام کو اس سے بڑا

نفع ہوا۔ اسلامی جہاز میں سوار عازمین حج کی بڑی تعداد عرشہ پر پہلے سے جمع ہو جایا کرتی۔ اور بڑے شوق و توجہ سے مسائل کو سنا کرتے محاذ میقات آنے سے قبل حسب حکم حضرت الاستاذ میں نے احرام باندھ لیا تھا تاکہ لوگوں کو احرام باندھنے کی ترکیب اور اضطباع ورمل کی کیفیت سے واقف کر دوں غرض یہ کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کی ہدایت و تعلیم سے خود بھی فیض یاب ہوا اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا

جہاز کے مشاغل

جہاز میں حضرت الاستاذ قدس سرہ زیادہ تلاوت میں مشغول رہتے۔ معمولات کے بعد زیادہ وقت مسائل کی تحقیق میں صرف فرماتے۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت گنگوہی کی زبدۃ المناسک و ارشاد الساری لمناسک ملاعلی قاری کا خاص طور سے مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ دوسرے اور تیسرے حج میں بھی مجھے حضرت الاستاذ قدس سرہ کی ہدایتوں سے بڑی سہولت رہی۔ حالت سفر میں حضرت تفریح کی باتیں بھی فرمایا کرتے۔ کراچی سے رفقاء سفر میں مولانا بشیر احمد صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد کسولی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ حضرت بڑے ظریف الطبع تھے۔ میرا بستره حضرت کے بستره سے متصل تھا۔ اور مولانا بشیر احمد صاحب میرے قریب تھے۔ مجھ سے اکثر چھیڑ چھاڑ رہتی۔ کبھی میں ان کو ناراض کر دیا کرتا تو حضرت مجھ سے فرماتے کہ شیخ تم چچا کو ناراض کیوں کرتے ہو۔ دراصل میں پان کا عادی تھا اور مولانا بشیر احمد صاحب بھی پان کے عادی تھے۔ مگر دانت نہ ہونے کے سبب پان کو کوٹنی میں کوٹ کر کھایا کرتے تھے۔ میں پان تلاش کر کے جمع کرتا اور وہ چپکے سے میرے جمع کردہ پان میں سے لے لیا کرتے جس سے مجھے بعض مرتبہ کوفت ہوتی۔ ایک مرتبہ میں نے ان کی کوٹنی کو چھپا دیا جس پر سخت ناراض ہو گئے۔ اور حضرت الاستاذ سے شکایت کر دی۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ تم کیوں ان کو پریشان کرتے

ہو۔ اگر تم نے لی ہو تو دیدو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ان کی کوٹنی کو اس شخص نے چرایا۔ جن کا یہ پان چرایا کرتے ہیں۔ حضرت کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ پان پر ایک بات یاد آگئی۔ میں پان میں تمباکو کھانے کا عادی ہوں ساتھ ہی ایک اچھی مقدار میں ایک بڑی بوتل میں بھنا ہا سونف بھی تھا حضرت کو کھانے کے بعد بغیر تمباکو کا پان اور سونف پیش کر دیا کرتا تھا۔ حضرت سونف کو بہت پسند فرمایا کرتے تھے ایک روز خادم نے عرض کیا کہ حضرت میری ایک تمنا ہے اس لئے حضرت سے درخواست کرنے کی جرات کرتا ہوں۔ امید ہے کہ ضرور قبول فرمائیں گے۔ فرمانے لگے شیخ وہ کیا تمنا ہے کہو عرض کیا کہ حضرت بھی تمباکو کا استعمال شروع فرما دیں اور مجھے اجازت ہو کہ تھوڑا تھوڑا تمباکو پان میں ڈال دیا کروں۔ فورا" ارشاد فرمایا کہ بھائی اب تم مجھے پان سے معاف رکھو تمباکو تو دور کی بات ہے۔ بس سونف کو میرے لئے مخصوص کر دو۔ اس میں سے نہ تم استعمال کرو نہ اور کسی کو دو اس طرح بے تکلفی کی باتیں فرمایا کرتے تھے۔

میرے ساتھ سفری پلنگ (کیم کوٹ) تھا۔ مجھے اپنی یہ غفلت ہمیشہ یاد رہے گی کہ جہاز پر سوار ہونے کے بعد اس پلنگ کا خیال نہیں ہوا۔ یوں ہی بندھا ہوا رکھا تھا غالبا" دوسرے روز حضرت الاستاذ سے جب مزاج پرسی کی تو فرمایا کہ تختہ پر لیٹنے کی وجہ سے کمر میں درد ہونے لگا ہے۔ تم بام سے مالش کر دو۔ مجھے اس وقت پلنگ کا خیال آیا۔ عرض کیا کہ مالش ضرور کر دوں گا۔ آج سے حضرت پلنگ پر آرام فرمائیں اس کو کھول دوں گا۔ فرمانے لگے نہیں بھائی۔ وہ تم خود استعمال کرو۔ اور مجھے یہ اچھا بھی نہیں لگتا کہ اکیلے اوپر سوؤں اور دوسرے رفقاء نیچے رہیں۔ میں نے عرض کیا کہ والد صاحب نے اس خیال سے ساتھ کر دیا تھا کہ تھرڈ کلاس میں سفر ہو گا۔ تو اس سے آرام سے ہو گا مگر حضرت کے ہوتے ہوئے میں اس پر کیسے سو سکتا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت بھی اس پر سونا پسند نہ فرمائیں گے مگر اب تو عذر ہے۔ لہذا حضرت کو میری درخواست اب ضرور قبول فرمانی ہو گی۔ بے حد اصرار کے بعد اس پر

راضی ہوئے۔

احرام

محاذ میقات سے قبل ہی یہ دریافت کر چکا تھا کہ احرام کس حج کا باندھنا مناسب رہے گا۔ حضرت کا اس بارے میں کیا قصد ہے فرمانے لگے کہ مذہب حنفی کی رو سے قران افضل ہے اور اس کے افضل ہونے کو ہمیشہ طلبہ کے سامنے بیان کرتا رہا ہوں۔ اس لئے قرآن کے احرام کا ارادہ ہے۔ اس خادم نے جناب حکیم صاحب اور مولانا عبدالوہاب صاحب نے بھی قران کا احرام باندھا۔ ہم لوگ ۲ ذی الحجہ کو جدہ پہنچ گئے۔ جدہ میں کسٹم وغیرہ سے فارغ ہو کر معلم کے وکیل کے ساتھ قیام گاہ پر آئے دو پہر کے کھانے سے فارغ ہوئے ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد معلمی وغیرہ کی فیس و حج ٹیکس کی ادائیگی سے فراغت ہوئی۔ عصر کی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے۔ تمام سفر میں نماز با جماعت کا سب سے زیادہ اہتمام فرماتے۔ بلکہ حتی الامکان مسجد میں جا کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ عصر تک مکہ شریف کے لئے بس کا انتظام نہیں ہوا تھا۔ عصر پڑھتے ہی فرمایا کہ شیخ! وکیل سے اب تو تقاضا کرنا چاہئے کہیں مغرب کی نماز راستہ میں قضا نہ ہو جائے یا پھر مغرب کے بعد روانگی ہونی چاہئیے۔ وکیل صاحب سے سخت تقاضا ہوا کچھ ہی دیر میں بس آگئی اور ہم لوگ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے راستہ میں کسی ایک منزل پر بس روکنے کے لئے فرمایا۔ مغرب کی نماز با جماعت پڑھی گئی مکہ معظمہ جب قریب آیا تو فرمایا کہ بس کے ڈرائیور سے کہہ دینا چاہئیے کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے بس کو کسی ایسی جگہ پر روک لیا جائے جہاں غسل کر سکیں۔

مکہ معظمہ میں داخلہ

چنانچہ دخول مکہ سے قبل حضرت الاستاذ نے غسل فرمایا اور باب المعلی سے داخل ہوئے۔ ہم لوگ جب مکہ معظمہ پہنچے تو عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ عارضی قیام گاہ پر عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی۔ اس کے بعد طواف عمرہ کیا۔ پھر سعی کی۔ اس کے بعد طواف قدوم کیا۔ پھر سعی کی۔ اسی میں نصف شب سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ مجھ جیسا ۲۱ سالہ جوان تھک کر چور چور ہو گیا تھا مگر حضرت الاستاذ کو دیکھا تو ہشاش بشاش ہیں۔ وقت پر تہجد کے لئے اٹھے۔ میں تو لیٹا دیکھتا رہا۔ مجھے تو اٹھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اس مکان میں منتقل ہو گئے جہاں ہمیں مکہ معظمہ کے قیام میں ٹھہرنا تھا۔ اس مکان کے مختلف کمرے تھے رفقاء مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے میں حسب سابق حضرت ہی کے ساتھ رہا۔ میرا تو کھانا پینا۔ اٹھنا بیٹھنا سونا۔ سب حضرت ہی کے ساتھ رہا۔ موسم نہایت خوشگوار تھا۔ رات کو خاصی خنکی ہو جاتی۔ دن میں بھی گرمی نہیں تھی۔ حضرت کا معمول یہ رہا کہ دن کو بہت کم طواف فرمایا کرتے۔ ہجوم ہوتا تو مطاف کا چکر دور سے پورا فرماتے۔ ایک طرف لوگوں کی دھکا پیل سے اپنے کو محفوظ رکھتے۔ اور دوسروں کو بھی تکلیف پہنچانے سے بچتے۔۔ خصوصاً مستورات کے قرب سے بالکل ہی احتراز فرمایا کرتے۔

معمولات

عام طور سے یہ معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد فوراً سو جاتے اور ہماری گھڑیوں کے مطابق ۲ بجے شب کو اٹھ جاتے۔ استنجا وضوء وغیرہ سے فارغ ہو کر ہاتھ میں ٹارچ لیکر مکان سے اتر جاتے اور مسجد حرام میں اول تہجد ادا فرماتے ۔ پھر صبح کی نماز تک طواف فرمایا کرتے۔ اس خادم نے بارہا عرض کیا کہ حضرت مجھے خدمت کے لئے اٹھا دیا کریں مگر کبھی بیدار نہیں فرمایا۔ میں خود کوشش کرتا کہ پہلے اٹھ کر وضوء وغیرہ کے لئے لوٹے میں پانی بھر دیا

کروں مگر اس کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ آنکھ جب کھلی یا تو حضرت وضوء فرما رہے تھے یا سیڑھی اتر رہے تھے یا حرم شریف میں حاضر ہو چکے تھے۔ فیض صحبت کا یہ اثر تھا کہ ہمیشہ بلا ناغہ حضرت کے ساتھ طواف میں شریک ہی رہا۔ دن میں زیادہ تر تلاوت کلام اللہ یا مطالعہ کتب فرمایا کرتے تھے۔ دوست احباب سے بات چیت رہتی تھی

دعوت سلطانی میں جانے سے انکار

جیسا کہ قاعدہ ہے کہ حج سے قبل سلطان کی طرف سے مشہور حجاج کی دعوت ہوا کرتی ہے۔ ہر معلم اپنے حجاج میں سے دو دو حاجیوں کا نام منتخب کر کے لکھ بھیجتے پھر سلطان کی طرف سے دعوت نامہ آجاتا۔ ہمارے معلم جمیل مکی مرحوم نے حضرت الاستاذ اور میرا نام لکھ بھیجا تھا۔ ہم دونوں کو دعوت نامے ملے۔ حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ شیخ میں تو اس سے محروم رہنا پسند کرتا ہوں۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ شاہی دعوت میں مشغول ہو کر حرم شریف کی جماعت کو ہاتھ سے جانے دوں اور ایسا عام طور پر ہوا کرتا تھا۔ حضرت اس کو سن چکے تھے پھر فرمایا کہ مولوی عبدالوہاب صاحب کو میری جگہ لے جاؤ۔ ان کوشوق بھی ہے چنانچہ حضرت شاہی دعوت میں شریک نہیں ہوئے۔ اور ہم دونوں نے شرکت کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اور حضرت کی برکت سے جماعت چھوٹنے کی اس سال نوبت نہیں آئی۔

علماء و مشائخ سے ملاقات

حج سے قبل مکہ معظمہ میں دو تین بزرگوں سے ملاقات فرمانے تشریف لے گئے تھے ایک تو حضرت مولانا شفیع الدین صاحب نگینوی رحمتہ اللہ علیہ جو ہمارے دادا پیر حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ خاص تھے۔ کافی معمر ہو چکے تھے۔ ضعف و عذر کی وجہ سے حرم شریف

میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے ایسے بات چیت وچہرہ کی وجہ سے ستر سال کے اندر معلوم ہوتے تھے ۔ ہم جب حاضر ہوتے تو گاؤ تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بدن بھاری تھا۔ حضرت الاستاذ سے بڑی شفقت سے ملے۔ مزاج پرسی کے بعد حضرت موصوف نے گاؤ تکیہ کے نیچے سے ایک پرچہ نکال کر حضرت الاستاذ کو ملاحظہ کے لئے دیا حضرت نے اس کو پڑھا اور فرمایا کہ انشاء اللہ اس پر عمل ہو گا۔ بعد میں حضرت سے معلوم ہوا کہ اس پرچہ میں ایک ضروری ہدایت لکھی ہوئی تھی۔

عرفات میں نماز کا مسئلہ

حنفی مذہب میں امام المسلمین یا ان کا نائب جو مکہ معظمہ سے عرفات کو جاتے ہیں مسافر نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے ضروری ہے کہ نماز پوری پڑھائیں البتہ حنبلی مذہب میں ان کے لئے قصر کرنا مناسک حج میں سے ہے اور آج کل اسی پر عمل کرتے ہیں اور قصر کرتے ہیں اس لئے حنفی خواہ مسافر ہو خواہ مقیم دونوں کی نماز ان کے پیچھے درست نہ ہو گی۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے ہدایت فرمادی کہ عرفات میں ظہرو عصر کی نماز اپنے خیمہ میں ادا کرلیں۔ اس صورت میں جمع بین الصلوتین نہ کر سکیں گے اس لئے کہ جمع کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ نماز امام المسلمین یا ان کے نائب کے پیچھے یا پڑھی جائے الگ خواہ جماعت سے ہو یا تنہا پڑھے تو ظہر کو اس کے وقت میں اور عصر کو اس کے وقت میں پڑھنا ضروری ہے۔

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی

دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی تھے جو کہ استاذ الکل شیخ العالم مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی قدس سرہ کے تلمیذ خاص تھے۔ اور حجتہ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ کے علوم سے خاص شغف رکھتے تھے ان کی خدمت میں حرم شریف میں کئی مرتبہ گئے علمی

مذاکرہ رہا کرتا تھا۔ حضرت الاستاذ بڑی توجہ و دلچسپی سے ان کی باتیں سنا کرتے تھے ایک آدھ مرتبہ ان کے دولت خانہ پر بھی تشریف لے گئے یہ بھی یاد آتا ہے کہ انہوں نے موطا امام مالک کا ایک نسخہ جس پر تحشیہ معری بھی تھا۔ حضرت الاستاذ کو عنایت فرمایا ۔ مولانا سندھی رحمتہ اللہ علیہ حضرت کی طرف بہت توجہ فرماتے تھے۔ میں چونکہ علم سے کورا تھا۔ مجھے اتنی دلچسپی نہ تھی اس لئے یہ یاد نہیں کہ کس موضوع پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔

تیسرے ایک بزرگ سے بھی ملنے تشریف لے گئے تھے ان کا اسم گرامی پوری طرح محفوظ نہیں۔ غالبا" حاجی عبداللہ صاحب یا کچھ اور نام تھا۔ ان کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ وہ اعلی حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے خدام میں سے ہیں۔ یہ بزرگ بھی زیادہ معمر تھے ان کے پاس حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے بہت سے تبرکات تھے ایک گٹھڑی میں ان تبرکات کو رکھا کرتے تھے۔ تبرکات کی زیارت کا ہم کو بھی موقع دیا۔

جنت المعلی کی زیارت کے لئے بھی حج سے قبل تشریف لے گئے۔ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ہمارے اعلی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب و دیگر حضرات کے مزاروں پر حاضر ہوئے۔

بیت اللہ میں داخل ہونے کی تمنا

حضرت الاستاذ کو بیت اللہ میں داخل ہو کر نماز پڑھنے کی بڑی تمنا تھی مگر جب معلوم ہوا کہ بغیر رشوت دیئے داخلہ ممکن نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عام داخلہ کے وقت بڑی دھکا پیل ہوتی ہے جس سے خود کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی ایذا کی نوبت آتی ہے۔ ہجوم کی وجہ سے اور دیگر بے حرمتیاں بھی سر زد ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت الاستاذ قدس سرہ اپنی تمنا کو پورا نہ فرما سکے۔

منی و عرفات جانے کے لئے یہ طے ہوا کہ کرایہ کی گاڑی کر لی جائے۔ اس میں آرام رہے گا اور تمام سنتوں پر بہ سہولت عمل ہو جائے گا۔ اس زمانہ

میں بسوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا مگر آج کل کی طرح نہیں۔ اونٹوں کی قطار جس راستہ سے جاتی تھی گاڑی کے لئے بھی وہی راستہ تھا۔ ایک گاڑی میں چار اشخاص مع ضروری سامان کے سوار ہو سکتے تھے ہم نے دو گاڑیاں لیں ایک میں حضرت الاستاذ قدس سرہ حکیم عظیم اللہ صاحب مولانا بشیر احمد صاحب مرحوم اور یہ خادم دوسری گاڑی میں مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم اور ان کے ساتھ جو زنانہ سواریاں تھیں۔ باقی رفقاء بس گاڑی اور اونٹ کے ذریعہ گئے اور بعض پیدل بھی روانہ ہوئے۔

منیٰ روانگی

۸ ذی الحجہ کو صبح کی نماز کے بعد ناشتہ سے فارغ ہو کر منیٰ روانہ ہو گئے۔ تقریباً دو گھنٹے میں منیٰ پہنچ گئے۔ ظہر کی نماز جماعت سے خیمہ میں پڑھی۔ اسی طرح عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے روز صبح کی نماز منیٰ میں ادا کر کے عرفات کے لئے طلوع آفتاب کے بعد روانہ ہوئے

عرفات

زوال سے بہت پہلے عرفات پہنچ گئے۔ حضرت الاستاذ نے عرفات میں بھی غسل فرمایا۔ پھر کھانے سے فارغ ہوئے اور ظہر کی نماز اپنے خیمہ میں با جماعت ادا فرمائی۔ ہم لوگ مکہ شریف پہنچ کر مقیم نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے قصر نماز ادا کی ۳ ذو الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد اقامت کی نیت کر بھی نہیں سکتے تھے اس لئے کہ ۸ ذو الحجہ کو منیٰ و عرفات کے لئے مکہ معظمہ سے نکلنا تھا۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر تلاوت، ذکر، درود شریف اور دعاؤں میں ہمہ تن مشغول رہے۔ نماز عصر سے کچھ پہلے چائے نوش فرمائی۔ پھر عصر کی نماز عصر کے وقت میں با جماعت ادا فرمائی۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بھی اوراد و وظائف دعا میں مشغول رہے۔ جب آفتاب غروب ہو گیا تو عرفات سے روانگی ہوئی۔

مزدلفہ

تقریباً گھنٹہ بھر میں مزدلفہ پہنچنا ہوا۔ مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں پہلے مغرب کی نماز پھر متصلاً فوراً عشاء کی نماز جماعت سے ادا ہوئی یہاں جمع بین الصلواتین کے لئے امام المسلمین یا نائب کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ جماعت بھی شرط نہیں ہے۔ عشاء کا وقت ہونا ضروری ہے

عشاء کے بعد مغرب و عشاء کی سنتوں اور وتر کو ادا فرمایا۔ اور سو گئے۔ یہاں شب میں خاصی سردی تھی کمبل ساتھ تھا۔ سینہ تک کمبل اوڑھے رہے۔ تہجد کے وقت بیدار ہو گئے۔ تہجد کی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد سات کنکریاں وہاں سے اٹھا لی گئیں۔ جب خوب اسفار ہو گیا اور طلوع آفتاب میں کچھ منٹ باقی تھے تو مزدلفہ سے روانگی ہوئی۔

منیٰ

غالباً ڈیڑھ گھنٹہ میں منیٰ پہنچ گئے۔ اپنے خیمہ میں سامان رکھ کر جمرہ عقبہ کی رمی کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد دم قران سے فراغت ہوئی۔ اس زمانہ میں جانوروں کی قیمت نہایت ارزاں تھی اور میں سہارنپور سے عمدہ چھری بنوا کر ساتھ لے آیا تھا۔ چنانچہ حضرت الاستاذ کے جانور کے علاوہ دیگر رفقاء کے جانوروں کی قربانی کا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فراغت کی اطلاع دی تو فرمایا کہ شیخ کسی اچھے حلاق کو تلاش کرکے یہاں لاؤ۔ اتفاق سے تلاش میں تاخیر ہوئی۔ کوئی حلاق مل نہیں رہا تھا۔ اس لئے تاخیر ہو رہی تھی۔ میں چونکہ زلف رکھے ہوئے تھا اس لئے پہلے ہی سے قصر کا ارادہ تھا علاوہ ازیں ہمارے حکیم عظیم اللہ صاحب نے بھی کہا تھا کہ تم تو قصر کرانا۔ حضرت الاستاذ نے بھی مسکرا کر فرمایا کہ ہاں بھائی اس میں کیا حرج ہے ؟ اس کی بھی اجازت ہے۔ تاخیر کی وجہ سے میں نے اپنے بعض رفقاء سے کہا کہ میرے پاس قینچی ہے۔ میرے بال کتر دیجئے مولوی بشیر احمد صاحب نے خود بھی انکار کر دیا۔ اور دوسروں کو بھی

ڈرایا کہ احرام کی حالت میں محرم کے بال نہیں کاٹنے چاہئیں۔ اس سے صدقہ لازم آئیگا یہ محظورات احرام ہیں

افعال حج کے بعد محرم کو دوسرے محرم کا حلق جائز ہے

حضرت الاستاذ سے میں نے استفتاء کیا حضرت نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اعمال حج سے فراغت ہو گئی ہے۔ غالباً" احتیاط کے طور پر کتاب کھول کر بھی دیکھ لی۔ اب میں نے " ارشاد الساری" کو دیکھا تو حاشیہ پر یہ عبارت نظر آئی اما اذا کان فی او انه کالفراغ من اعمال الحج او اعمال العمرة فلا شیئی فیه و قدرایت ممایغلط فی ذالک و یفتی علی الحالق حینئذ بلزوم الصدقة وهو غفلة من تقیید المسالة فلیحذر (صفحہ ۲۲۱)

اس کے بعد غالباً" مولانا عبدالوہاب صاحب نے میرے بال قینچی سے کتر ڈالے۔ کچھ دیر کے بعد حلاق بھی آگیا اور حضرت الاستاذ نے حلق کرایا۔ پھر غسل سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ طواف زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ ہم لوگوں کو صرف طواف کرنا تھا سعی سے ہم طواف قدوم کے وقت فارغ ہو چکے تھے۔ عصر کی نماز منیٰ میں آکر پڑھی۔ ۱۱۔۱۲۔ ۱۳ ذوالحجہ میں تینوں جمرات کی رمی کرتے رہے تیرھویں ذی الحجہ کی رمی بھی زوال کے بعد کی۔ گو زوال سے پہلے تیرہ کو رمی کرنا جائز ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے نیز تیرہ کو رمی کرنا ضروری نہیں ہے البتہ افضل ہے۔ حضرت نے اس کو ترک کرنا بھی گوارا نہیں فرمایا۔ غرض یہ کہ تیرہ کی رمی کرکے منی سے روانہ ہوئے

مکہ معظمہ واپسی

مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے پہلے کچھ دیر محصب[1] میں بھی ٹھہرنے کی سنت ادا فرمائی۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ کتنی دیر محصب میں ٹھہرے شام تک مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ دوسرے روز مجھے حکم دیا کہ شیخ، موٹروں کا جلد انتظام شروع کردیں تاکہ مدینہ منورہ جلد حاضری ہو جائے

اس زمانہ میں حکومت سعودیہ عربیہ کے وزیر مالیات جناب عبداللہ بن سلیمان تھے ان سے والد صاحب کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ والد صاحب نے میرے متعلق مکہ معظمہ حاضری کی اطلاع ان کو دیدی تھی۔ مجھے بھی ایک دستی خط دیا تھا۔ یہ بھی فرما دیا تھا کہ ان سے کسی موقع پر مدد لینے کی ضرورت ہو تو لے لینا۔ وہ ضرور کر دیں گے حج سے قبل ان سے مل چکا تھا۔ بڑی توجہ و محبت سے پیش آئے۔ اسی سال کچھ ہوائی جہازوں نے زائرین کو مدینہ طیبہ لیجانا شروع کیا تھا۔ وزیر صاحب موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہوائی جہاز سے مدینہ طیبہ جاؤ۔ میں انتظام کر دوں گا میں نے عذر کر دیا کہ میں اپنے استاذ کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔ ان کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور دوسرے بھی بہت سے رفقاء ہیں۔ ان سے الگ ہونا بھی خلاف مروت ہے البتہ آپ سے یہ درخواست ہے کہ حج سے فارغ ہو کر ہمیں جلد موٹر بس مل جائے آپ اس کا انتظام فرما دیں تو بڑی عنایت ہو گی۔ بات یہ تھی کہ ہمارے معلم صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ آپ لوگ دیر سے آئے ہیں اس لئے مدینہ کے لئے آپ لوگوں کو گاڑی ملنے میں دیر ہو گی۔ نیز مصری حجاج کی کثرت ہے۔ ان کے لئے انتظام ہو گا حضرت کو اس سے بڑا فکر تھا۔ جب حضرت سے وزیر مالیات اور والد صاحب کے تعلقات کا ذکر کیا تو فرمایا شیخ بس یہ کام تم ان سے لے لو۔ اور وزیر مالیات سے

---

[1] مکہ معظمہ سے باہر ایک پتھریلی زمین ہے جہاں حضور ﷺ نے قدرے نزول فرمایا تھا اور اس وجہ سے اب یہ محل سنت ہے۔ ۱۲

اس دشواری کا ذکر کر دینا۔ وزیر مالیات نے ازراہ کرم میری درخواست کو خوشی سے قبول فرما لیا اور اس وقت یہ فرمایا کہ حج سے فارغ ہو کر تم میرے دفتر میں آکر مجھ سے ملو۔ سب انتظام کر دوں گا۔ حسانچہ ۱۵ یا ۱۶ ذوالحجہ کو وزیر صاحب کی خدمت میں ان کے دفتر میں حاضری دی بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ اپنے پیش کار سے آہستہ سے فرمایا۔ وہ فوراً بغل کے کمرے میں داخل ہوئے تھوڑی دیر میں اس کمرے سے ایک صاحب جو افسر معلوم ہوتے تھے۔ وزیر صاحب کی میز کے پاس کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ پھر وزیر صاحب کی پیشانی اور ہاتھ کو چھوا ان سے وزیر صاحب نے کچھ فرمایا۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ ان کے ساتھ آپ جائیے یہ سب کام آپ کا کر دیں گے۔ وہ صاحب اپنے کمرے میں لے گئے انہوں نے تفصیل دریافت کی۔ میں نے تین بسوں کی تمام رفقاء کے لئے درخواست کی۔ وقت اور دن بھی بتلا دیا۔ فرمانے لگے کہ وقت مقررہ پر آپ کو تین بسیں مل جائیں گی اور حسب حکم وزیر صاحب آپ کو مدینہ منورہ کے گورنر صاحب کے نام بھی ایک خط دیا جائے گا تاکہ مدینہ منورہ سے روانگی کے لئے بھی حسب خواہش وقت پر بس مل جائے۔ ہم خوش خوش خط لے کر وہاں سے واپس ہوئے بعد میں معلوم ہوا کہ انکا نام شیخ محمد سرور صبان ہے اور وزیر مالیات کے نائب[1] ہیں اس کے بعد روانگی کی تاریخ طے ہو گئی

اور طواف وداع سے فارغ ہو کر غالباً ۱۸ یا ۱۹ ذوالحجہ کو مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی۔ اس وقت نہ تو اس طرح کی بسیں تھیں جیسی اب ہیں اور نہ راستہ ایسا تھا جیسا کہ اب ہے۔ رابغ وغیرہ منازل پر کچھ کچھ دیر کے لئے ٹھہرتے ہوئے گئے۔ ہم جس بس میں سوار تھے وہ ہماری دوسری بسوں کے مقابلے میں کمزور حالت میں نظر آتی تھی۔ مگر اس بس کا انجن سب سے اچھا نکلا۔ کہیں خراب نہیں ہوئی۔ بہرحال راستہ میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی

---

(۱) اس وقت موصوف رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ہیں۔

مدینہ طیبہ حاضری

رات راستہ میں کسی منزل میں گزار کر دوسرے روز ظہر سے قبل مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ راستہ بھر میں درود شریف کی کثرت حضرت الاستاذ کا معمول رہا۔ اور حضرت کی برکت سے تمام رفقاء کا بھی یہی معمول رہا۔

مدینہ منورہ میں حضرت اقدس مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ بانی و مہتمم مدرسہ علوم شرعیہ جو حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سابق صدر مدرس جامعہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے بڑے بھائی تھے۔ اور اپنے بھائی کی طرح حضرت قطب وقت شمس الاسلام مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ تھے ہم سب ان ہی کے مہمان ہوئے۔ حضرت مولانا قدس سرہ مہمان نوازی و تواضع میں مثل حضرت مولانا مدنی قدس سرہ کے تھے بلکہ کچھ زائد ہی تھے۔ حج کے موسم میں اپنے جیب خاص سے خرچ کرکے کچھ مکانات کرایہ پر لیتے اور حرم شریف کے قرب کی وجہ سے کرایہ بھی زیادہ دینا ہوتا تھا۔ ان مکانات میں اپنے احباب کو ٹھہرایا کرتے تھے۔ بہت سے مہمانوں کے کھانے پینے اور ناشتہ وغیرہ کا بھی اپنی طرف سے انتظام فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ۸ روزہ قیام میں تمام سہولتوں و ضروریات کا پورا انتظام فرمایا۔ اس زمانہ میں محب صادق مولانا قاری فیروز صاحب مرحوم مدینہ طیبہ میں مقیم تھے اور حضرت مولانا سید احمد صاحب قدس سرہ کے کاروبار کے منیجر تھے۔ ان کو سخت تاکید تھی کہ ہم لوگوں کے آرام کا پورا خیال رکھیں۔ یوں بھی قاری صاحب مرحوم حضرت الاستاذ قدس سرہ کے شاگرد تھے۔ اس لئے خود بھی موصوف مرحوم خاص طور سے خیال رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر جائے قیام میں سامان رکھ کر غسل وغیرہ سے فارغ ہوئے پھر روضہ اقدس پر حاضری کے لئے مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ تحیۃ المسجد ادا فرما کر مواجہہ شریف میں حاضری دی

روضہؐ پر سلام

مؤدبانہ پست آواز میں صلوۃ و سلام پیش کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کے بارگاہ عالی میں سلام عرض کر کے ذرا پیچھے ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام عرض کیا۔ پھر ذرا اور پیچھے ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پیش کیا پھر ذرا آگے بڑھ کر تقریباً" دونوں کے درمیان پھر دونوں حضرات شیخین پر سلام پیش کیا

ہر نماز کے بعد حضرت الاستاذ قدس سرہ کا یہ معمول تھا۔ اکثر و بیشتر سوائے دو چار مرتبہ کے خادم کو اس جگہ بھی ساتھ ہی حاضری کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ ایک ناواقف صاحب نے حضرت الاستاذ قدس سرہ کے طواف اور روضہ اقدس پر حاضری کے حل کو اچھی طرح سے متعدد مرتبہ دیکھ رکھا تھا۔ چنانچہ حج سے جس جہاز میں واپسی ہوئی اس میں وہ صاحب بھی سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے تاثرات کا ان الفاظ میں مجھ سے ذکر کیا کہ میں مطاف میں اور روضہ اقدس میں آپ دونوں استاد شاگرد کو دیکھا کرتا تھا کہ سکون و عجز و انکسار سے الگ تھلگ طواف کیا کرتے اور سلام عرض کیا کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں تو نااہل و کم عمر شخص ہوں۔ ہاں میرے استاد محترم کی صحبت کی برکت سے میں بھی عاجزانہ صورت کم از کم بنا لیا کرتا تھا۔ البتہ حضرت استاذ بے ساختہ و بلا تکلف پورے آداب کا خیال فرمایا کرتے تھے۔ پھر ان صاحب سے بے تکلفی کے تعلقات ہو گئے اور حضرت الاستاذ کے بڑے عقیدت مند بن گئے

آداب مدینہ

مدینہ طیبہ کے قیام میں حضرت الاستاذ پورے احترام و آداب کا خیال فرماتے۔ جنت البقیع بھی متعدد بار حاضر ہوئے اور قباء اور دیگر مساجد و آبار کی بھی زیارت فرمائی

مولانا محمد موسیٰ صاحب

مدینہ طیبہ میں حضرت اقدس حکیم الامتہ قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب سرحدی مہاجر مدینہ رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ——>

حضرت الاستاذ <——

سے وقتاً" فوقتاً" ملاقات کے لئے آیا کرتے۔ ان کو حضرت کے ساتھ بڑی محبت ہو گئی۔ قباء واحد کی زیارت میں ساتھ رہے۔ اپنا باغ بھی دکھلایا۔ انہوں نے حضرت الاستاذ قدس سرہ کو مکمل بیضا وی شریف کا نسخہ ہدیتہ دیا۔ حضرت کے طفیل میں مجھ کو بھی قسطلانی شرح بخاری کا مکمل نسخہ عطاء فرمایا۔ ۸ روز کے قیام میں مسجد نبوی میں جماعت سے نماز کا سب سے زیادہ اہتمام تھا۔ کسی نماز کی تکبیر اولی حضرت نے نہیں چھوڑی۔

حضرت کے حکم پر مدینہ سے روانگی کا انتظام شروع کیا۔ مدینہ منورہ کے گورنر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور وزیر مالیات صاحب کا ملفوف پیش کیا۔ بڑی عنایت سے پیش آئے اور حسب خواہش بسوں کا وقت پر انتظام ہو گیا۔ نویں روز مدینہ طیبہ سے غم گین و پر نم آنکھوں کے ساتھ رخصت ہوئے۔ جدہ پہنچ کر غالبا" چار یا پانچ روز جہاز کے انتظار میں ٹھہرنا پڑا۔

نماز میں احتیاط

جدہ میں پہلے دو تین وقت قیام گاہ میں جماعت سے نماز پڑھتے رہے پھر فرمایا کہ ہم لوگ اچھے خاصے کھاتے پیتے آرام سے ہیں ایسی صورت میں مسجد سے محرومی کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں ایک بات کا خدشہ ہے کہ یہاں کے امام یا تو حنبلی مسلک کے ہیں اور یا شافعی مذہب کے اور یہاں کے حوض چھوٹے ہیں۔ دہ در دہ نہیں ہیں بہت ممکن ہے کہ اس حوض کے پانی سے امام صاحبان وضو کرتے ہوں۔ نیز ہمارے مذہب حنفی میں خروج دم سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس لئے پہلے تم امام مسجد سے با ادب ان چیزوں کو صاف کر

لو۔ اور ان سے خواہش کا اظہار بھی کرو۔ کہ ہم لوگ آپ کے پیچھے اقتداء کرنا چاہتے ہیں مگر چونکہ حنفی مسلک کے ہیں اس لئے ان دو باتوں کے سبب اس میں رکاوٹ ہے آپ کا کیا طریقہ ہے

چنانچہ امام مسجد سے ملاقات کرکے مذکورہ بالا امور عرض کئے۔ امام صاحب ماشاء اللہ فہیم و نیک شخص تھے کہنے لگے۔ مجھے خود اس کا خیال ہے موسم حج میں خصوصاً" میں دیگر مذاہب کا خیال رکھتا ہوں۔ تاکہ سب کی رعایت ہو جائے ۔ چنانچہ گھر سے وضوء کرکے آتا ہوں اور خون نکلنے پر وضوء کا اعادہ کر لیا کرتا ہوں آپ صاحبان بلا تردد میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ امام صاحب کا یہ پیغام حضرت الاستاذ کی خدمت میں پہنچا دیا بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد سے اہتمام کے ساتھ مسجد تشریف لے جایا کرتے تھے

ہمارے حضرت کو مچھلی بہت مرغوب تھی جدہ کے بازار میں بڑی بڑی مچھلی تل کر فروخت ہوتی تھی ایک مرتبہ بازار میں سے جاتے ہوئے حضرت نے دیکھا تو فرمایا کہ شیخ مچھلی کھانے کو جی چاہتا ہے۔ کوئی انتظام کرو۔ میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ ہو جائے گا اور اس کی کوشش کی جائے گی کہ بازار سے تلی ہوئی مچھلی خریدنے کی بجائے گھر میں پکنے کا انتظام ہو۔ میں نے مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم سے کہا۔ انہوں نے اپنی والدہ سے عرض کیا۔ وہ پکانے پر تیار ہو گئیں۔ دوسرے روز بازار سے مچھی خرید کر لائی گئی دوسرا ضروری مصالحہ فراہم کیا گیا محترمہ موصوفہ نے تکلف اٹھا کر نہایت لذیذ مچھلی کا سامان تیار کیا۔ حضرت الاستاذ نے بڑی رغبت سے کھائی۔ غالباً" خسرو یا رضوانی نامی جہاز آنے والا تھا یا کچھ اور نام تھا۔ غرض یہ کہ پرانا اور چھوٹا جہاز تھا۔ مقررہ تاریخ پر اس میں سوار ہوئے۔ اس جہاز پر ہمارے دوست جناب حاجی محمد سلیمان ابوت صاحب اور غالباً" حاجی داؤد یوسف ابوت صاحب فرسٹ کلاس سے سفر کر رہے تھے ان صاحبوں کی وجہ سے حضرت الاستاذ کو جہاز میں بڑی راحت ہوئی

جدہ میں جہاز پر سوار ہونے کے وقت کسی ذریعہ سے حضرت الاستاذ کو یہ

افسوس ناک اطلاع ملی کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ جہاز میں حضرت الاستاذ نے مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے ختم قران کا انتظام فرمایا

کراچی آمد

بارہویں روز کراچی پہنچے۔ بندرگاہ پر حضرت مولانا محمد صادق صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے تھے۔ حضرت موصوف قدس سرہ کی وجہ سے کسٹم وغیرہ میں آسانی ہوئی پھر دولت کدہ پر لے جا کر ناشتہ کرایا۔ حضرت الاستاذ نے حکم دیا کہ شام کی گاڑی سے روانگی ہونی چاہیئے۔ سامان وغیرہ سیدھے ریلوے اسٹیشن پہنچا کر وزن کرا لیا جائے او رٹکٹ خرید لیا جائے۔ بریک میں رکھوانے کا سامان بریک میں رکھوا دیا جائے۔ سہارنپور روانگی کا تار بھی دیدیا جائے۔ چنانچہ اسٹیشن پہنچا ٹکٹ سہارنپور کا لیا۔ سامان کو وزن کرانے پر معلوم ہوا کہ سامان بہت زیادہ ہے کئی کنستر کھجور و زمزم کے تھے۔ ریلوے کے ملازم نے جو وزن کر رہا تھا۔ مجھ سے کہا کہ پانچ روپیہ مجھے دیدو آپ لوگوں کا فائدہ کرا دوں گا۔ میں نادانی و ناسمجھی کی بناء پر راضی ہو گیا۔ حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ تقریباً" ایک سو روپیہ کا فائدہ ہوا۔ میں تو اپنے اس کارنامہ سے بڑا خوش تھا

معاملات میں احتیاط

جب ہم کراچی سے روانہ ہو گئے تو حضرت الاستاذ نے مجھ سے فرمایا کہ شیخ فرصت ہو تو بقیہ حساب بھی صاف کرکے سب کا معاملہ بے باق کر دو۔ اس وقت میں نے حضرت سے اس بات کا ذکر کیا کہ پانچ روپیہ کے سبب سو روپیہ کا فائدہ ہوا۔ پورا قصہ بیان کر دیا۔ حضرت الاستاذ نے جب اس کو سنا تو بے ساختہ فرمایا کہ انا للہ یہ کیا ہوا۔ یہ تو بڑی غلط بات ہوئی ایک تو رشوت دینے کا گناہ۔ دوسرے ریلوے کے حق مارنے کا گناہ۔ اس حرکت سے حج میں

بڑا نقصان آئے گا۔ آخر تم کو یہ کیا سوجھی۔ حضرت کے فرمانے پر آنکھ کھلی کہ واقعی ناداستگی میں بڑی غلطی کا ارتکاب ہو گیا ہے۔ افسوس کرنے لگا اور علاج دریافت کیا۔ فرمایا کہ اسی لائن کا سو روپیہ کا ٹکٹ خرید کر پھاڑ ڈالو اور رشوت دینے کا جو گناہ ہوا اس سے استغفار کر لو آئندہ احتیاط کا عزم کر لو۔ حالانکہ حضرت اقدس حکیم الامتہ قدس سرہ کی تعلیمات میں اس کا بڑا اہتمام تھا اور یہ ناکارہ بھی مسلسل آٹھ سال تک ہر ماہ میں ایک مرتبہ تھانہ بھون حاضر ہوا کرتا تھا۔ بارہا یہ بات کان میں پڑ چکی تھی مگر اپنی غفلت و کم سمجھی سے فراموش کئے ہوئے تھا۔ مگر حضرت الاستاذ بھلا اس سے کیسے چوک سکتے تھے الحمد اللہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کی بروقت تنبیہہ و ہدایت سے اللہ تعالی نے ایک خسارہ عظیم سے بچا لیا۔

غالبا" دوسرے روز دوپہر کے وقت ظہر سے پہلے سہارنپور بخیر و عافیت پہنچے اسٹیشن پر ایک جم غفیر نے استقبال کیا۔ جامعہ مظاہر العلوم کے ناظم اعلی حضرت الاستاذ مولانا سید عبدالطیف صاحب قدس سرہ حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہم العالی و دیگر اساتذہ کرام و طلبہ بھی ان استقبال کرنے والوں میں سے تھے پلیٹ فارم پر دعا کیلئے سب جمع رہے۔ حضرت الاستاذ سے دعا کی درخواست کی گئی۔ اس طرح بفضلہ تعالی حضرت الاستاذ کا حج پورا ہوا۔ مین نے حالات سفر کو پہلے ضبط نہیں کیا تھا اور نہ کبھی اس کا خیال ہوا۔ اب تقریبا" تیس برس کا طویل عرصہ گزرنے پر اس کی نوبت آئی اس عرصہ میں انقلاب آئے۔ جنگ عظیم میں وطن رنگون چھوڑنا پڑا تھا کثرت مشاغل سے مصروفیت بھی بڑھتی رہی۔ جب مجھے صاحبزادہ قاری سعید الرحمان صاحب دام فیضہ کا حکم ملا تو سخت حیران تھا کہ حالات ضبط تحریر میں لا سکوں گا یا نہیں اب مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی لکھا گیا وہ کیسے لکھا گیا؟ اس لئے کہ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے دوسری بار سنہ ۱۹۴۸ ء اور پھر تیسری بار سنہ ۱۹۶۲ ء میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوا لیکن اگر کوئی مجھ سے ان دونوں سفروں کے حالات لکھنے

کو کہے تو میں ہرگز نہ لکھ سکوں گا۔ لکھنے کا ولولہ پیدا نہ ہو گا۔ بس میں اسے بھی حضرت الاستاذ ہی کا روحانی فیض قرار دیتا ہوں کہ اکثر حالات تحریر کے وقت آنکھوں کے سامنے آگئے۔ زیادہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ درحقیقت حضرت الاستاذ کی رفاقت و ہدایت میں جو سفرِ حج ہوا تھا وہ پھر کہاں نصیب ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ قدس سرہ کے مراتب و درجات کو بلند سے بلند فرمائے اور ہم ناکاروں کا حشر ہمارے ان سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شیداؤں کے ساتھ کرے اور ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کرے

باب چہارم

سلوک و طریقت کی اہمیت،
اضطراب، بے چینی
اور انجذاب الی اللہ

حیات انسانی کی بقاء

حیات انسانیہ کی بقاء کے لئے جسم اور روح دونوں ضروری ہیں دونوں کی قوتوں اور طاقتوں کو برقرار رکھنے اور اضمحلال کے بعد دوبارہ ابھارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف اسباب پیدا فرمائے ہیں جسم انسانی کی نشوونما کے لئے بھوک کو اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت بنایا ہے بھوک سے جسم کی مخفی قوتوں میں ابھار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ یہ نہ ہو تو غذا کی طلب کیسے ہو سکتی ہے؟ غذا نہ ملے تو انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے بھوک ہی انسان کو ہر قسم کے تعب و مشقت پر آمادہ کرتی ہے اور ہر مصیبت و الم کا متحمل بناتی ہے بھوک کی حالت میں سوکھے ٹکڑے بھی عظیم نعمت کا کام دیتے ہیں ان سوکھے ٹکڑوں میں وہ لطف آتا ہے جو بھرے پیٹ میں مرغن غذاؤں میں نہیں آتا بھوک کے وقت یہی سوکھے ٹکڑے خون بن کر طاقت کا سبب بنتے ہیں

روح کی بھوک

جس طرح جسم انسانی کی تربیت کے لئے بھوک ایک ضروری چیز ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے روح انسانی میں بھوک کا مادہ رکھا ہے جو اس کو روحانی غذا کے طلب پر مجبور کرتا ہے یہ بھوک پیٹ کی بھوک سے زیادہ اور بڑی نعمت ہے کہ اس پر آخرت کی زندگی کا مدار ہے جب اس بھوک سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اور اس بھوک سے بے پروا ہو کر غفلت اور کاہلی سے روح اپنی غذا سے محروم ہو جائے تو

پھر ایسی حالت میں علاج کی اشد ضرورت ہے تاکہ یہ بھوک پیدا ہو اور روح صحیح طور پر سے اپنی غذاؤں اور لذتوں سے محفوظ ہو

جسمانی اور روحانی غذا میں فرق

جسمانی غذاؤں اور روحانی غذاؤں میں فرق ہے جسمانی غذاؤں میں مفید اور مضر کی کوئی جامع فہرست مرتب نہیں بلکہ وہ صرف تجربہ یا ماہرین طب کی آراء پر منحصر ہے اور اسی وجہ سے بسا اوقات دھوکہ ہو جاتا ہے اور بھوک میں مضر چیز کو مفید سمجھ کر کھا لیا جاتا ہے جو درحقیقت اس کی زندگی کے خاتمہ کا باعث بنتا ہے

مگر روحانی غذاؤں کی مکمل و جامع فہرست جس میں مفید اور مضر چیزوں کی پوری تفصیل موجود ہے حق تعالٰی نے تفصیل سے اس کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے جس کو شریعت اور مذہب کہتے ہیں اور اسلام نے انسان کے لئے ایسی واضح ہدایات نازل فرما دیں کہ اب اندیشہ نہیں کہ شاید کسی مضر شے کو مفید سمجھ کر کھا لینے سے ہلاکت ہو جائے

روح کی طلب صادق

اسلام کے اس عطا کردہ مکمل فہرست پر صرف عمل کی ضرورت ہے اور وہی نجات کی کفیل ہے مگر بھوک اور تڑپ کا سوال اب بھی باقی ہے کہ روح میں طلب صادق ہو گی تو وہ روحانی غذا ان کے استعمال اور شریعت پر عمل کا محرک بنے گی ورنہ بادل نخواستہ کیسی ہی قوی غذا کا استعمال کرے وہ بے کار بلکہ عجب نہیں منافقوں کے اعمال کی طرح مہلک و مضر ہو چونکہ بھوک کے بغیر غذاؤں کی فہرست پر عمل دشوار ہے اس لئے حق تعالٰی نے پیغمبروں کو طبیب و معالج بنا کر ویز کیھم سے ان کی شان معالجہ بیان فرمائی اور انسانوں کو بتلایا کہ ان کی صحبت میں رہنا ان سے محبت اور

عقیدت رکھنا قدرتی قانون کے موافق تمہاری روح کو ان کی روحانی قوت میں منجذب کرے گا اور جو سچی بھوک ان کے قلوب میں ہے وہ تمہارے قلوب میں اس طرح آئے گی جیسے لوہے میں مقناطیس کے ساتھ صحبت و تعلق سے مقناطیسی کشش پیدا ہو جاتی ہے اور پھر خود انسان کو محسوس ہو گا کہ اتباع شریعت اور مرضیات الہیہ کا ایسا طالب ہے جیسا روزہ دار شام کو سچی بھوک لگنے کے وقت افطاری کا طالب ہوتا ہے اگر ایسی صورت ہے تو بے شک تمہاری بھوک قائم ہے اور اگر ایسا نہیں تو تمہاری بھوک بند ہے اور اندیشہ ہے پوری ہلاکت یعنی سوء خاتمہ کا' یا رغبت تو ہے مگر پوری اور کامل نہیں تو بھوک میں کمی ہے اور وہ بھی خطرہ سے خالی نہیں مبادا مرض بڑھ کر لاعلاج نہ بنا دے۔

حضرات انبیاء مثل برقی قوت کے مخزن کے ہیں

اللہ کے پیغمبروں کے قلوب ایک برقی قوت کے مخزن اور مقناطیسی کشش کے سرچشمہ ہوتے ہیں اس لئے قلوب کو اپنی طرف منجذب کر کے اول ان میں بھوک اور تڑپ پیدا کرتے اور پھر دوسروں میں بھوک پیدا کرنے والی برقی قوت پیدا کرتے ہیں

شیوخ طریقت

جن میں یہ طاقت معتدبہ آجاتی ہے وہ شیوخ طریقت کہلاتے ہیں

سلوک و طریقت

اپنے معدن یعنی مشکوۃ قلب محمدیؐ سے روحانی بھوک اور تڑپ کی پیدا کرنے والی استعداد حاصل کر کے اپنے زمانہ کے مریضوں کو پاس بٹھا کر سینہ سے لگا

کر کچھ دوا اور کچھ پرہیز کا پابند بنا کر ان کے قلوب میں بھوک پیدا کرتے ہیں اسی کا نام سلوک و طریقت ہے

تعمیر ظاہر و باطن

دوسرے الفاظ میں اس کا حاصل تعمیر الظاہر والباطن یعنی ظاہر و باطن کا سنوارنا ہے اور یہی بیعت و اکتساب کا مقصود ہے

شریعت و طریقت

طریقت درحقیقت شریعت ہی پر عمل کا نام ہے کوئی زائد اور چیز نہیں بشرطیکہ طلب صادق اور جذبہ صحیح ہو تاکہ رغبت اور شوق سے عمل کیا جا سکے

فطرت کا تقاضا

اسی بھوک اور طلب کا نام فطرۃ ہے جس کو اللہ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ہر بچہ اس انجذاب بھوک کو زندگی بھر کا رفیق بنا کر ساتھ لاتا ہے ماں کے پیٹ سے جدا ہو کر گہوارہ دنیا میں قدم رکھتے ہی غذا کی طلب میں چیختا چلاتا ہے شفیق ماں اس کی ناتوانی اور احتیاج کو دیکھ کر اسے اٹھا لیتی ہے

یہی حال روحانی طلب اور بھوک کا ہے کہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی قلب میں پیدا ہوتی ہے اور بڑے ہو کر بری صحبت یا عادت و رواج میں ڈوب کر کم یا بالکل بند ہو جاتی ہے اور خارجی اثرات و ماحول سے غفلت کے دبیز پردوں کے نیچے مستور ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ

اگر یہ بھوک قائم رہے اور اپنی غذا کی طلب میں ذرا بھی بلبلائے تو رحمت الہیہ جوش میں آکر ماں کی شفقت سے زیادہ محبت کا مظاہرہ کر کے اس کی تربیت کرنے لگتی ہے اور اپنی محبت اس کو عطا فرماتی ہے

طریقت معالجہ روحانی

حاصل یہ ہوا کہ طریقت و سلوک معالجہ روحانی کا نام ہے جس سے روح کی ظلمت و کثافت دور ہو کر وہ بھوک اصلی حالت پر آجائے جو فطرت میں ودیعت ہے

اضطراب اور بے چینی

صرف علوم ظاہریہ کے اکتساب سے نفس کی اصلاح نہیں ہوتی اور نہ قلب کی بے چینی دور ہوتی ہے علوم ظاہریہ کے حصول کے بعد اگر فطرتی جذبات کا میلان صحیح رخ پر مبذول ہو جائے تو طبیعت تزکیہ اور روحانی انجذاب کی طرف مائل ہوتی ہے

اسی فطرتی کشش کا اثر تھا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی اور علمی شہرت و مقبولیت کے بام عروج پر پہنچنے کے باوجود ان کے دل میں اضطراب پیدا ہوا اور اس کا بڑی شدت سے احساس ہوا کہ وہ جو کچھ پڑھ پڑھا رہے ہیں وہ محض لفاظی اور لسانی ہے اور جس کو دینی مشغلہ سمجھ رہے ہیں وہ محض دنیاداری اور جاہ طلبی ہے یقین واذعان کا سر رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹا ہوا ہے اور وہ حقیقی علم و معرفت کی دولت سے محروم ہیں اس احساس کا اتنا غلبہ ہوا کہ دنیا کی ہر چیز سے ان کی طبیعت اچاٹ ہو گئی اور اس علمی جاہ و منزلت کو خیرباد کہہ کر یقین کی تلاش میں بغداد سے پیادہ پا نکل کھڑے ہوئے اور عرصہ دراز کی صحرا نوردی اور مجاہدہ کے بعد یقین کی دولت سے مالا مال ہوئے اور ان کو نظر آیا کہ صحیح راستہ حضرات صوفیاء کرام

کا ہے

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی راہ کو اختیار کرتے ہوئے صرف علوم ظاہریہ کے حصول پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حصول یقین اور روحانی ترقی کے اس راہ ہدایت کو اختیار کیا فطرتی سلامتی کا نتیجہ تھا کہ اس روحانی اضطراب اور اندرونی طلب نے آپ کے لئے یہ روحانی جادہ پیمائی سہل کر دی

علم میں برکت

اور یہ ایک بین حقیقت ہے کہ صرف علم ظاہر لفاظی و لسانی چکر ہے جب تک اس کے ساتھ تزکیہ نفس نہ ہو جوہر نہیں کھلتا علم میں برکت ، فیض کا شیوع ، عند اللہ مقبولیت ، مرجعیت خلائق اور نت نئے حقائق اور نکات و رموز کی عقدہ کشائی صرف خلوص اور تزکیہ نفس کے لازمی اثرات میں سے ہیں بڑے بڑے علماء ہیں مگر ان کا فیض محدود برکت نظر نہ آئی یہ صرف روحانیت سے عدم توجہ کا نتیجہ تھا تاریخ اٹھا کر دیکھئے جس عالم کا فیض عام ہوا جس کو مقبولیت نصیب ہوئی جو عام و خاص کے مرجع بنے یہ صرف وہی ہستیاں تھیں جن کا علم عمل کے مطابق تھا جن کے قلوب نور معرفت سے منور تھے جنہوں نے راتوں کو جاگ کر اللہ سے اپنا تعلق قائم کیا تھا جنہوں نے اپنے نفوس اخلاق تحلیہ سے پاک کر لئے تھے جو اپنے اعمال اور سیرت و کردار میں نبوت کے پرتو کامل تھے

مرشد اول کا انتخاب

آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ حصول یقین ، ترقی روحانی اور کامیابی کے راستہ کی ابتداء عموماً" بے چینی ، اضطراب اور اندرونی طلب سے ہوتی ہے مردان خدا اور کاملین راہ کی سوانح میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے روحانی اضطراب کے تسکین کے لئے دور جانے کی ضرورت نہ پڑی طالب علمی کے آخری دور میں جس استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا وہ صرف عالم ہی نہ تھے بلکہ شیخ طریقت اور آسمان روحانیت کے ماہتاب ستارے تھے یعنی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس اللہ سرہ

حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ جامع شریعت و طریقت بزرگ اور عالم تھے آپ کے علوم مرتبت اور فخر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ قطب العالم حضرت گنگوہی کے آپ خلیفہ اول تھے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ پر بڑا اعتماد تھا

مولانا عاشق الٰہی صاحب تذکرۃ الرشید میں فرماتے ہیں

مولانا ممدوح (مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ۱۲۹۰ء میں جب دوبارہ حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو امام ربانی نے مرشد العرب والعجم حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ مولوی خلیل احمد کو اجازت عطا فرمائیں حضرت حاجی صاحب مولانا ممدوح کی حالت دیکھ کر بہت مسرور ہوئے محرم ۱۲۹۷ء میں خلافت نامہ مزین بمہر کر کے عطا فرمایا اور کمال مسرت سے اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر مولانا کے سر پر رکھ دی مولانا ممدوح نے دونوں عطیہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں پیش کر دیئے اور عرض کیا کہ "بندہ تو اس لائق نہیں ' یہ حضور کی ذرہ نوازی ہے" حضرت نے فرمایا "تم کو مبارک ہو " اس کے بعد خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار آپ کو خود عطا فرمایا مگر آپ کا یہ ادب تھا کہ طالب کو بیعت کرتے وقت معاصی سے توبہ کرانے کے بعد یہ الفاظ فرماتے تھے "کہو بیعت کی میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر"

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار آپ کے بارے میں فرمایا کہ

"جو میں وہ مولوی خلیل احمد"

ایک خط میں حضرت مولانا کو یہ شعر تحریر فرماتے ہیں

درگور برم از سرگیسوئے تو تارے
تاسایہ کند برسر من روز قیامت
(تذکرۃ الرشید ص۱۵۴ جلد ۲)

حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقام اعلیٰ پر فائز ہونے کا نتیجہ تھا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد حضرت کے متعلقین بھی آپ کی طرف رجوع کرتے اور اپنے منتسبین کو بھی اس کا حکم دیتے

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت گنگوہی کے اجل خلفاء میں سے ہیں انہوں نے اپنے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ

"سیاسیات(۱) میں جو کچھ مراجعت کرنی ہو حضرت شیخ الہند کی طرف کیجائے مگر سلوک میں حضرت سہارنپوری کی طرف میں نے حضرت کو اس لائن میں بہت اونچا پایا ہے"

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی بیعت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے کی حضرت مولانا جس سال دیوبند میں دورہ حدیث پڑھ رہے تھے اسی سال دیوبند سے آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں بیعت کی درخواست بذریعہ خط پیش فرمائی حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ

"دیو بند میں آفتاب ہدایت موجود ہیں آپ ان کو چھوڑ کر مجھ ناچیز کی طرف رجوع کر رہے ہیں اس خط پر آپ کو مولانا نے اپنے سلسلہ میں داخل فرمالیا(۲) دیوبند کے آفتاب ہدایت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہیں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو کسب فیض کا بڑا اچھا اور طویل موقع ملا تدریس مظاہر العلوم کا ابتدائی گیارہ سالہ دور اپنے شیخ و استاذ کی صحبت میں آپ کا گزرا

---

(۱) تذکرہ شاہ عبدالقادر صاحب ص۲۶ از مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہ

تعلیمات خلیلیہ

ناظرین کے افادہ کے لئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصول اصلاح بیعت اور حقیقت سلوک وغیرہ کا ذکر تذکرۃ الخلیل سے کیا جاتا ہے۔ تاکہ حضرت سہارنپوری کی حکیمانہ بصیرت اور عارفانہ مقام کا اندازہ ہو سکے۔

تصوف کی حقیقت اور ضرورت

تصوف کی حقیقت کے بارے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "سلوک کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کا دل حق تعالیٰ کی مرضیات کا ایسا طالب ہو جائے جیسا کہ جسم غذا کا طالب ہے اور اس کو عبادت کی ایسی خواہش ہو جیسے جسم کو غذا اور پانی کی خواہش ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ دل حق تعالیٰ کی عظمت و محبت سے پر ہو جائے۔ اور ماسوی اللہ کی محبت و عظمت سے خالی ہو جائے۔ جب تک اغیار کی محبت و عظمت اس درجہ میں قائم ہے کہ عظمت و محبت حق سے مزاحمت کرتی ہے اس وقت تک وہ مرضیات حق کا طالب نہیں ہو سکتا اور نہ معاصی سے پوری طرح بچ سکتا ہے۔"

تخلیہ و تحلیہ

"پس اب دو چیزیں ضروری ہوئیں۔ ایک تخلیہ دل کو اغیار سے پاک کیا جائے اور دوسرے تحلیہ کہ دل کو محبت و عظمت حق سے پر کیا جائے۔"

متقدمین و متاخرین مشائخ کی تعلیم میں فرق

پہلے زمانے میں مشائخ ان دونوں کی الگ الگ تعلیم دیا کرتے تھے

مگر اب چونکہ عمریں قصیر ہیں اور اذکار و مشاغل بھی زیادہ ہیں۔ اس لئے اب مشائخ وقت نے ایسا طریقہ تجویز کیا ہے جس میں دونوں مقصود ساتھ ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ طریقہ کثرت ذکر ہے کہ طالب خدا تعالیٰ کے ذکر میں اس درجہ مشغول ہو کہ یاد الٰہی اس کے ہر بن مو میں سرایت کر جائے۔ اس سے دل محبت و عظمت حق سے پر ہو جاتا ہے اور اغیار کی محبت و عظمت سے خالی ہو جاتا ہے اور اس سے مرضیات الٰہیہ کا شوق بڑھتا اور اس کی طلب دل میں مستحکم اور معاصی سے نفرت قوی ہو جاتی ہے کیونکہ جب وہ کسی معصیت کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس کے دل میں وحشت و ضیق اور ظلمت و بے چینی ایسی پیدا ہوتی ہے جو غیر ذاکر کے دل کو محسوس نہیں ہوتی اس سے پریشان ہو کر وہ معصیت پر اقدام کرنے سے رک جاتا ہے اور اگر اتفاقاً معصیت کا صدور ہو جائے تو وحشت ترقی پکڑ کر اس کو بہت جلد توبہ کی طرف مضطر کرتی ہے کہ بدون سچی توبہ کے اس کو چین نہیں پڑتا۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۷۳)

کثرت ذکر کے طریقے

ذکر کی کثرت کے بارے میں حضرت مولانا سہارنپوریؒ فرماتے ہیں۔

"کثرت ذکر کے دو طریقے ہیں ایک وہ جو مشائخ کا معمول ہے۔ مثلاً ذکر نفی و اثبات اور ذکر اسم ذات و غیرہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو دعائیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات اور مختلف حالات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں ان پر مواظبت کی جائے۔ میرے نزدیک ان دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔(ص ۲۷۳)

ذکر کی تعلیم

حضرت مولانا سہارنپوری سالک کو طویل اذکار کی تعلیم نہ فرماتے

بلکہ سالک کی طبیعت اور اس کی فرصت اور گنجائش کو دیکھ کر تلقین فرماتے "آپ زیادہ تر اول ذکر نفی اثبات دو سو مرتبہ اور اس کے ساتھ دو ہزار یا تین ہزار ذکر اسم ذات بتلاتے اور بعض کو صرف چار سو مرتبہ ذکر لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم پر اکتفا فرماتے"

اطمینان و مواظبت کی تاکید

اس مختصر ذکر کے ساتھ چند اہم باتوں کی تعلیم دیتے۔ جو ذکر کے اثرات جلد ظاہر کرنے میں ممد و معاون بنتے۔"

"دو باتوں کی بہت تاکید فرماتے۔ ایک یہ کہ ذکر میں عجلت نہ ہو۔ بلکہ پورے اطمینان اور شوق کے ساتھ پورا کیا جائے۔ دوم مواظبت اور پابندی ہو کہ کسی حال میں ترک نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایک قطرہ جو ہمیشہ پڑتا رہے آخر ایک دن پتھر میں سوراخ کر دیگا مگر بارش کے کروڑوں قطرے جو موسلادھار بن کر ادھر برسے اور ادھر ختم ہو جائیں۔ خاک بھی اثر نہ کریں گے۔"

علاج بالمرکبات

" آپ کا معالجہ زیادہ تر مرکبات سے ہوتا تھا جو معجون کا حکم رکھتی تھیں اور ان میں متعدد امراض اور مختلف قوتوں کی رعایت ایک وقت میں جمع کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ اکثر ذکر ہی کے ساتھ مراقبہ تعلیم فرمادیتے تھے۔ مثلاً" یہ کہ ذکر میں لفظ اللہ کے ساتھ یہ تصور کرو کہ منہ سے ایک نور نکل رہا ہے جو ذاکر کو اور تمام عالم کو محیط ہے اور جب اس کے اثرات ظاہر ہونے لگتے تو مراقبہ معیت تعلیم فرماتے کہ ذکر کے وقت معیت حق کا تصور کرو کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور پھر اس تصور کو ہر وقت اور ہر حال قائم رکھو کہ اللہ ساتھ ہے۔ مگر نہ جسم ہے نہ جہت نہ کوئی صورت ہے نہ کیفیت۔"

" ان تصورات کے قائم ہو جانے پر حضور مع اللہ کی شان

پیدا ہو جاتی تھی اور ایسی قوت اور شان تمکین پیدا ہو جائے کہ کسی وقت بھی ذہول و غفلت نہ ہو ۔ اور دنیا کا کوئی مشغلہ اور حادثہ اس حضور کو نہ مٹا سکے۔"(ص ۲۷۶)

نسبت

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اس حضور کو اصل نسبت فرمایا کرتے اور ای کے پختہ ہو جانے پر بیعت کی اجازت فرماتے۔

بیعت کی حقیقت اور ضرورت

بیعت کی حقیقت اور ضرورت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیعت میں مرید اللہ تعالیٰ سے اجتناب منہیات اور تعمیل عوامل شرعیہ کا عہد کرتا ہے۔ اور مراد اس عہد کا گواہ بنتا ہے۔ اور بس "(ص ۲۳۷)

مرشد ثانی حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع

ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس مرجع خاص و عام تھی۔ سید الطائفتہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے حضرت حکیم الامتہ کی ذات ہی بقید حیات تھی۔ اور ان ہی کی ذات بابرکات سے خانقاہ امدادیہ تھا نہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل ہو گئی تھی۔ جو گیارہویں صدی کے آغاز میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس سے سرہند کو حاصل تھی۔

اس چودہویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامتہ کے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پر لیا وہ اہل نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔

اس تجدیدی و اصلاحی خدمت کے لئے ضروری تھا کہ وقت کے علماء اس مجدد کی طرف رجوع کرتے تا کہ اصلاحی مساعی عام ہو جائیں اور ہر طبقہ اور ہر مقام میں اس کا شیوع ہو جائے چنانچہ یہی ہوا کہ غیر منقسم ہندوستان کے علماء کبار کی اکثریت خوان اشرفیہ ہی کی زلہ ربا رہی۔

بڑے بڑے اصحاب بصیرت اور ارباب فکر یہیں سے اپنے دامنوں کو علم و معرفت کے جواہرات سے بھر کر لیجاتے۔ یہ ایک ایسی جامعیت تھی جو اس دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت سے خاص کر دی تھی۔ علماء ہوں کہ فضلاء صحافی ہوں کہ شعراء۔ اھل قلم ہوں کہ ارباب معرفت سب اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس مخزن سے اپنے نہاںخانوں کو پر کرتے اور بامراد واپس ہوتے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ بھی ایسے جامع شیخ کی تلاش میں تھے۔ قلب و نظر نے حضرت تھانوی کی طرف ایسی جاذبیت اور کشش محسوس کی جو بعد میں رجوع پر منتج ہوئی۔

اس باطنی جاذبیت کے علاوہ ظاہری علمی رابطہ و تعلق نے مزید تقویت و استحکام کے سامان مہیا کئے۔ حضرت حکیم الامت کو مظاہر العلوم سے عجیب علمی و روحانی تعلق تھا آپ آخر تک مدرسہ کے سرپرست رہے۔ سالانہ جلسوں کی رونق بھی آپ کی ذات سے تھی تھانہ بھون اور سہارنپور کے قرب کی وجہ سے مدرسہ کی ضرورت اور بعض دوسرے دینی سلسلوں میں حضرت حکیم الامت کا ورود سہانپور میں بار بار ہوتا۔

جس کی وجہ سے بار ہا زیارت اور قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوتا۔ صرف غائبانہ عقیدت نہ تھی۔ بلکہ چشم بینا نے مشافہاتی طور پر حضرت حکیم الامت کے مقام ارفع کو پہچان لیا تھا۔

آغاز تعلق

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے دینی بصیرت و فراست عطاء فرمائی تھی۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرنے کے بعد آپ نے اصلاح و تزکیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے تخلیہ (یعنی رذائل سے پاکیزگی) اور تحلیہ (یعنی اخلاق حسنہ سے تزئین) کی طرف توجہ فرمائی اور یہی مقصود طریقت ہے۔ حضرت حکیم الامتہ رکے ہاں یہی اصول تھا۔ کہ مقاصد کی طرف پہلے توجہ دیجائے اور غیر ضروری امور موخر کئے جائیں۔ اسی لئے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بیعت کرنے میں تعجیل نہ فرماتے۔ اور طالب کو سب سے پہلے اصلاح نفس کی طرف رہنمائی فرماتے۔

حضرت مولانا نے ۳۰ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ کو پہلا مکتوب ان الفاظ میں حضرت حکیم الامت کی خدمت میں تحریر فرمایا:۔

احقر کا ارادہ حضرت اقدس کے سلسلہ میں داخل ہو کر ذکر اذکار کرنے کا حسب تجویز حضرت اقدس ہے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ بندہ کے مناسب حال جو حضرت تجویز فرما دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اہتمام کے ساتھ عمل کرونگا۔"

(اشرف السوانح ص ۲۹۲ جلد ۳)

حضرت حکیم الامت نے اس تعلق کو منظور' اور حضرت مولانا کے علمی مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کمال تواضع سے تحریر فرمایا۔

"گو میں حضرات اہل کمال کی خدمت کی اہلیت نہیں رکھتا لیکن تاہم خدمت سے عذر نہیں۔" (اشرف السوانح ص ۲۹۲ جلد ۳)

خط و کتابت کے ذریعہ فیض حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مشافہاتی اور زبانی طور پر بھی تھانہ بھون میں حاضری کے وقت اکتساب فیض ہوتا۔ اور روحانی عقدے حل ہوتے دوسرے مکتوب میں ہی ذکر کی تعداد کے بارے میں زبانی استفسار کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں۔

"بندہ کے زبانی عرض کرنے پر حضرت نے فرمایا تھا کہ پہلے چھ ہزار سے شروع کر لو بعد میں زیادتی کرلو۔الخ" (اشرف السوانح ص۲۹۳ج ۳)

اور ایک سالک کیلئے ہونا بھی یہی چاہئے کہ جیسی بھی فرصت ہو جہاں موقع ملے شیخ سے مستفید ہونا چاہئے۔

تھانہ بھون میں پہلی حاضری

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد سب سے پہلے جب آپ نے تھانہ بھون حاضر ہونے کی درخواست کی تو حضرت حکیم الامت[1] رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت دیتے ہوئے یہ مصرعہ جواب میں تحریر فرمایا۔

"کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو آپ سے کیسا انس اور تعلق تھا۔

حضرت حکیم الامت کا طریقہ اصلاح

حکیم الامت کے مرتبہ شناس جانتے ہیں کہ وہ اپنے وقت کے مجدد اور ایک محقق کامل و مکمل مرشد تھے۔ ان کے دامن تربیت میں ہر رنگ اور ہر مزاج کے انسان کو پناہ اسی لئے ملتی اور اطمینان کامل اسی لئے میسر آجاتا کہ ان کے طریقہ اصلاح میں مزاج کا لحاظ بطور خاص رکھا جاتا تھا۔

حضرت حکیم الامت کے اصلاح کے مختلف طریقے تھے۔ سالک کی طبعی افتاد اور فطرتی استعداد کو پیش نظر رکھتے ہوئے الگ الگ نہج سے تربیت فرماتے۔ یہ آپ کی خداداد مومنانہ اور مصلحانہ فراست تھی کہ یہ اصلاح و تربیت ہر طالب کے حالات کے مناسب ہوتی۔ کبھی کسی سالک کو حضرت حکیم الامت اپنے کسی خلیفہ کی طرف اصلاح کے لئے رجوع کرنے کا ارشاد فرماتے۔ ان سے خط و کتابت کے بعد پھر اپنے سلسلہ میں داخل کرکے بیعت کرتے۔ اور گاہے ایسا ہوتا کہ حسب احوال سالکین خطوط کی ایک مناسب تعداد لکھوانے کے بعد دربار اشرفی میں داخل ہونے کی اجازت ملتی۔

---

[1] از مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہ

مختلف حضرات خلفاء نے اسی قسم کی صحرا نوردیوں کے بعد سرفرازی حاصل کی۔ حضرت مولانا کا تعلق عجیب تھا۔ سلسلہ میں داخل ہونے کی درخواست کی۔ اور اصلاح و تربیت کا آغاز ہوا۔ نہ کسی دوسرے خلیفہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا اور نہ تعداد مکاتیب کی قید رکھی اور حضرت مولانا نے بھی اس راہ میں اپنی دانائی و فراست کا وہ ثبوت دیا کہ حکیم الامت کی نگاہ میں مقام خاص پا گئے۔ اور آپ کی تربیت باطنی کی مراسلت بطور معیار اور نمونہ "مکاتیب عبادۃ الرحمٰن" کے زیر عنوان اشرف السوانح کا جزو خود حضرت حکیم الامت کی ایماء سے بنادی گئی تاکہ حصول مقامات کے طالب باضابطگی کے ساتھ اسی نقش قدم پر چل کر منزل مقصود کو پاسکیں آپ کی اس باضابطہ تربیت اور کمال عبدیت و فنا کا نتیجہ تھا کہ ابھی تربیتی تعلق کے دو سال بھی پورے نہ ہونے پائے تھے۔ اور ابھی اصلاحی مکاتیب کا سلسلہ جاری تھا کہ خلافت اور پھر بیعت سے نواز دیئے گئے۔

تبدیلیٔ احوال

حضرت حکیم الامت سے تعلق کے بعد حضرت مولانا کی طبیعت یکسر تبدیل ہو گئی۔ لیل و نہار کے نظام الاوقات میں انقلاب آگیا۔ معمولات میں فرق محسوس ہونے لگا۔ پہلے زیادہ تر وقت مطالعہ کتب میں خرچ ہوتا۔ اب ذکر اللہ اور تدبر و تفکر میں بھی بیشتر وقت صرف ہوتا۔ طبیعت میں پہلے جلال کی آمیزش تھی اب جمال ہی جمال نظر آنے لگا۔ اور پھر یہ جمال صوری و معنوی آخری عمر تک بڑھتا ہی چلا گیا۔ پہلے طلبہ کی اصلاح کے لئے آپ گاہے گاہے سزا بھی دیتے مگر اب عفو و کرم اور محبت و رافت کے پیکر نظر آنے لگے۔

اگرچہ آپ کی پوری زندگی دینداری اور پرہیزگاری میں گذری تھی لیکن بادہ طریقت سے سرشار ہونے کے بعد آپ کی دینداری میں تقویٰ و تورع کا اور بھی زیادہ گہرا رنگ پیدا ہو گیا۔ عبادت و ریاضت بڑھ گئی۔ ذکر جلی و خفی

کا دور دورہ ہونے لگا طبیعت میں خاموشی پہلے سے تھی مگر اب سراپا سکوت بن گئے۔ خلوت بہ نسبت پہلے کے اب زیادہ محبوب ہو گئی۔

شیخ کی شہادت

حضرت مولانا نے جس رفتار اور جس ترتیب و اخلاص سے سلوک کے منازل طے کئے اور جس قدر سرعت سے مراتب علیا پر فائز ہوے۔ تاریخ تصوف و سلوک میں اسکی مثال کم ملے گی۔ یہ حضرت کی اس فطرتی استعداد کا نتیجہ تھا جو قدرت کا عطیہ غیبی ہوتی ہے۔ حضرت مولانا کے روحانی مقام اور سلوک و معرفت کی جادہ پیمائی میں نظم و ضبط اور باقاعدگی کے بارے میں کسی اور شہادت کی بجائے خود حضرت حکیم الامت کی شہادت سنئے :۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی[1] تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مظاہر العلوم سہارنپور میں جس زمانہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی سے تزکیہ باطن کے لئے رجوع فرمایا۔ اور خلافت سے کامیاب ہوئے۔ حضرت حکیم الامت کا یہ مقولہ مجھے یاد ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل‌پوری نے اچھی طرح باقاعدگی سے سلوک کے منازل کو طے کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مجدد ملت حکیم الامت کی اس شہادت کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

سرعت سے راہ و منزل کا عبور

سالک جسقدر عزم و ولولے اور خلوص سے اس راہ سلوک پر گامزن ہوتا ہے۔ قدرت کی طرف سے اس کے لئے راستے ہموار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ شرط صرف طلب صادق اور مخلصانہ ارادہ کی ہے۔ حضرت مولانا نے پورے عزم سے اس راہ میں قدم رکھا تھا اور کمال عبدیت و فنا کے حصول کے

---

(۱) مکتوب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہ بنام مرتب۔

لئے "انانیت" کو جو اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے بالکل پامال کر ڈالا تھا۔ اس لئے آپ تیز رفتاری سے مراحل طے کرتے چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

ارشاد ربانی ہے :۔ "والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا۔ ان اللہ مع المحسنین"

شیخ کی خدمت میں آپ کا ایک ایک مکتوب رفعت منزلت اور قرب مقصود کا ذریعہ بنا۔ مولانا غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

ایک مرتبہ میری موجودگی میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کے ایک متوسل نے سیدی و مرشدی حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی خدمت میں اپنے شیخ کا ذکر کیا۔ حضرت سیدی نے فرمایا

"انکی شان عالی کا کیا کہنا ' ایک ایک خط میں ایک ایک مقام طے فرمایا ہے" پھر راقم حقیر کی طرف دیکھ کر فرمایا" آپ نے اشرف السوانح میں یہ مکتوبات نہیں دیکھے"۔ اس ارشاد سے اپنی آنکھیں کھلیں اور اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایک بات پوچھ کر جب مولانا اپنے شیخ عالی مقام قدس سرہ کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ "یہ بات سمجھ میں آگئی۔" اب فلاں بات سے متعلق رہبری عطاء فرمائی جائے۔ تو "سمجھ میں آنے" کا مفہوم ' علمی فہم نہیں کہ یہ تو ہر عالم کو حاصل ہے بلکہ حالاً" اس پر عبور ہے جو یہاں ایک ایک اشارہ میں حاصل ہوتا رہا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"۔ (ماہنامہ بینات کراچی باتبہ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ)

مکاتیب الہامیہ

حضرت مولانا نے جو گرانقدر مکاتیب حضرت حکیم الامت کی خدمت میں لکھے۔ وہ اپنے سوالات و مندرجات کے اعتبار سے اس درجہ رفیع تھے کہ خود حضرت حکیم الامت نے ان کے جوابات کو الہامی فرمایا۔ مولانا ظہور

الحسن صاحب فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی نے ایک بار فرمایا کہ :۔ مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری کے مکاتیب محفوظ کر لئے جائیں کیوں کہ انہوں نے مجھ سے ایسے سوالات کئے ہیں کہ ان کے جوابات میرے قلب پر من جانب اللہ القاء ہوئے۔" اس متاع گرانمایہ کی قدر دانی کا نتیجہ ہوا کہ "اشرف السوانح" میں حضرت حکیم الامت کے مکاتیب اصلاحیہ کا نمونہ جزو سوانح بنانے کا جب موقع آیا تو مرتب (حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب) نے حضرت حکیم الامت کے ایماء سے حضرت مولانا کے مکاتیب کو من وعن شامل کر لیا۔ تاکہ طالبین و سالکین کے لئے رہنمائی کا کام دے سکیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے اشرف السوانح میں" انموذج المکتوبات" کے تمہیدی نوٹ میں اسکا اظہار فرمایا۔ آگے اسکا ذکر آئے گا۔

خلافت سے سرفرازی

خلافت قبل ازبیعت

بیعت کے بعد تو خلافت مل جانا کوئی بڑی بات نہیں اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے مگر بیعت سے قبل خلافت سے سر فراز ہونا واقعی کمال عبدیت اور راہ معرفت سے واقفیت کی دلیل اور طریقت و سلوک میں ایک نادر مثال ہے۔

یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے کہ آپ کو حضرت حکیم الامت کی طرف سے بیعت سے قبل ہی خلافت سے سرفراز فرما دیا گیا۔ یہ تاریخ تصوف و سلوک میں واحد ہی نادر روزگار واقعہ ہے۔ اس کی نظیر شاید کم ہی ملے گی شیخ کے اعتماد کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ تعلق اصلاح کے دو سال بھی ابھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بغیر بیعت کے حضرت حکیم الامت نے خلافت عطافرمادی

۳۰ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ کو حضرت مولانا نے راہ سلوک میں قدم

رکھا اور پہلا اصلاحی مکتوب آپ نے ارسال فرمایا۔ اور اب ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ آپہنچا تھا۔ مسافر نے عشق و معرفت کی اتنی منزلیں طے کرلی تھیں کہ اب وہ مجدد وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں راستہ کے سارے نشیب و فراز اور پیچ و خم سے پوری طرح باخبر اور ناواقفوں کی رہبری کے لئے ہر طرح لائق اعتماد و اعتبار تھے۔

حضرت تھانوی کے دل میں واعیہ پیدا ہوتا ہے اور مولانا کو بیعت و تلقین کی اجازت فرما دیتے ہیں۔

عطائے خلافت

حضرت حکیم الامت کے معیار پر جب آپ پورے اتر گئے اور قلبی واعیہ پیدا ہوگیا تو اس کے اظہار و اطلاع کے لئے حضرت نے یہ نامہ خلافت تحریر فرمایا۔

مشفقی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا ملپوری سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم۔
بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع دوسرے بعض احباب کے بیعت و تلقین کی اجازت دوں پس توکلاً علی اللہ تعالیٰ اس وارد پر عمل کرنے کے لیے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول فرمالیں۔ اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص محبین پر اس کو ظاہر بھی فرما دیجئے۔ بنظر احتیاط بیرنگ لفافہ بھیجتا ہوں۔

والسلام

بندہ اشرف علی از تھانہ بھون ربیع الثانی ۴۹

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس امتیازی مقام کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ الطریقت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری حضرت تھانوی کے

؎ صدق جدید ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء

خلیفہ تھے اور ایسے نادر روزگار کہ مسند خلافت آپ کو اپنے شیخ سے قبل بیعت ہی ازخود مرحمت ہو گئی تھی مدتوں مظاہر العلوم سہارنپور میں مسند نشین درس رہے۔ اور وہیں اس سطور کے راقم کو شرف نیاز حاصل ہوا تھا۔ جس پایہ کے عارف و سالک تھے اسی درجہ کے عالم و فاضل تھے۔ اللہ اکابر امت میں درجہ بلند سے بلند رکھے

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم کے وہبی کمالات اور فطری محاسن کی وضاحت کے لئے اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ جس زمانہ میں آپ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدارت تدریس کے منصب پر فائز تھے حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے موصوف کو بیعت وارشاد کا اہل سمجھ کر از خود مجاز بیعت فرمایا = حضرت کا ملپوری نے معذرت پیش کی کہ حضرت میں نے تو ابھی تک بیعت بھی نہیں کی تو خلافت کا استحقاق کیسا ہے۔ حضرت تھانوی نے فرمایا میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت نہیں "

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم نے درخواست کی کہ اچھا اب مجھے بیعت بھی فرما لیجئے۔ یہ واقعہ شاید پہلی ہی نظیر ہے کہ کسی بزرگ نے بیعت سے پہلے ہی کسی بزرگ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور اجازت خلافت کے بعد پھر بیعت کر کے سلوک طے کرایا ہو۔ یہ واقعہ ایک حکیمؔ امت اور شیخ کامل کی طرف سے مولانا عبدالرحمان صاحب کے فطری محاسن اور وہبی فضائل کا اعتراف ہے در حقیقت یہ ان کی فطری صلاحیت اور طبعی اہلیت ہی تھی جس کی وجہ سے ان میں ریاضت و مجاہدہ و اصلاح کے بغیر مشیخت کے اوصاف جمع ہو گئے تھے وہ از خود اور وہبی طور پر شیخ وقت تھے۔

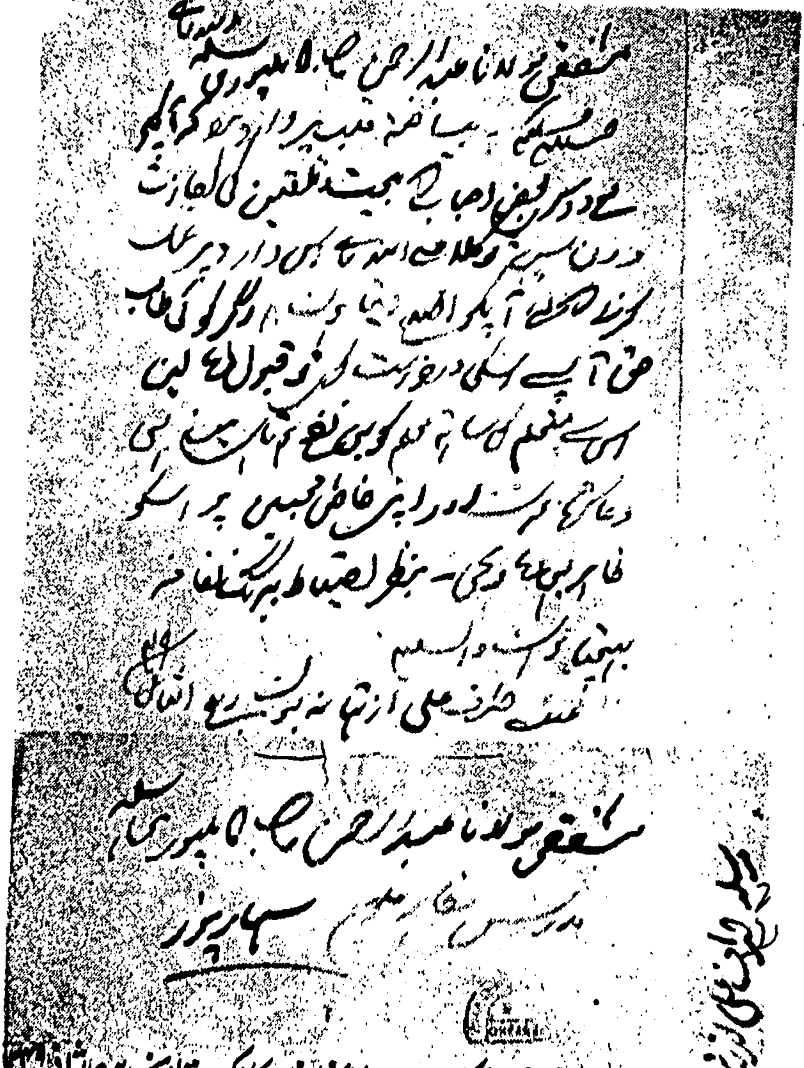
(بینات)

مولانا غلام محمد صاحب مولف تذکرہ سلیمان تحریر فرماتے ہیں

حضرت حکیم الامت کی اصلاحی باتوں میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ

---

(۱) بینات ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ


مشفقی مولانا عبدالرحمٰن صاحب امپوری سلمہ اللہ تعالیٰ
السلام علیکم [illegible]
مجھ سے دوسرے بعض احباب نے بیعۃ المتقین کی اجازت
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] آپکو [illegible] اگر کوئی طالب
حق آپ سے اسکی درخواست کرے تو قبول کر لیں
اس سے معلوم ہوتا ہے [illegible] نفع ہوگا [illegible]
[illegible] اور اپنی خاص مجلس میں اسکو
ظاہر بھی کر دیں۔ بطور احتیاط بہ لفافہ
بھیجتا ہوں [illegible] والسلام
اشرف علی از تھانہ بھون [illegible] ربیع الثانی [illegible]

مشفقی مولانا عبدالرحمٰن صاحب امپوری سلمہ
[illegible] سہارنپور

حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرف سے نامۂ خلافت کا عکس۔ تاریخ۔ ربیع الثانی [illegible]

[illegible]

[illegible] ہوئے [illegible] حضرت [illegible]

[illegible] رسالہ [illegible] دیں

[illegible] حضرت والا اصلاح اور طریق [illegible]

[illegible] اور رسکل ماہیت [illegible]

شرعیہ [illegible] تعقرر عنہ [illegible] فی الدنیا [illegible]

آئیندہ عبد کو حضرت سلکہ مدت میں حاضری

کا ارادہ ہے اگر حضرت اجازت دیں [illegible]

نیز احقر حضرت سے بیعت ہونے کے شرف سے

محروم ہے اگر حضرت سلمہ کے نزدیک مناسب ہو

تو حاضری پر شرف بیعت سے بھی مشرف

فرمایا جاوے ۔ فقط والسلام

ضرور، مگر [illegible] آپ [illegible]

عذر [illegible] بیعت

[illegible] احقر [illegible] عبد السلطان [illegible]

سلسلۂ مکاتیب [illegible] بیعت کی درخواست [illegible]

وہ اصلاح کو بیعت رسمی پر منحصر نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لئے اصلاح خلق میں حریص ہونے کے باوجود بیعت میں بڑی تاخیر فرماتے اور کئی کئی قیود و شرائط لگاتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے جب آپ سے رجوع کیا تو اپنی استعداد اور شیخ الشیوخ کے برکت فیضان سے بہت جلد اس مقام پر پہنچ گئے کہ خلافت سے سرفراز فرما دیئے گئے۔ عین اس مرحلہ پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت نے تو اس ناکارہ کو ابھی بیعت بھی نہیں فرمایا ہے۔ اس پر حکیم الامت نے ارشاد فرمایا کہ لائیے اب بیعت کرلوں"۔ چنانچہ بیعت بھی ہو گئی اور خلافت تو مل چکی تھی یہ بھی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امتیازی شرف تھا۔

بیعت کی درخواست

مسند خلافت مرحمت ہونے کے بعد دوسرے ماہ آپ نے اکیسویں اصلاحی مکتوب میں درخواست کی کہ " احقر حضرت سے بیعت ہونے کے شرف سے ابتک محروم ہے۔ اگر حضرت سلمہ کے نزدیک مناسب ہو تو حاضری پر شرف بیعت سے بھی مشرف فرمایا جائے۔

۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ

جس کے جواب میں حضرت حکیم الامت نے تحریر فرمایا۔

" ضرورت تو ہے نہیں لیکن آپ کے حکم سے عذر بھی نہیں "

(اشرف السوانح ج ۳ ص ۳۱۶)

حضرت مولانا کے درخواست میں لفظ بھی پر غور فرمایئے۔ اشارہ ہے کہ ابھی اصلاح کا تعلق بھی قائم ہے۔ خلافت سے بھی مشرف ہو چکا ہوں۔ اب بیعت سے سرفرازی فرمائی جائے۔ حضرت حکیم الامت کے جواب میں کس قدر مولانا کے روحانی مقام کی طرف لطیف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اور کس قدر اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے کہ بیعت کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ حقیقت یہ

ہے کہ اس قسم کے اعتماد کی مثال تاریخ تصوف و سلوک میں بہت کم ملے گی۔

شیخ کا اعتماد

حضرت حکیم الامت کو جو اعتماد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر تھا۔ اس کی چند جھلکیاں آپ گزشتہ سطور میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت کا طرز عمل اور انکی شہادت اس کے لئے مزید توثیق کا باعث ہیں۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر العلوم تحریر فرماتے ہیں۔

کہ حکیم الامت حضرت تھانوی حضرت موصوف کے بارے میں فرمایا کرتے تھے مولانا کامل پوری نہیں کامل پورے ہیں۔ حکیم الامت کا یہ فرمان عالیشان حضرت کی مکمل و جامع شخصیت کے لئے ایک زبردست سندو تصدیق ہے

(ماہنامہ دارالعلوم دیو بند اکتوبر ۱۹۶۶ء)

حضرت حکیم الامت کی لطیفہ سنج طبیعت نے کس طرح دلکش و لطیف پیرایہ میں مولانا کے مقام کا اظہار فرمایا ہے اور کس جامع انداز میں تعریف فرمائی ہے۔

اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ شیخ حکیم الامت تربیت کے لئے اکثر علماء و فضلاء کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرماتے تھے۔ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری ' ہندوستان اور پاکستان کے اہل علم میں سے شاید کوئی بھی نہ ہو گا جو حضرت مولانا سے واقف نہ ہو۔ مدت دراز تک ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صدر مدرس رہے۔ سلوک کی منزلیں اسی زمانہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی رہنمائی میں طے کیں۔ اور اس طرح کہ اس سلسلہ کی پوری خط و کتابت اس راہ کے سالکین کے لئے مشعل راہ قرار دیکر " اشرف السوانح " کا جزء بنا دیگئی۔

حکیم الامت قدس سرہ نے مولانا مرحوم کو صرف خلافت ہی سے سرفراز نہیں فرمایا۔ بلکہ بیعت ہونے والے اکثر علماء و فضلاء کو حضرت قدس سرہ تربیت کے لئے حضرت کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کے سپرد فرماتے تھے۔

(الفرقان۔ لکھنؤ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ)

یہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا نظام اصلاح تھا اور حضرات خلفاء کی تربیت بھی ملحوظ تھی کہ اپنی حیات میں ان کی طرف رجوع کا حکم فرماتے جس میں راجع اور مرجوع دونوں کی تربیت بھی مد نظر ہوتی اور مرجوع پر اظہار اعتماد بھی جناب رفعت احمد خان صاحب ایم۔ اے تحریر فرماتے ہیں۔

شخصیت و کردار کے دو پہلو ہوتے ہیں یعنی علمی و عملی۔ صرف علم سے زندگی نہیں بنتی۔ بلکہ علم صحیح کے مطابق عملی جدوجہد سے زندگی کی تعمیر و تکمیل ہوتی ہے۔ حیات انسانی کی تکمیل میں ظاہری و باطنی دونوں پہلو شامل ہوتے ہیں اسی لئے تصوف و سلوک جس کا مقصود کمال انسانی کی تحصیل ہے۔ ظاہر و باطن کی تعمیر ہی کا دوسرا نام ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاملپوری کی شخصیت علمی و عملی اور ظاہری و باطنی کمالات کی آئینہ دار تھی جس کی تصدیق مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی اور حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کرام میں حضرت کے مقام کی رفعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اشرف السوانح یا تربیت السالک میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سوائے حضرت مولانا عبدالرحمٰن کے کسی اور صاحب کے خطوط کو نام کے ساتھ شائع کرنے کے لئے انتخاب نہیں فرمایا۔ چنانچہ " اشرف السوانح " میں " عبادۃ الرحمٰن " کا باب انہیں خطوط و جوابات پر مشتمل ہے

ایک صاحب نے جو حضرت مولانا کے زیر اصلاح تھے حضرت تھانوی کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی اور اس درخواست پر حضرت مولانا سے اصلاحی تعلق کی تصدیق کے طور پر دستخط کرائے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے

درخواست کو دیکھ کر تحریر فرمایا کہ " مصلح کے دستخط کو دیکھ کر بیعت کر لیا "

مولانا قاری نذیر احمد صاحب مظاہری تحریر فرماتے ہیں۔

احقر کی آنکھوں نے بڑے بڑے جلیل القدر علماء کو دیکھا جو ہندو پاکستان میں مشہور ہیں لوگ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتے اور حضرت مولانا بھی موجود ہوتے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے " مولانا آپکی برکت سے یہ جواب ذہن میں آیا " گویا شیخ کی طرف سے علم باطنی کے ساتھ علم ظاہری پر بھی اعتماد کا اظہار ہے۔

شیخ کا کمال مہر و کرم

حضرت مولانا پر جس طرح شیخ سے ارادت کا رنگ گہرا تھا۔ اسی طرح شیخ جو اپنے وقت کے سب سے بڑے جوہرشناس تھے وہ بھی اپنے منتسب سے فرق مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے خصوصی اور امتیازی سلوک فرماتے۔

مولانا غلام محمد صاحب فرماتے ہیں

"مجھ کو جب سلسلہ اشرفیہ سے انسلاک کی ادنیٰ نسبت حاصل ہوئی اور یہ کوئی بائیس برس پہلے کی بات ہے تو اس سلسلہ کے اہل تخصیص حضرات سے تعارف (غائبانہ ہی سہی) کا خیال بھی طبعاً" پیدا ہوا۔ حیدر آباد دکن میں حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت محمود الغنی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (نبیرۂ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہ) تھے جو اس ناکارہ کے حال پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ ان بزرگ کے ذریعہ مجلس اشرفیہ کے اہل تخصیص کا حال معلوم ہوتا رہتا تھا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ " میری موجودگی میں مولانا حاضر خانقاہ ہوئے۔ تو میں نے حکیم الامت کو خدام سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مولانا کی راحت کا خاص خیال رکھیں " فرماتے تھے کہ یہ معاملہ ہر ایک کے ساتھ عام نہ تھا"۔

(ماہنامہ بینات کراچی ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ)

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سے واقف حضرات حضرت حکیم الامت کی اس خصوصی ہدایت سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شیخ کس قدر لحاظ فرماتے۔

مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں۔

"کہ ایک بار حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں تھانہ بھون جانے کا جب اتفاق ہوا خوش قسمتی سے اسی دن حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مع حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تھانہ بھون تشریف لے آئے حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ آج تودونوں جگہ (دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور) سے بڑے معزز مہمان آئے ہیں۔ اس کے بعد دونوں جگہ سے آئے ہوئے معزز مہمانوں کے لئے گھر سے کھانا منگوایا اور ایک ساتھ کھانا تناول فرمایا"۔

مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں۔

"کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں تھانہ بھون جب جانے کا اتفاق ہوا حضرت حکیم الامت کا امتیازی و خصوصی سلوک دیکھا۔ ایک بار حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور بھی حضرت مولانا کے ساتھ تھے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرماتے ہوئے کھانے کا انتظام چھوٹی پیرانی صاحبہ کے یہاں کیا۔ حضرت حکیم الامت کے یہاں اس قسم کا برتاؤ صرف خاص حضرات کے لئے ہوتا تھا"

انقیاد کامل

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کامل پا مال شو

تصوف و سلوک میں ترقی کا معیار شیخ کی اتباع اور اس کے ہدایات پر انقیاد کامل میں ہے۔ در حقیقت مرشد کے حکم کے آگے گردن جھکا دینے کا نام

ہی سلوک ہے۔ بغیر انقیاد کے اس راہ میں جادہ پیمائی مختلف خطرات کا باعث بن سکتی ہے اور گاہے وساوس و خطرات کی وجہ سے رہبر کی اتباع کے بغیر سالک کو بڑے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں

حضرت مولانا نے جب حضرت حکیم الامت کو اپنا شیخ و مرشد بنا لیا تو پھر ایک طالب صادق کی طرح ساری عالمانہ عظمت سے دستبردار ہو گئے۔ اپنے ارادوں کو مسلوب کر لیا۔ اور شیخ کی مرضی پر دل کو حاضر کر لیا۔ اس راہ میں پہلا قدم رکھتے ہوئے اس انقیاد کامل کا اظہار پہلے مکتوب میں ان الفاظ سے کیا جا رہا ہے۔

" بندہ کے مناسب حال جو حضرت تجویز فرما دیں اس پر انشا اللہ تعالیٰ اہتمام کے ساتھ عمل کرونگا "

(اشرف السوانح ص۲۹۲ جلد ۳)

مکاتیب " عبادۃ الرحمٰن " آپ دیکھتے جایئے تقریبا" ہر مکتوب میں یہ الفاظ تحریر ہیں کہ " جو حضرت تجویز فرما دیں انشاء اللہ اس پر عمل کرونگا اور پھر آپ نے عمل کر کے دکھایا بھی۔ اسی انقیاد اور پھر عمل کا نتیجہ تھا کہ جو راستہ سالہا سال میں طے کیا جاتا۔ وہ دو سال سے بھی قلیل عرصہ میں طے کر کے شیخ طریقت بن گئے مولانا غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

(مکتوبات کو دیکھنے سے) یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایک بات پوچھ کر جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ عالی مقام قدس سرہ کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ " بات سمجھ میں آگئی " اب فلاں بات کے متعلق رہبری عطا فرمائی جائے " تو " سمجھ میں آنے " کا مفہوم علمی فہم نہیں کہ یہ تو ہر عالم کو حاصل ہے۔ بلکہ حالا" اس پر عبور ہے جو یہاں ایک ایک اشارہ میں حاصل ہوتا رہا۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (بینات ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ)

مولانا نذیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا اپنے شیخ و مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

جب حاضر ہوتے تو بالکل خاموشی سے بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ احقر نے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں بیٹھا کرتے ہیں۔ جواب میں فرمایا میں تو ایک طالب ہوں۔

شیخ سے عشق:

حضرت مولانا کو اپنے شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت تھانوی سے انتہائی محبت تھی اور طالبین سلوک و معرفت کے لئے شیخ کی محبت اس راہ میں بڑی معاون ہوتی ہے بلکہ شیخ سے عشق کی وجہ سے یکسوئی میسر آجاتی ہے۔ اور معرفت و سلوک کی طرف جذبہ اور لگن کے ساتھ رخ کرتا ہے۔ انقیاد کے ساتھ جب محبت کی آمیزش ہو جائے تو پھر منزل تک رسائی بڑی سہل ہوتی ہے کیا عجب کہ یہاں ان ہی دو چیزوں کی کار فرمائیوں کا اثر ہو کہ حضرت مولانا نے برق رفتاری سے ان مراحل کو طے کر لیا۔ اس عشق و محبت میں جذب و سکر کے بجائے خرد کا پہلو بھی ہو تو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ حضرت مولانا کو اپنے شیخ مرشد تھانوی سے انتہائی محبت تھی مگر عشق و محبت کے ساتھ ہوش اور حزم و احتیاط کو ہاتھ سے نہ جانے دینا حضرت مولانا کی گویا فطرت تھی۔ اس لئے مغلوبیت کے آثار کبھی پیدا نہیں ہوئے مولانا محمود صاحب رنگونی تحریر فرماتے ہیں حضرت الاستاذ قدس سرہ کو اپنے مرشد کامل حضرت اقدس حکیم الامتہ قدس سرہ سے جس درجہ عقیدت و محبت تھی وہ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اس لئے اسکے اظہار میں کامل ضبط فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا وصال ہوگیا اور میں تھانہ بھون حاضر ہونے کے لئے سہارنپور پہنچا۔ حضرت الاستاذ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے اچھی طرح اس بات کا احساس تھا کہ حضرت الاستاذ پر کافی اثر ہے۔ تھانہ بھون سے واپسی پر حضرت اقدس قدس سرہ کی ایک کرامت جس کو عین وصال کے وقت بعض حاضرین نے مشاہدہ کیا تھا۔ بطور تذکرہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کے سامنے بیان کیا تو

فرمانے لگے کہ شیخ! اسکا چرچا مت کرو۔ ہم لوگ تو اپنے حضرت اقدس کے بارے میں اس سے بھی زیادہ کے عقید تمند ہیں مگر خواہ مخواہ نکتہ چین لوگ اس پر تبصرہ کریں گے۔ جس کو سن کر ہمیں کوفت ہوگی۔

تھانہ بھون میں بار بار حاضری :۔ حضرت مولانا کو اپنے شیخ سے کمال محبت و تعلق مجبور کرتا کہ بار بار حاضری دیجائے چنانچہ مولانا کو جب بھی موقع ملتا حاضر ہوتے۔ عموماً جمعہ کے دن جب مدرسہ میں چھٹی ہوتی تو تھانہ بھون تشریف لے جاتے ۔ اپنے ساتھ مولانا عبدالشکور صاحب کو عموماً اور کبھی دوسرے احباب و متعلقین کو بھی لے جاتے۔ حاضری کے ارادہ کے بعد کوئی چیز بھی حاضری میں مانع نہ ہوتی۔ مولانا عبدالحق صاحب سورتی تحریر فرماتے ہیں جب کبھی حضرت والا تھانہ بھون تشریف لے جاتے۔ ہمیشہ مجھے ساتھ چلنے کا حکم فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت نے مجھے فرمایا کہ کل صبح تھانہ بھون چلنا ہے سواری کا انتظام کر لینا۔ چانچہ تانگہ کا انتظام کر لیا گیا اتنے میں زور دار بارش شروع ہوگئی۔ حضرت سے عرض کیا گیا کہ کافی بارش ہو رہی ہے کہیں تکلیف نہ ہو جائے۔ فرمانے لگے کہ ارے بھائی ! حاضری کا ارادہ کر ہی لیا۔ تو اب بارش کا آنا نہ آنا دونوں برابر ہیں چنانچہ اسی حالت میں تانگہ پر سوار ہوگئے مگر اسٹیشن تک بھیگ گئے۔ جوں توں بھیگے بھگائے خانقاہ پہنچے۔ میں چپکے سے خلیفہ جی[1] کے پاس پہنچا اور ان سے ایک تہبند ایک تولیہ اور ایک چادر لایا۔ حضرت سے گذارش کی کہ آپ کپڑے اتار دیں۔ میں ان کو نچوڑ کر خشک کر لیتا ہوں۔ جواب میں فرمانے لگے کہ بھائی میں اور تم برابر ہیں جتنا حق میرا تم پر ہے اتنا تمہارا مجھ پر۔ پہلے تم کپڑے بدل کر فارغ ہو لو پھر میں بدلونگا۔ بڑی مشکل سے حضرت راضی ہوئے اور کپڑے مجھے دیئے مگر اس بات کی گرانی برابر میں حضرت کے چہرہ سے محسوس کرتا رہا۔ حضرت کبھی کسی سے خدمت لینا پسند نہ فرماتے۔ کپڑے خشک ہونے پر مجلس میں حاضری ہوئی

---

[1] حضرت حکیم الامت کے مزاج شناس اور خانقاہ اشرفیہ کے خصوصی خادم یعنی خلیفہ اعجاز احمد صاحب مرحوم۔

مکتوبات "عبادۃ الرحمٰن"

حضرت مولانا نے جو مکتوبات اصلاحیہ اپنے شیخ و مرشد کو تحریر فرمائے ' وہ اپنے مندرجات کے اعتبار سے اونچے درجہ کے ہیں اور سلوک و معرفت کے ایسے مشکل و پیچیدہ مسائل آپ نے دریافت فرمائے ہیں جو اس راہ طریقت پر چلنے والوں کے لئے رہنمائی کا باعث ہیں۔ شیخ نے جو جوابات ارشاد فرمائے ' انکی رفعت شان کا کیا کہنا؟

حضرت حکیم الامت نے اصلاحی مکاتیب کے نمونہ کے لئے 'اشرف السوانح میں اندراج کے لئے ان ہی مکاتیب کے انتخاب کا حکم فرمایا تھا۔

اشرف السوانح جلد سوم میں "ص ۲۹۲" سے "ص ۳۲۳" تک یہ مکاتیب پھیلے ہوئے ہیں۔ ذیل میں وہ مکتوبات مع حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مولف اشرف السوانح کے "تمہیدی نوٹ" کے نقل کئے جا رہے ہیں۔

نوٹ :۔ فوائد مرتب کی طرف سے ہیں

انموذج المکتوبات

تمہیدی نوٹ:

جناب مولانا مولوی عبدالرحمن صاحب مدت فیوضہم مدرس اول مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور نے جو ایک بہت بڑے عالم اور مقدس صاحب نسبت بزرگ اور حضرت والا کے مجازین خاص میں سے ہیں حضرت والا سے بہت ہی باقاعدہ طور پر تربیت باطن کے متعلق خط و کتابت کی تھی عرصہ پانچ چھ سال کا ہوا' احقر نے صاحب ممدوح کے خطوط حاصل کر لئے تھے لیکن بوجہ اپنی لا ابالی طبیعت کے وہ احقر کے پاس یوں ہی رکھے رہے۔ جس میں یہ مصلحت خداوندی نکلی کہ وہ بہت اچھے موقع پر کام آگئے۔ یعنی بوجہ اس کے کہ میرے نزدیک وہ

اس قابل ہیں کہ طالبین ان کو اپنی اصلاح کرانے کے لئے نمونہ بنائیں۔ اس لئے ان کو لفظا لفظا مع حضرت والا کے جوابات کے بنام انموذج المکتوبات اشرف السوانح کا جزو قرار دینا مناسب سمجھ لیا۔ اور حضرت والانے اس کا ایک نہایت موزوں لقب بھی مولانا ممدوح کے نام مبارک کی مناسبت نیز حقیقت کے بھی لحاظ سے ''عبادۃ الرحمن'' تجویز فرما دیا۔ چنانچہ ان کو نقل کیا جاتا ہے۔ ان کے سب مضامین غیر مطبوعہ ہیں بجز بعض قلیل اجزاء خاص کے جو تربیت السالک میں بھی منتشر طور پر شائع ہو چکے ہیں۔

مکتوبات

عبادۃ الرحمن

پہلا خط

آغاز تعلق ——— ہدایات

ہدایات	آغاز تعلق
مولنتا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ گو میں حضرات اہل کمال کی خدمت کی اہلیت نہیں رکھتا۔	بمقدس خدمت حضرت حکیم الامۃ دامت فیوضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ، احقر کا ارادہ حضرت اقدس کے سلسلہ میں داخل ہو کر ذکر اذکار کرنے کا حسب تجویز حضرت اقدس ہے۔ لہٰذا گذارش ہے کہ بندہ کے مناسب حال جو حضرت تجویز فرما دیں اس پر انشاء اللہ

اہتمام کے
ساتھ عمل کرونگا
فقط بندہ عبدالرحمن غفرلہ
۳۰ جمادی الاخری
۴۷ھ

لیکن تاہم خدمت سے عذر نہیں ۱- اور اصل خدمت مشورہ
ہے اور ایک طرف سے اطلاع حالات کا اور دوسری طرف
سے مشورہ کا سلسلہ اگر جاری رہے بھی داخل ہونا ہے سلسلہ
میں ۲- والزاید علی ھذا اولیٰ بالحذف اسی بناء پر اس
وقت مبادی میں سے کچھ عرض کرتا ہوں ۱- رسالہ قصد
السبیل میں سے دستور العمل عالم مشغول کا شروع فرمایا جاوے
۲- اربعین غزالیؒ یا اسکا ترجمہ تبلیغ دین ملاحظہ فرماکر
جو امراض نفس میں معلوم ہوں انکی ایک فہرست تیار
فرمالی جاوے پھر ایک ایک کے متعلق مشورہ فرمایا جاوے
۳- ہر خط کیساتھ خط سابق بھی رکھدیا جائے ۲-

ف: - یہ طالب ہدایت ہستی کون ہے؟ قرآن
حدیث اور فقہ وکلام کی واقف کار نہیں
بلکہ ان علوم کے مسند درس کی زینت
سینکڑوں ناواقفوں کو عالم دین بلکہ معلم
علوم دین بنانے والی ہستی مگر پھر بھی اصلاح
نفس کے معاملہ میں کسی رہبر کامل کی بہر
حال محتاج! معلوم ہوا کہ درس تعلیم تربیت
اور تعلق مع اللہ کے حصول کے لئے کافی
نہیں بلکہ اہل نسبت اور شیوخ طریقت
کی صحبت اور ان کی رہبری از بس
ضروری ہے۔ اسی کی شہادت عالم
عصر جلال الدین رومیؒ نے اپنے ذاتی

ف ۱: اس سے حضرت شیخ قدس سرہ کا کمال تواضع
اور شان عبدیت بھی نمایاں ہے اور نگاہ
شیخ میں مولانا کا مقام بھی ظاہر ہے۔

ف ۲: - حکیم الامتؒ نے رسمی بیعت کو عملاً
غیر اہم ثابت کر دکھایا، چنانچہ صاحب سوانح
کو جب خلافت سے سرفراز فرمایا تو انہوں نے
عرض کی کہ حضرت نے تو ابتک بیعت بھی نہیں
فرمایا، تو ارشاد فرمایا کہ لائیے اب کر لوں۔

ف ۳: (رذائل کی ضابطہ اصلاح اور انفرادی
رعایت کے ساتھ نسخہ اصلاح کی تجویز تربیت
اشرفیہ کا امتیاز تھا)

تجربہ کی بناء پر دی ہے ؎
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

دوسرا خط (غصہ)

بخدمت اقدس حضرت مولانا صاحب حکیم الامۃ دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسب ارشاد سامی احقر نے دستور العمل عالم مشغول کا شروع کرلیا ہے یعنے تلاوت قرآن شریف اور ایک منزل مناجات مقبول کی روزانہ پڑھتا ہوں اور تہجد کا بھی بحمد اللہ التزام ہے اور وظیفہ اسم ذات اللہ تعالیٰ اللہ بھی روزانہ پڑھا کرتا ہوں حضرت دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات میں مشغول رکھے اور منکرات سے محفوظ رکھے۔ وظیفہ اسم ذات کی مقدار قصد السبیل میں بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک ہے مگر بندہ کے زبانی عرض کرنے پر حضرت نے فرمایا تھا کہ پہلے چھ ہزار سے شروع کرلو۔ بعد میں زیادتی کرلو۔ چنانچہ اس وقت چھ ہزار سے آٹھ ہزار تک روزانہ پڑھتا ہوں مگر باوجود جہر اور ضرب کے خفیف ہونے کے بھی سر میں گرانی ہو جاتی ہے اور قلب میں بھی درد سا محسوس ہوتا ہے اس کے متعلق جو ارشاد ہو اس سے مطلع فرمایا جائے اسپر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کرونگا۔

جہر و ضرب چھوڑ دیجئے

بحمد اللہ مشغولات سب کا اکثر حصہ خشوع کے ساتھ ہوتا ہے۔

مبارک ہو

اور حسب ارشاد حضرت اقدس اعراض نفس کی ایک فہرست تبلیغ دین سے تیار کرلی ہے جو حضرت کے ملاحظہ کی غرض سی ارسال خدمت

ہے جس میں ۱۲ اعراض نفس لکھے ہیں۔

ف ۱ :۔ حضرت صاحب سوانح کے خطوط حکیم الامت نے سالکین کے لئے بطور نمونہ و مثال اس لئے منتخب فرمائے کہ ایسی باضابطہ تربیت کم حضرات نے حاصل فرمائی خصوصًا اصلاح نفس کے معاملہ میں

ان میں پہلا عرض غصہ ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ غصہ کی حالت بحمد اللہ ایسی تو نہیں ہوتی کہ بحالت غضب نفس قابو میں نہ رہے اور جنون جیسی حالت ہوجائے مگر اتنا ضرور ہوتا ہے کہ غصہ کا اثر قلب پر زیادہ دیر تک رہتا ہے اور غصہ کی زیادتی کی وجہ سے بسا اوقات طبیعت کھانے پینے سے رک جاتی ہے اور نیند بھی کم ہوجاتی ہے اور قلب پر اضطرارًا ایک قسم کی پریشانی ہوجاتی ہے۔ قلب کو اگر اس سے دوسری جانب متوجہ کیا جائے تو متوجہ نہیں کرسکتا۔ اور غصہ کے بعد ندامت بہت جلد ہوتی ہے اور طبیعت اس کے لئے بیقرار ہوتی ہے۔

کہ کسی طرح یہ شخص جس پر غصہ ہوا جلد راضی ہوجائے اس کے راضی ہونے کے بعد قلب کی پریشانی اضطراری میں کمی ہوجاتی ہے۔ اس کے متعلق جو ارشاد ہو اس سے مطلع فرمایا جائے۔

حضرت اقدس سے صلاح نفس کی اور مرضیات الہیہ میں مشغول ہونے کے لئے دعا کی درخواست ہے فقط والسلام۔

۱۱ رجب ۴۷ھ۔ خادم بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ از مظاہر علوم سہارنپور

جس غصہ کے آثار معاصی ہوں وہ واجب العلاج ہے اور جو آثار یہاں تحریر فرمائے ہیں وہ معاصی نہیں لہذا واجب العلاج نہیں البتہ چونکہ اس سے طبعی کلفت اور ضرر ہوتا ہی اس حیثیت سے اسکی تدبیر بتلانا مصلح دین کا کام نہیں ہر تجربہ کار بتلا سکتا ہے سب سے اچھی تدبیر یہ ہے کہ اس مغضوب علیہ کے پاس سے فورًا جدا ہوجاوے اور فورًا کسی ایسے شغل

تیسرا خط (غصہ)

بخدمت بابرکت حضرت اقدس دامت فیوضکم۔

میں لگ جاوے جس سے فرحت ہو۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
معروض آنکہ بفضلہ تعالیٰ وبدعائے حضرت سلمہ معمولات کو حسب ارشاد عالی پورا کرتا رہتا ہوں۔ حضرت سے دعائے توفیق اعمال خیر کی استدعا ہے۔

جس غصہ کے آثار ایسے امور غیر معاصی ہوں اس کے لئے حضرت اقدس نے جو علاج تحریر فرمایا اس پر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کرونگا۔

اور جس غصہ کے آثار معاصی ہوں ان کے علاج سے بھی اگر متنبہ فرمایا جاوے تو بوقت اتفاقاً وقوع ایسے غصہ کے اس علاج پر عمل کرکے ان معاصی سے محفوظ رکھونگا

ایسے غصہ کے وہ آثار اختیاری ہونگے کیونکہ معصیت کوئی غیر اختیاری نہیں۔ جب اختیاری ہیں تو ان سے رکنا بھی اختیاری ہے اور اصل علاج یہی کف ہے لیکن اس کف کی اعانت کے لئے امور ذیل مفید ہیں ۱۔ معاصی پر جو وعید ہے اسکا استحضار ۲۔ اپنے ذنوب وعیوب یاد کرکے یہ سوچنا کہ اگر ان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمانے لگے تو کیا ہو اور یہ سوچنا کہ جس طرح میں اپنے لئے یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو معاف فرماوے اسی طرح مجھ کو چاہیے کہ اس شخص کو معاف کردوں اور ایک تدبیر مشترکہ وہی ہے جو پہلے عرض کی گئی۔

ح

حسد کے زوال کے لئے حضرت جو علاج تجویز فرماویں اس سے مطلع فرمایا جائے

جب غصہ کے متعلق سب سوالات منقطع ہو جاویں گے اس وقت عرض کرونگا۔

انشاء اللہ تعالیٰ اُسپر عمل کرونگا۔ فقط
والسلام۔
۲۶ رجب ۵۱ھ بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ
از مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

ف: حضرت حکیم الامت ایک عریضہ میں ایک سے زائد باتوں کا پوچھنا مناسب تصور نہ فرماتے تھے اور حکمت اس میں یہی تھی کہ ایک وقت میں ایک بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے اور اُسپر عمل کی مشق بھی ہوجائے تب دوسری بات کی تفہیم ہوسکے کیونکہ سلوک وتزکیہ نفس ایک عملی علم کا نام ہے۔ نظری اور لفظی علم کا نام نہیں ا

چوتھا خط

(حسد)

بخدمت بابرکت حضرت اقدس دامت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:
معمولات حسب ارشاد سامی بجالاتا ہوں جتنے معمولات ہیں سب میں بحمداللہ طبیعت لگتی ہے اور شوق وذوق سے ادا ہوتے ہیں۔

بجز وظیفہ اسم ذات کے کہ اس میں پورا کرتے وقت طبیعت پر گرانی ہوتی ہے اور طبیعت کو مجبور کرکے ادا کیا جاتا ہے شوق سے ادا نہیں ہوتا اس میں کچھ حرج تو نہیں اگر کچھ حرج ہو تو دعائے تسہیل کے بعد اس کے لئے کچھ علاج تجویز فرمایا جائے۔

ف:۔ بجائے اسم ذات کے تہلیل کا شغل کرلیجئے۔

غصہ کے متعلق احقر کو تو اب کچھ سوال نہیں اگر اس کے متعلق کچھ اور مزید ہدایات ہوں تو ان سے مطلع فرمایا جائے۔ انشاء اللہ اس پر عمل کرتا رہونگا۔

انشاء اللہ تعالیٰ وہی تدابیر کافی ہیں۔

ف:۔ اس تبدیلی سے پتہ چلا کہ کوئی خاص ذکر مقصود بالذات نہیں بلکہ

مقصود اصلی تعلق مع اللہ اور نسبت مع اللہ ہے، خواہ ذکر مفرد سے حاصل ہو یا مرکب سے جہر سے حاصل ہو یا خفی سے، تلاوتِ کلام اللہ سے ہو یا نوافل سے، تجویز کا مدار البتہ شیخ کامل کی بصیرت پر ہوگا۔

حسد کے زوال کے لئے جو علاج حضرت سلمہ تجویز فرماویں، اس سے مطلع فرمایا جائے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرونگا حضرت سے دعائے توفیق اعمال خیر کی استدعا ہے فقط والسلام بندہ عبد الرحمٰن غفر لہ، ۱۹ شعبان ۷ھ۔

جس پر حسد ہوتا ہو اسکے ساتھ احسان واکرام کا معاملہ کرنا یہ ایک مختصر اور مؤثر تدبیر ہے امید ہے کہ مفصل تدبیر کی حاجت نہ ہوگی۔

پانچواں خط

(حسد)

بخدمت بابرکت حضرت اقدس دامت فیوضہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

معمولات مجوزۂ حضرت سلمہ بفضلہ تعالیٰ بجالاتا رہتا ہوں بجائے وظیفہ اسم ذات حسب ارشاد تہلیل کا شغل شروع کیا ہے اس کی مقدار حضرت سے دریافت نہ کرسکا۔

اس خیال سے کہ شاید قصد السبیل میں اس کی مقدار لکھی ہوئی ہوگی۔

مگر قصد السبیل میں اس کی مقدار تحریر نہیں فرمائی گئی اب تک تین ہزار اور چار ہزار کے درمیان تک پورا کرتا ہوں اس کی متعلق حضرت کا ارشاد ہوا سے مطلع فرمایا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تعمیل کرونگا۔	جس قدر ۱؎ سہولت سے علی الدوام ہو سکے۔
حسد کے زوال کا علاج جو حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے اس پر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کروں گا۔ اگر کسی عارض سے اکرام واحسان اس شخص سے جس پر حسد ہوتا ہو۔ دشوار ہو مثلاً وہ شخص بالفعل پاس موجود نہ ہو بلکہ کہیں دور دراز مسافت پر ہو یا اس سے تعارف نہ ہو یا ایسا عالی قدر ہو جس سے اکرام واحسان کرنے کی ہمت نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کیا جاوے۔	۲؎ مجمع میں اس کی خوبیاں بیان کی جاویں
حضرت سلمہ، سے دعائے توفیق اعمال خیر اور حسن خاتمہ کی درخواست ہے۔	دل سے دعا ہے
بندہ کے والد صاحب اور بھائی مدت سے علیل ہیں ان کے صحت کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے۔ بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ سہارنپوری ۹ رمضان ۶۲ھ	دل سے دعا ہے

۱؎ سہولت کی شرط لنشاط خاطر کے لئے ہے اور دوام کی قید تو ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لگا دی ہے۔

۲؎ معالجات اشرفیہ پر کوئی عمل کر کے دیکھے تو اس کو پتہ چلے کہ یہ کیسے مجرب چٹکلے ہیں۔

چھٹا خط

(حسد)

بعالیخدمت بابرکت حضرت اقدس حکیم الامت مولٰنا و مرشدنا ادام اللہ فیوضکم علی رؤسنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ کہ حضرت کی دعا کی برکت سے معمولات۔ حسب ارشاد سامی بجا لاتا ہوں حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست ہے کہ حضرت اس نکارہ کے حق میں دعا فرمادیں کہ اعمال خیر کی توفیق اللہ تعالےٰ عنایت فرمائے۔	السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دل سے دعا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ احقر کے اخلاق کی اصلاح فرمائے۔ حسد کے علاج کے متعلق حضرت والا نے جو کچھ ارشاد فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ اس پر کاربند رہوں گا۔ ریا کے دفع کے لئے کوئی علاج تجویز فرمادیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرتا رہوں گا۔	مصلحت و سہولت یہ ہے کہ حسد کا علاج چند مواقع پر عمل میں آجائے اُسکے بعد دوسرے امر کی طرف توجہ فرمائی جائے تاکہ اُس کے علاج میں کوئی نئی بات پیش آوے اس کا بھی فیصلہ ساتھ ساتھ ہو جاوے۔
بسا اوقات ریا کے اندیشہ سے عمل بھی چھوڑ دیتا ہوں اب کے رمضان میں اعتکاف کا ارادہ کر رہا تھا مگر ریا کے وساوس کی وجہ سے نہیں کر سکا۔	ایسا نہ کیا جاوے بس اتنا کافی ہے کہ قصداً ریا نہ ہو۔ اس سے زیادہ کا انسان مکلف نہیں۔

ف ا اخلاق آج کی اصطلاح میں چند ظاہر داریوں کے اہتمام کا نام ہے مگر اسلامی اصطلاح میں اپنے آپ کو صفاتِ الٰہیہ سے اس طرح مزین کرنے کا نام ہے کہ مہر و قہر عفو و انتقام وغیرہ کا اپنے اپنے مقام پر بلا تکلف ظہور ہونے لگ جائے یہ اصطلاح اخلاق بڑی مشکل اور خصوصی تربیت ہی سی حاصل ہوتی ہے۔

اگر ریا کی حقیقت کلیہ سے (جس کو بسہولت افراد پر منطبق کر سکوں) اور اس کے مذموم ص اور کہاں غیر مذموم اور کہاں زیادہ مذموم اور کہاں کم) مطلع فرمایا جائے تو شاید اس قسم کے وساوس سے بچنے میں سہولت ہوگی۔

جو ارشاد ہوگا اس پر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کرونگا۔ فقط والسلام

احقر الخدام بندہ عبد الرحمٰن غفر لہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم

انشاء اللہ تعالیٰ سب عرض کرونگا بس یہی حد کا انتظار ہے جو میں نے اوپر عرض کیا ہے انفع اصلح یہی ہے ورنہ جب فرمادیں عرض کرنے کیلئے حاضر ہوں ف

ف اس میں وہی حکیمانہ رمز ہے کہ سلوک عملی طور پر حصول علم و معرفت کا نام ہے جب تک ایک مقام سے عبور ہو کر اس کی حقیقت مشاہدہ میں نہ آجائے دوسری بات کا بتانا بے سود ہے۔ ورنہ کتابوں میں کیا کچھ موجود نہیں۔

ساتواں خط

(متعلق سابقہ خط حسد و متعلقات ذکر)

بمقدس خدمت عالی درجت حضرت اقدس دامت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ حضرت کی دعاء کی برکت سے بحمد اللہ تعالیٰ معمولات فرمودۂ حضرت کا سلسلہ جاری ہے۔

مکرمی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ

ص ہونے کے مواقع سے کہ شرعاً ریا کہاں مذموم ص

حضرت دعاء فرماویں کہ اللہ تعالیٰ استقامت فی الدین عطاء فرماویں اور اس ناکارہ کی اصلاح فرمائیں۔	دل سے دعا ہے برکت و استقامت کی تاہوں
سب معمولات میں بحمد اللہ خوب جی لگتا ہے۔	مبارک
حسد کے علاج کے متعلق جو حضرت سلمہٗ نے ارشاد فرمایا اسپر عمل شروع کر دیا ہے حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔	اللہ تعالیٰ سہل فرماوے
وظیفہ اسم ذات میں جو طبیعت نہیں لگتی تھی اور حضرت نے بجائے اس کے تہلیل تجویز فرما دیا تھا بحمد اللہ تعالیٰ حضرت کی توجہات سے تہلیل میں جی خوب لگتا مگر ہزار بارہ سو سے زائد نہیں پڑھ سکتا	کافی ہے
احقر کی اصلاح کے لئے دعا فرماویں، فقط والسلام بندہ عبد الرحمٰن عفرلہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم ۲۹ رذی قعدہ ۴۷ھ	دل و جان سے دعا ہے اشرف علی

اٹھواں خط

قلب کی قساوت،

بخدمت بابرکت حضرت اقدس حکیم الامۃ دامت فیوضکم و برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ
حسد کے علاج کے متعلق جو حضرت والا کا ارشاد ہے اس کے موافق عمل کر رہا ہوں	بس تواب دوسرے خلق کیطرف توجہ فرمائی جاوے

اب تک کوئی نئی بات محسوس نہیں ہوئی	
حضرت سلمہٗ کی خدمت میں استقامت فی الدین اصلاح نفس کی دعا کی درخواست ہے۔	دل سے دعا ہے۔
معمولات حسب ارشاد سامی بجا لاتا ہوں مگر قلب کی قساوت جیسی تھی اب تک ویسی ہی ہے قلب کی حالت میں ابتک کچھ تغیر نہیں ہوا۔	ایک وا تاثر طبعی ہے ایک تاثر عقلی یا اعتقادی و عملی۔ اول کا فقدان نہ قساوت نہیں ثانی کا فقدان قساوت ہی۔ بس یہ معیار ہے۔

ف (حکیم الامت نے دو دو لفظوں میں ایسے ایسے معیارات بیان فرما دیئے ہیں کہ اب سالک طریق بھٹک ہی نہیں سکتا۔ مثلاً یہ کہ خود ہی غور کر کے کہ یہ بات اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ طبعی ہے یا عقلی وغیرہ)

مگر بندہ کو جو حضرت سلمہٗ کی توجہات کی برکات سے تھوڑا بہت اللہ کا نام لینے اور ذکر کرنے کی توفیق ہوئی احقر صرف اس کو بھی از بس غنیمت سمجھتا ہے ف۱ اور اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا احسان سمجھتا ہے اگر اتنا ہی کافی ہے تو فبہا ورنہ حضرت والا جو ارشاد فرمائیں گے اس پر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کروں گا۔	مواظبت علی الاعمال سے خود ترقی ہو جائیگی۔
فقط والسلام خادم بندہ عبدالرحمن غفرلہ از سہارنپور ۲۲ ر ذی الحجہ ۴۷ھ۔	دل سے دعا ہے اشرف علی

ف (حق تعالیٰ کی عظمت جب کھل جاتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ ایک بار بھی اپنی زبان سے اس کے اسم پاک کے ادائیگی کی توفیق کتنی بڑی دولت ہے بغیر عارف اس کو سمجھ نہیں سکتا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

ف۲ کیونکہ استقامت کے ساتھ جب قدم اٹھتے ہی رہینگے تو مسافت یقیناً طے ہوتی ہی جائیگی طے مسافت کے لئے رفتار کی تیزی سے زیادہ اہم اس کی یکسانی اور تسلسل ہے۔

نواں خط
(دیا)

حال	تحقیق
بخدمت اقدس مکرم محترم سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامۃ ادام اللہ فیوضکم و دامت برکاتکم	مکرمی دام فیضہم السلام علیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ معمولات فرمودہ حضرت بحمد اللہ بجا لاتا رہتا ہوں۔ دعائے ترقی و توفیق اعمال خیر کا خواستگار ہوں۔	بارک اللہ تعالیٰ فی اعمالکم و احوالکم۔
نیز اس کیلئے بھی دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلمہ کے ساتھ تعلق و محبت زیادہ کرے اور اس زیادتی تعلق کے لئے بھی کوئی علاج تجویز فرماویں۔	جو محبت مطلوب ہے وہ بلکہ اس سے زائد حاصل ہے اور جس کی تمنا ہے وہ مطلوب نہیں۔ یہ مسئلہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ کی فرع ہے۔
چونکہ اہل اللہ کے ساتھ تعلق و محبت بھی نجات کا ایک بڑا ذریعہ ہے اس لئے اس کے متعلق دعا کی درخواست حضرت سلمہ سے کی گئی۔	بقاء کی دعا کرتا ہوں۔

دفع ریا کے لئے علاج تجویز فرمایا جائے انشاء اللہ
تعالٰی جیسے ارشاد ہوگا اُسپر عمل کرونگا ۔

بسا اوقات اندیشۂ ریا کی وجہ سے عمل بھی چھوڑ
دیتا ہوں اور بہت سے اعمال میں اندیشہ ریا کے
وساوس پیش آتے ہیں ۔

خصوصًا جہر میں ۔ اگر ریا کی حقیقت کلیہ سے (جس
کو بسہولت افراد پر منطبق کرسکوں ، اور اس کے
مذموم ہونے کے مواقع سے (کہ شرعًا کہاں مذموم
ہے اور کہاں زیادہ مذموم) مطلع فرمایا جائے تو
شاید اس قسم کے وساوس سے بچنے میں سہولت ہو
فقط والسلام ۔ احقر الخدام بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ از
سہارنپور ۶ / محرم ۴۷ھ ۔

ریا کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی دین کا
کام کرنا غرض دنیوی کے لئے گو
وہ غرض غیر مباح کیلئے اور غرض ہونے
کے معنے یہ ہیں کہ قصد اس کام سے
اسی غرض کا ہو ۔ اس سے معلوم ہوگیا
ہوگا کہ ریا فعل اختیاری ہے اور
جب ہوگا قصد سے ہوگا پس اگر بلا
اختیار کوئی ناجائز غرض قلب میں
آجاوے اور اس کو اختیار سے باقی
بھی نہ رکھا جاوے تو وہ وسوسہ ریا
ہے جس پر اجر ملتا ہے ریا نہیں ہے

ف ۱ شیخ سے محبت وہ جوہری توانائی ہے جس سے سالک کو حیرت انگیز ترقی ہوتی
ہے اسی لئے اسکی طلب پیدا ہے حالانکہ دل اس سے خالی نہیں ہے جیساکہ حضرت شیخ
نے تصدیق فرمادی مگر شدت طلب کا تقاضا ایسا ہی ہوا کرتا ہی جس پر مواخذہ
ہوتا ہے ۔ امید ہے کہ اب سب اشکالات دفع ہوگئے ہوں گے ۔
والسلام اشرف علی ۔

ف ۱ حضرت حکیم الامت کی عبارت ایجاز
کا ایک اعجاز ہوتی ہے اور پھر مخاطب ایک
شیخ الحدیث اور بحر علم ! تو ضرورت ہے
کہ اس جواب کو بار بار

غور و فکر سے پڑھ کر سمجھا جائے یا کسی باخبر سے سمجھ لیا جائے تاکہ ریاء اور شبہ ریاء کا فرق اچھی طرح ذہن نشین ہو کر اس سلسلہ کی ساری الجھنیں رفع ہو جائیں ۔)

دسواں خط

ریا کے بارے میں چند شبہات کا جواب

بخدمت بابرکت مخدوم محترم مرشدی و مولائی حکیم الامۃ افاض اللہ علینا من فیوضکم وبرکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! الحمد للہ معمولات مجوزہ حضرت اقدس ادا کرتا رہتا ہوں ۔ حضرت سلمہٗ سے توفیق اعمال خیر اور اجتناب عن المعاصی کی دعا کی درخواست ہے ۔ مرض ریاء کے متعلق حضرت نے جو ارشاد فرمایا اس سے بحمد اللہ تعالیٰ بہت سے وساوس اور اشکالات رفع ہو گئے ۔ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اس مرض سے بالکل نجات عنایت فرماویں

دل سے دعا کرتا ہوں

البتہ ریاء کے مفہوم کے دوسرے جزو میں تردد ہے یعنی یا دنیا کا کام کرنا غرض غیر مباح کیلئے اس کا دخول ریاء شرعی میں سمجھ میں نہیں آیا ۔ اس کو اگر کسی خاص مثال سے واضح فرمایا جائے تو شاید تردد رفع ہو جائے

جیسے بڑے پیمانہ پر خرچ کرنا شہرت و نمائش کے لئے ۔

اور تردد کا سبب یہ ہے کہ پہلے سے ذہن میں چونکہ
امر راسخ ہوا ہے کہ ریاء شرعی یہ ہے ۔ دین کا کوئی کام
کسی غرض دنیوی مباح یا غیر مباح کے لئے کرنا جو
شرعاً غیر مشروع ہے ۔ صرف بوجہ ریاء ہونے کے سو دنیا
کا کوئی کام جو فی نفسہٖ مباح ہو ۔ اگر غرض غیر مباح کیلئے
کیا جائے تو اس کا غیر مشروع ہونا بوجہ ریاء ہونے
کے نہ ہوگا بلکہ بوجہ اس غرض غیر مباح کے ہوگا
جس کے ساتھ سب وہ مباحات شریک ہیں ۔ جو
مفضی الی القبائح ہوں ۔ امید ہے کہ اطمینان کیلئے
اس کے متعلق چند حروف حضرت سلمہٗ تحریر فرمائیں گے
فقط والسلام ۳ / صفر ۱۳۴۸ھ خادم بندہ عبدالرحمٰن
غفرلہٗ

وہ غرض غیر مباح ریاء ہی تو ہے ۔
کما فی المثال المذکور علی سبیل
التنزل اگر وہ ریاء لغوی ہو ریاء
شرعی نہ ہو تب بھی مقصود کو کچھ
مضر نہیں کیونکہ مقصود تو اسکا
معصیت واجبۃ التحرز ہونا ہے
خواہ اس کا نام اصطلاح میں ریاء
ہو یا نہ ہو ۔

گیارہواں خط
(علاج ریاء کے لئے معین)

بخدمت اقدس المحترم المطاع مرشدی و مولائی
دامت فیوضکم ؛ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ؛

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ
الحمد للہ

الحمد للہ کہ معمولات حسب ارشاد سامی عموماً پورے ہو جاتے ہیں
حضرت سلمہٗ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ
استقامۃ علی الشرع کی توفیق عطا فرمائیں
اور بندہ کے اخلاق کی اصلاح فرمادیں ۔

دل سے دعا ہے ۔

۱؎ وہ معصیت جس سے بچنا واجب ہو۔

حضرت کے ارشاد سے ریاء کے مفہوم میں شبہ تھا وہ رفع ہو گیا ما دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ریاء سے بچائے اور اس مرض کو زائل فرماویں۔ علاج جو حضرت سلمہ نے تجویز فرمایا ہے وہ کافی شافی ہے۔ اس کے ساتھ اگر کچھ اور معین بھی ارشاد فرمایا جائے تو بچنے میں اور زیادہ سہولت ہوگی۔	اِنَّ اللّٰہ ینظر الی قلوبکم "کا استحضار۔ اس سے غیرت علے آوے گی کہ اللہ تعالیٰ قلب میں غیر مرضی خیال دیکھیں
بندہ کے اخلاق بہت ہی ناشائستہ ہیں ا اخلاق کی اصلاح کے لئے دعا فرماویں۔ فقط والسلام بندہ احقر الخدام عبدالرحمٰن غفرلہ ۲۳ صفر ۱۳۴۸ھ۔	یہی خیال انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح کی علاج تامہ کے شل ہے
ف ۱ اب بھی فن سلوک و تصوّف کے منکروں کو یقین آئیگا یا نہیں کہ باوجود قرآن وحدیث کی پوری واقفیت کے عملی میدان میں رہبر کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ بقول عارف رومیؒ یار باید راہ را تنہا مرو ، بے قلاوز اندریں صحرا مرو بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق	ف ۱ یہ علاج اہل غیرت کیلئے ہے جن میں سرے سے غیرت ہی موجود نہ ہو ان کیلئے علاج بھی اور ہی تجویز ہوگا۔)

بارہواں خط

بخدمت اقدس مخدوم ومحترم مرشدی ومولائی دامت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور حضرت سلمہ کی دعا سے اشغال کا سلسلہ حسب ارشاد سامی جاری ہے	مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بارک اللہ تعالیٰ فیہا۔

حال	جواب
حضرت والا سے دعائے اصلاح نفس و استقامت فی الدین وحسن خاتمہ کی درخواست ہے ۔	بہ دل وجان دعا ہے۔
ریاء کے متعلق حضرت اقدس کے ارشاد کے موافق انشاء اللہ تعالیٰ عمل کرونگا اس کے متعلق اگر کچھ اور مزید ضروری ہدایات ہوں تو اُن سے مطلع فرمایا جائے ۔	اکثر پوچھنے پر کچھ خیال میں آجاتا ہے ابتداً کم سمجھ میں آتا ہے ۔
مرض کبر کے دفع کے لئے علاج تجویز فرمایا جائے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر کاربند رہوں گا ۔	موقوف ہے اسکی حقیقت سمجھنے پر و سوف یاتی ۔
نیز کبر کی حقیقت سے بھی متنبہ فرمایا جائے تاکہ انطباق علی الافراد میں سہولت ہو	کسی کمال میں اپنے کو دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھے ۔ علاج یہ سمجھنا کہ اگر غیر اختیاری ہے اسپر ملامت نہیں بشرطیکہ اس کے مقتضاء پر عمل نہ ہو یعنی زبان سے اپنی تفضیل دوسرے کی تنقیص نہ کرے دوسرے کے ساتھ برتاؤ تحقیر کا نہ کرے اور اگر قصداً ایسا سمجھتا ہے یا سمجھا تو بلا قصد ہے لیکن اس کے مقتضائے مذکور پر بقصد عمل کرتا ہے تو مرتکب کبر کا اور مستحق ملامت و عقوبت ہے اور اگر زبان سے اسکی مدح وثنا کرے اور برتاؤ میں اسکی تعظیم ۔ تو اعون فی علاج ہے ۔
نیز اس سے آگاہ فرمایا جائے کہ کبر میں اور تکبر و حب جاہ و رعونت و شہرت میں کیا فرق ہے فقط والسلام، خادم بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ ۳ ربیع سنہ ۴۸ ھ	عباراتنا شتی وحسنک واحد کی طرح معتد بہ فرق نہیں ۔ اشرف علی ۔

ف ا: آپ دیکھ رہے ہیں کہ ریاء کے معاملہ میں کس قدر تفصیل بار بار پوچھی جاری ہی ہے یہ حضرت مستفتی کے کمال اخلاص اور تقویٰ کی علامت ہے۔

تیرہواں خط

متعلقات کبر

بخدمت اقدس حکیم الامت مرشدنا و مخدومنا دامت فیوضکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؛ الحمد للہ کہ حضرت کی توجہ سے معمولات مجوزہ حتی الوسع بلاناغہ پورے کرتا ہوں۔	السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؛ بارک اللہ تعالیٰ۔
حضرت اقدس سے دعائے استقامت وحسن خاتمہ کی استدعا ہے۔	دل سے
کبر کے متعلق جو کچھ حضرت والا نے ارشاد فرمایا وہ سمجھ میں آگیا دعا فرماویں اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عنایت فرمائیں۔	آمین
اگر طبیعت میں صرف اپنے کو بڑا سمجھتا ہو)	یہ عُجب ہے جو حرمت میں مثل کبر کے ہے
یا صرف دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھتا جو کسی اپنے کمال کی وجہ سے ہو اُس کو بھی شرعاً کبر کہا جاویگا یا نہیں اور اُس پر مؤاخذہ ہو گا یا نہیں؟	کبر میں اصل یہی ہے۔
اور اس کا شرعاً کوئی خاص نام ہے یا نہیں۔	اول عجب۔ ثانی کبر

ریاء کے متعلق اگر کوئی مزید ضروری ہدایت حضرت کے خیال مبارک میں ہو، مطلع فرمایا جاوے۔	اس وقت تو کچھ ذہن میں نہیں۔
نیز کبر سے اجتناب کے لئے کوئی معین ہو تو مطلع فرمایا جاوے۔	اپنے عیوب کا استحضار دوسرے کے کمالات کا استحضار۔
بندہ کے والد صاحب کا ربیع الاوّل میں انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے احقر کو ایک ماہ کے لئے وطن جانا پڑا تھا دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ جناب والد صاحب کی مغفرت فرمائے۔ ۱۵ ر ربیع الثانی ۴۹ھ۔ بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ	اللھم اغفر لہ اللھم ارحمہ اشرف علی

چودھواں خط

رعونت، شہرت جاہ و نخوت

بخدمت اقدس محترم و مخدوم بندگان دامت افضالکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ الحمدللہ کہ معمولاتِ مجوزۂ حضرت والا حتی الوسع بجالاتا ہوں۔ حضرت سلمہٗ سے دعائے استقامت و حسن خاتمہ کی استدعا ہے۔	مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ دل سے دعا ہے
نیز اس کے لئے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ	

حال	تحقیق
تعالےٰ بندہ کے اخلاق رذیلہ اور امراض باطنہ کی اصلاح فرمائے اپنے برے اخلاق اور بدامراض کی طرف کبھی کبھی خیال کرکے بعد بیحد پریشانی ہوتی ہے کہ اتنی عمر گذر گئی اور اخلاق واعمال میں کچھ بھی صلاحیت نہیں دعا فرماویں کہ اللہ تعالےٰ بندہ کی حالت پر رحم فرمائے	آمین
رعونت وشہرت وجاہ ونخوت وتکبر کا کبر سے اگر کچھ تغایر ہے اس کو ظاہر فرمایا جائے اور یہ پانچوں اگر آپس میں متغائر ہیں تو رعونت کے لئے علاج تحریر فرمایا جائے اور اس کی حقیقت سے بھی مطلع فرمایا جائے اور اگر سب متحد ہیں تو سب کے لئے مشترک علاج تجویز فرمایا جائے۔ انشاء اللہ تعالےٰ اس پر کاربند رہوں گا۔	خواہ لغۃً کچھ فرق ہو مگر محاورات میں سب متقارب ہیں اور اگر کچھ تفاوت بھی ہو تب بھی عجب وکبر کے علاج سے ان کا بھی علاج ہو جاتا ہے۔
وظیفہ اسم ذات کیلئے چونکہ دوسرا کوئی وقت تخلیہ اور فراغت کا نہیں ملتا اس لئے اس کے واسطے بندہ نے تہجد کے بعد نماز صبح تک کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ صلوٰۃ تہجد تو بحمد اللہ اطمینان سے ادا ہو جاتی ہے مگر وظیفہ اسم ذات میں اکثر نیند کا	جسقدر بآسانی ہو کافی ہے:
غلبہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وظیفہ باطمینان نہیں ہوتا اس کے متعلق حضرت سلمہ کا جو ارشاد ہو اس سے مطلع فرمایا جائے۔ فقط والسلام ۶ جمادی الاولیٰ ۲۸ سنہ احقر الخدام بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔	اشرف علی

پندرہواں خط

(حب مال اور بخل کا علاج)

بخدمت بابرکت مخدوم حضرت اقدس ادام اللہ فیوضکم: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحمد للہ کہ حضرت والا کی توجہات سے معمولات مجوزہ حضرت اقدس بجالاتا رہتا ہوں۔

حضرت سے استدعا ہے کہ بندہ کے علاج اور استقامت فی الدین اور حسن خاتمہ کے لئے دعا فرماویں۔

کبر اور نخوت کے لئے جو علاج حضرت نے تحریر فرمایا ہی انشاء اللہ تعالیٰ اس پر کاربند رہوں گا۔

دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ہر قسم کے امراض کی اصلاح فرمائے۔

حب مال اور بخل کے لئے علاج تحریر فرمایا جائے جس پر عمل کرنے سے بخل کا ازالہ ہو جائے۔

انشاء اللہ تعالیٰ حسب ارشاد حضرت سلمہ اس پر کاربند رہوں گا۔ اس سے بھی مطلع فرمایا جائے کہ بخل اور حب مال کے جمیع افراد شرعاً مذموم ہیں یا اس میں کچھ تفصیل ہے۔

۲۶ رجمادی الاولیٰ ۸۲ھ۔ خادم بندہ عبدالرحمن غفرلہ از سہارنپور۔

حب مال اگر طبعاً ہو مگر اس کے مقتضاء پر کہ کسب حرام و امساک عن الواجب ہے ہی عمل نہ ہو معصیت نہیں اور اگر عقلاً ہو کہ مقتضائے مذکور پر عمل ہو معصیت ہے اور یہ مقتضاء پر عمل کرنا چونکہ اختیاری ہے۔ ضد پر بتکلف عمل کرنا اور بار بار عمل کرنا اس داعیہ کو ضعیف کر دیتا ہے اور یہی علاج ہے۔

سولہواں خط
متعلقات بخل وانفاق

بخدمت مخدوم محترم بندگان دامت الطافکم و عمت فیوضکم ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ معمولات فرمودہ حضرت اقدس بحمدہ تعالیٰ حتی الوسع حضرت کی دعا سے پورا کرتا ہوں حضرت والا سے دعا کا خواستگار رہوں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی اصلاح فرمائیں اور اپنی مرضیات میں مشغول رکھیں ۔

بندہ کے اخلاق بہت ہی خراب اور نادرست ہیں اخلاق کی درستگی کے لئے بھی دعا فرماویں ۔

بخل کے لئے جو علاج حضرت اقدس نے تجویز فرمایا ہے اس پر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کرونگا ۔ بسا اوقات عمل انفاق میں طبیعت پر انفاق گراں ہوتا ہے ۔

ایسی صورت میں اگر انفاق کیا جائے تو ثواب نہیں ہوتا کیونکہ خلوص نہیں ہوتا اور اگر انفاق نہ کیا جائے تو بخل ہے اس کے لئے حضرت مسلمہ کچھ تحریر فرمائیں تاکہ اطمینان ہو جائے ۔

فقط والسلام ۔ خادم بندہ عبدالرحمن عفرلہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم ۱۴ جمادی الاخریٰ ۷۸ھ

بشاشت وخلوص میں تلازم نہیں بشاشت نہیں ہوتی خلوص ما ہوتا ہے اس لئے انفاق کرنا چاہیے

ف۔ (دیکھو نکہ خلوص کے معنی تو صرف یہی ہیں کہ عمل کا محرک بجز جذبہ حصولِ رضائے الٰہی کے اور کچھ نہ ہو، یہ اپنے اختیار میں ہے۔ اب عمل کے وقت خوشدلی کی کیفیت کا پایا جانا یا نہ پایا جانا، غیر اختیاری اور اس سے نفسِ عمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا)

ستر ہواں خط

(حُبِّ دنیا کے ازالہ اور دفع بخل کیلئے معین کا ذکر)

بخدمت گرامی مخدوم محترم بندگان حضرت اقدس دامت افضالکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، معمولات فرمودہ حضرت اقدس اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے اور حضرت سلمہ کی دعاء سے بجا لاتا ہوں اور بحمد اللہ تعالےٰ سب معمولات میں خوب جی لگتا ہے۔ سب اوراد شوق سے ہوتے ہیں یہ سب اللہ تعالےٰ کا احسان ہے اور حضرت سلمہ کی توجہات کی برکت ہے۔	مکرمی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مبارک ہو
حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اس ناکارہ کی اصلاح فرمائے اور اعمال خیر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور حسن خاتمہ سے فائز فرمائے۔	دل وجان سے
بخل کے لئے جو علاج حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے اس پر انشاء اللہ تعالےٰ عمل کرتا رہوں گا۔	اللہ تعالےٰ آسان فرمادیں
دنیا کی محبت کے ازالہ کے لئے حضرت سلمہ کچھ علاج مرحمت فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ اس پر کاربند رہوں گا۔	محبت جو بدرجہ میلان ہے وہ ذمیمہ نہیں اور جو اس میلان کے مقتضا پر عمل ہو اگر وہ عمل مباح ہے تو اس میں صرف انہماک مذموم نہیں

اور اگر غیر مباح ہے تو نفس عمل ہی مذموم ہے اور انہماک اور عمل دونوں اختیاری ہیں ان دونوں کی مخالفت بار بار کرنا اس میلان کو مضمحل کر دیتا ہے و ۲ یہی علاج ہے .

نیز دفع بخل کے لئے اگر کچھ اور معین ہو تو اس سے بھی مطلع فرمایا جاوے .

فقط والسلام احقر الخدام بندہ عبدالرحمٰن عفرلہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم

۱۷ رجب ۶۸ھ

مراقبہ و استحضار ۳ فنائے مال کا اور بقائے اجر انفاق کا .

ص۲ موجود نہیں ہے .

ف ۱ عبدیت جتنی بڑھتی جائیگی درجات بھی بڑھتے جائینگے مگر خود اپنی نظر میں اپنی ہستی ہیچ در ہیچ نظر آئیگی یہی سبب ہے کہ کاملین اپنے آپ کو ناقص ترین پاتے ہیں یہی بلندی نگاہ کی نشان ہے ۔

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر چہ بروے میرسی بروے مایست .

ف ۲ سبحان اللہ تعالیٰ ایک دفتر کو چند جملوں میں بند فرما دیا . رذائل نفس کی تشخیص اور ان کے علاج کی تجویز میں جو حذاقت اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت قدس سرہ کو عطا فرمائی تھی وہ نادرات سے ہے .

اسی لئے آپ کا ہر جواب بار بار پڑھنے اور غور فکر سے سمجھنے کا متقاضی ہے .

ف ۳ یعنی اس بات کا ہر وقت خیال کہ اپنی جو حالت ہے اور بہر صورت فانی ہے خواہ وہ حالت جاتی رہے یا خود ہم اس دنیا سے چل بسیں اور جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا وہ تو سب آخرت کے بنک میں محفوظ ہے اور کئی گنا زائد ہو کر اسکا اجر ملنا یقینی ہے)

اٹھارواں خط

(ذکر میں عدم نشاط، انہماک فی المباح کی تشریح)

بخدمت گرامی مخدوم محترم بندگان سیدی و مرشدی حضرت اقدس حکیم الامت دامت برکاتکم وعمت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	
الحمدللہ کہ حضرت سلمہ کی دعا سے معمولات فرمودۂ حضرت بجالاتا ہوں اور معمولات کا اکثر حصہ نشاط اور دلبستگی سے ہوتا ہے تہلیل فرمودہ حضرت اقدس ایک ہزار تک اور کبھی کچھ زائد پڑھتا ہوں نصف کے قریب بعد نماز مغرب اور بقیہ حصہ بعد صلوٰۃ تہجد۔ اذکار میں جی لگتا ہے مگر اذکار سے قلب کی حالت میں کچھ تغیر نہیں جس سے شوق و محبت میں اضافہ ہو یا قلب میں کچھ رقت پیدا ہوگی ہو اگر یہ غیر محمود ہے تو اس کے لئے علاج تحریر فرمایا جائے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کروں گا۔	بالکل غیر محمود نہیں مقصود اصلی اجر و رضا ہے یہ چیزیں زائد علی المقصود ہیں ان کا فقدان ذرہ برابر موجب قلق نہیں۔
حضرت بندہ کی حالت بہت ہی گندی ہے نہ اعمال اچھے نہ اخلاق درست۔ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی حالت درست فرمائے اور بندہ کی حالت پریشان پر رحم فرمائے۔	انشاء اللہ تعالیٰ کام کرنے کرنے سے سب درستی ہو جائے گی۔
حب دنیا کے علاج میں جو حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر عمل مباح ہے تو اس میں انہماک مذموم ہے انہماک کا مفہوم شرعی تحریر فرمایا جائے کہ کسی فعل میں اعتدال کہاں تک	کسی فعل مباح کا خاص اہتمام کرنا کہ وقت معتد بہ حصہ اس میں صرف ہو یا ایسی رقم خرچ

ہوتا ہے اور انہماک کا درجہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔	ہو جس کے خرچ کے بعد فرض یا حقوق واجبہ میں تنگی ہو جاوے قلب اس میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہو جاوے۔ یہ انہماک ہے ف ا۔
اور عمل مباح و غیر مباح کو اگر چند امثلہ سے واضح فرمایا جائے تو انطباق میں زیادہ سہولت ہوگی ف ا	مباح جیسے اکل و شرب ولبس وغیرہا غیر مباح جیسے معاصی
نیز دفع حب دنیا کے علاج میں اگر اور کچھ معین ہو تو اس سے بھی مطلع فرمایا جائے فقط والسلام بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم ۸ رشعبان ۴۸ھ۔	تذکیر موت بکثرت
ف ا: عام سالکین کو حضرت کا ممنون ہونا چاہیے کہ ان کے سوالات کے ذریعے (اصلاح نفس کے کتنے مخفی گوشے اجاگر ہو گئے)۔	ف ا: انہماک کی یہ حقیقت محض زبان ولغت کے جاننے والوں کو کہاں مل سکتی ہے حالانکہ اصل چیز یہی ہے)۔

انیسواں خط

(حصول توکل)

بخدمت حضرت اقدس مخدوم محترم بندگان ادام اللہ الطافکم وعم فیضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت سلمہ نے جو کچھ ارشادات احقر کے معروضات کے جواب میں تحریر فرمائے اُن سے بے حد اطمینان ہوا	مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حالت ناامید مبدل باید ہوگئی ملہ اللہ تعالیٰ حضرت کی ذات گرامی کو ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے اور جناب کے فیوض سے ہمیشہ ہم جیسے ناکارہ خلائق کو مستفیض فرماتے رہیں ۔

حب دنیا کے علاج میں جو کچھ ارشاد حضرت نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرتا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں ۔

حضرت دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ سبحانہ احقر کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں اور اس ناکارہ کے اخلاق و اعمال کو درست کر دیں ۔	آمین ۔

حصول توکل علی اللہ کے لئے کوئی علاج تحریر فرمایا جائے قلب میں مادہ توکل بالکل نہیں اسباب پر زیادہ نظر رہتی ہے اسباب کے فوت ہونے سے پریشانی ہوتی ہے اور افسوس ہوتا ہے ۔ قلب میں گویا اسباب ہی پر بھروسہ رہتا ہے اور رکھہ ہے نہیں ف ۲ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو بھی حضرت کے فیوض عامہ و خاصہ سے مستفیض فرمانے فقط والسلام ۔ ۱۳ شعبان ۴۸ھ خادم بندہ عبد الرحمن غفرلہٗ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم

یہ طبعی کیفیت ہے جسکا منشاء اعتیاد بالاسباب ہے اس پر ملامت نہیں نہ انسان اسکے ازالہ کا مکلف ہے بلکہ ایسا شخص اسکا مامور ہے کہ اسباب کا تہیہ رکھے تاکہ قلب مشوش نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سال بھر کا ذخیرہ کر کے اسکو سنت کر دیا ف۱ ۔

ف ۱ شیخ کامل کے معالجات اور ارشادات کا بڑا نفع یہی ہوتا ہے کہ وہ ہر یاس کو اس	ف ۱ اس جواب باصواب سے حضرت مستفتی کے صفائے باطن کی تصدیق

سے بدل دیتا ہے۔ بقول عارف رومیؒ ے

زانکہ او ہر خار را گلشن کند
دیدۂ ہر کور را روشن کند

ف: یہ ہے محاسبۂ نفس جو اصل تصوف اور محاسبۂ آخرت سے حفاظت کی ضمانت ہے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا)

بھی ہو گئی اور انکے حزم واحتیاط اور تقوی کا حال بھی معلوم ہو گیا۔)

بیسواں خط

(توکل کیسے پیدا ہو)

مخدوم محترم مکرم سیدی و مرشدی جناب حضرت مولانا صاحب ادام اللہ فیوضکم و برکاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

الحمد للہ کہ معمولات فرمودہ حضرت سلمہ اکثر اوقات میں پورے ہو جاتے ہیں حضرت دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ خیرات کی توفیق مرحمت فرمائے اور بندہ کے اخلاق درست کر دے حصول توکل کیلئے حضرت سلمہ نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا اسلئے گذارش خدمت اقدس ہے کہ حصول توکل کیلئے علاج تحریر فرمائیے

اس کیلئے بھی علاج تحریر فرمایا جاوے کہ اسباب پر زیادہ نظر نہ ہو۔ فقط والسلام ۲۷ شوال ۴۸ھ

خادم بندہ عبدالرحمن غفرلہ از مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

یہ درجہ مستحب ہے واجب نہیں اول تمام اخلاق واجبہ سے فراغت کرلی جاوے پھر مستحبات کا سلسلہ شروع ہونے کا وقت ہوگا اس وقت معلوم ہوگا کہ ان کا زیادہ حصہ تو واجبات کے ساتھ ہی ساتھ حاصل ہو گیا اور بہت کم حصہ باقی رہ جائیگا اس وقت صرف اس حصہ کا طریق عرض کر دیا جائیگا

ف (سبحان اللہ! کیا بصیرت افروز جواب ہے اس کی قدر فن اخلاق کے جاننے والے کرسکتے ہیں اور اصل قدر تو وہ کرسکتے ہیں جو عملی طور پر نفس کی گھاٹیوں سے گذر چکے ہوں)

اکیسواں خط

(خوف)

بخدمت بابرکت مخدوم و محترم بندگان سیدنا و مرشدنا حضرت اقدس ادام اللہ لطافکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

الحمد للہ کہ حضرت سلمہ کی دعا کی برکت سے معمولات فرمودہ حضرت بجا لاتا ہوں حضرت دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کی اصلاح فرمائے اور ہمیشہ اپنی مرضیات میں مشغول رکھے اور حسن خاتمہ سے فائز فرمائے۔ توکل کے بارہ میں جو حضرت سلمہ نے تحریر فرمایا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرونگا اور انشاء اللہ تعالیٰ اخلاق واجبہ سے فراغت کے بعد اس کو عرض کرونگا۔

خوف کی تفسیر تحریر فرمائیے (۱)

اللہ تعالیٰ کے خوف کے حصول کے لئے علاج تحریر فرمایا جائے خدا کا خوف قلب میں نہیں جس کی وجہ سے بہت سے شرعی امور میں کوتاہی ہوتی ہے امید ہے کہ حضرت سلمہ اس کے حصول کیلئے علاج تحریر فرمائیں گے جس سے ادائے واجبات میں کوتاہی نہ ہو۔

فقط والسلام / ۱۱ ذیقعدہ ۴۸ھ احقر بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ،

ف (حکیم الامت کا طریق تفہیم عام طور پر یہی تھا کہ خود سائل سے جوابی سوالات فرما کر اصل بات نکلواتے تاکہ پھر وہ چیز خوب ذہن نشین ہو جائے۔ آج کے ماہرین تعلیم بھی اسی طریق کو زیادہ انفع قرار دیتے ہیں۔

بائیسواں خط

"خوف کی تفسیر"

بخدمت بابرکت مخدوم ومحترم مرشدی ومولائی سیدی وسندی حضرت اقدس امام اللہ فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الحمدللہ کہ معمولات مجوزہ حضرت حتی الوسع بجا لاتا ہوں حضرت سلمہٗ سے صلاح نفس اور فلاح دارین کے دعا کی درخواست ہے خوف کی تفسیر جو احقر کے ناقص ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا قلب میں ایسا اثر ہو جس سے ادائے فرائض میں کوتاہی نہ ہو اور ارتکاب معاصی پہ قلب کو بلا خوف لومۃ لائم کسی طرح جرأت نہ ہو۔

یہ اثر اختیاری ہے یا غیر اختیاری ہے یا بلفظ دیگر ماموربہ ہے یا غیر ماموربہ ظاہر ہے کہ خوف ماموربہ ہے اور ماموربہ کا اختیاری ہونا لازم ہے تو کیا آپکی تفسیر مفہوم غیر اختیاری وغیر ماموربہ سے ہو سکتی ہے ف۔

جو مصداق ہو۔ اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہ بیننا وبین معاصیک [1]

کیا اس حیلولہ کیلئے قصد واختیار شرط ہے یا نہیں۔

اس قسم کے خوف سے احقر بالکل عاری ہے بہت سے مواضع میں معمولی سی بات کی وجہ سے فرائض تک ترک ہو جاتے ہیں اور نفس تاویلات گھڑنی شروع کر دیتا ہے مثلاً گاڑی کے سفر میں اگر ہجوم ہوا اور اترنے میں تکلیف ہو تو نفس میں تاویلات اور حیل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور نماز قضا ہو جاتی ہے۔ ایسے

ف۔ حضرت حکیم الامۃ کا منشا یہ ہے کہ حضرت کاملپوری نے جو تعبیر خوف کی اختیار فرمائی اسس خوف کا غیر

---

[1] یہ حدیث شریف ہے جسمیں یہ دعا مانگی گئی ہے کہ اے اللہ ہم کو وہ خشیت عطا فرما جو ہمارے اور ہماری معصیتوں کے درمیان حائل ہو جائے یعنی جس کی وجہ سے گناہ ہونے نہ پائے۔

ہی کہیں امر بالمعروف کا ضروری موقع ہو اور مخالفین کا غلبہ ہو تو نفس تاویل کر کے امر بالمعروف کو ترک کر دیتا ہے۔

بعض جگہ صلوٰۃ جمعہ کی شرائط موجود نہیں ہوتیں اور معمولی اندیشہ ضرر کا یا رفع منفعت کا ہوتا ہے۔ نفس تاویلات کر کے جمعہ کی نماز پڑھا ہی دیتا ہے۔

اختیاری ہونا ثابت ہوتا ہے اور اگر حقیقت یہی ہے تو پھر غیر اختیاری امور کی ذمہ داری بندہ پر کہاں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ خوف کی تعبیر کوئی ایسی چاہیے جس سے اسکا اختیاری ہونا معلوم ہو اور پھر اسکے اختیار کرنیکی ذمہ داری بھی ثابت ہوسکے جیسا کہ آئندہ مکتوب میں خود حکیم الامت نے اسکی تعبیر تحریر فرما دی ہے۔

علیٰ لہٰذا القیاس اس کے لئے کوئی علاج تجویز فرمایا جاوے جس سے ان شرعی امور میں کوتاہی نہ ہوئے

فقط والسلام - ۱۸ - ذیقعدہ ۴۹ھ احقر عبدالرحمٰن غفرلہ

از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم۔

ف۱ شیخ کامل سے تعلق کا ایک نمایاں فائدہ تقویت ہمت کا ہونا ہے جو عملاً ہی محسوس کیا جاسکتا ہے یوں سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آسکتا

لہ یہ حدیث شریف ہے جسمیں یہ دعا مانگی گئی ہے کہ اللہ ہمکو وہ خشیت عطا فرما جو ہمارے اور ہماری معصیتوں کے درمیان حائل ہو جائے یعنی جس کی وجہ سے گناہ ہونے نہ پائے۔

تیئسواں خط

"خوف اور اسکا مقتضیٰ"

مکرمی

بخدمت بابرکت مخدومی و محترمی مرشدی و مولائی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت اقدس حکیم الامت دامت فیوضکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
حضرت سلمہ سے استدعا ہے کہ احقر کی اصلاح
کے لئے اور حسن خاتمہ کے لئے دعا فرماویں۔

دل سے دعا ہے

واقعی یہ اثر جو احقر نے خوف کی تفسیر میں
لکھا ہے غیر اختیاری ہے اور اس سے خوف
کی تفسیر جو اختیاری ہے۔ صحیح نہیں یہ بندہ
کی غلطی ہے مگر اسکے سوا کوئی ایسا مفہوم
معلوم نہیں۔ جو خوف کی تفسیر ہو اور جامع،
مانع ہو کر اختیاری بھی ہو۔ اسی لئے حضرت
اقدس سلمہ سے استدعا ہے کہ حضرت ہی اسکی
تفسیر بھی بتلاویں۔ اور علاج بھی ارشاد
فرماویں۔ اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ خوف کے
ثمرات قلب میں نہیں جس سے خوف کا سلب
معلوم ہوتا ہے۔
اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول
بہ بیننا وبین معاصیک[1]۔ میں حیلولہ کیلئے
قصد واختیار شرط ہے امید ہے کہ حضرت علاج
تجویز فرمائیں گے۔
فقط والسلام ۲۵ ذوالقعدہ ۴۸ھ۔ بندہ
احقر عبدالرحمٰن عفی عنہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم

احتمال المکروہ من العتاب والعقاب
اصل ہے خوف کا اور اس کا استحضار اختیاری
ہے اسی طرح اس کے مقتضٰی پر عمل کرنا یعنی
کف عن المعاصی اختیاری ہے اس کف
میں اولاً تکلف ہوتا ہے مگر اس کے تکرار
سے تکلف کم ہو کر عادت ہو جاتی ہے
پھر اس کا ملکہ ہو جاتا ہے ملا کہ کف[2] عن
المعصیۃ سہل ہو جاتا ہے۔ امید ہے کہ اس
سے بقیہ سوالات کا جواب بھی حاصل ہو
جاوے گا۔

اشرف علی

---

[1] گناہوں سے رکا رہنا [2] رکنے یا بچنے

ف (آج کے ماہرین نفسیات کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ جبراً تکرار سے عادت پیدا ہوجاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ہمارے حضرات صوفیہ کی نظر نفس لبشری کی جن تاریکیوں تک پہنچتی تھی جدید ماہرین نفسیات کی رسائی ابھی وہاں تک نہیں ہو سکی ہے)

چوبیسواں خط

(خوف کیسے پیدا ہوگا)

بخدمت بابرکت حضرت اقدس مخدوم محترم بندگان سیدی و مرشدی جناب حضرت حکیم الامۃ مد فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحمد للہ کہ معمولات فرمودہ حضرت اقدس اکثر اوقات بجالاتا ہوں حضرت اقدس دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ شانہ اس ناکارہ خلائق کی اصلاح فرمائے حق تعالیٰ کے خوف کے متعلق جو حضرت سلمہ نے ارشاد فرمایا وہ سمجھ میں آگیا۔ خداوند تعالیٰ کا خوف چونکہ قلب میں بالکل نہیں اور قلب میں ضعف اور جبن بے حد زیادہ ہے اس لئے حضرت سلمہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ حضرت سلمہ اس کے متعلق احقر کے حق میں دعا فرویں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کا کچھ حصہ احقر کو بھی مرحمت فرمائے اور قلب میں خوف الٰہی کیسے پیدا ہونے کی جو تدابیر ہوں اُن سے بھی مطلع فرمایا جاوے۔

کیا قلب میں یہ احتمال بھی نہیں کہ شاید معاصی پر عقاب یا عتاب ہونے لگے چونکہ یہ احتمال ضرور ہر مومن کے قلب میں ہے اس لئے خوف حاصل ہے واسی احتمال کا استحضار اور کف عن المعاصی باستمرار یہ خوف کو ملکہ بنا دیتی ہیں

سفر میں تو عموماً اور حضر میں کبھی کبھی معمولات کل یا بعض ناغہ ہو جاتے ہیں ان کی قضاء کیسے کروں؟۔

تھوڑی مقدار میں کر لیا کیجئے۔

فقط والسلام خادم بندہ عبدالرحمٰن عفرلہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم
۲ محرم الحرام ۴۹ھ۔

ف: بعض مرتبہ غلبہ خوف خشیت سے سالک اپنی نعمت حاصلہ کو بھی محسوس نہیں کرتا مگر شیخ عارف اس کی تصدیق کر کے سالک کی ہمت کو بلند کرتا ہے اور دوامی طور پر گناہوں سے بچتے رہنا۔

پچیسواں خط
(خوف کے لئے معین کیا ہے)

بخدمت بابرکت مخدوم محترم سیدی و مرشدی جناب حضرت حکیم الامت دامت الطافکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ،

الحمدللہ کہ معمولات فرمودہ حضرت سلمہ حتی الوسع التزام سے بجالاتا ہوں۔ حضرت کی خدمت میں درخواست ہے کہ احقر کی اصلاح و فلاح کے لئے دعا فرماویں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کے متعلق جو کچھ ارشاد حضرت اقدس نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ اُس پر عمل کرونگا۔ احقر کے حق میں حضرت دعا فرماویں کہ اللہ اپنا خوف قلب میں پیدا کردے اللہ تعالیٰ کے خوف کے پیدا ہونے کے لئے اگر کچھ معین ہو اس کو بھی تحریر فرمایا جاوے۔

وہی استحضار و کف عن المعاصی بالاستمرار قوی معین ہے

قلب میں صبر کے پیدا ہونے کے لئے علاج ارشاد فرماویں اور اس کی حقیقت شرعیہ سے بھی مطلع فرمایا جاوے۔ مصائب وتکالیف اور ایذار پر قلب کو بے حد تکلیف ہوتی ہے اور بےچینی اور پریشانی ہوتی ہے۔ امید ہے کہ حضرت اقدس اس کے لئے علاج تحریر فرمائیں گے۔ فقط والسلام۔ خادم بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ از سہارنپور ۲۴ محرم ۴۹ھ	ابھی اس کا تمکن ورسوخ ہونے دیجئے ف۔

ف (چنانچہ دوسرے مکتوب میں اس کا علاج تحریر فرمایا جارہا ہے.

چھبیسواں خط
(صبر کی حقیقت)

بگرامیخدمت مخدوم محترم سیدی ومرشدی حضرت اقدس حکیم الامۃ دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
الحمدللہ کہ حضرت سلمہ کی دعا سے معمولات مجوزہ حضرت اکثر اوقات میں بجالاتا رہتا ہوں۔	بارک اللہ تعالیٰ فیہا۔
حضرت اقدس دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ شانہ بندہ کی اصلاح فرمائیں اور ہمیشہ اپنی مرضیات میں مشغول رکھیں۔	آمین

؎ یعنی جس بات پر اختیار حاصل نہیں اس پر ندامت یا افسوس کی ضرورت بھی نہیں۔

صبر کے پیدا ہونے کے لئے علاج تحریر فرمایا جائے۔ مصائب کا تحمل قلب پر بہت ہی گراں ہوتا ہے بلکہ کوئی بات خلاف طبع پیش آجائے اس سے قلب میں بےچینی اور اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور قلب میں اسکی وجہ سے۔	نہ سبب مذموم ہے نہ مسبب دونوں غیر اختیاری ہیں ولا یذم ما لا اختیار فیہ لہ اس لئے ضرورت
طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں امید ہے کہ حضرت اقدس اس کے لئے علاج مرحمت فرمائیں گے۔	معالجہ کی نہیں البتہ حدود شرعیہ سے بالاختیار تجاوز کرنا یہ مذموم ہے اور بے صبری اسی کا نام ہے۔
اور اسکی حقیقت شرعیہ سے بھی مطلع فرمائینگے فقط والسلام ۲۔ ربیع الاول ۴۹ھ بندہ عبدالرحمن غفرلہ از سہارنپور۔	حبس النفس علی ما تکرہ عما یکرہ شرعًا۔ لہ

ستائیسواں خط

بخدمت اقدس مخدوم محترم سیدی ومرشدی دامت فیوضکم۔	
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	
الحمدللہ کہ حضرت کی دعا سے معمولات بجالاتا ہوں حضرت سلمہ سے دعائے استقامت وحسن خاتمہ کی استدعا ہے۔ بے چینی اور طبعی اضطراب گو شرعًا مذموم نہیں مگر نفس کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔	اس تکلیف کا معالجہ فن کی غرض سے خارج ہے ف۱

ف۱ (کیونکہ طبعی اضطرار سے سالک کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس مجاہدہ سے ثواب ایک اور مل جائیگا)

ے یعنی صبر کے معنی یہ ہیں کہ شریعت جس بات کو قابل کراہت قرار دے اس بات سے اپنے نفس کو روکے رکھنا۔

اور بسا اوقات اس کی وجہ سے دینی امور فرائض و واجبات میں خلل واقع ہونے لگتا ہے۔	خلل غیر اختیاری یا اختیاری
حضرت سلمہ اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمادیں تاکہ اطمینان ہوجاوے۔	میں اوپر عرض کرچکا
نیز جو مصیبت قلب پر عادۃً شاق ہوتی ہے جیسے والدین یا اولاد کا انتقال اگر کسی کو بوجہ قساوت کے ایسے مصائب پر کچھ گرانی قلب پر نہ ہو تو ایسی صورت میں نہ اس کو تکلیف ہوگی اور نہ صبر نہ اس پر ثواب ایسی صورت میں تحصیل ثواب کی کیا صورت ہے یا یہ شخص اس مصیبت پر صبر کے ثواب سے محروم رہے گا۔	یہ عزم رکھنا کہ اگر مصیبت پر قلق ہوا تو صبر کروں گا۔ یہ بھی تحصیل ثواب صبر کے ؎ لئے کافی ہے۔
جس کے معنی صرف یہی ہیں کہ جزع فزع اور خلاف شرع اقوال سے بچے یا کچھ اور۔ فقط والسلام بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ از سہارنپور ۲۶ ربیع ا ۴۹ھ	جی ہاں

ف ۱ (یعنی بہ ہمہ اضطراب اپنے آپ کو کام میں لگا دے کیونکہ سکون اختیار سے باہر ہے مگر کام تو اختیار سے باہر نہیں بہت سے سالکین طریق اس فرق کو نہ سمجھ کر دل چھوڑ بیٹھتے ہیں جس سے سفر کھوٹا ہو جاتا ہے)

ف ۲ (سبحان اللہ کیا نکتہ رسی ہے۔ اس جواب کی قدر جب محسوس ہو گی کہ یہ سوال اور شیوخ سے پوچھا جائے اور پھر ان کے جوابات کو حکیم الامت کے اس جواب سے

ملاکر دیکھا جائے ۔ | ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اٹھائیسواں خط
(مصائب کے وقت حقوق شرعیہ میں خلل)

مخدومی محترمی سیّدی و مرشدی جناب حضرت حکیم الامت ادام اللہ فیوضکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مصائب کے وقت حقوق شرعیہ میں خلل کبھی تو اختیاری ہوتا ہے۔	جامع الکمالات دام فیضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ۔ اُسکا تدارک تو اختیاری ہے کرنا چاہیے۔
اور کبھی غیر اختیاری کہ قلب ایسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ذہول اور غفلت کی وجہ سے دوسری طرف توجہ نہیں ہوتی۔	تو اس سے کوئی ضرر دینی نہیں اور مہتم بالشان ایسے ہی ضرر سے بچنا ہے۔
حضرت سلمہٗ احقر کے حق میں دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ خلائق کی اصلاح فرمائیں۔	دل سے اصلاح کی دعا کر رہا ہوں۔
معمولات جو حضرت سلمہٗ نے فرمائے ہیں اسکو بجا لاتا ہوں اور الحمد للہ کہ اکثر اوقات پابندی کے ساتھ پورے ہو جاتے ہیں مگر قلب کی قساوت ویسے ہی ہے جیسے تھی دعا فرماویں کہ حق سبحانہٗ احقر کے قلب کی اصلاح فرمائیں۔ فقط والسلام۔ ۳ ربیع الثانی سنہ ۴۹ھ خادم بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ از سہارنپور۔	قساوت بھی محتاج تغییر ہے: اشرف علی

(۱۵) اس طرز خطاب سے حضرت کا ملپوری کی مرتبت کا اندازہ لگائیے ورنہ ایک بے خبر فن دان کو تو عجب نہیں کہ حضرت مرحوم کے سوالات پڑھ کر ان کی رفعت شان کا پہچاننا دشوار ہو جائے۔)

انتیسواں خط

(شکر کی حقیقت، قساوت کی تفسیر)

بخدمت اقدس مخدوم محترمی سیدی ومرشدی حضرت مولانا صاحب حکیم الامۃ ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ کہ معمولات فرمودہ حضرت اکثر ایام میں بلا ناغہ پورا کرتا رہتا ہوں۔	مولانا دام فیضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الحمد للہ
حضرت سلمہ سے صلاح نفس اور حسن خاتمہ کے دعا کی استدعا ہے امید ہے کہ حضرت اقدس اس ناکارہ کو دعا میں یاد فرمائیں گے۔	دل سے دعا ہے
سیر کے متعلق جو حضرت سلمہ کے ارشادات ہیں ان پر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کروں گا۔ حضرت اقدس دعائے توفیق اعمال فرمائیں	آمین
اللہ تعالیٰ کے انعامات پر شکر کے لئے علاج ارشاد فرمایا جائے۔	علاج تو ازالہ کیلئے ہوتا ہے یہ تو تحصیل کی چیز ہے اور اختیاری
اور نیز اس سے بھی مطلع فرمایا جائے کہ شکر کی حقیقت	استعمال اختیار اسکی تدبیر ہے جو حالت طبیعت کے موافق ہو،

شریعت میں کیا ہے .	خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو اس حالت کو دل سے خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ سمجھنا اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا جوارح سے گناہوں میں استعمال نہ کرنا یہ شکر ہے
قساوت کی تفسیر یہ ہے کہ طاعت کی طرف طبیعت کی رغبت نہیں .	طبعی یا قصدی استحضار سے
اور نہ معاصی سے طبیعت میں نفرت (ہے)	طبعی یا قصدی استحضار سے
اور نہ نصوص وعدو وعید کے دیکھنے یا سننے سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے .	طبعی یا قصدی استحضار سے
بلکہ بسا اوقات طاعت واجبہ مخلوق کے خوف سے اور ان کے طعن ولعن کے خوف سے ادا ہوتی ہے	یہ تو ریا ہے
اور ایسا ہی اجتناب عن المعاصی بھی مخلوق کے خوف سے ہوتا ہے .	یہ بھی ریا ہے
امید ہے کہ حضرت سلمہ اس کے لئے کوئی علاج تجویز فرمائیں گے . فقط والسلام ۹ ربیع الثانی ۴۹ھ بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ از مدرسہ سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم .	ابھی قساوت کی حقیقت منقح نہیں ہوئی ۔

تیسواں خط

(قساوت، اور رغبت ونفرت)

بحضرت اقدس حکیم الامت مخدوم محترم سیدی ومرشدی ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ۔ احقر کا مقصود بھی تحصیل شکر کے لئے علاج پوچھنا تھا امید ہے کہ حضرت سلمہ اس کے تحصیل کا طریقہ اور معین ارشاد فرمائیں گے۔	وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اسکی ماہیت کے اجزاء سب افعال اختیاریہ ہیں انکو بہ تکرار صادر کرنا ہی طریقہ تحصیل اور طریقہ تسہیل ہے۔
قساوت سے مقصود بندہ کا یہ ہے کہ جیسے بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ حالت صلوٰۃ میں رونے لگتے ہیں قرآن شریف پڑھتے میں رونے لگ جاتے وعظ میں وعید کے مضامین سنکر رقیق القلب ہو کر گریہ وبکا میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ احقر کو نہ نماز میں رونا آتا ہے نہ قرآن پڑھنے سننے سے رقت قلب ہوتی ہی یہ حالت اگر غیر محمود ہے تو حضرت سلمہ اس کے لئے علاج ارشاد فرمائیں۔	یہ امور غیر اختیاری ہیں اور ایسے امور میں غیر محمود کا تحقق نہیں ہوتا۔
اور طاعات کی طرف نہ طبعی رغبت ہوتی ہے اور نہ قصدی استحضار ہے اور ایسے ہی معاصی سے نفرت۔	رغبت ونفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے رغبت ونفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے اس کے مقتضیٰ پر بار بار عمل کرنیسے اکثر طبعی رغبت ونفرت بھی

	ہو جاتی ہے اگر نہ ہو تو بھی مضر نہیں۔
معمولات بحمد اللہ تعالیٰ اکثر اوقات میں بہ نشاط پورے ہو جاتے ہیں خصوصاً تہجد میں تو بفضلہ تعالیٰ حضرت کی دعا سے اچھا خاصہ جی لگتا ہے حضرت اقدس سلمہ سے صلاح نفس اور فوز دارین کی دعا کی استدعا ہے۔ فقط والسلام بندہ عبد الرحمٰن غفر لہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم۔	مولانا السلام علیکم، اضیاف کے ہجوم سے اطمینان کا وقت نہ ملا اور دیر ایسے وقت کا جواب کے لئے منتظر رہا اب بھی ایسا وقت نہیں مگر رفع انتظار کے لئے لکھتا ہوں۔

اکتیسواں خط

(تحصیل زہد و ذکر بیعت)

بخدمت اقدس سیدی و مرشدی و مخدومی و محترمی ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ، شکر کے متعلق جو کچھ حضرت اقدس سلمہ نے تحریر فرمایا وہ بحمد اللہ سمجھ میں آگیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت کی دعا سے اکثر اجزاء شکر پر عمل بھی ہے۔	بارک اللہ تعالیٰ
حضرت سلمہ سے درخواست ہے کہ احقر کے اصلاح نفس اور امتثال اوامر اور اجتناب عن المعاصی کے لئے دعا فرمائیں حضرت سلمہ کی دعا سے	دل و جان سے

معمولات بفضلہ تعالیٰ روزانہ پورے ہوجاتے ہیں حضرت سلمہٗ دعائے استقامت فرماویں۔	
تحصیل زہد کے لئے حضرت والا علاج اور طریق تسہیل مرحمت فرماویں اور اس کی ماہیت شرعی بھی ارشاد فرمائی جائے۔	قلت رغبت فی الدنیا[1] اسکی ماہیت ہے طریق تحصیل[2] مراقبہ اسکے فانی ہونیکا اور غیر ضروری[3] کی تحصیل میں اہتمام نہ کرنا اور طریق تسہیل[4] صحبت زاہدین کی اور مطالعہ حالات زاہدین کا

لہ سمجھ میں آگیا ہے مراد کیا ہے؟ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس مقام میں رسوخ حاصل ہوگیا۔ اس سے حضرت کا پھلوری رحمۃ اللہ علیہ کے کمال سلوک کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک خط میں ایک ایک مقام طے فرمایا ہے۔ ۲ہ دنیا کی طرف رغبت کا کم ہوجانا۔

آئندہ جمعہ کو حضرت سلمہٗ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ ہے اگر حضرت اجازت فرماویں۔	بسروچشم
نیز احقر حضرت سے بیعت ہونے کے شرف سے ابتک محروم ہے اگر حضرت سلمہٗ کے نزدیک مناسب ہو تو حاضری پر شرف بیعت سے بھی مشرف فرمایا جائے۔ فقط والسلام۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۴۹ھ احقر الخدام بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم	ضرورت تو ہے نہیں لیکن آپکے حکم سے عذر بھی نہیں ف۲

ف۱ (نمبر مرتب کی طرف سے لگائے گئے ہیں تاکہ بات صاف طور پر سمجھ میں آجائے)
ف۲ (اللہ اللہ کیا تواضع ہے اور طالب صادق کی صدق طلب کی کیسی قدر دانی۔)

بتیسواں خط

(صدق و اخلاص)

بخدمت حضرت اقدس مخدوم محترم سیدی و مرشدی حکیم الامت ادام اللہ الطافکم. علینا و علیٰ سائر المسترشدین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ الحمدللہ کہ حضرت سلمہ کی دعا سے معمولات فرمودہ حضرت والا پورے ہوجاتے ہیں اور معمول تدبر فی القرآن کا بھی حسب ارشاد سامی شروع کردیا ہے۔ جس کے لئے سردست وقت بعد صلوٰۃ عشاء مقرر کیا ہے۔	بارک اللہ تعالےٰ
حضرت اقدس بندہ کی اصلاح ظاہر و باطن و استقامۃ علی الطاعات والمرضیات کے لئے دعا فرمائیں۔	دل وجان سے۔
احقر کو حق تعالےٰ کی ذات بابرکات سے امید ہے کہ حضرت کی دعا اور توجہات سے احقر ناکارہ خلائق کی اصلاح انشاء اللہ تعالیٰ ہوجاوے گی	میں کیا چیز ہوں مگر حق تعالےٰ کے فضل و رحمت سے سب امید ہے انشاء اللہ تعالےٰ۔
زہد کی تحصیل کے لئے جو کچھ حضرت سلمہ نے ارشاد فرمایا اس پر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کرونگا۔ حضرت سے توفیق اعمال خیر کی دعا کی استدعا ہے	دل سے دعا ہے۔

صدق واخلاص کے حقائق شرعیہ اور ان
کے حصول کے لئے علاج اور معین تحریر
فرمایا جائے . فقط والسلام ۔
۲۲ جمادی الاولیٰ ۲۹ھ احقر عبدالرحمٰن
عفی عنہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم ۔

جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ
اختیار کرنا یہ صدق ہے اور اس طاعت میں
غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے اور یہ
موقوف ہے ما بہ الکمال کے جاننے پر اسی
طرح غیر طاعت کے جاننے پر اسکے بعد صرف
نیت اور عمل جزو اخیر رہ جاتا ہے یہ دونوں
اختیاری ہیں طریق تحصیل تو اسی سے معلوم
ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ و
وعید کا اور مراقبہ نیت کا ۔

ف : آج کچھ نہ جاننے والے فہم قرآنی کے
بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں اور جنکو
بصیرت حاصل ہے انکا احساس ہیچمدانی
یہ ہے نظر جتنی بلند ہوگی ، بلندی یا پست
نظر آئینگی اور جس نے بلندی کبھی دیکھی نہ
ہو وہ معمولی ٹیلہ کو ہمالیہ پہاڑ سمجھیگا ۔

ف : خوب غور سے بار بار پڑھکر سمجھنے کی
ضرورت ہے کیونکہ مخاطب والا مرتبت
کیلئے دریا کو کوزہ میں بند فرما دیا ہے ۔

تینتیسواں خط

اخلاص کی مثالیں : اخلاص وخشوع وخضوع میں فرق اور (وساوس کا علاج)

بعالیخدمت بابرکت مخدوم ومحترم سیدی
ومرشدی حضرت اقدس حکیم الامت
ادام اللہ فیوضکم الی یوم القیمۃ ۔ والسلام

مثال صدق کی نماز کو اسی طرح پڑھنا جسکو
شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اسکو مع آداب
ظاہرہ وباطنہ کے ادا کرنا علیٰ ہذا تمام طاعات

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ اخلاص وصدق کے متعلق حضرت سلمہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا سمجھ میں آگیا مگر مزید انشراح کے لئے اگر حضرت سلمہٗ ان کے حقائق کو امثلہ سے شرح فرمادیں تو انطباق میں زیادہ سہولت ہوگی.	میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے مثال اخلاص کی نماز میں ریاء کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے ۔ رضائے غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے لہٰذا اس کے متعلقات ظاہر ہیں ۔
نیز اس سے بھی مطلع فرمایا جائے کہ اخلاص میں اور خشوع وخضوع میں کچھ فرق ہے یا نہیں ؟	اخلاص راجع ہے نیت کی طرف اور خشوع وخضوع سکون ہے جوارح وقلب کا حرکات منکرہ ظاہرہ یا باطنہ سے اگرچہ ان حرکات میں نیت غیر طاعت کی نہ ہو پس اخلاص خشوع سے مفارق ہو سکتا ہے .
اور نیز اس سے بھی کہ جس طاعت کا قصد ہو اس میں اس طاعت کے علاوہ دوسری طاعت کا قصد مخل اخلاص ہے یا نہیں !	مثال سے واضح کیا جائے .

ف: یعنی اخلاص کا متعلق نیت سے ہے اور خشوع کا عمل کی ظاہری وباطنی صورت سے اس طرح دونوں میں فرق ظاہر ہے .

مراقبۂ نیت کی تصویر بھی مطلع فرمایا جائے.	یعنی اس کی دیکھ بھال کہ میری نیت غیر طاعت تو نہیں .
نیز اس سے بھی کہ نیت کے وقت میں جو	وساوس مخل نہیں اخلاص میں اول قصدِ غیر

وساوس غیر طاعت کے بلا اختیار پیش آتے ہیں ان کے دفع کرنے کا کیا علاج ہے	اختیاری دوسرے نماز سے وہ مقصود نہیں ۔
ارادہ صلوٰۃ کے وقت قبیل از تحریمہ ہر چند اس کی کوشش کرتا ہوں کہ غیر طاعت کا وسوسہ قلب میں نہ آئے مگر پھر بھی کامیابی نہیں ہوتی۔	تو محذور کیا ہوا اخلاص کے خلاف نہ ہونا اوپر معلوم ہوا البتہ اگر قصداً ہوں تو صدق کے خلاف ہیں مگر جب بلا قصد ہوں تو خلاف صدق بھی نہیں ۔
اور بسا اوقات قطع تحریمہ کی نوبت آجاتی ہے۔	یہ تو حرام ہے۔
اور مکرر سہ کرر نیت اور استحضار کرنا پڑتا ہے اس خیال سے کہ تحریمہ کے وقت نیت نہیں ہوئی اور عزم نہیں ہوا یا تحریمہ کی طرف توجہ نہ ہونیکی وجہ سے ۔	نیت فعل اختیاری ہے اس وقت دوسری طرف توجہ قصد واختیار سے نہ ہونا چاہیئے اور بلا اختیار منافی نیت نہیں۔
اس لئے عرض کیا گیا کہ حضرت سلمہ اس کے لئے علاج مرحمت فرماویں ۔	اوپر سب عرض کر دیا ۔
حضرت سلمہ سے استدعا ہے کہ احقر ناکارہ خلائق کے حق میں دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمائے اور اپنا قرب خاص عنایت فرمائے فقط والسلام بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ از سہارنپور مظاہر علوم، ۸ ۔ جمادی الثانی ۴۹ھ	دل سے دعا ہے

چونتیسواں خط

(اخلاص اور خشوع کے باریک مسائل)

بخدمت بابرکت حضرت اقدس حکیم الامۃ سیدی و مرشدی ادام اللہ فیوضکم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ۔
الحمد للہ کہ حضرت سلمہ کے ارشادات سے بہت سے خلجانات رفع ہو گئے اللہ تعالیٰ حضرت سلمہ کی ذات گرامی اور حضرت کے فیوض کو ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے البتہ اخلاص و خشوع کے فرق کے بیان میں جو حضرت اقدس کا ارشاد ہے (اگرچہ ان حرکات میں نیت غیر طاعت کی نہ ہو) اس میں اتنا شبہ ہے کہ جب وہ حرکات منکرہ ہیں تو انمیں نیت غیر کی نہیں ہو سکے گی انمیں بہر صورت نیت غیر طاعت ہی کی ہو گی۔

لازم نہیں بلکہ ممکن ہے کہ کسی چیز کی بھی نیت نہ ہو عبث حرکات ہوں جو بے پروائی یا عادت کے سبب صادر ہوں خواہ جوارح کی حرکات ہوں یا قلب کی۔

حضرت سلمہ کی خدمت میں گذارش ہے کہ اسکے متعلق کچھ اور وضاحت فرمائی جائے تاکہ کسی قسم کا شبہ نہ رہے

ابھی عرض کر چکا۔

کسی طاعت میں غیر طاعت کا تو قصد نہ ہو مگر دوسری طاعت کا قصد ہو جیسے نماز	یہ مسئلہ دقیق[1] ہے قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اسوقت دو حدیثیں میری نظر میں ہیں ایک .

[1] جب ایک علامہ سے یہ فرق فرمایا جا رہا ہے کہ مسئلہ دقیق ہے تو عام اہل علم کو چاہیے اس کو کسی عالم صاحب طریقت سے سمجھیں اور اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو اپنی رسائی سے بالاتر سمجھ کر چھوڑ دیں ۔

کی حالت میں ریاء کا قصد تو نہیں اور نہ کسی اور فعل غیر طاعت کا قصد ہے مگر نماز کی حالت میں قصداً کسی شرعی مسئلہ کا مطالعہ کرتا ہے ۔ یا کسی اور سفر طاعت کا انتظام اس حالت میں قصداً سوچتا ہے ۔	مرفوع جس میں یہ جزو ہے ۔ صلی رکعتین مقبلا علیهما بقلبه دوسری موقوف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول جس میں یہ جزو ہے انی لاجهز جيشى وانا في الصلوة مجموعہ روایتین سے اخلاص کے دو درجہ مفہوم ہوئے ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اسکے غیر کا قصداً استحضار بھی نہ ہو اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو ۔ دوسرا درجہ یہ کہ دوسری طاعت کا استحضار ہو جاوے ۔ اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس دوسری طاعت کا اس طاعت سی قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں ہے کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کرینگے پس حقیقت اخلاص تو دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں عوارض کے سبب ان میں تفاوت ہو گیا اور اگر درجہ اوّل اکمل ہے ۔ اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے ۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرورت تھی اور اسکا معیار اجتہاد

	ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے بالکل خلاف نہیں البتہ خشوع کے خلاف ہونا نہ ہونا نظری ہے ۔ میرے ذوق میں بصورت عذر یہ خلاف خشوع بھی نہیں اگر ضرورت ہو (اسی کو اوپر عذر کہا گیا ہے ۱۲) اب اس پر سوال کو منطبق کر لیجئے ۔
یا نماز صرف اس غرض سے پڑھتا ہے کہ کوئی ناواقف آدمی میری اس نماز[4] درست کر لے ایسے طاعات کا قصد نماز میں مخل اخلاص ہے یا نہیں ؟ [4] یعنی نماز دیکھ کر	اس میں خود نماز سے مقصود غیر نماز ہے اس میں بظاہر خلاف اخلاص ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے مگر میرے ذوق میں اس میں تفصیل ہے کہ شارع کیلئے تو یہ خلاف اخلاص نہیں وہ اس صورت تبلیغ کے مامور ہیں اور غیر شارع کے لئے مامور بہ نماز میں خلاف احتیاط ہے اور خاص تعلیم کے لئے مستقل نماز کا حرج نہیں ۔
نماز کے شروع کرنے کے بعد پہلی رکعت میں مثلاً یہ خیال ہوا کہ نہ معلوم تحریمہ کے وقت میری نیت شرعی صلوٰۃ کی ہوئی تھی یا نہیں یا تحریمہ ہی میں شبہ ہوا کہ نہ معلوم میں نے اللہ اکبر کہا نہیں ۔ الغرض اسکو نیت اور تحریمہ سے بالکل ذہول ہو گیا۔ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے حضرت اقدس کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں اور مراقبۂ نیت ہی اسکا علاج ہے یا کچھ اور	یہ مسئلہ فقہیہ ہے روایات جزئیہ دیکھ لی جاویں ۔

معمولات فرمودہ حضرت سلمہ الحمد للہ روزانہ حضرت کی دعا کی برکت سے پورے ہو جاتے ہیں۔	الحمد للہ
حضرت دعا فرماویں کہ اللہ تعالےٰ اس ناکارہ کی اصلاح فرمائے اور ظاہر و باطن اس ناکارہ کا اللہ تعالےٰ کی مرضیات سے مزین ہو جائے۔	آمین
۲۲ جمادی الثانیہ کے جمعہ کو حاضری کا قصد ہے اگر حضرت سلمہ اجازت فرمادیں۔	بسر وچشم
کئی دفعہ طبیعت کا تقاضا ہوا کہ حضرت سلمہ کے لئے کوئی تھوڑی سی چیز بطور ہدیہ حاضر خدمت اقدس کروں مگر چونکہ حضرت کی طبیعت مبارک کے خلاف ہے اس لئے نہ پیش کرنیکی جرأت ہوئی اور نہ عرض کرنیکی ہمت اسلئے درخواست ہے کہ اگر حضرت والا اجازت فرماویں تو صرف ۲ روپیہ کی کوئی چیز جو حضرت سلمہ پسند فرماویں اپنے ساتھ لاکر حاضر خدمت کروں یا اگر احقر کا حاضر ہونا کسی عذر سے ملتوی ہو گیا تو کسی ایسے شخص کے ساتھ بھیجدوں جو حضرت سلمہ کا خادم ہو۔ فقط والسلام خادم بندہ عبدالرحمٰن از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم ۱۵ جمادی الاخری سنہ ۶۹ھ	حجاب بھی ہوتا ہے مگر آپ کے تبرک سے محرومی بھی گوارا نہیں۔ کوئی خاص چیز ذہن میں نہیں۔ بے تکلف عرض ہے کہ نقد انفع ہے مگر اس سے نصف یعنی ایک روپیہ مد

ف: تربیتی معروضات کے اندر فقہی مسائل کے جواب کو حضرت حکیم الامت پسند نہ فرماتے تھے ۔ ۲ ۔ حکیم الامت نے ہدیہ کے سلسلہ میں بڑی اصلاح فرما دی اور بہت ہی کم قیمت ہدیہ قبول فرما کر اس کی بڑی قدر دانی فرماتے تھے ۔

پینتیسواں خط

رضا بالقضاء کی حقیقت اور اس کی تدبیر

بحضرت اقدس حکیم الامت سیدی و مرشدی ادام اللہ فیوضکم وافاض علینا برکاتکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ ۔ الحمد للہ کہ حضرت سلمہ کی توجہ کے برکات سے معمولات پورے ہو جاتے ہیں ۔	مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ بارک اللہ تعالیٰ
حضرت، احقر ناکارہ کے حق میں دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ جل وعلا میری اصلاح فرمائیں اور اپنے مرضیات میں مشغولیت کی توفیق مرحمت فرمائیں ۔	دل سے دعا ہے
صدق واخلاص کے متعلق حضرت سلمہ کے ارشادات کے برکت سے بحمد اللہ اطمینان کلی حاصل ہوا بلکہ بہت سے مشکلات جو ان کے متعلق نہ تھے (بلکہ دوسرے مباحثہ کے متعلق تھے ۱۲ جامع) وہ بھی حل ہو گئے ۔	الحمد للہ

رضا بر قضا کے حصول کیلئے کوئی علاج تحریر فرمایا جائے اور اسکا معیار اور مقدار بھی ارقام فرمایا جائے کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کا مکلف ہے اور اس کا شرعی مفہوم مفصل کیا ہے فقط۔ والسلام ۲۸ جمادی الاخری ۴۹ھ
خادم بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم۔

رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی[1] القضا ہے اگر الم احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم احساس باقی ہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے تدبیر اسکی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الٰہیہ کا واقعات

[1] حق تعالیٰ کی طرف سے جو تصرف واقع ہو جائے اس پر اعتراض سے احتراز کرنا۔

خلاف طبع ہیں۔ اشرف علی

چھتیسواں خط

(تخلیۂ امراض کی تکمیل، توکل مستحب)

بخدمت گرامی حضرت اقدس مکرم محترم حکیم الامت سیدی و مرشدی ادام اللہ فیوضکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ
الحمدللہ کہ معمولات اکثر اوقات میں حضرت سلمہٗ کی دعا کی برکت سے پورے ہو جاتے ہیں حضرت سے دعائے استقامت اور توفیق اعمال حسنہ کی دعا کی استدعا ہے۔
رضا بالقضا کے متعلق جو حضرت اقدس کا ارشاد ہے وہ سمجھ میں آگیا اس پر عمل کرنے کیلئے

بھی دعا فرمائیں ثم الحمد للہ کہ اعراض نفس جس قدر تھے ان کی فہرست حسب ارشاد تبلیغ دین سے مرتب کی تھی انکے متعلق حضرت سلمہ کی خدمت بابرکت میں جو کچھ عرض معروض کرنا تھا اسکا ضروری حصہ ختم ہو چکا حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ حضرت اقدس کے ارشادات پر عمل کرنیکی توفیق مرحمت فرماویں اور اس ناکارہ کی اصلاح فرما کر حسن خاتمہ سے فائز فرمائے یہ ناکارہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اور حضرت کی توجہات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا جن کی وجہ سے اس احقر کو حضرت سلمہ سے شرف مکاتبت ومکالمت حاصل ہو کر حق تعالیٰ کے نام لینے کی توفیق ہوئی الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

آپ سے زیادہ مجھ کو مسرت ہے اللہ تعالیٰ یوماً فیوماً برکت واستقامت عطاء فرماوے۔

اس وقت ایک پرانہ عریضہ بھی ارسال خدمت ہے جس میں حضرت سلمہ نے درجات مستحبہ کے طریق تعلیم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ امید ہے کہ حضرت اقدس اس کے متعلق بھی کچھ ارشادات فرمائیں گے جس سے فرائض پر عمل کرنا سہل ہو جائے ۶ رجب ۴۹ھ

توکل مستحب کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے فطرۃً قوت قلب اور حقوق واجبہ کا ذمہ نہ ہونا یا اہل حقوق کا بھی ایسا ہی ہونا۔ کیا یہ شرائط متحقق ہیں۔

فا: یہ خود کمال عبدیت کی کھلی نشانی ہے کہ فہرست کے ہر جزو کو اپنا حال سمجھ کر ایک ایک مرض روحانی کی ماہیت اور اس کے علاج کی تفصیل پوچھی گئی۔

سینتیسواں خط

(توکل مستحب)

بخدمت گرامی حضرت اقدس سیدی و مرشدی مخدومی و محترمی
حکیم الامت ادام اللہ تعالےٰ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمدللہ معمولات حضرت کی دعا سے پورے ہو جاتے ہیں
حضرت سلمہٗ احقر کے حق میں استقامت اور حسن خاتمہ توفیق۔
طاعات کے لئے دعا فرما دیں۔

پس واجب پر اکتفا، فرمائے اور اُس سے زائد کی دعا کیا کیجئے خود قصد نہ کیجئے۔

حضرت سلمہ کے ارشاد پر معروض ہے کہ شرائط توکل مستحب
کے متحقق نہیں نہ تو قوت قلب ہے نہ اہل حقوق! ایسے ہیں قلب
نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور اہل حقوق بھی قوی القلب اور غیر
مطالب الحقوق نہیں اس بناء پر حضرت اقدس کا ارشاد ہو اس سے
مطلع فرمایا جاوے فقط والسلام ۱۳ رجب ۴۹ھ احقر الخدام
بندہ عبدالرحمٰن عفرلہ از مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اڑتیسواں خط

(غیر مطبوعہ)

نوٹ:۔ یہ خط غیر مطبوعہ ہے: اشرف السوانح میں سابقہ سینتیس (۳۷) خط شائع ہوئے ہیں اس خط پر تحریر کی تاریخ موجود نہیں ہے۔

السلام علیکم

بحضرت اقدس سیدی و مرشدی حضرت حکیم الامت ادام اللہ فیوضکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالےٰ وبرکاتہ۔
الحمدللہ کہ احقر حضرت والا کی دعا کی برکت سے بخیریت ہے امید

ہے کہ حضرت والا کا مزاج سامی بھی بخیریت ہوگا۔ بندہ کی حالت بہت ہی ابتر ہے آجکل بعض معمولات باوجود عزم وارادہ مصمم کے ناغہ ہوجاتے ہیں۔	تو معذوری کے حالت ہوئی پھر قلق کیوں
حضرت اقدس کے خدمت میں التجا ہے کہ اس ناکارہ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالے مجھے اپنے مرضیات میں مشغولیت کی توفیق عطا فرماویں۔	دل سے دعا ہے۔
قصد السبیل میں جو وظیفہ اللہُ اللہ کا ہے یہ حساب میں مجموعہ ایک ہی مرتبہ محسوب ہوگا۔	جی ہاں
<u>یا دو مرتبہ</u>	
قلب کا ذکر میں مشغول رہنا اور ذکر قلب کی آواز کا کانوں تک پہونچنا اور سننا یہ واقع ہوتا ہے یا نہیں۔	احیاناً بقلۃ
اور منشاء اسکا کثرت ذکر باللسان ہے	نہیں
یا کچھ اور	غلبہ تخیل کا اثر
اور ذکر باللسان افضل ہے	جی ہاں مع توجہ بقلب
یا ایسا ذکر بالقلب	وہ اصل میں فکر ہے جو ذکر باللسان کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ متقابل ہی نہیں جو راجح مرجوح کا سوال ہو۔
بعض احباب نے اس کے متعلق استفسار کیا احقر کو اس کے جواب میں اطمینان نہیں ہوا۔ اگر حضرت والا مناسب خیال فرمائیں تو مطلع فرمایا جائے۔	دل سے دعا ہے۔

احقر کے جمیع مقاصد حسنہ مرضیہ
کے لئے دعا فرماویں۔
احقر الخدام بندہ عبدالرحمٰن
کاملپوری غفرلہ از سہارنپور
مدرسہ مظاہر علوم۔

دل سے دعا ہے۔

سلسلہ سند باطنی

حضرت مولانا کا سلسلہ سند جس کو عرف تصوف میں شجرہ کہا جاتا ہے پیش کیا جاتا ہے وہ طلائی زنجیر جس کی چالیسویں کڑی حضرت مولانا کی ذات ہے بمدارج ذات پاک رسالت مآب ﷺ سے اس طرح مربوط ہے۔

اسم گرامی	سنہ وفات
۱۔ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمبلپوری	(۱۳۸۵ھ)
۲۔ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	(۱۳۶۲ھ)
۳۔ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ فاروقی تھانوی ثم مہاجر مکی	(۱۳۱۷ھ)
۴۔ حضرت اقدس میانجی نور محمد علوی جھنجھانوی	(۱۲۵۸ھ)
۵۔ حضرت اقدس حاجی سید عبدالرحیم افغانی	(۱۲۴۶ھ)
۶۔ حضرت اقدس عبدالباری صدیقی امروہوی	(۱۲۲۶ھ)
۷۔ حضرت اقدس سید عبدالہادی امروہوی	(۱۱۹۰ھ)
۸۔ حضرت اقدس سید عضدالدین امروہوی	(۱۱۶۳ھ)
۹۔ حضرت اقدس شاہ محمد مکی جعفری	
۱۰۔ حضرت اقدس سید محمدی اکبر آبادی	(۱۱۰۷ھ)
۱۱۔ حضرت اقدس محب اللہ فاروقی الہ آبادی	(۱۰۵۸ھ)
۱۲۔ حضرت اقدس ابو سعید نعمانی گنگوہی	(۱۰۴۰ھ)
۱۳۔ حضرت اقدس نظام الدین فاروقی تھانیسری	(۱۰۳۵ یا ۱۰۳۶ھ)
۱۴۔ حضرت اقدس جلال الدین فاروقی تھانیسری	(۱۰۱۷ھ)
۱۵۔ حضرت اقدس عبدالقدوس نعمانی گنگوہی	(۹۴۴ یا ۹۴۵ھ)
۱۶۔ حضرت اقدس شیخ محمد فاروقی ادولوی	غالباً (۸۹۸ھ)
۱۷۔ حضرت اقدس شیخ عارف فاروقی ادولوی	غالباً (۸۸۲ھ)
۱۸۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق ابدال فاروقی	(۸۳۷ھ)
۱۹۔ حضرت جلال الدین عثمانی پانی پتی	(۷۹۵ھ)

۲۰۔ حضرت شمس الدین ترک علوی پانی پتی (۷۱۶ ھج)

۲۱۔ حضرت سید علاء الدین علی احمد صابر کلیری (۶۹۱ یا ۷۰۴ ھج)

۲۲۔ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر فاروقی (۶۶۸ یا ۶۶۹ ھج)

۲۳۔ حضرت اقدس سید قطب الدین بختیار کاکی اوشی ثم دہلوی (۶۳۳ ھج)

۲۴۔ حضرت سید معین الدین سنجری ثم اجمیری (۶۰۳ یا ۶۳۳ یا ۶۳۶ یا ۶۳۷ ھج)

۲۵۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ثم مکی (۶۳۳ ھج)

۲۶۔ حضرت حاجی شریف زندنی منیر الدین (۵۸۴ ھج)

۲۷۔ حضرت سید قطب الدین مودود چشتی (۵۲۷ ھج)

۲۸۔ حضرت ناصرالدین ابو یوسف بن سمعان چشتی (۴۵۹ ھج)

۲۹۔ حضرت سید ابو محمد چشتی (۴۱۱ ھج)

۳۰۔ حضرت سید ابو احمد چشتی (۳۵۵ ھج)

۳۱۔ حضرت ابو اسحاق شامی چشتی (۳۲۹ ھج)

۳۲۔ حضرت ممشاد علوی دینوری (۲۹۹ ھج)

۳۳۔ حضرت ہیرہ البصری (۲۷۹ ھج)

۳۴۔ حضرت حذیفہ مرعشی (۲۵۲ ھج)

۳۵۔ حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی (۱۶۶ ھج)

۳۶۔ حضرت فضیل بن عیاض خراسانی یا بخاری ثم مکی (۱۸۷ ھج)

۳۷۔ حضرت عبدالواحد بن زید بصری (۱۷۶ یا ۱۸۶ ھج)

۳۸۔ حضرت امام حسن بصری (۱۱۰ ھج)

۳۹۔ خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (۴۰ ھج)

۴۰۔ خاتم الانبیاء احمد مجتبی محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم (۱۱ ھج)

شَجَرَۃٌ طَیِّبَۃٌ چشتیَّۃٌ

نَظَمَہَا مولیٰنا ذو الفقار علی الدیوبندیؒ

ذیل میں شجرہ چشتیہ نقل کیا جارہا ہے تاکہ متوسلین کے لئے سہولت ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

یَا ذَا الْکَرَمِ الْاِنْعَامِ وَالْاِحْسَانِ	اِرْحَمْ عَلَی الْعَبْدِ الْفَقِیْرِ الْجَانِیْ
[1] بِاَبِیْ سعید عَالِمٍ مُتَوَرِّعٍ	لِلطَّالِبِیْنَ وَسِیْلَۃِ الرَّحْمٰنِ
[2] بِالشَّیْخِ فَاضِلِ عَصْرِہٖ اَشْرَفْ عَلِیْ	دَاعِیْ طَرِیْقِکَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ
فَبِشِبْلِیْ غَوْثِ الْوَرٰی شَمْسِ الْھُدٰی	مِقْدَامِ اَھْلِ الْعِشْقِ وَالْھَیَمَانِ
اَلشَّیْخِ اِمْدَادِ اللّٰہِ الْقُطْبِ الْعَلِیِّ	الْجَاہِ ذِی التَّمْکِیْنِ وَالْعِرْفَانِ
وَبِکَاشِفِ الظُّلُمٰتِ نُوْرِ مُحَمَّدٍ	وَبِسَیِّدِیْ عَبْدِ الرَّحِیْمِ الْفَانِیْ
وَبِعَبْدِ بَارِیْ ذَاکَ شَیْخِ شُیُوْخِنَا	وَبِعَبْدِ ھَادِیْ لِلزَّمَانِ اَمَانٍ
وَبِحَقِّ عَضُدِ الدِّیْنِ حَقِّ مُحَمَّدٍ	وَمُحَمَّدِیِّ ظَاھِرِ الْبُرْھَانِ
وَبِحَقِّ مَوْلَانَا مُحِبِّ اللّٰہِ مَنْ	اَعْیَتْ مَدَائِحُہٗ وَسِیْعَ بَیَانٍ [3]
بِاَبِیْ سَعِیْدٍ مَاجِدٍ مُتَوَرِّعٍ	بِنِظَامِ دِیْنٍ عَارِفٍ رَبَّانِیْ
بِجَلَالِ دِیْنٍ ذِی الْمَکَارِمِ وَالْعُلٰی	وَبِعَبْدِ قُدُّوْسٍ عَظِیْمِ الشَّانِ
بِمُحَمَّدٍ قُطْبِ الْوَرٰی وَبِعَارِفٍ	ھُوَ لِلْوَرٰی کَالْمَاءِ لِلظَّمْاٰنِ

---

[1] یہ شعر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ایک خاص خادم و متوسل نے اضافہ کیا ہے [2] یہ شعر مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری نے اضافہ کیا ہے [3] منصوب بنزع الخافض

وَبِحَقِّ عَبْدِ الْحَقِّ قُدِّسَ سِرُّهُ	وَبِجَلَالِ دِيْنٍ ذَا الْكَبِيْرُ اَوَانٍ
بِالشَّيْخِ شَمْسِ الدِّيْنِ قُدْوَةِ عَصْرِهٖ	بِعَلَاءِ دِيْنٍ صَابِرٍ حَقَّانِيْ
بِفَرِيْدِ دِيْنِ الْحَقِّ عَمَّ فُيُوْضُهُ	وَبِقُطْبِ دِيْنٍ ذَاكَ قُطْبُ زَمَانٍ
بِمُعِيْنِ دِيْنِ اللّٰهِ صَاحِبِ سِرِّهٖ	غَوْثِ الْوَرٰى وَبِسَيِّدِيْ عُثْمَانِ
وَبِحُرْمَةِ الْحَاجِي الشَّرِيْفِ اِمَامِنَا	بِالْخَوَاجَهْ مَوْدُوْدٍ وَّحِيْدِ زَمَانٍ
وَبِسَيِّدِيْ كَهْفِ الْوَرٰى عَلَمِ الْهُدٰى	بُوْيُوْسُفٍ فِي الْفَيْضِ كَالتَّهْتَانِ
بِمُحَمَّدٍ ذِي الْمَجْدِ وَالْعَلْيَاءِ مَنْ	قَدْ فَاقَ عِزًّا فَانًا عَلَى الْاَقْرَانِ
وَبِحُرْمَةِ الشَّيْخِ الْكَرِيْمِ الْمُقْتَدٰى	بُوْ اَحْمَدٍ فِي السِّرِّ وَالْاِعْلَانِ
وَبِحَقِّ بُوْ اِسْحَاقَ مُرْشِدِ دَهْرِهٖ	وَبِحَقِّ مُمْشَادٍ عَدِيْمِ الثَّانِيْ
بِاَبِيْ هُبَيْرَةَ ذِي الْمَقَامِ الْعَالِيْ	بِحُذَيْفَةَ هُوَ نُخْبَةُ الْاَعْيَانِ
وَبِحَقِّ اِبْرَاهِيْمَ سُلْطَانِ الْوَرٰى	بِفُضَيْلِ نِ الْهَادِيْ اِلَى الْاِحْسَانِ
وَبِحَقِّ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْفَرْدِ الَّذِيْ	هُوَ فِي الْغَرَامِ كَطَافِحٍ سَكْرَانِ
وَبِحَقِّ خَيْرِ الْاَصْفِيَاءِ اِمَامِهِمْ	حَسَنٍ وَّلَمْ يَرَ مِثْلَهُ الْعَيْنَانِ
وَبِحَقِّ مَوْلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَمِيْرِهِمْ	وَاِمَامِ اَهْلِ الدِّيْنِ وَالْاِيْمَانِ
اَعْنِيْ عَلِيًّا خَيْرَ مَنْ وَّطِئَ الثَّرٰى	مَاوَى الضِّعَافِ مُجَلِّيَ الْاَحْزَانِ
وَبِحَقِّ سَيِّدِنَا النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ	هُوَ لِلْخَلَائِقِ رَحْمَةُ الرَّحْمٰنِ
مَنْ فَاقَ كُلَّ الْخَلْقِ فَضْلًا بَاذِخًا	مَنْ سَادَ مَجْدًا عَالَمَ الْاِمْكَانِ
وَبِفَضْلِكَ الْجَمِّ الْعَمِيْمِ اِلٰهَنَا	يَا غَافِرًا لِلذَّنْبِ وَالْعِصْيَانِ
قَدْ جَاءَ عَبْدُكَ بَاكِيًا مُسْتَصْرِخًا	مُتَوَسِّلًا بِاُولٰئِكَ الْاَعْيَانِ
فَاغْفِرْ خَطَايَاهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ	عَنْ مَّا سِوَاكَ اَيَا رَجَاءَ الْعَانِيْ
سَلِّطْ عَلَيْهِ الْعِشْقَ حَتّٰى لَا يَرٰى	مَوْلَايَ غَيْرَكَ كَائِنًا بِمَكَانٍ
ثُمَّ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى	خَيْرِ الْوَرٰى وَرَسُوْلِكَ الْعَدْنَانِيْ

فیض یافتگان

وہ حضرات جنہوں نے باطنی و روحانی فیض حاصل کیا ان میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی تحریر کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
۲۔ حضرت مولانا محمود داود یوسف مفتی اعظم وبرما و ناظم جمیعتہ العلماء رنگون
۳۔ مولانا عبدلحق صاحب بانی مجلس خدام الدین سورت انڈیا۔ سملک ڈابھیل ضلع سورت
۴۔ مولانا محمد وجیہہ صاحب استاد دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار۔
۵۔ مولانا عبدالجلیل صاحب سابق مدرس نیو ٹاؤن کراچی۔
۶۔ مولانا منظور احمد صاحب بجنوری سابق ہیڈ ماسٹرہائی اسکول ڈومیلی حال خطیب جامع مسجد ڈومیلی۔
۷۔ مولانا عبدالمنان صاحب مدرسہ تدریس الاسلام کہار منڈی ملتان حال مدینہ منورہ
۸۔ جناب رفعت احمد خان صاحب ایم اے یو بلاک گورنمنٹ ایمپلائز ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی۔
۹۔ جناب جمیل الرحمن صاحب ایمپلائز ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی۔
۱۰۔ جناب سید اختر حسن صاحب سیکشن آفیسروزارت داخلہ اسلام آباد۔
۱۱۔ جناب احمد عبدالعزیز صاحب حال ڈپٹی منیجر میگناٹیکسٹائل ملز ڈھاکہ۔ حال لاس اینجلس۔ امریکہ
۱۲۔ حضرت مولانا فضل اللہ صاحب ناظم دارلعلوم اسلامیہ لکی مروت
۱۳۔ جناب محمد احمد صاحب ایڈمنسٹریٹو آفیسر سروے آف پاکستان کراچی۔
۱۴۔ جناب انیس الدین صاحب سنٹرل آرمز اینڈ ایمونیشن ڈیلرز نیلا گنبد لاہور۔
۱۵۔ جناب سید جلال الدین صاحب اکبر زیدی اکاؤنٹس آفیسر ٹیلیگراف اینڈ ٹیلیفون ڈیپارٹمنٹ ٹیلیفون ریونیو لاہور۔

۱۶۔ جناب مولانا عبدالرحمن صاحب خطیب عرشی جامع مسجد سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

۱۷۔ جناب حاجی بشیرالدین صاحب ایس ٹی ای ریلوے اسٹیشن کوئٹہ۔

۱۸۔ حضرت مولانا عبدالاحد صاحب ربانی مسجد متصل اسٹیشن ماڈرن کالونی کراچی نمبر ۲۷

۱۹۔ حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدرسہ عربیہ چنیوٹ ضلع جھنگ۔

۲۰۔ جناب مولانا غلام یزدانی صاحب ' شادی خان ضلع کیمبل پور

۲۱۔ جناب نعیم احمد صاحب بالمقابل مسلم مسجد ۲۴۔ سرکلر روڈ۔ لاہور۔

۲۲۔ جناب غیاث الدین صاحب منیجر آر۔ ایل او ڈھاکہ۔

۲۳۔ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب چٹاگانگ۔ لوہاگارا ڈاکخانہ امیر آباد ضلع چٹاگانگ

۲۴۔ مولانا عبدالقدوس صاحب مقام منگڈو ضلع مایو برما۔

۲۵۔ حاجی محمد نعمان صاحب بفہ ضلع ہزارہ

۲۶۔ سید یعقوب احمد صاحب فریدی ۱/۲۴ ای مغربی جہانگیر روڈ نیو ٹاؤن کراچی

۲۷۔ جناب محمد یاسین صاحب ۱۰/۱ ای ۴ سی روڈ نزد پولیس اسٹیشن ناظم آباد کراچی

۲۸۔ منصور علی خان صاحب ۱/۲۲۷ فیڈرل بی ایریا کراچی نمبر ۱۹ حال جدہ۔ سعودی عرب

۲۹۔ مولانا محمد اسحاق صاحب مقام زیر کی پوسٹ عیدک میران شاہ شمالی وزیرستان

۳۰۔ جناب نجیب الحق صاحب ۲۰/۱۰ ڈی ناظم آباد نمبر ۵ کراچی نمبر ۱۸

۳۱۔ شفاعت الاکبر صاحب ۱۱/۳۵ پامر لائن راولپنڈی

۳۲۔ جناب خداداد صاحب دفتر ڈائرکٹر اینمل ہسبنڈری پشاور' ریجن پشاور۔

۳۳۔ جناب محمد انور صاحب فارسٹ رینجر ملتان فارسٹ ڈویژن مکان نمبر ۴۷ بلاک ۱۲ خانیوال ضلع ملتان۔

۳۴۔ جناب تمیز الحق صاحب پاکستان فارسٹ کالج پشاور۔
۳۵۔ جناب مولانا عبدالمالک صاحب مقام میانہ ڈاکخانہ گردی براستہ تخت بھائی ضلع مردان
۳۶۔ حضرت مولانا دوست محمد صاحب تمبولک ضلع مردان۔
۳۷۔ صوفی محمد افضل صاحب چک آر ۸/۱ ڈاکخانہ ۲/۸۸ براستہ میاں چنوں تحصیل خانیوال ضلع ملتان
۳۸۔ حضرت مولانا دوست محمد صاحب خطیب جامع مسجد چک ۱۳۶ ساحل ڈاک خانہ ۱۲۵ تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ۔
۳۹۔ جناب عبداللہ خان صاحب اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کالا باغ ضلع میانوالی
۴۰۔ جناب خواجہ محمد شیر وائیں۔ ۳۰۔ علامہ اقبال روڈ لاہور نمبر ۵
۴۱۔ جناب مولانا محمد عمر صاحب ابن حکیم محمد سعید صاحب قصبہ مبارک پور پورہ صوفی ضلع اعظم گڑھ انڈیا۔
۴۲۔ جناب مجیب الرحمن چھوٹا بار ہاٹی ڈاک خانہ بار ہاٹی میمن سنگھ
۴۳۔ جناب مولانا منہاج صاحب قلعہ جدید معیار علاقہ جندول ریاست دیر
۴۴۔ جناب رضوان الحسن صاحب فاروقی ۱۱/۶/۸/۳ ناظم آباد کراچی۔
۴۵۔ جناب مقبول حسین صاحب ۱۱ رکیولری (ایف) پاکستان آرمی
۴۶۔ جناب سلیمان محمد ر ایس ایم۔ دیندار پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰ ریرمیلو ٹرانسوال، جنوبی افریقہ
۴۷۔ جناب اسماعیل احمد سلیمان پوسٹ بکس نمبر ۱۱۶ زنرسٹ ٹرانسوال جنوبی افریقہ
۴۸۔ جناب یوسف اسمٰعیل دیندار پوسٹ بکس نمبر ۲۰ بیرسٹن ٹرانسوال جنوبی افریقہ۔
۴۹۔ جناب آر، ٹی پٹیل صاحب پوسٹ بکس نمبر ۳۳ بلوئم ہاف ویسٹ رٹرانسوال جنوبی افریقہ

۵۰۔ جناب اے آر میاں سنز پوسٹ بکس نمبر ۷۲۴۳ فورڈر برگ جو ہانس برگ جنوبی افریقہ
۵۱۔ جناب عاشق الٰہی صاحب گوروِن داس مارکیٹ کراچی۔
۵۲۔ ماسٹر صالح محمد صاحب ہائی اسکول ٹنڈو الہ یار۔
۵۳۔ محمد عیسیٰ صاحب خطیب بلال مسجد ناظم آباد نمبر ۳ کراچی۔
۵۴۔ جناب حکیم حبیب الحق ترنگ زئی ضلع پشاور۔

باب پنجم

تقسیم ملک، ملتان،

ٹنڈوالہ یار وغیرہ میں قیام

تقسیم ملک:۔ مدارس عربیہ میں شعبان کے وسط سے شوال کے وسط تک عموماً تعطیلات ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا ان تعطیلات میں اکثر وطن تشریف لے آتے اور کبھی یہ تعطیلات بھی سہارنپور یا تھانہ بھون میں گزرتیں۔ ۱۹۴۷ ء مطابق ۱۳۶۲ ھ میں بھی آپ حسب معمول وطن تشریف لائے۔ کیا معلوم تھا کہ اس کے بعد مظاہر العلوم جانا مقدر نہ ہوگا۔ مظاہر العلوم چھوڑنے کا تو تصور بھی نہیں آسکتا تھا مگر فیصلے تو آسمانوں میں ہوتے ہیں ان فیصلوں کو انسان کیسے ٹھکرا سکتا ہے۔

۱۹۴۷ ء میں وطن تشریف لانے کے چند دن بعد ہی ۱۴ اگست کو ملک تقسیم ہو گیا۔ تقسیم ملک سے ایسا عظیم انقلاب آیا کہ مودت ' تعلق ' ہمسائیگی اور ہم وطنی دشمنی نفرت ' بغض اور قتل و غارتگری میں تبدیل ہو گئی۔

اس موقع پر ایک طرف دہلی ' اطراف دہلی ' مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال اور دوسری طرف مشرقی بنگال اور مغربی پنجاب میں جو قیامت برپا ہوئی۔ دونوں طرف کے باشندوں کو جن لرزہ خیز مصائب سے گزرنا پڑا۔ جس طرح بستیاں نذر آتش ' اور لاکھوں انسانی جانیں لقمہ اجل بنیں۔ ٹرینوں میں اور اسٹیشنوں پر قتل عام ہوا اور قافلے لوٹے گئے اور انسانی بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح اور گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے۔ جس طرح ننگ و ناموس بے قیمت و پامال اور انسان کا خون ارزان ہوا وہ ایک تلخ ترین داستان ہے جو انسانیت کے پیشانی پر داغ اور ہر حساس اور درد مند انسان کے سینہ کا زخم ہے۔

دل کا زخم

اس حادثہ عالم آشوب سے ہر صاحب دل و صاحب بصیرت انسان کو اپنے اپنے احساس و علم اور اپنے اپنے درد و تعلق کے مطابق تکلیف پہنچی۔

لیکن حضرت مولانا کو کئی وجوہ سے درد و الم تھا۔ ایک طرف مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر جو قیامت گزری اور وہاں کی سرزمین ' مسلمانوں سے اور فضائیں اذانوں سے محروم ہو گئیں دوسری طرف ان معاہد اور مدارس اسلامیہ کا وجود خطرہ میں نظر آرہا تھا جو صدیوں سے علم و معرفت کی ضیا پاشیوں میں مصروف تھیں۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے دینی و تہذیبی مراکز ہندوؤں کے زیر سلطنت آ گئے تھے۔ حضرت مولانا کی علمی زندگی کا بیشتر حصہ ان مراکز اسلامیہ میں گزرا تھا۔ وہ چمنستان علم جس کی آبیاری اپنے شیوخ و اساتذہ سے ورثہ میں آپ کو ملی تھی وہ اب غیروں کے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔ سہارنپور آپ کا وطن ثانی بن چکا تھا۔ جو الفت و محبت آپ کو اس خطہ سے تھی شاید اپنے آبائی وطن سے بھی نہ تھی۔ آپ کا بڑا اثاثہ یعنی ذاتی کتب خانہ اور قیمتی مسودات کا ذخیرہ جو بڑی مشکلات میں آپ نے جمع کیا تھا وہ بھی وہاں رہ گیا۔ زندگی کے وہ رفقاء جن کے ساتھ ہر وقت علم و معرفت کی محفلیں جمتی تھیں اب اس میں تقسیم و تفریق نے بہت بڑی دیوار کھڑی کر دی۔ مظاہر العلوم کے چپہ چپہ سے آپ کو گہرا تعلق اور دلی محبت تھی لیکن اب یہ گہوارہ علم بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا۔ مظاہر العلوم کے رفقاء کا جب خیال آتا کہ ان پر اور دوسرے مسلمانوں پر کیا گزری ہوگی تو اضطراب و پریشانی کی لہریں دل میں موجزن ہوتی۔ آئے دن مظاہر العلوم پر بھی دشمنوں کی حملے اور ان کے برے ارادوں کا حال معلوم ہونے لگا۔ سہارنپور کی پرسکون فضاء میں فساد و افتراق کی آگ بھڑکنے کی اطلاعات مختلف ذرائع سے آجاتیں تو دل خون کے آنسو روتا۔ اور بندہ بے بس کے پاس اس کے سوا اور تحفہ ہی کیا ہے۔

سہارنپور کی حالت

سہارنپور یو۔ پی کا مشرقی پنجاب سے متصل ضلع ہے۔ مشرقی پنجاب سے تو مسلمانوں کا مکمل انخلاء ہو چکا تھا قرب کی وجہ سے سہارنپور پر بھی اسکا اثر واقع ہونا ناگزیر تھا۔

سہارنپور میں ہر وقت فساد کا خطرہ تھا۔ آتش زنی غارت گری، دہشت انگیزی کی فضاء چھائی ہوئی تھی۔ مسلمان ایک دائمی خوف اور بے چینی کی حالت میں تھے۔ راتوں کو محلوں میں پہرہ دیتے۔ جا بجا آگ لگائی جا رہی تھی۔ شہر کے مختلف گوشوں سے شور و غل کی آوازیں آتی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حملہ ہو گیا۔ مسلمان اہل ثروت اور ذی حیثیت لوگوں کے گھر باہر سے آنے والے مسلمانوں کے کیمپ بنے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے شہر کے ناکوں پر پہرے مقرر کر رکھے تھے۔[1]

اس دہشت انگیزی کی فضاء کا نتیجہ تھا کہ مدرسہ مظاہر العلوم کی بار ہا تلاشی لی گئی اس علمی مرکز کو مسلمانوں کی جائے پناہ ثابت کرکے نقصان پہنچانے کی ترکیبیں کی گئی ارباب مدرسہ کی استقامت، عزم اور توکل علی اللہ اس نازک مرحلہ پر کام آیا۔ اہالیان مدرسہ اغیار کے اس ظلم و ستم کو انتہائی صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ شر و غارتگری کے بادل چھٹنے لگے۔

خطرہ تھا کہ جس طرح مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا انخلاء ہو گیا اور وہاں کے مراکز و مدارس اجڑ گئے۔ کہیں یہ حشر سہارنپور، دہلی اور گرد و نواح کے علاقہ کا بھی نہ ہو جائے۔ قدرت کو ان عظیم اسلامی اداروں کی حفاظت منظور تھی۔ ہندوستان کی تین اہم مقتدر و بزرگ شخصیتوں کے استقامت و ثابت قدمی اور بروقت فراست و رہنمائی سے وہاں کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھی۔ یہ تین حضرات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی۔ حضرت شیخ الطریقہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد

---

(۱) تذکرہ شاہ عبدالقادر صاحب ص ۱۴۰

زکریا صاحب مدظلہ ہیں ان تینوں حضرات نے نومبر ۱۹۴۷ء کو سہارنپور میں یکجا ہو کر مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ ہمیں بہر صورت ہندوستان رہنا ہے۔ حضرت مدنی دارالعلوم دیوبند کے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مظاہر العلوم کے اس وقت روح رواں تھے۔ او ر حضرت رائے پوری اپنی شان مشیخت سے ایک ممتاز اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان اکابر حضرات سے لاکھوں مسلمانوں کا قلبی اطمینان وابستہ تھا۔ ان حضرات کے ان اقامتی و استقامتی فیصلوں سے مایوس مسلمانوں میں نئی لہر دوڑ گئی۔ ان کے قیام سے ان علمی و تہذیبی مراکز کے حفاظت کا مسئلہ بھی ایک گونہ حل ہوگیا۔ جو بصورت دیگر بڑے قومی و ملی المیہ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا تھا۔

مدارس عربیہ

مغربی پنجاب مجموعی طور پر علمی لحاظ سے بڑا پسماندہ علاقہ تھا۔ کہیں کہیں دینی مدارس تھے۔ بدعات و رسومات کا دور دورہ تھا علماء حق کی چند مقتدر ہستیوں کو چھوڑ کر اکثر علاقوں میں مبتدعین کے ہاتھ میں دینی سیادت تھی تقسیم ملک کے بعد پاکستان کے اس خطہ کو یہ بہت بڑا فائدہ ہوا کہ مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے بعض خطوں کے جید علماء یہاں ہجرت کرکے منتقل ہو گئے تقسیم کے بعد علماء نے نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ دین کی اشاعت اور علوم اسلامیہ کی ترویج کا بیڑا اٹھایا۔ جگہ جگہ چھوٹے بڑے مدارس کا انتظام کیا گیا۔ تقسیم سے قبل علوم دینیہ کے طلبہ دیوبند ' سہارنپور ' دہلی وغیرہ کی طرف رخ کیا کرتے تھے۔ اب اس کے متبادل انتظام کے لئے علماء نے ایک لحہ ضائع کئے بغیر دینی مراکز قائم کرنے شروع کئے علماء کے اس بروقت اقدام سے جو دینی و ملی خلاء محسوس کیا جا رہا تھا جلد پر ہوتا محسوس ہونے لگا۔

اگر اس نازک موقع پر علماء بھی صرف اشک شوئی اور مندمل زخموں کے مرہم پٹی ۔ میں لگے رہتے اور قوم کے اس زبون حالی پر توجہ نہ دیتے تو عنداللہ بڑی مسئولیت کا خطرہ تھا۔

عوام اور دیندار طبقوں نے علماء کا ہاتھ بٹایا اور درمے ' قدمے ' سخنے

ہر طرح ان نوزائیدہ علمی گہواروں کی دیکھ بھال اور خدمت اپنے لئے فخر محسوس کرنے لگے ۔ برصغیر میں جو علمی و تہذیبی مراکز قائم ہوئے۔ ان میں عوام کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ یہ برصغیر کے مسلمانوں کی اسلام دوستی کی واضح اور درخشندہ مثال ہے۔ علماء اور عوام کے باہمی تعاون کا نتیجہ تھا کہ لاہور ملتان کراچی پشاور اور ملحقہ علاقوں میں بڑے بڑے دارالعلوم دیکھتے ہی دیکھتے قائم ہو گئے اور بڑی برق رفتاری سے راہ ترقی پر گامزن ہوتے چلے گئے۔

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی اپنے ایک مضمون[1] میں تحریر فرماتے ہیں :۔ قیام پاکستان کے بعد یہ اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ علمائے اسلام نے بے سروسامانی اور گوناگوں مصائب اور ناموافق حالات میں بقائے اسلام کے لئے پاکستان کے دونوں حصوں میں عربی مدارس قائم کرکے دین کی مشعلیں روشن کیں۔ صرف مغربی پاکستان میں ایک جائزہ کے مطابق ۱۹۵۹ء میں یعنی تقریباً آج سے نو سال قبل مدارس عربیہ کی تعداد ۵۹۶ یعنی قریباً" چھ صد تھی۔ بعد کے نو سالوں میں جدید مدارس عربیہ میں جو اضافہ ہوا وہ اسکے علاوہ ہے۔ اور یہ تعداد تمام مدارس کی نہیں۔ بلکہ مشہور اور بڑے مدارس کی ہے۔ اور وہ بھی صرف مغربی پاکستان کے مدارس کی ہے۔ مشرقی پاکستان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور دینی ذوق بھی نسبتاً" زیادہ ہے۔ اس لئے وہاں کے مدارس عربیہ کی تعداد بہرحال مغربی پاکستان کے مدارس سے زیادہ ہے۔

شدائد ہجرت اور توکل و استغناء

سہارنپور حضرت مولانا کا وطن ثانی تھا۔ سال کے دس ماہ وہیں گزرتے صرف تعطیلات میں دو ماہ کے لئے اپنے آبائی وطن بہبودی تشریف لاتے۔

۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ میں رمضان کی تعطیلات کے موقع پر آپ حسب معمول بہبودی تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ مستقل

---

[1] از ماہنامہ الحق جولائی ۱۹۶۷ مضمون برصغیر میں اسلامی مدارس اور معاشرہ پر ان کا اثر از حضرت علامہ افغانی مدظلہ

ہجرت ہے۔ ایک انسان سوچ سمجھ کر خاکہ بنا کر ہجرت اختیار کرلے تب بھی وہ مصائب و شدائد سے بچ نہیں سکتا چہ جائیکہ وہ جو چند روز کے لئے کہیں چلا جائے اور وہاں پہنچ کر اس کو بے وہم و گمان ترک وطن کی نیت کرنی پڑی اور اس بے سروسامانی کے عالم میں قصد و ارادہ سے اپنے سامان کو ٹھکرانا پڑ جائے ایسے مہاجر کی شدائد کا اندازہ کوئی کیا کرسکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ مہاجر عارف کامل ہو۔ جس کی نظر ہر تکوینی تصرف و تغیر میں دست ازل کے ہر اشارہ کو صاف دیکھ رہی ہو۔ اور اس کو عین لطف و کرم جانتی ہو۔ وہ تو ہر افتاد پر کچھ ایسا سرشار ہوگا کہ نہ تو اس کو کسی کی ہمدردی کی پرواہ ہوگی اور نہ کوئی اس کے استغناء کو دیکھ کر صحیح اندازہ بھی لگا سکے گا کہ وہ کن صبر آزما مراحل سے گزر رہا ہے حضرت مولانا نے تقسیم پاکستان کے بعد جو وقت گزارا۔ اس میں آپ کی شان توکل و استغناء کا گہرا رنگ تھا۔ آپ کے پاس کوئی اثاثہ نہیں تھا۔ سہانپور میں جو کچھ علمی اثاثہ چھوڑ آئے تھے اسے اپنے ارتقاء روحانی کا محض ذریعہ جانا۔

تقسیم ملک کے بعد مختلف دینی اداروں کی طرف سے پیشکش ہوئی۔ نگاہوں میں دارالعلوم اور مظاہر العلوم جیسی معیاری درسگاہیں تھے۔ مگر وہاں تو اب جانا ہی ممکن نہیں رہا تھا۔

خیرالمدارس:۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی تقسیم سے قبل جالندھر (مشرقی پنجاب) میں آپ کا مدرسہ تھا ۱۹۴۷ء میں ہجرت کرکے آپ ملتان تشریف لے آئے اور آتے ساتھ ہی نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ مدرسہ کے لئے ایک موزوں عمارت ہندوؤں کی ایک بڑی مذہبی بلڈنگ (گیان محلہ) حاصل کی گئی۔ طلبہ اور مدرسین کے قیام کے لیئے وہاں بڑی گنجائش تھی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب تھانہ بھون جاتے وقت سہارنپور اترتے۔ اور وہیں حضرت مولانا سے ملاقات رہتی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے تھانوی مشرب میں اتحاد کی وجہ سے یہ تعلق مضبوط ہوتا گیا۔ مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ نے خیر

المدارس کو قائم کرتے ہی حضرت مولانا اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کو ملتان تشریف لانیکی دعوت دی جس کو مولانا نے بطیب خاطر قبول فرما لیا۔

حضرت مولانا کی علمی شہرت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد طالبان علوم حدیث خیرالمدارس کی طرف رجوع کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ پورے ملک میں مشہور ہو گیا۔

مولانا ۱۳۶۷ھ کو خیرالمدارس تشریف لائے اور ۱۳۶۹ھ تک قیام رہا۔ یہاں سہ سالہ قیام کے دوران تقریباً ۱۰۸ طلبہ آپ سے علوم حدیث کی سند حاصل کرکے فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۹۴۹ء میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کی طرف سے شیخ الفقہ کے عہدہ پر آپ کو دعوت دی گی بلکہ ارباب جامعہ نے اپنی طرف سے تقرری کی منظوری کی اطلاع بھی دیدی تھی ۔ جامعہ عباسیہ کی دعوت حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مدظلہ برادرزادہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تحریک پر ہوئی تھی۔ مگر حضرت مولانا نے وہاں جانا منظور نہیں فرمایا۔ چونکہ یہ ادارہ حکومت کے زیر اہتمام تھا' اس لئے مولانا محمد فاروق صاحب مدظلہ کو مولانا نے تحریر فرمایا:۔

"کہ اس قسم کے اداروں میں دین کا سنبھالنا بڑا مشکل ہوتا ہے اس لئے معذور سمجھا جائے۔"(۱)

اکابر علماء دیوبند حکومتی اداروں سے وابستگی پسند نہ فرماتے۔ حضرت مولانا نے بھی اسی روایت کو دہرایا۔

مرکزی دارالعلوم کا قیام

ملکی انقلاب کے بعد جو مصائب و آلام اور جو شدائد و تکلیف قوموں کو پیش آتی ہیں۔ وہ قوموں کی اجتماعی زندگی کو بھی درہم برہم کر دیتی ہیں۔ ہندوستان کے انقلاب نے بھی مسلمانوں کے علمی ' تمدنی اور ثقافتی زندگی

---

(۱) از مولانا محمد احمد صاحب صاحبزادہ مولانا محمد فاروق صاحب مدظلہ

کے نظام کو شدید متاثر کیا تقسیم سے پہلے بھارت میں اسلامی مراکز کی موجودگی کی وجہ سے نہ صرف برصغیر کے ہر حصہ کے طلبہ جوق در جوق تعلیم کے شوق میں کشاں کشاں چلے آتے تھے بلکہ دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں سے طلبہ علم دین کے حصول کے لیے ہندوستان کے مذہبی اداروں کی طرف رجوع نہ کرتے ہوں تقسیم کے بعد علمی سلاسل منقطع ہو گئے۔

پاکستان سے طلبہ کا بھارت جانا بند ہوگیا۔ نیز پاکستانی طلبہ کو ہند میں جاکر تعلیم پانا ذہنی اعتبار سے بھی نقصان سے خالی نہ تھا۔ ان حالات میں ایک مرکزی درسگاہ کا قیام بڑا ضروری تھا جس سے پاکستان کے تشنگان علوم بھارت کے اداروں سے بے نیاز ہو جائیں۔ علماء و عوام دونوں کے اذہان میں اس ادارہ کے قیام کا احساس تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو خصوصاً پاکستان بنتے ہی اس ضرورت کی شدید فکر دامن گیر ہوئی ابتداء میں کچھ سیاسی مسائل میں مصروفیات کی وجہ سے اس میں تعویق اور رکاوٹ پیدا ہوتی گئی۔

اجتماع علماء:۔ چنانچہ ۹ محرم ۱۳۶۹ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۹ء کے اواخر میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کے ایماء سے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے پاکستان کے اہل علم و فضل اور دیندار بزرگوں کو اس مسئلہ پر سوچنے کے لئے ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء کو کراچی آنے کی دعوت دی۔

اس دعوت پر کافی علماء تشریف لائے۔ اور یہ اجتماع پاکستان کے علماء کا نمائندہ اجتماع تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نے ایک مجلس شوری ترتیب دی۔

اراکین مجلس شوری:۔ ارکان مجلس شوری کے نام یہ تھے

۱۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

۳۔ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب ۴۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب

۵۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب ٦ ۔ جناب ڈی ایم ملک صاحب
۷۔ حضرت مولانا شاہ فخرالدین صاحب ۸ ۔ جناب الحاج محمد یوسف صاحب سیٹھی
۹۔ جناب حاجی محمد یعقوب صاحب ۱۰۔ جناب حاجی احمد ابن موسی میاں صاحب
۱۱۔ جناب مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی

اس اجتماع میں مرکزی دارالعلوم کی ضرورت اور اسکی نوعیت ' دارالعلوم کے لئے کسی مناسب مقام کا انتخاب۔ تعلیمی نظام اور سرمایہ کی فراہمی وغیرہ امور پر غور کیا گیا۔

تعلیمی نظام اور مناسب و لائق حضرات کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو حسب ذیل حضرات پر مشتمل تھی۔

۱۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ۲ ۔ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب
۳۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی ۴ ۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
۵۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب ٦ ۔ حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب

حضرت مولانا عثمانی کی وفات :۔ اس اجتماع کے بعد دارلعلوم کے عملاً قیام کے لئے صرف چند ماہ باقی رہ گئے تھے کہ اچانک حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی وفات کا ہمت شکن اور روح فرسا حادثہ پیش آیا۔ اس چراغ ہدایت ' شمع دین اور صاحب عرفان شخصیت کے اٹھ جانے سے علمی و دینی حلقہ جو ایک عظیم ہستی سے محروم ہوگیا۔ اسکا اندازہ ارباب علم و فضل ہی کرسکتے ہیں۔ خطرہ تھا کہ حضرت علامہ عثمانی کی وفات سے مرکزی دارلعلوم کے قیام کے عزم میں ضعف پیدا ہوجائے اوز حضرت مرحوم کی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنایا جاسکے مگر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا۔ جگہ کے انتخاب میں دقت پیش نہیں آئی۔ ایک صاحب ثروت حاجی محمد سومار

مرحوم نے ٹنڈو اللہ یار میں ۲۶ ایکڑ وقف کرنے کی پیشکش کی جس کو اصحاب شوری نے منظور کر لیا۔

علماء کی خدمات :۔ اس مرکزی دارلعلوم کے لئے حضرت علامہ عثمانی نے جن علماء کو منتخب کیا تھا۔ ان میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کا نام سر فہرست تھا۔ دوران اجتماع ہی میں حضرت علامہ عثمانی نے حضرت مولانا کو فرما دیا تھا کہ اس دارالعلوم کی صدارت اور اہم امور آپ کے حوالہ ہونگے حضرت مولانا کا قیام اس وقت چونکہ خیرالمدارس میں تھا اس لئے حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے حضرت عثمانی کو فرمایا کہ پھر خیرالمدارس کا کیا ہوگا۔ جواب میں حضرت عثمانی نے فرمایا کہ اب حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی یہاں زیادہ ضرورت ہوگی۔ خیرالمدارس تو چل پڑا ہے "

چنانچہ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب نے دارالعلوم کے قیام کے موقع پر جو دعوتی خط حضرت مولانا کو لکھا۔ اس میں اس امر کی وضاحت فرمادی تھی۔ مولانا احتشام الحق صاحب کے دعوتی خط کا متن حسب ذیل ہے۔

"فاضل اجل حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب و امت برکاتہم سابق شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ' السلام علیکم ورحمتہ اللہ

چندہ ماہ قبل مرکزی دارالعلوم الاسلامیہ کی تاسیس کے سلسلہ میں ایک مجلس شوری کی تشکیل عمل میں آئی تھی اس کے جلسہ منعقدہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء زیر صدارت ـــــــ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ مقام کراچی میں چند تجاویز پاس کی گئی تھیں جس میں ملک کی چند شخصیات بارزہ اور مرکزی حیثیت کے علماء کی خدمات جلیلہ حاصل کرنے کی تجویز بھی شامل تھیں اس فہرست میں جناب والا کا اسم گرامی بھی جلی حروف میں موجود تھا۔ اس اثناء میں کچھ تو میں دارالعلوم کے تمہیدی ' مسائل کے سلجھانے اور اس کی ابتدائی وسائل کے جمع و ترتیب میں غیر معمولی طور پر مشغول رہا۔ اور سب سے بڑھ

کر یہ کہ حضرت مولانا عثمانی کا عظیم الشان سانحہ ارتحال اچانک پیش آگیا۔ اس قسم کے کچھ اور چند در چند اسباب کی بناء پر اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں قدرے تاخیر ہوگئی الحمداللہ سبحانہ و شکراً لنعمائہ کہ آج میں اس قابل ہوگیا ہوں کہ اس تجویز کی رو سے آپ کی خدمات جلیلہ حاصل کرنے کی باضابطہ اطلاع آپ کی خدمت میں ارسال کروں۔ دارالعلوم الاسلامیہ یکم شعبان ۱۳۶۹ھ سے آپ کو عہدہ صدر مدرس پر فائز تصور کرے گا۔

روئداد دارلعلوم میں تعارفی کلمات:۔ داالعلوم کی روئداد میں آپ کے بارے میں یہ تعارفی کلمات درج ہیں "حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری حضرت موصوف مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور میں زمانہ دراز تک عہدہ صدارت تدریس پر فائز تھے۔ عہد حاضر میں جامعیت علوم منقول و معقول میں یکساں دستگاہ رکھتے ہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں۔ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مخصوص خلفاء میں سے ہیں۔ اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ سے بھی حدیث میں شرف تلمذ حاصل کیا ہے اور اپنی فطری ملکات اخلاص و تقدس اور ظاہری و باطنی وجاہت میں طبقہ علماء میں مقبولیت رکھتے ہیں۔ علمی حیثیت سے آپکا مقام اس وقت ہندوستان و پاکستان میں استاذ الاساتذہ کا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ خیر المدارس ملتان میں بحیثیت صدر مدرس تشنگان علوم کو سیراب فرماتے رہے۔ دارلعلوم الاسلامیہ کی مرکزیت کے پیش نظر آپکی خدمات حاصل کی گئیں۔ آپ اس وقت شیخ الحدیث کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں۔ (روئداد ص ۹)

طلبہ کا رجوع

دارلعلوم میں جن مرکزی شخصیات کو جمع کیا گیا تھا۔ ان کی علمی شہرت کے پیش نظر مختلف مدارس سے قابل و لائق طلبہ دارلعلوم کا رخ کرنے لگے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت مولنا بدر عالم صاحب حضرت مولنا محمد یوسف صاحب بنوری حضرت مولنا اشفاق الرحمٰن صاحب کا ندھلوی اور حضرت قاری عبدالمالک صاحب جیسے قابل اور یکتا اہل فن اور ارباب علم و فضل کی موجودگی سے دارالعلوم کا ماحول برصغیر میں واقعی منفرد ماحول تھا۔

حضرت مولا نا شوال ۱۳۶۹ھ سے شعبان ۱۳۷۲ھ تک ٹنڈو اللہ یار مقیم رہے یہاں سہ سالہ قیام کے دوران ۴۶ طلبہ آپ کے علوم حدیث کی سند حاصل کرکے فارغ التحصیل ہوئے۔

شعبان میں آپ اپنے وطن تشریف لے گئے اور بعض وجوہات کی وجہ سے دوبارہ ٹنڈو اللہ یار تشریف نہیں لائے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اپنے وطن میں قیام کا ارادہ فرما لیا تھا۔ ملتان اور ٹنڈو اللہ یار کے قیام سے پاکستان کا وسطی اور جنوبی علاقہ آپ سے فیض یاب ہو چکا تھا۔ قدرت کو شمال مغربی حصہ میں بھی آپ کا فیض شائع کرنا منظور تھا۔

اکوڑہ خٹک تشریف آوری

آپ کا وطن قیام فرمانا ہی تھا کہ اردگرد کے علاقہ میں جتنے بڑے بڑے مدارس تھے سب نے تشریف آوری پر اصرار کیا۔ آپ ارباب مدارس کی بد انتظامی اور پھر اپنے ضعف کی وجہ سے برابر انکار کرتے رہے۔

صوبہ سرحد میں بھی تقسیم کے بعد کافی مدارس قائم ہو گئے تھے جو بڑی کامیابی سے ترقی کے راستہ پر گامزن تھے۔ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم مولنا بادشاہ گل صاحب اور دیگر منتظمین نے آپ پر بے حد اصرار کیا۔ حضرت مولنا رحمۃ اللہ علیہ نے ضعف اور کمزوری کا عذر کیا مگر یہ حضرات ہر قیمت پر

حضرت مولنا رحمۃ اللہ علیہ کو لیجانے پر تلے ہوئے تھے مختلف علماء کی سفارشیں بھی لاتے رہے

بالآخر ایک سال کے لئے اکوڑہ تشریف لے گئے۔ دوسرے سال کے آغاز میں پھر حضرت مولنا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ کے سفارش و اصرار پر آپ نے جانا منظور فرمایا۔ کل چار سال آپ نے اکوڑہ خٹک میں قیام فرمایا۔

اس علاقہ میں آپ کا رہنا صوبہ سرحد. افغانستان اور قبائلی علاقہ کے طلبہ کے لئے بڑی برکت کا باعث ہوا اور نوے طالبین علوم حدیث سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے ۱۹۵۸ء سے آپ نے اپنے گھر میں قیام کا ارادہ فرما لیا۔ کہ ظاہری علوم کی خدمت کرتے کرتے ساری عمر گزر گئی۔ اب اصلاح و رشد کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے اور حضرت حکیم الامت کی امانت کا حق ادا کرنے لگے۔ ان ایام میں زہد کا بہت غلبہ ہو گیا تھا حضرت مولانا نے قریب ان ایام میں اپنے چچا زاد بھائی مولانا عبدالقدیم صاحب کے نام ایک خط میں یہ الفاظ تحریر فرمائے۔ جن سے حضرت کی اندرونی کیفیت انجذاب الی اللہ ' زھد و تقویٰ اور دنیوی علائق سے انقطاع کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

" دل میرا بہت پریشان ہے۔ سب حیات سفر میں گزر گئی۔ کوئی کام دین کا نہ کر سکا۔ دل چاہتا ہے کہ سب کام دنیا کے چھوڑ چھاڑ کر اللہ تعالیٰ کے یاد میں لگ جاؤں۔ موت کا وقت میرا بہت قریب ہے۔ زندگی ختم ہونے والی ہے۔ آخرت کا کوئی توشہ پاس نہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی مرضیات میں مشغول کر دے اور دنیا کی سب پریشانیوں سے نجات دیدے اور بقیہ چند روزہ زندگی آرام اور اطمینان اور اپنی مرضیات میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے " اللہ اللہ ! حضرت کا یہ اونچا مقام اور یہ مسلسل دینی خدمات اور پھر تہی دامنی کا یہ اعتراف۔

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری[1] تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ اور سہارنپور کے اکابر علم کی نظر انتخاب نے موصوف کو مظاہر العلوم کی خدمت تدریس کے لئے منتخب فرمایا۔ علوم دینیہ اسلامیہ کی اس اہم درسگاہ میں آپ شروع میں مدرس اور اس کے بعد ایک عرصہ دراز تک صدر مدرس کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے ان فطری کمالات اور وہبی خصوصیات ہی کی وجہ تھی کہ مظاہرالعلوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ترقی کر کے اسی علمی مرکز میں آپ شیخ الکل بن گئے اور اس طرح یکسوئی اور خاموشی کے ساتھ شب و روز تدریس علوم کی خدمت میں مصروف رہے کہ پھر اس پیکر زہد وقناعت اور ورع و تقوی نے کسی دنیاوی مقصد کے لئے کہیں کا رخ نہیں کیا اور جب تک پاکستان کی مملکت خداداد ظہور میں نہیں آئی آپ مظاہر العلوم ہی میں قیام پذیر رہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپنی مادر علمی مظاہر العلوم کو بادل ناخواستہ خیرباد کہا اور ملتان کے شہرہ آفاق دینی و مرکزی درسگاہ خیر المدارس میں صدر مدرس ہوئے اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ) کے قیام کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی سعی اور حسن تدبر سے شیخ الحدیث دارالعلوم کے منصب کو آپ نے قبول فرمالیا اور کچھ عرصہ اس مرکز علمی میں درس حدیث کی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد دارالعلوم اسلامیہ کی خدمت سے مستعفی ہو کر اپنے وطن بہبودی ضلع کیمبلپور میں قیام فرمایا کچھ عرصہ بعد جناب محترم مولانا سید بادشاہ گل صاحب کے اصرار سے مجبور ہو کر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں منصب صدارت قبول فرمایا اور چند سال علم کی خدمت انجام دی۔ آخر طبعی ضعف اور نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس خدمت سے بھی مستعفی ہوئے اور مستقل طور پر وطن میں قیام پذیر ہو گئے اور نہایت

---

[1] از رسالہ بینات کراچی ۔ جنوری ۱۹۶۶

خاموشی کے ساتھ طالبین روحانیت کی تہذیب نفس اور اخلاقی اصلاح کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مشتاقان دید اور طالبان فیض اسی طرح خاموشی کے ساتھ فیض یاب ہوتے رہے۔

باب ششم

خصوصی کمالات، اُصول درس۔
روحانی و علمی مقام
،وخصائل وعادات اور معمولات

باب ششم

خصوصی کمالات ، اصول درس ، روحانی و علمی مقام ،

خصائل و عادات اور معمولات

حضرت مولانا کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں گزرا۔ جس طرح آپ فضل و کمال میں عدیل و مثیل نہ رکھتے۔ اسی طرح درس میں بھی آپ کی امتیازی شان تھی۔ آپ کو تدریس میں بڑا کمال حاصل تھا۔ سالہاسال کا تجربہ اور مہارت آپ کو حاصل تھی۔

طریق درس

حضرت مولانا کا طرز تعلیم و تدریس بہت ہی پاکیزہ تھا۔ نہ لب و لہجہ میں درشتی ہوتی نہ اظہار و بیان میں ژولیدگی۔ نہ طلبہ کی فہم سے بالا تر تقریر فرماتے تھے اور نہ نفس مطلب سے زیادہ غیر ضروری بات بیان فرماتے۔ خندہ روئی اور مسکراہٹ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت مولانا کے تدریس کا عجیب انداز تھا۔ ایک حصہ مضمون بیان فرما کر اس کو خوب ذہن نشین کراتے تھے۔ اس کے بعد دوسرے حصہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث کا مضمون بیان فرما کر اس کے متعلق تمام مباحث ختم کر کے اگر اس قسم کی حدیث دوسری کتاب ، بخاری ، مسنداحمد وغیرہ میں کہیں منقول ہوتی۔ جس میں کچھ الفاظ کی زیادتی یا اختلاف

وغیرہ ہوتا تو اس کا بھی چند جملوں میں ذکر فرما دیتے تھے۔ کہ اس کا بھی یہ مطلب ہے یا اس سے جو فلاں امام نے استدلال کیا ہے اس کا یہ جواب ہے۔ غرضیکہ ایک مشکل ترین بحث کو چند لفظوں میں بیان فرماتے تھے۔

حضرت مولانا کا حلقہ درس پروقار اور شائستہ ہوتا تھا۔ آپ کمال عظمت و وقار سے درس دیتے۔ ادھر ادھر کی فضول باتوں کا ذکر تک نہ ہوتا دوسروں کی تحقیر اور اپنی تعریف کا نام و نشان نہ ہوتا۔ ہنسی مذاق اور تفریح طبع کے جملے یا ذاتی حالات کا بیان بالکل مفقود تھا۔ آپ کا خطاب عام ہوتا کسی کی خصوصیت نہ ہوتی

درس کے دوران تقریر میں تسلسل ہوتا۔ مربوط و منتظم طریقہ سے بحث کا آغاز و اختتام ہوتا۔ متعلقہ مسئلہ کے ہر پہلو پر معنی خیز طریقہ سے بحث فرماتے۔ اختلافی مسائل میں پہلے اپنے اور مقابل مذاہب کی تفصیل ہوتی۔ پھر مقابل کے دلائل بیان فرماتے۔ اس کے بعد اپنے دلائل اور آخر میں مقابل کے دلائل کا ہر پہلو سے جواب ارشاد فرماتے۔ اگر اپنے مذہب میں معمولی سی کمزوری معلوم ہوتی تو واضح فرما دیتے۔

آواز زیادہ اونچی نہ تھی مگر پھر بھی ساٹھ ستر طلبہ کے دائرہ تک پہنچتی تھی۔ کتاب اس ترتیب سے پڑھاتے کہ ختم سال پر نہ کوئی سبق بچتا اور نہ آخر سال میں ختم کتاب کی خاطر زیادہ زیادہ سبق پڑھانے کی نوبت آتی کہ صرف برائے نام قرات ہو' اور طلبہ کی سمجھ میں کچھ نہ آئے۔ اسباق کی تقسیم تعلیمی سال کے مہینوں میں توازن کے ساتھ فرمائی جاتی تھی اسی لئے بغیر دقت کے آخر سال تک کتابیں ختم ہو جاتیں۔

آپ تعلیم کے کام میں اسقدر مستعد ہو کر مشغول ہوتے کہ ماتحت مدرسین بھی اس سے متاثر ہوتے۔ وقت مقررہ پر حاضری میں ذرہ برابر تاخیر نہ ہوتی۔ وقت کا انضباط اور معمول پر مداومت آپ کے لئے طبعی شئے بن گئی تھی۔ حضرت مولانا کے ایک تلمیذ مولانا عاشق الہی صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت مولانا کے اوقات پوری طرح منضبط تھے۔ کھانے پینے کے اوقات اور دوپہر کا قیلولہ ' رات کو بغیر کسی کے جگائے اٹھ جانا ' سب نظام مقرر کے تحت ہوتا تھا۔ درسگاہ میں پابندی اوقات کے ساتھ تشریف لاتے اور ناغہ کرنے سے بہت احتراز فرماتے۔ بیماری میں بھی درس جاری رہتا۔ الا یہ کہ بہت ہی زیادہ بیمار ہو جاتے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیر ستانی تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت کتاب کو اپنے وقت پر ختم فرماتے ' سبق نہ بہت زیادہ پڑھاتے اور نہ بہت کم ' اسباق میں ناغہ نہ فرماتے سوائے شدید عذر کے ' طالب علم اگر سبق ناغہ کرتے تو آپ بڑے رنجیدہ ہوتے"۔

مشکل مسائل کو آپ ایسے عام فہم الفاظ اور انوکھے انداز میں بیان فرماتے کہ طالب علموں کو احساس تک نہ ہوتا کہ یہ کوئی خاص مشکل مسئلہ ہے۔

بعینہ وہی مثال ہوتی جس طرح حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں قیام کے دوران صدرا کے مشکل مسئلہ مثناۃ بالتکریر ' طلبہ کو ایسے انداز میں سمجھاتے کہ ان کو اس مسئلہ کے اشکال کا خیال تک نہ آتا۔

حضرت مولانا کے تلامذہ بھی اس بات کے معترف ہیں کہ منطق و فلسفہ ' ہیئت ' ریاضی اور اقلیدس کے مشکل مسائل کو چند الفاظ میں حل فرماتے۔

مولانا عبدالحنان صاحب کا ملپوری (تاجک والے) شیخ الحدیث مدرسہ اوکاڑہ جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد ہیں بیان فرماتے ہیں

کہ حضرت مولانا کی یہ خصوصیت ہے کہ مشکل مسائل کو عام فہم الفاظ میں سمجھا کر سامع کے ذہن کو ہر قسم کے خدشات سے صاف کر لیتے۔

مولانا عبدالحنان صاحب فرماتے ہیں۔ کہ "بعض ایسے مشکل مسائل ہوتے کہ مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے شروح و حواشی میں صفحات کے صفحات ان کے سمجھانے میں خرچ فرماتے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ چند الفاظ میں مسئلہ کو

حل فرما دیتے "مولانا عبدالشکور صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا اسباق پڑھانے میں مشکل سے مشکل مقام کو دو چار جملوں میں حل فرما لیتے تھے۔ صدرا ایک مسئلہ مثناۃ بالتکریر کے نام سے مشکل مسئلہ ہے۔ صدرا پڑھاتے وقت دو چار جملوں میں اس کو حل فرما لیتے تھے۔

مولانا محمد وجیہہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

سہارنپور حاضر ہو کر حضرت سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ تین سال تک مختلف علوم و فنون ' منطق و فلسفہ اصول فقہ کی اعلیٰ کتب اور خصوصیت سے علم حدیث میں فیض حاصل کیا۔ ہر فن میں حضرت کو امام پایا۔ ہر خاص و عام کو اس دریا سے سیراب ہوتے دیکھا حضرات مدرسین کو اپنے اشکالات حل کراتے دیکھا۔ اور حضرات مصنفین کو اپنی تصنیفات میں اصلاحات کراتے پایا۔ درس میں عجیب و غریب کیفیت پائی۔ چٹکلوں اور چند الفاظ میں بڑے بڑے اشکالات کو حل ہوتے دیکھا۔ تقریر میں وہ جامعیت اور کمال کہ کسی کو شرح یا حاشیہ سے کوئی اشکال کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ عدم تدبر کی وجہ اگر کوئی اشکال کر بیٹھتا تو اسی مجلس میں اس کو اپنے قصور فہم اور قلت تدبر کا اقرار کرنا پڑتا۔ اگر وسعت اور زائد تفصیل حاصل کرنے کے لئے کوئی مسئلہ کا زیادہ بسط چاہتا تو بغیر پس و پیش کے مزید معلومات نادرہ کا دریا موجیں مارنے لگتا تھا۔ یوں تو ہر علم میں کمال حاصل تھا۔ یہاں تک کہ اساتذہ اپنے اسباق کے درمیان اشکال پیش آنے پر فوراً" خدمت میں حاضر ہو کر ہر فن میں اشکال حل کر کے اپنے تلامذہ کو مطمئن کرتے تھے مگر خصوصیت سے علم حدیث میں بحر ذخار نظر آتے تھے فقہ کے جزئیات پر بہت تفصیلی نظر تھی جو ورد زبان تھے۔ اور اصول کا پورا استحضار حاصل تھا۔ حدیث میں بڑا جامع کلام ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ اگر کوئی اور مزید تفصیل چاہتا تو اس وقت عجیب دلکش منظر ہوتا تھا۔ مزید علوم کا دروازہ کھلتا۔ نقول کاروانی سے بیان ہوتا۔ حوالوں پر حوالے پیش فرماتے اور پھر برجستہ

جو ان حوالوں کے دکھانے کا سلسلہ شروع ہوتا تو ہر شخص حیرت سے انگشت بدنداں ہوتا۔ مقامات حوالہ کا ایسا استحضار کہ جب کتاب کھولتے تو مقام مطلوب ہی سامنے ہوتا۔[1]

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد مولانا حکیم عبداللہ اعوان تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کی سیرت صورت ' حسن اخلاق ' سنت نبوی علیہ السلام کے عین مطابق تھا ' آپ کا تلطف ' مہربانی ' شفقت ' متانت اور وضاحت کے ساتھ مسائل کو سمجھانا اور مشکل مقامات کو آسان صورت کے ساتھ ذہن نشین کرانا ایک ایسا جو ہر تھا جو خاص آپ کو نصیب تھا اور کہیں بھی ایسا سلیقہ اور طریقہ نہیں دیکھا۔ کیا پیارے الفاظ بولتے۔ جب ایک حدیث کی تشریح سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔ سمجھے بھائی۔ بڑے پیار اور محبت سے طلبہ سے یہ سوال فرماتے

لطف گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیل کا نہ جب تک فکر کامل نشیں[2]

تدریس کے لئے مطالعہ آپ کے نزدیک نہایت ضروری تھا۔ اگرچہ وہ کتاب بارہا بھی آپ پڑھا چکے ہوں مولنا محمد صدیق صاحب باندوی آداب المتعلمین صفحہ ۵۳ پر تحریر فرماتے ہیں خود حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری اور دیگر اساتذہ کو بہت زیادہ مطالعہ کرنے والا پایا اور کوئی کتاب بغیر مطالعہ کے نہیں پڑھاتے تھے۔ خواہ کئی بار اس کو پڑھا چکے ہوتے

مزاح درس

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا درس خشک اور متقشفانہ نہ ہوتا بلکہ ظرافت و لطافت کا رنگ بھی شامل ہوتا۔ تاکہ طلبہ ذہنی طور پر بار محسوس نہ کریں۔ گاہے گاہے پر ظرافت جملوں سے محفل درس میں عجیب خوشگوار رنگ پیدا ہو جاتا۔

---

(۱) ماہنامہ الحق اگست ۶۶ء (۲) مکتوب مولانا عبداللہ اعوان

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں۔

طلبہ میں بعض ایسے بھی ہوتے جو بالکل نہ پوچھتے[1] ایسے طالب علموں سے مولانا استفسار فرماتے کہ صوفی صاحب تم سمجھے کہ نہیں۔ اتفاق سے جس سال ہم دورہ حدیث میں شریک تھے اس سال چار پانچ طالب علم ایک طرف بیٹھتے یہ پوچھتے بالکل نہ تھے۔ جس طرف یہ بیٹھتے تھے۔ حضرت نے ان کو صوفیوں کا محلہ نام رکھاتھا۔ حضرت کبھی مزاحا" فرماتے کہ ان صوفیوں کے محلہ سے کوئی آواز نہیں آرہی۔ اور ان سے حضرت فرماتے کہ سبق کا وقت ہے ' وظیفہ کا وقت نہیں وظیفہ کا وقت رات کو ہے۔ حضرت کے درس میں بیٹھنے سے کبھی ملال نہ ہوتا۔ بلکہ طبیعت میں نشاط ہی نشاط رہتا۔

عمیق نظر

حضرت مولانا کی نظر ہر علم میں بڑی گہری تھی اور اس عمیق نظر کے باوجود کوئی دعویٰ زبان پر نہ ہوتا۔ علم کے اتاہ سمندر تھے مگر مدوجزر اور تلاطم امواج سے بے نیاز ' آج کل تو معمولی اہل علم کی زبانوں پر بھی ایسے دعوے اور انانیت کے جملے آجاتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ مگر حضرت مولانا کے یہاں تو بایں ہمہ کمالات تمام تر کسر نفسی اور ہیچمدانی تھی۔

درحقیقت حضرت مولانا کا حلقہ درس دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقہ تدریس کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن و حدیث حضرت مولانا کے زبان پر ہوتا اور ائمہ اربعہ کے مذاہب ازبر اور صحابہ و تابعین ' فقہاء و مجتہدین کے اقوال محفوظ ' تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں نہ منہ میں کف آتا تھا۔ نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو مشکل عسیرالفہم اور بوجھل بناتے۔ نہایت سبک و سہل الفاظ بامحاورہ اردو میں اس روانی سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا امنڈا آرہا ہے۔ لہجہ میں تصنع و بناوٹ کا نام نہ تھا۔

---

(۱) حالانکہ تعلیم کے دوران طالب کے سوال اور بحث و مباحثہ علم میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے ہاں مرید اور علم باطنی کے طالب کے لئے سکوت اور خاموشی مناسب رہتی ہے اس مسئلہ کو حضرت حکیم الامت تھانوی نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

آپ نے نہایت محنت شاقہ سے اور بقول شخصے دود چراغ کھا کر کتب بینی اور مطالعہ کا نہایت اہتمام فرمایا تھا۔ حدیث و فقہ کی شروح بکمال غور و فہم آپ نے مطالعہ فرمائی تھیں اور بعض کو کئی مرتبہ دیکھنے کی نوبت آئی۔ شروح حدیث میں فتح الباری اور فقہ میں شامی ' فتح القدیر ' بحرالرائق ' خصوصیت سے آپ کے زیر نظر رہیں۔ اس عمیق مطالعہ کا نتیجہ تھا کہ دوران درس حدیث مسئلہ کا ہر پہلو آپ کے سامنے تھا۔ یہ آپ کا امتیازی وصف تھا کہ حدیث کی فقہی تحقیق جامع انداز سے کرتے۔

مولانا محمود داؤد صاحب رنگونی تحریر فرماتے ہیں۔

مجھے جہاں تک علم ہے حضرت الاستاذ قدس سرہ ترمذی شریف کا درس کم و بیش بیس سال تک پاکستان بننے سے پہلے دیتے رہے۔ جن حضرات کو حضرت الاستاذ قدس سرہ سے ترمذی شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے ان ہی کو حضرت کے کمالات علمی و روحانی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت قدس سرہ کے درس کی خصوصیت کم از کم مجھے تو کہیں نظر نہیں آئی۔ ترمذی شریف کا درس صرف ایک گھنٹہ ہوا کرتا تھا۔ مشہور اختلافی مسائل میں مفصل تقریر ہوا کرتی۔ دلائل و اشکالات کے جوابات اطمینان سے دیتے تفریحی بات بھی ہو جایا کرتی۔ ترمذی شریف پڑھانے کا حق ادا فرماتے پھر بھی تعلیمی سال پورا ہونے سے قبل عموماً" اواخر رجب میں یا شروع شعبان میں کتاب ختم فرما دیا کرتے۔ ایک گھنٹہ سے زائد یا خارج میں پڑھانے کا موقع ہی نہیں آتا

مولاناعاشق الٰہی صاحب بلند شہری تحریر فرماتے ہیں۔

دوران قیام مظاہر العلوم کے طویل عرصہ میں دیگر کتب کے علاوہ آپ کے پاس اکثر ترمذی شریف اور طحاوی شریف کا درس ہوتا تھا۔ ترمذی شریف کا درس عموماً" ڈیڑھ گھنٹہ اور طحاوی شریف آدھا گھنٹہ ہوتی تھی۔ جب ترمذی

شریف کی تقریر شروع فرماتے تو معلوم ہوتا تھا کہ علوم و معارف کا ایک سیل رواں ہے جو تھم نہیں سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فتح الباری، نصب الرایہ، فتح القدیر، بدائع الصنائع، بحرالرائق ردالمختار ازبر ہیں۔ جب کسی حدیث کے تحت تقریر کرنا شروع فرماتے تو مسلسل بولتے چلے جاتے تھے کوئی گوشہ خالی اور کوئی گتھی گنجلک نہ چھوڑتے تھے۔

درس ترمذی کے بارے میں مولانا محمد صدیق باندوی آداب المتعلمین میں تحریر فرماتے ہیں۔ درس کا یہ عالم تھا کہ سب کا اس پر اتفاق تھا کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے بہتر اس وقت ترمذی پڑھانے والا پورے ملک میں نہیں۔ آداب المتعلمین ص ۳۱

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خصوصی شاگرد حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی حال مقیم خانقاہ تھانہ بھون تحریر فرماتے ہیں۔

"درس میں آپ کی مثال خاموش سمندر کی ہوتی۔ اس خاموش سمندر کو جوش نہ آتا تاوقتیکہ کوئی طالب صادق گوہر نایاب کا متلاشی اور غوطہ زن اپنی صدق طلب کا ثبوت پیش نہ کر دیتا۔ بس یہ وقت ہوتا تھا درس میں آپ کے علوم کی گہرائی اور اسلاف کے اقوال پر آپ کی عمق نظر اور مطالعہ معلوم کرنے کا کہ اول مقابل کے اقوال کو مع ان کے پورے دلائل کے نہایت دیانت اور حوالہ کتب کے ساتھ نقل فرماتے۔ پھر ان کا مدلل اور مہذب جواب اور موافق اقوال کا نہایت قوی دلائل سے اثبات فرماتے اور موافق اقوال کو بھی سلف کی طرف سے نقل کے طور پر بیان فرماتے کسی قول کی ترجیح کے بیان میں انانیت، انفرادیت اور ذاتی رائے کا شائبہ آنے سے احتراز فرماتے۔

اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ سمندر کی گہرائی اور پوری سطح تک آپ کی نظر محیط ہے اور اس میں سے موقع بہ موقع مناسب جواہرات نکال کر پیش کر رہے ہیں۔ آپ کی مرتب اور مدلل تقریر جو نہایت متانت اور قرینے سے ہوتی تھی ان مخاطبین کو حیرت میں ڈال دیتی جو آپ کی خاموش زندگی اور متواضع

وضع سے آپ کے علمی کمالات کے متعلق واقعہ کے خلاف رائے رکھتے تھے"۔

مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حدیث پر محدثانہ طریق کے ساتھ ساتھ فقہی حیثیت سے بھی مفصل بحث فرماتے تھے۔ بحر الرائق شامی وغیرہ خاص کر فتح القدیر سے بہت کچھ بیان فرماتے تھے اور یوں محسوس ہوتا گویا کتاب سامنے کھلی ہوئی ہے۔ اکثر ایسا ہوا کہ اگر کہیں شک ہوا اور کتاب دیکھی تو وہی بات نکل آتی جو آپ فرما چکے ہوتے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا کا حافظہ غیر معمولی طور پر قوی ' ذہن رسا ' مطالعہ عمیق تھا دقت نظر اور تفقہ فی الدین اور حکمت کا مشاہدہ ہر سمجھدار آدمی کر سکتا تھا اور بجا طور پر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا تھا کہ مولانا کی ہستی ایک غیر معمولی ہستی ہے جو عام علماء سے بالاتر ہے[1]

مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر تحریر فرماتے ہیں۔

مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں جب مجھے کوئی علمی الجھن پیش آئی تو حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ' مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ' مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی وغیرہم کی طرح مولانا نے بھی میری دست گیری اور خبر گیری فرمائی اور چند چند سطروں میں میری الجھنوں کو رفع فرمایا۔ جب کبھی کوئی سوال میں نے مولانا سے کیا تو ان کے مختصر و موجز جواب نے مجھے بتایا کہ ان سب مسائل و مضامین پر مولانا کی گہری نظر ہے اور وہ علوم قرآن و حدیث اور ان کے متعلقات و مبادیات پر پوری طرح حاوی ہیں۔

---

(1) از رسالہ دارالعلوم دیوبند اگست ۶۶ء

افہام و تفہیم کا طریقہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں کوئی طالب علم واہی شبہات یا کجی کے سوالات کرتا تو بے رخی کے ساتھ ٹال دیتے اور نرمی کے ساتھ نصیحت فرما دیا کرتے تھے کہ اصل مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔ زوائد کے پیچھے نہ پڑو۔ کہ اس سے علم میں بے برکتی ہوتی ہے۔ مطالعہ دیکھنے کی طلبہ کو زیادہ تاکید فرماتے اور عبارت پڑھتے وقت صرف ونحو کی رعایت پر بہت نظر رکھتے غلط اعراب پر ٹوکتے اور زور ڈلواتے کہ خود ہی طالب علم تصحیح کرے تاکہ قواعد صرف و نحو کا عملی اجراء ہوتا رہے اس کڑی نگرانی کا نتیجہ ہوتا کہ کم استعداد والے طالب علم قرأت کرنے سے خود ڈرتے اور بے موقع سوال کرنے سے ہچکچاتے تھے۔

بسا اوقات کسی مشکل مسئلہ میں مفہوم اور عبارت سمجھانے کے بعد آپ طلبہ کو شبہ اور اعتراض کا موقعہ دیتے تاکہ ان کی فہم کا اندازہ لگایا جا سکے۔ طلبہ کے پوچھنے پر مسکرا کر جواب دیا کرتے تھے۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

آپکی تقریر میں تسلسل ہوتا اس وجہ سے درمیان تقریر میں سوال کرنا ناگوار گزرتا تھا۔ تقریر کے بعد اگر کوئی سوال کرتا تو تقریر کے بعض حصوں کی طرف متوجہ کرتے اور فرماتے کہ اس بات کا جواب میری تقریر میں ہو چکا۔ اور اگر واقعی کوئی اچھوتا سوال ہوتا تو بڑی متانت اور سنجیدگی سے بشاشت کے ساتھ جواب دیدیتے۔ نماز فجر میں اسفار افضل ہے یا تغلیس اس میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے۔ حنفیہ اسفار کے اور شافعیہ غلس کے قائل ہیں۔ اس مسئلہ پر درس ترمذی میں ہمارے سامنے مبسوط تقریر فرمائی اور فریقین کے دلائل ذکر کر کے فرمایا کہ میری اس تقریر سے شوافع کا جواب معلوم ہو چکا۔ طلبہ سے پوچھا۔ آپ لوگ سمجھے یا نہیں۔ کسی نے تقریر میں شوافع کا جواب اخذ نہیں کیا تھا۔ ایک طالب علم کا ذہن منتقل ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ شوافع جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان میں فعل نبوی مذکور ہے اور حنفیہ کے استدلالات صیغہ امر کے ساتھ ہیں جن میں امت کو اسفروا اور نوروا سے

خطاب کیا گیا ہے اور ان کو اعظم الاجر بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت کو اسفار پر عمل کرنا چاہئے شوافع کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس میں تبغلیس کا حکم کیا گیا ہو۔ یہ سن کر فرمایا کہ ہاں یہی جواب میں نے اپنی تقریر میں ذکر کیا۔ جب کوئی طالب علم بے تکا سوال کرتا یا سیدھی سیدھی بات کو کہتا کہ میری سمجھ میں نہیں آئی تو فرماتے تھے۔ کہ جنگل جاؤ ایک مرتبہ احقر سے یہی فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں کون پڑھائے گا فرمایا کہ میں پڑھنے کے لئے تو نہیں بھیج رہا۔ بلکہ چرنے کے لئے بھیج رہا ہوں۔

مولانا نذیر احمد صاحب مظاہری فرماتے ہیں۔

"حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی ایک عادت مبارکہ تھی کہ کبھی کبھی امتحاناً" کسی حدیث پاک کا مطلب طلبہ سے پوچھ لیتے۔ احقر حدیث پاک کی قرات کر رہا تھا ایک حدیث دوران درس آئی۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہر مہینے میں تین روزے رکھے گا اس کو تیس روزوں کا ثواب ملے گا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میں اور زیادہ روزے رکھونگا۔ فرمایا کہ فی روزہ نو روزوں کا ثواب ملے گا۔ اس پر حضرت نے میری طرف خطاب فرمایا کہ تم بتلاؤ روزے تو زیادہ ہو گئے لیکن ثواب کی مقدار کم کیوں ہو گئی ؟ احقر نے عرض کیا کہ چونکہ پہلا فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور دوسری بات زیادہ روزے رکھنے کی صحابی نے خود تجویز کی اس لئے ثواب کی مقدار میں کمی آگئی۔ حضرت مدظلہ نے میرے ساتھیوں سے پوچھا بتلاؤ کیا ان کی توجیہ صحیح ہے ؟ تو کچھ طلبہ نے انکار کیا۔ پھر حضرت نے فرمایا جو بات صوفی جی (نذیر احمد) نے کہی وہی توجیہ حافظ ابن حجر نے کی ہے۔ اس وقت میری خوشی کی انتہاء نہ رہی "۔

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں۔

مولانا کے درس میں کبھی کوئی فضول لفظ نہیں سنا۔ حضرت کی تقریر پروئے ہوئے موتیوں کی لڑی ہوتی۔ تقریر آہستہ آہستہ اور اطمینان سے فرماتے

فصاحت کے ساتھ مشکل اور مغلق مقامات کو ایسے آسان طریقہ سے ذہن نشین کراتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی سمجھ جاتا۔ طلبہ سے دوران تقریر بار بار استفسار فرماتے کہ سمجھ گئے؟ اگر کسی طالب علم کے بارے میں یہ شک ہوتا کہ یہ نہیں سمجھے تو اس سے دریافت فرماتے کہ تم سمجھے یا نہیں۔ اگر وہ کہتا کہ نہیں تو دوبارہ سمجھاتے۔ اگر کوئی طالب علم تساہلاً کہہ دیتا کہ سمجھ گیا اور حضرت نور بصیرت سے جانتے کہ نہیں سمجھا تو فرماتے بتاؤ کیا سمجھے؟

درس حدیث کے دوران اگر عبارت پڑھنے والا قاری بغیر تحقیق گزر جاتا۔ اور کوئی بات رہ جاتی تو حضرت فرماتے کہ فلاں بات بتاؤ۔ اگر قاری کہتا کہ مجھے نہیں آتی تو حضرت مزاحاً فرماتے کہ نہیں ضرور بتاؤ گے سمجھ چکے تھے۔ جب ہی تو آگے بڑھے۔ عبارت حدیث میں اگر اعراب یا کسی لفظ کی غلطی ہوتی تو فوراً ٹوکتے حدیث کی عبارت میں غلطی میں تسامح بالکل نہ فرماتے۔ معمولی غلطی پر بھی تنبیہہ فرماتے۔ مجمل اور مختصر مضمون کی ایسی تفصیل فرماتے کہ محقق سے محقق مصنف اور عالم بھی اس سے زیادہ اور جامع تفصیل نہیں بیان کر سکتے۔

بحث کے دوران کتابوں کے حوالے بیان فرماتے۔ مطالعہ ایسا وسیع تھا اور حافظہ بھی ایسا قوی تھا کہ دوران درس کبھی کبھار غیر درسی یا فتاوی کی کوئی کتاب منگواتے۔ حضرت کبھی فہرست دیکھ کر مسئلہ نہیں نکالتے بلکہ یونہی کتاب کھولتے اور اسی جگہ مطلوب مسئلہ نکالتے کسی مسئلہ کی تفصیل کے دوران بسا اوقات مختلف کتب کے حوالہ جات دیتے اور طلبہ سے بھی کتابوں کی طرف رجوع کا حکم فرماتے تاکہ ان کے مطالعہ میں وسعت ہو۔ اور ساتھ یہ بھی فرما دیتے کہ مسئلہ کی تفصیل فلاں کتاب میں ہے۔ اور فلاں کتاب میں اس کی مزید تحقیق ہے طلبہ کے حسن سوال پر بڑے خوش ہوتے اور ہر سوال کا جواب تسلی بخش طریقہ سے دیتے۔

مولانا محمد وجیہ صاحب فرماتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم چاہا کرتے تھے کہ کوئی اچھا سوال کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کرے اور ہم جوابات کو سنیں۔ اسی طرح حضرت کے درس میں ہم بھی یہی چاہا کرتے تھے کہ کوئی سلیقہ سے سوال کرنے والا سوال کرے اور ہم کو زیادہ سے زیادہ عجیب و غریب علوم حاصل ہوں ۔ حضرت کے علو مقام اور بلند شخصیت کو وہی لوگ زیادہ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے ان کی شان درس کو دیکھا ہو۔ اور باطنی فیض حاصل کیا ہو۔ پورے طور سے حضرت کے علمی و روحانی مقام کو سمجھنا اہل کمال کا کام ہے۔

طلبہ پر شفقت

حضرت مولانا طلبہ سے باپ کی طرح شفقت فرماتے ان کی ضروریات و حوائج کا خیال رکھتے۔ طلبہ کے ساتھ بہت تواضع اور انکساری سے پیش آتے۔ مولانا محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی میں وہ تواضع اور طلبہ سے شفقت دیکھی جو اور کہیں بہت کم دیکھی۔ ایک دفعہ حضرت رحمہ اللہ کے پاس مدرسہ (جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک) کے چھوٹے نابالغ طالب علم آئے۔ وہ مدرسہ کے مہتمم صاحب کے پاس کوئی درخواست لے جا رہے تھے اور حضرت مولانا رحمہ اللہ سے اس پر کوئی سفارش لینا چاہتے تھے جب یہ بچے کمرے میں داخلے ہوئے تو اس وقت آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ سامنے چار پائی خالی تھی۔ حضرت کو طالب علموں نے سلام کیا۔ حضرت نے سلام کا جواب دینے کے بعد ان سے خالی چار پائی پر بیٹھنے کو کہا مگر وہ نہیں بیٹھے تو حضرت بھی چار پائی سے اتر کر نیچے بوریئے کے فرش پر تشریف فرما ہوئے پھر طلبہ سے شفقت آمیز لہجے میں مخاطب ہوئے کہا کیا خدمت ہے۔ یہ حضرت کی ہمیشہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی ان کے پاس آتا۔ حضرت اگر چار پائی پر ہوتے تو نیچے اتر جاتے اور آنے والوں سے گفتگو فرماتے

میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت ٹیک لگائے ہوئے کسی سے گفتگو فرماتے ہوں۔ یا کوئی نیچے بیٹھا ہو اور حضرت اوپر چارپائی پر بیٹھے ہوں۔

مولانا محمود داؤد صاحب رنگونی تحریر فرماتے ہیں۔

قیام مظاہر العلوم کے دوران شرف تلمذ سے بہت پہلے حضرت سے میرے خصوصی تعلقات ہو گئے تھے۔ حضرت کے ساتھ تھانہ بھون کی حاضری میں بھی رفاقت کی سعادت حاصل ہوا کرتی تھی۔ اس اثناء میں شیطان کے ورغلانے سے دل میں یہ خیال آیا کہ سہارنپور کے قیام کو چھوڑ کر دیو بند یا اور کہیں چلا جاؤں واقعہ یہ ہوا کہ ایک استاذ کے پاس ہماری شرح تہذیب پہلے سے ہو رہی تھی۔ اتفاق سے وہ استاذ مدرسہ سے تعلق ختم کر کے چلے گئے۔ دوسرے استاذ کے پاس کتاب منتقل ہو گئی ۔ اکثر شرکاء ان مدرس صاحب سے پڑھنے پر آمادہ نہ تھے۔ طرح طرح کے بہانے نکال کر یہ درخواست پیش کر دی کہ ان کے پاس کتاب سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی دوسرے مدرس کے پاس اس کتاب کو منتقل کر دیا جائے۔ یہ مدرسہ کے قاعدہ کے خلاف تھا۔ اور دراصل اس کا کوئی ٹھوس ثبوت بھی ہم اس وقت پیش نہ کر سکے چنانچہ ہماری درخواست مسترد ہو گئی۔ اس وجہ سے میں نے سہارنپور چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ حضرت الاستاذ قدس سرہ کو میرے ارادہ کی اطلاع ہو گئی مجھے طلب فرما کر دریافت فرمایا کہ کیا قصد ہے میں نے عرض کر دیا کہ شرح تہذیب فلاں مدرس صاحب کے یہاں ہو رہی ہے اور ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور اہل مدرسہ دوسری جگہ اس کتاب کو بدلنے پر رضا مند نہیں اس لئے میں یہاں سے چلا جاؤنگا۔ ارشاد فرمایا کہ بھائی بس اتنی سی بات پر تم ہم لوگوں کو چھوڑنا چاہتے ہو۔ آخر تم چاہتے کیا ہو یہی نا کہ کتاب تمہاری سمجھ میں آجائے اس کے لئے میں تیار ہوں ' تم خارج میں مجھ سے پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد مجھے کچھ عرض کرنے کی گنجائش نہ رہی اور مغرب کے بعد حضرت الاستاذ قدس سرہ مجھے شرح تہذیب کا درس دینے لگے حالانکہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کا یہ معمول نہیں

تھا۔ خارج میں کسی کو پڑھاتے میں نے اپنے آٹھ سالہ قیام میں نہیں دیکھا۔ غرضیکہ جب کبھی میرے دل میں اکھڑنے کا معاملہ پیش آتا۔ حضرت الاستاذ قدس سرہ ہمیشہ مناسب نصائح کے ذریعہ محبت و کرم سے میری دلداری فرماتے اور مجھے اپنے غلط رویہ کو ترک کرنا پڑتا۔ مولانا عبدالحق صاحب سورتی تحریر فرماتے ہیں۔

۱۹۴۰ء میں میرا قیام بغرض تعلیم مظاہر العلوم میں تھا۔ میرے تمام تعلقات حضرت مولانا سے وابستہ تھے۔ ہر صبح و شام بلاناغہ کھانا بھی حضرت ہی کے ساتھ کھایا کرتا تھا۔ حضرت والا جہاں میری باطنی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ وہاں ظاہری اصلاح سے بھی محروم نہ رکھا۔ حضرت والا بعض اوقات آپ کے پاس آمدہ خطوط کا جواب بھی مجھے اپنے پاس بٹھلا کر لکھواتے تھے۔ خارج اوقات میں حضرت والا مجھے اور میرے ہمعصر مولوی فضل الرحمٰن خور جوی کو شرح وقایہ پڑھایا کرتے۔

مولانا نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔

احقر دس بارہ سال تک حضرت اقدس کی خدمت مبارکہ میں رہا۔ اکٹھے چائے پیتے اور دونوں وقت حضرت کے دستر خوان پر کھانا کھاتا تھا۔ اپنے بچوں کی طرح ہم سے شفقت کا معاملہ کرتے۔

اصلاح و تربیت

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں، حضرت مولانا ان مستفیدین و مسترشدین کی اصلاح تو فرماتے ہی تھے جو آپ سے سلسلہ بیعت رکھتے تھے لیکن عام تلامذہ کا بھی حضرت کو خیال رہتا تھا۔ درس میں وقتاً فوقتاً وعظ و نصیحت فرماتے اور حال کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر چہل قدمی کے لئے تشریف لے جاتے پھر واپس ہو کر دارالطلبہ کے صحن میں اپنے کمرہ کے سامنے بغیر بستر کے چارپائی پر تشریف فرما ہوتے اور عقیدت

مسند طلبہ آپ کو گھیر لیتے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا تاآنکہ مغرب کی اذان میں ذرا دیر رہ جاتی تو اٹھ جاتے بعض طلبہ پرچہ پر لکھ کر اپنا حال پیش کرتے۔ اس کا اصلاحی جواب ایک دو دن میں مرحمت فرماتے۔ اپنے بچوں سے پیار و محبت اور لطافت کا معاملہ رکھتے لیکن ان کی تعلیم و تادیب سے کبھی غافل نہ ہوتے۔ حضرت مولانا طلبہ کی صرف علمی و تدریسی ہی تربیت نہ کرتے بلکہ عمل و کردار کے درستگی کی تاکید بھی ساتھ ساتھ فرماتے

ایک مرتبہ مولانا موصوف تشریف لے گئے تو چار پائی پر پائینتی بیٹھ گئے۔ چونکہ مولانا محمد وجیہہ صاحب کا طالب علمی کا زمانہ تھا اس لئے صاحبزادوں نے کوئی ادب کا خیال نہ کیا اور جیسے کہ پہلے سے بیٹھے تھے بد ستور سرہانے بیٹھے رہے۔ حضرت مولانا نے کھڑکی سے یہ منظر دیکھ لیا۔ اور باہر نکل کر استاد کی بے ادبی پر سخت تنبیہ فرمائی کہ ان کو صاحبزادگی کا گھمنڈ نہ ہو جائے ۔ تہذیب اور تادیب میں آپ کی نظر ہی زجر کا کام کرتی تھی۔ زبان سے توبیخ فرماتے۔ مارپیٹ کی نوبت بہت کم دیکھنے میں آتی مولانا عبدالجلیل صاحب فرماتے ہیں کوئی طالب علم اگر کسی استاد کی بے ادبی کا مرتکب ہوتا تو اس پر آپ گرفت کرتے ایک بار مظاہر علوم میں طلبہ کو کچھ اساتذہ سے اختلاف ہو گیا تھا۔جو بڑھتے بڑھتے ہڑتال کی صورت اختیار کرنے لگا تھا۔ حضرت مولانا نے طلبہ کے مجمع میں خطاب فرمایا اور اس انداز سے نصیحت کی کہ اساتذہ کے مخالفین اور بے ادبی کرنے والے علم سے محروم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا کی تقریر سے متاثر ہو کر طلبہ کے ایک لیڈر مولوی ذکی الدین صاحب نے اسی وقت کہا کہ حضرت مجھ سے جو ہو گیا ہے میں اس کی معافی چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہ کرونگا۔

حضرت مولانا طلبہ کی صرف علمی و تدریسی ہی تربیت نہ کرتے بلکہ عمل و کردار کے درستگی کی تاکید بھی ساتھ ساتھ فرماتے۔ حضرت مولانا کے ایک شاگرد تحریر فرماتے ہیں۔

پڑھانے کے ساتھ طلبہ کی صورت ' وضع اور عملی حالات پر بھی نظر رکھتے اور خلاف شرعی بات پر سختی سے ٹوکتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ابھی سے آزاد بنو گے تو پڑھ کر خود بھی ڈوبو گے اور دوسروں کو بھی ڈبوؤ گے علم سے مقصود عمل ہے پس علم کے ساتھ عمل کی پوری عادت ڈالو کہ پھر اس عادت میں لذت وحلاوت پیدا ہو یہ خیال کہ عالم بن کر عمل کرو گے۔ شیطانی خیال ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب میں طلبہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں

واخلہ امتحان میں مسامحت مناسب نہیں کہ اس کا نتیجہ بہتر نہیں ہوتا۔ اچھی طرح جانچ پڑتال ہونا چاہئے اخلاق اور ظاہری صورت کا بھی خیال ضروری ہے کہ صورت خلاف شرع نہ ہو۔ فتن اور شرارت پسند نہ ہو۔ کسی جماعت سے غلو نہ رکھتا ہو۔[1]

جامعیت

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے شان جامعیت سے نوازا تھا باطنی اور ظاہری علوم و کمالات میں جامعیت۔ پھر ہر ایک علم و فن میں تبحر حضرت مولانا کے خصوصی اوصاف میں سے ہے۔ درس و تدریس اور مطالعہ سے آپ کو فطری رغبت اور خصوصی شغف تھا۔ اس کے ساتھ زھد و تقوے کی آمیزش نے ایک عجیب کیف پیدا کر دیا تھا برکت بھی اسی علم میں ہوتی ہے جس کے ساتھ زہد و تقویٰ تورع ' خشیت خداوندی اور اخلاص جیسے ملکات فاضلہ ہوں۔ بہت سے اہل علم کو دیکھا کہ ظاہری علم میں کمال ہے زبان و قلم کے شہسوار

---

(۱) راقم ۱۹۶۲ء میں حج پر گیا تھا، حضرت کا گرامی نامہ نصائح پر مشتمل ہوا۔ جیسے یہ الفاظ موجب اصلاح ہیں۔ "اس سفر میں اخلاص اور احسان کا ضرور خیال رکھیں۔ سیر و تفریح کا خیال ہرگز نہ رکھیں۔ مشاہیر میں سے کسی کے لئے اگر جانا ہو تو حرمین شریفین میں مسجدوں کی نمازیں ہرگز ناغہ نہ کریں۔ ان مسجدوں میں نماز باجماعت کا ترک کرنا بڑا خسران ہے۔ مولانا بدر عالم صاحب و مولانا شیر محمد صاحب اور دیگر بزرگان دین کی خدمت میں وقتاً فوقتاً ضرور حاضر ہو جایا کریں۔ مولانا عبدالحق صاحب و مولانا عبدالکریم صاحب وغیرہ فارغین مظاہر العلوم سے ضرور ملاقات کیا کریں۔ مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ میں حکیم محمد یامین و مولانا سعید خان سے بھی ملاقات کیا کریں۔ الغرض دین دار لوگوں سے ملنا اور حرمین شریفین کا احترام اور اس میں احترام کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنا اپنے لئے سعادت سمجھو، سیر و تفریح کا بالکل خیال چھوڑ رکھو، اور ہم سب کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھو خصوصاً والدین کو"

بھی ہیں۔ مگر علم میں برکت نہیں ۔ فیض کا شیوع نہیں۔ یہ فیضان و افادہ اور مقبولیت زہد اور علم پر عمل کا خاصہ ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری خوبیوں کے ساتھ باطنی محاسن سے بھی نوازا تھا۔ اس قران السعدین کا جو نتیجہ نکلنا چاہئے تھا۔ نکلا اور خوب نکلا۔ علم و فن اور معرفت و سلوک دونوں کے آسمان پر چمکے علم کے پیاسوں اور معرفت کے طالب دونوں کے لئے سامان تسکین آپ نے مہیا کیا۔

علوم میں اصل تو منقولات ہیں۔ تفسیر و حدیث و فقہ و غیرہ اسی فہرست میں ہیں مگر معقولات کی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے علماء نے معقولات کی تعلیم پر بھی زور دیا ہے۔ درس نظامی میں معقولات ، منطق ، فلسفہ ، ہیئت ، ریاضی اور اقلیدس کا ایک معتدبہ حصہ موجود ہے۔

بعض حضرات اس واسطہ (معقول) میں پڑ کر اصل مقصود کو ترک کر دیتے ہیں یا تساہل برتتے ہیں اور بعض حضرات معقول کو شیئے زائد سمجھتے ہوئے۔ عدم توجہی سے پیش آتے ہیں سلف نے دونوں کی آمیزش کر کے جامع نصاب تیار کیا تھا ۔ جس کو پڑھ کر دونوں گوشوں[1] سے واقفیت حاصل کی جا سکتی تھی۔ معقولات سے آپ کو بہت دلچسپی اور مناسبت تھی۔ قاضی شمس بازغہ اور صدرا جیسی مشکل کتابوں کا اکثر حصہ بے ترجمہ پڑھتے چلے جاتے تھے۔ اور مشکل مسائل پانی کی طرح نظر آتے تھے۔ طلبہ عبارت پڑھتے اور آپ بغیر کتاب ہاتھ میں لئے مطالب بیان کرتے چلے جاتے مگر اس مناسبت کے باوجود آپ دوسروں کی طرح بس معقولات کے ہی ہو کر نہ رہے بلکہ اسے ہمیشہ دینیات کے لئے بطور علوم آلیہ کے ہی سمجھا۔ کیونکہ اعتدال اور سلامتی آپ کی فطرت میں تھی جس کی وجہ سے آپ ہر چیز اعتدال پر رکھتے تھے۔ یہ مولانا کی شان جامعیت تھی کہ اگر ایک طرف منقولات ، تفسیر ، حدیث فقہ اصول حدیث

(۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں جو جامعیت ، معقولیت اور استدلالی شان پائی جاتی ہے یہ منقولات میں مہارت کے ساتھ ساتھ اسی منطق و فلسفہ کا اثر ہے خود حضرت تھانوی فرماتے ہیں "الحمدللہ مجھے منطق میں مہارت حاصل ہے "۔

اور اصول فقہ میں بحر ذخار تو دوسری طرف معقولات ' منطق ' فلسفہ ' حکمت ' ہیئت ' ریاضی اور عروض وغیرہ میں بھی سمندر بیکراں

مظاہر العلوم میں آخر تک معقولات و منقولات دونوں کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہتیں۔ صبح کے وقت ترمذی شریف و طحاوی شریف کا درس ہوا کرتا۔ اور بعد ظہر فنون کی اونچے درجہ کی کتابیں پڑھاتے۔ اصول فقہ کی توضیح تلویح ' مسلم الثبوت ہیئت میں تصریح شرح چغمینی ہندسہ میں اوقلیدس ' منطق میں قاضی حمد اللہ اور فلسفہ میں صدرا شمس بازغہ ' جیسی بڑی کتابیں آپ کے زیر درس ہوتیں۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

مظاہر العلوم کے جتنے اساتذہ ہیں۔ تقریباً سب ہی آپ کے شاگرد تھے جو بلا تکلف امور مشکل حل کرنے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایک سال ایک استاذ کے پاس اقلیدس ' تصریح شرح چغمینی کا سبق چلا گیا وہ روزانہ پہلے آپ سے آکر پڑھتے پھر طلبہ کو درس دیتے۔ گوکہ آپ سالہاسال سے حدیث کے استاذ تھے مگر معقولات پر بھی پورا پورا عبور تھا۔ اوقلیدس اور تصریح شرح چغمینی کی تدویرات سلیٹ پر نقشے بنا بنا کر آسانی کے ساتھ ذہن نشین کراتے۔

مولانا محمود رنگونی فرماتے ہیں

"علم حدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی حضرت الاستاذ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ علم فقہ سے خاص مناسبت تھی۔ فارغ التحصیل طلبہ کو افتاء کا طریقہ سکھاتے اور عرصہ دراز تک رسم المفتی کا درس حضرت کے یہاں ہوتا رہا۔ علم منطق میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ شرح تہذیب میں نے حضرت سے خارج میں پڑھی پھر میری درخواست پر ملا حسن پر درس دینا خارج میں قبول فرمایا۔ مغرب کے بعد دارالطلبہ کے صحن میں اپنے حجرہ کے سامنے چارپائی پر تشریف فرما ہوتے۔ میں کتاب کھول کر عبارت پڑھنا شروع کر دیتا اور حضرت

کے سامنے کتاب نہیں ہوتی تھی۔ برجستہ تقریر فرماتے جہاں تک مجھے معلوم تھا حضرت نے عرصہ سے ملا حسن وغیرہ کتابوں کا درس چھوڑ دیا تھا۔

اس جامعیت کا نتیجہ تھا کہ درس حدیث میں آپ کے استدلالات اور جوابات ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر ہوتے اور اپنے مخالف و خصم کے دلائل کا بھی منطقی طرز پر جامعیت سے جواب دیتے۔

آخری دور میں آپ علمی شان جامعیت کے اس اونچے معیار پر منجانب اللہ فائز ہو گئے تھے کہ بڑے بڑے علماء کسی مشکل مسئلہ میں آپ کی طرف سے صرف "ہاں" یا "نہیں" کے حتمی اور مختصر فیصلے کو حجت اور کافی سمجھتے۔

متنازع فیہ مسائل میں آپ کی رائے ایسی سلجھی ہوئی ہوتی کہ دونوں فریق کوچون و چرا کا موقعہ نہ ملتا اور آپ کے اس معقول فیصلہ پر متحیر ہوتے۔ اگر کسی مختلف فیہ مسئلہ میں علماء کے اصرار پر کچھ آپ نے تحریر فرمایا تو وہ اس قدر جامع ہوتا کہ دونوں جانب کے علماء عش عش کر اٹھتے۔

اسی جامعیت اور گوناگوں محاسن کا نتیجہ تھا کہ آپ کے شاگردوں اور فیض حاصل کرنے والوں کو کہیں اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔

مولانا ظہور الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کے بعض اونچے درجہ کے شاگرد آپ سے شرف تلمذ کے بعد بڑے مدارس میں مشہور اساتذہ سے استفادہ کے لئے گئے لیکن وہاں پہنچ کر خلاء محسوس کیا اور اس اعتراف کے ساتھ رطب اللسان ہونا پڑا کہ یہ اوارہ باوجود اپنی اعلیٰ حیثیت کے مولانا عبدالرحمٰن صاحب جیسی باکمال اور جامع شخصیت سے خالی ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کے مرتبہ علم کا پہچاننا معمولی حیثیت کے عالم کا بھی کام نہ تھا اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ

"قدر گوہر شاہ داند یابداند جوہری"

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں

حضرت مولانا نے بڑی کامیابی اور ناموری کے ساتھ تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ آپ ہر علم و فن میں مہارت تامہ اور کامل دسترس رکھتے تھے۔ رسوخ فی العلم اور اس زبردست علمی شان کے حامل تھے کہ ع

زہر جنس درنفس پاکش علوم

علوم ظاہری و باطنی کی جامعیت کے باعث ۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے وقت خدا داد مآل اندیشی اور دور رس بصیرت سے جب اپنے بعد میں کام کے لئے مدرسہ کا نظام نو مرتب کیا تو اس میں صدارت تدریس کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ حضرت مولانا نے اس عہدہ جلیلہ و خدمت عظیمہ کو جس خوش اسلوبی سے انجام دیا وہ مستغنی عن التعریف و التوصیف ہے۔[1]

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں۔

جملہ علوم متداولہ میں حضرت مولانا کو کمال حاصل تھا۔ اس شان جامعیت سے وہی لوگ واقف ہیں جنھوں نے حضرت کو قریب سے دیکھا ہے۔ چونکہ ساری عمر خدمت حدیث میں گزری اور یہی چیز غالب رہی اس وجہ سے بکثرت حضرات کو فن حدیث ہی میں ان کے کمال و تبحر کا علم ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تحریر فرماتے ہیں۔

مولانا مرحوم علوم اسلامیہ دینیہ اور نقلی و عقلی فنون علم کے جامع ترین عالم تھے۔ اصناف علم و فضل و کمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں۔ وہ عالم و عارف تھے۔ صوفی و محقق اور فقیہ و محدث تھے۔ علم و اصول و کلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے غرض علمی دنیا کے آفتاب و مہتاب[2] تھے۔

---

[1] از رسالہ دار العلوم دیوبند۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء

[2] بینات۔ جنوری ۱۹۶۶ء

ائمہ و محدثین و فقہاء کا ادب و اساتذہ کا احترام

ادب و احترام کا حصول علم سے بڑا تعلق ہے۔ مشائخ کے ادب سے علم میں برکت ہوتی ہے کہ خلف کے لئے سرچشمہ علوم یہی سلف و مشائخ ہیں۔ جو طالب علم حصول علم کے دوران اساتذہ و مشائخ کا ادب نہ کرتے یا اپنے اسلاف کے بارے میں ناشائستہ اور گستاخانہ کلمات کہتے۔ ان کے علم میں کبھی برکت نہیں ہوتی۔ خواہ کتنے ہی ذہین ہوں اور باادب اگرچہ ذہین نہ بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان سے دین کی خدمت لیتے ہیں۔ اور ان کا علم مثمر اور متعدی ہوتا ہے۔ حضرت مولانا میں مشائخ اور سلف کا احترام کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ زبان پر کبھی ایسا لفظ نہیں آیا جس سے معمولی سی بے ادبی کا بھی شائبہ ہو اسلاف کا تذکرہ ہمیشہ احترام و عقیدت سے فرماتے۔

ائمہ اسلام کا ادب و احترام اور ان کے کمالات کا اعتراف حضرت کی تعلیم کا جزو لاینفک تھا۔ ایسی تقریر فرماتے اور اس صراحت سے مسائل ذہن نشین کراتے کہ سامع خود سمجھ لیتا کہ مذاہب مجتہدین حق ہیں اور سب کے دلائل کتاب و سنت سے ہیں۔ مولانا کے نزدیک ائمہ کی تنقیص موجب بدبختی اور سوء ادبی باعث خسران تھی۔ مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا ائمہ فقہاء و مصنفین کا نام بہت احترام سے لیتے۔ میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ کسی امام، فقیہ، یا مصنف کا نام لیا ہو۔ اور رحمتہ اللہ علیہ نہ کہا ہو۔ جب ائمہ و فقہاء کا یہ احترام تھا تو حضور ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احترام کا کیا کہنا۔ حضرت نے مجھ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ مشکوۃ شریف شروع کر لی ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ابھی تو "مقدمہ عبدالحق" پڑھ رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم بڑے ہو یا شیخ عبدالحق اور تنبیہا" فرمایا کہ شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ کہا کرو مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ائمہ کرام اور محدثین عظام کے اسماء گرامی بہت ادب و احترام سے لیتے

کبھی کبھی اگر کچھ کہنا بھی ہوتا تو صرف اس انداز سے فرماتے کہ بھائی! علامہ نووی رحمتہ اللہ علیہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

دوران درس حدیث فتح الباری۔ نصب الرایہ فتح القدیر۔ بدائع الصنائع بحر الرائق۔ ردالمختار کی کثرت سے حوالے دیتے اور جگہ جگہ ادب کے ساتھ ان حضرات کا رد بھی فرماتے۔ خصوصا شیخ ابن الہمام کے تفردات ذکر فرما کر ان کی رائے سے اختلاف ظاہر فرماتے۔ علامہ زیلعی ــــــ صاحب نصب الرایہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ انکو انصاف کا ہیضہ ہے ابن تیمیہ اور ابن قیم کے بارے میں سلف میں سے کسی کا جملہ نقل فرماتے تھے علمهما اکبر من عقلهما

مفتی محمو الحسن گنگوھی کی کتاب افریقہ اور خدمات فقیہ الامت میں ہے

ارشاد: ایک صاحب نے مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کے پاس استفتاء بھیجا کہ ایک شخص غیر مسلم حکومت میں محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی میں ہے اور اس کو کسی مجرم کا پتہ لگانے کے لئے یہ صورت بھی اختیار کرنا پڑتی ہے کہ اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہندو ہوں مجھ کو مسلمان کر لیجیئے اس کا کیا حکم ہے؟ اور مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کو لکھا کہ اس کا جوب مظاہر علوم سے منگواکر بھیجیں۔ انہوں نے وہ سوال مظاہر علوم بھیجا۔ مظاہر علوم سے جواب دیا گیا کہ وہ شخص ایسا کرنے سے کافر ہوجاتا ہے اور اس سے متعلق فقہی عبارتیں نقل کر دی گئیں۔ مفتی جمیل احمد صاحب کو جواب اس وقت ملا جب وہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے مکان پر تھے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے پوچھا کیا ہے۔ مفتی جمیل احمد صاحب نے وہ سوال جواب سامنے پڑھ دیا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس کو پڑھا اور فرمایا بھئی عبارات تو اس میں نقل کی ہیں مگر کسی مسلمان کو کافر کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اور پھر از خود اس کا جواب تحریر فرمایا۔ کہ وہ کافر نہیں ہوا۔ اور وہ عبارت کہ کسی چیز سے کسی کے مسلمان ہونے

اور کافر ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہو تو اس کو کافر نہیں کہیں گے ' نقل فرمائیں۔ اور مفتی جمیل احمد صاحب اس کو لے کر مظاہر علوم ناظم صاحب حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کے پاس تشریف لائے ۔ اور حضرت تھانوی کا جواب ناظم صاحب کو دکھایا اور فرمایا کہ مفتی محمود صاحب سے کہیں وہ اپنے فتوی سے رجوع کر لیں۔ حضرت ناظم صاحب نے جواب دیا۔ مفتی محمود صاحب اپنے فتوی کو دلائل کے ساتھ صحیح سمجھتے ہیں تو کیوں رجوع کرلیں الایہ کہ ان کو اپنے فتوی کا غلط ہونا دلائل سے معلوم ہو جائے۔

مفتی جمیل احمد صاحب نے اس کو دیو بند مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس بھیجا ' انہوں نے حضرت تھانوی کے فتوی کی تائید کی اور عبارت نقل کی کہ ایک شخص قیدی چھڑانے کے لئے ہندوانہ وضع اختیار کرتا ہے اور کافروں کے پاس جاتا ہے اس سے وہ کافر نہیں ہوتا۔

پھر اس کو لے کر مفتی جمیل احمد صاحب سہارن پور تشریف لائے کہ دیکھو یہ عبارت ہے اب تو اپنے فتوی سے رجوع کر لیں۔ میں نے کہا یہ تو صورت کا اختلاف ہے صورت میں اختلاف نہیں یعنی وہ صورت جس کو مفتی محمد شفیع صاحب نے نقل فرمایا ہے اس سے مختلف ہے جو سوال میں درج ہے اور جس کا جواب یہاں سے دیا گیا ہے۔ اس لئے رجوع کس طرح کیا جائے۔ حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ حضرت تھانوی کی تحریرات میں اس کو دیکھا جائے میں نے کہا حیواۃ المسلمین میں ہے کہ جو شعار کفار کے ساتھ مخصوص ہے اس کو اختیار کرنے سے کافر ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نقل نہیں فرمایا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کا وہ فتوی بوادرالنوادر میں چھپا ہوا ہے۔ مظاہر علوم کے فتوی پر حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمبل پوری کے دستخط بھی تھے اور حضرت تھانوی ان کے شیخ ' ان کا جواب اس کے خلاف ' ان کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اس لئے انہوں نے ایک تحریر حضرت ناظم صاحب کے پاس بھیجی کہ اس عاجز کو فقہی مسائل سے مناسبت نہیں اور فقہی مسائل یاد بھی

نہیں رہتے۔ اس لئے اس عاجز کو آئندہ فتاوی پر دستخط کرنے سے معذور رکھا جائے۔ حضرت ناظم صاحب ان کے بھی استاذ' تحریر فرمایا۔ جس مسئلہ میں اشکال نہیں اس پر دستخط کرنے میں کیا اشکال ہے ازافریقہ اور خدمات فقیہ الأمت ملخص از ص ۳۲۴ تا ۳۲۴

حضرت شیخ الحدیثؒ کی آپ بیتی سے اقتباسات

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکتہ الآراء خود نوشت سوانح جو ایک علمی شاہکار ہے اس میں مولانا عبدالرحمان صاحب کا ذکر جن مقالات پر کیا گیا ہے اس کے اقتباسات درج ذیل ہیں -

مظاہر علوم میں کتب حدیث کی تدریس

بخاری شریف کے متعلق حضرات سرپرستان نے ۴۶ھ میں یہ تجویز کر دیا تھا کہ ترمذی صدر مدرس مولانا عبدالرحمان صاحب کے پاس ہو اور بخاری شریف زکریا کے پاس اس لئے کہ حضرت ناظم صاحب کے پاس انتظامی کام بہت بڑھ گئے تھے مگر حضرت ناظم صاحب کو اس پر بہت زیادہ تاثر قلق اور گرانی تھی اور ہونی بھی چاہئے اس لئے زکریا نے سرپرستان سے یہ طے کر دیا کہ ترمذی تو مستقل صدر مدرس کے پاس رہے اور بخاری شریف کا افتتاح ناظم صاحب کرا دیا کریں اور بقرعید کے بعد وہ زکریا کے پاس منتقل ہوجایا کرے اور جلد ثانی ناظم صاحب بعد مغرب پڑھا دیا کریں -

تدریس بخاری (ص ۱۱۷)

میں نے مشکوۃ بھی اس وقت تک نہیں پڑھائی تھی میں نے مہتمم صاحب سے عرض کیا کہ یہ بہت نامناسب ہوگا آپ مجھے ہرگز نہ دیں حضرت مولانا ثابت علی صاحب اور مولانا عبدالرحمان صاحب ہی کو دیں مہتمم صاحب نے بھی موافقت کی ان دونوں حضرات کو پانچ پانچ دے دیئے گئے اور سات آٹھ پارے مولانا عبداللطیف کے پاس بدستور رہے -

مدرسہ کی خدمت (ص ۱۱۹)

میں نے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں یا لکڑیوں کی گاڑی آوے اوپر درس گاہ میں اطلاع کر دے میں گھنٹے کے ختم پر ایک طالب علم کو مولانا عبدالرحمان صاحب کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ اینٹیں آئی ہوئی ہیں میں نیچے جا رہا ہوں مولانا مرحوم بھی فوراً" نیچے پہنچ جاتے اور ہم دونوں کو جاتے دیکھتے دونوں کے یہاں کی جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے ہم دونوں کو تو ایک پھیرا بھی بمشکل سے کرنا ہوتا تھا کہ راستے میں کوئی طالب علم چھین لیتا تھا لیکن اینٹیں ہوں لکڑیاں دو تین منٹ سے زائد گاڑیوں کے خالی ہونے میں نہ لگتے تھے بہت سے طالب علموں کو ایک ہی پھیرا کرنا پڑتا تھا نو عمر لڑکے اپنی جرأت دکھانے کیلئے دو پھیرے کر لیتے تھے بہت سی جزئیات اس نوع میں ملیں گی اب اس کے بالمقابل یہ منظر دیکھ کر کہ کسی غلام سے یوں کہیں کہ پنکھا اٹھا وے تو وہ یہ سوچ کر کہ یہ میرا کام نہیں اس کا معاوضہ کیا ہوگا کسی کا یہ شعریاد آجاتا ہے۔

ان نینوں کا یہی بسیکھ
وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

صدر مدرس کا عہدہ (ص ۱۲۴)

ذکریا کو حدیث سے جتنی مناسبت ہے میں اسے خوب جانتا ہوں اس لئے اس کو مدرسہ کا شیخ الحدیث تجویز کرتا ہوں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر مدرس حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب ایک سال پہلے ہوچکے تھے ان کو اس عہدہ سے ہٹانے کی کوئی وجہ نہیں تھی اس عہدہ کی ابتداء اس سیہ کار سے ہوئی ورنہ اس سے پہلے مدارس میں مدرس اول اور شیخ الحدیث ایک ہی عہدہ تھا۔

سیاسی اجلاس کے موقع پر مدرسہ میں تعطیل (ص ۱۲۸)

سہارنپور میں جمعیت العلماء کا مشہور و معروف اجلاس منعقد ہونے

والا تھا تین دن کا اجلاس تھا میں نے حضرت ناظم صاحب سے کہا کہ جمعیت کے اجلاس کے دنوں میں مدرسہ میں تین دن کی چھٹی ہوگی حضرت ناظم صاحب نے غصہ میں فرمایا یہ کیسے ہوسکے ؟ آج جمعیت کے واسطے آپ چھٹی کر دیں کل کو لیگ والے کریں گے اس میں بھی چھٹی کرنی پڑے گی پھر احرار' کانگریس یہ تو روز کی بھرمار ہے اور مدرسہ کا تعامل بھی ان اجلاسوں میں چھٹی کا نہیں' یہ تو ہوتے ہی رہتے ہیں' بڑی مدلل تقریر فرمائی میں نے ساری سن کر پھر کہہ دیا کہ جمعیت کے اجلاس کے درمیان مدرسہ میں چھٹی ہوگی ناظم صاحب کو غصہ آگیا مولانا عبدالرحمان صاحب سے کہا کہ وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں تھے انہوں نے اور بھی زیادہ شدت سے انکار کیا کہ چھٹی ہرگز نہیں ہوگی ۔

خاص طلبہ سے سلوک (ص ۱۳۰)

ان سب باتوں کے باوجود معلوم نہیں کہ اب سیہ کار کے متعلق بعض احمقوں کا یہ خیال ہوتا تھا کہ میں نظامت پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں ایک بات ضرور تھی کہ مدرسہ میں خواص اور صاحبزادوں کے خلاف میرا ہاتھ زیادہ چلتا تھا اور اس میں بھی حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب قاری سعید صاحب مرحوم مجھ کو زیادہ ابھارتے تھے بلکہ تقریباً" مجبور کرتے تھے ایک مرتبہ ایک بہت بڑے خاص بلکہ اخص الخواص نے مدرسہ میں ایک درخواست دی کہ مجھے فلاں حجرہ تنہا کو دے دیا جاوے اور حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب نے ان کی خصوصیات کی بناء پر اس پر سفارش بھی لکھ دی لیکن میرے پاس خود ہی آئے اور فرمایا کہ فلاں نے حجرہ کی درخواست دی ہے اور میں نے سفارش بھی کر دی ہے مگر تنہا حجرہ مانگنے والے کیلئے نہایت ہی مضر ہے ہی مدرسہ کیلئے بھی مضر ہے میں نے کہا کہ پھر آپ نے مضر سمجھنے کے باوجود سفارش کیوں کی ؟ فرمایا مجبوری تھی مگر آخری منظوری تو تمہاری ہوگی اس لئے جلدی اطلاع کرنے کیلئے تمہارے پاس آیا ہوں حضرت ناظم صاحب کی خدمت میں جب درخواست مع صدر مدرس

صاحب کی سفارش کے پہنچی تو انہوں نے لکھ دیا کہ اگر شیخ الحدیث صاحب منظور کرلیں تو کچھ مضائقہ نہیں میں نے انکار لکھ دیا (درخواست دینے والے کو اس ناکارہ پر جتنا بھی غصہ آئے وہ معذور ہے صدر مدرس صاحب نے یہ سفارش لکھ دی ناظم صاحب نے منظوری دے دی اور اس نے انکار لکھ دیا) اس قسم کے قصے تقریباً روزانہ ہی پیش آتے تھے اس وجہ سے خواص اکثر مجھ سے خفا رہتے تھے اور ان کی خفگی بالکل برمحل تھی ۔ حضرت ناظم صاحب کے خواص مولانا عبدالرحمان صاحب کے خواص اور دونوں سے بڑھ کر خود میرے حضرت قدس سرہ کے خواص ان لوگوں کے خلاف میرا ہی ہاتھ زیادہ چلا کرتا تھا اس لئے ان خواص کا مجھ سے ناراض رہنا یا ہونا بالکل برمحل تھا ۔

طلبہ کا اخراج (ص ۱۳۵)

جب مظاہر کا یہ ہنگامہ ختم ہوگیا تو ناظم صاحب اور حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب اور اکابر مدرسین کی خاص طور سے یہ رائے ہوئی کہ جن لوگوں نے جھوٹے الزامات مدرسہ پر لگائے اور وہ اب تک گمنام ہی چل رہے تھے اب کھل کر سامنے آگئے ان کا اخراج بہت ضروری ہے تین دن تک ان حضرات کا ان کے اخراج پر اصرار تھا اور یہ ناکارہ شدت سے مخالفت کر رہا تھا حضرت ناظم صاحب اور مولانا عبدالرحمان صاحب رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر میری مخالفت کو نظر انداز کر دیا کہ چونکہ اس میں ان کی ذات کا معاملہ ہے اس لئے ان کی رائے اس میں معتبر نہیں ان میں ایک صاحب ایسے تھے جن کے بڑوں سے حضرت ناظم صاحب کے بڑے تعلقات تھے اور ایک صاحب وہ تھے جن کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کو دقت اٹھانا پڑتی اس لئے میں بار بار عرض کرتا رہا ہوں کہ آپ حضرات کی وجہ سے عرض کر رہا ہوں کہ آپ حضرات کو بڑی دقت اٹھانا پڑے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔

ترمذی کی شرح (ص ۱۴۹)

حضرت مدنی قدس سرہ' اور مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار درخواست کی بالخصوص حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے اس وجہ سے کہ انہوں نے ترمذی کی شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن مشاغل کی وجہ سے کوئی بھی راضی نہ ہوا۔

نظام الدین آمد ۲۴۳

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کے وصال پر ایک مشترکہ کارڈ حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا اسعد اللہ صاحب کے نام لکھا کہ آپ میں سے کوئی نظام الدین تکلیف فرمانے کا ارادہ نہ کریں میں خود ہی کل یا پرسوں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں اور جب میں نے یہ لکھ دیا کہ میں خود حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں تب کون ارادہ کرتا؟ اور یہ لفظ میں نے قصداً" جان کر لکھا تھا کہ جب ان حضرات کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ ایک دو دن میں آنے کا ارادہ کر رہا ہے تو پھر کوئی نہیں آئے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مولانا عبدالرحمان صاحب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اقلیدس میں مہارت رکھتے تھے (ص ۱۹ ج ۲)

مولانا مناظر احسن صاحب دوسری جگہ جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۴۱۸ پر مولانا حبیب الرحمان صاحب مہتمم دارالعلوم کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ چھتہ میں جب اقلیدس پڑھاتے تھے اور شکل کھینچنے کی ضرورت پڑتی تو چٹائی کا کونہ اٹھا کر زمین پر انگلی سے شکل کھینچ کر بتا دیتے تھے نہ پرکار تھی نہ اوزار اس قصہ کو ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۵۶ میں بھی نقل کیا ہے - (از زکریا) اس چیز میں ہمارے مدرسہ کے صدر مدرس حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متبع تھے کاغذ پر یا سلیٹ پر خط کھینچ کر شکل ہاتھ سے بنا دیتے تھے۔

معاصرین کا باہمی احترام (۳۸ ج ۳)

مجھے اس پر بھی بہت زور تھا اور ابتداء ہی طلباء کو اس پر متنبہ کر دیا تھا کہ معاصر مدرسین کا کوئی قول آپ نقل کریں تو شوق سے مگر مدرس کا نام ہرگز نہ لیں اس سلسلے میں چونکہ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ صدر المدرسین کے یہاں ترمذی شریف ہوتی تھی اور اس سیہ کار کے یہاں ہمیشہ ابوداؤد اور دونوں کی روایات ابواب فقیہہ کے طرز پر ہوتی تھیں اور اس زمانہ میں طالب علم کچھ سمجھدار بھی تھے وہ میری اور مولانا مرحوم کی تقریر میں جب اختلاف پاتے تو بڑے زور سے مجھ پر یا مولانا پر اعتراض کرتے مجھے معلوم ہوا تھا کہ مولانا مرحوم نے بھی اپنے سبق میں اس پر نکیر کی تھی کو تم شیخ کا نام لے کر مجھے مرعوب کرنا چاہتے ہو جو اعتراض کرنا ہوا کرے بغیر شیخ کے نام کے کیا کرو میں نے بھی اس پر کئی سالوں میں کئی دفعہ طلباء پر نکیر کی کہ مولانا کا نام لے کر اعتراض ہرگز نہ کریں کہ مولانا کا نام سننے کے بعد اس پر رد کرنا بے ادبی ہے اور سکوت کرنا اپنی رائے کے خلاف کو قبول کرنے کے ہم معنیٰ' حدیث کی کتابیں تو دوسرے حضرات مدرسین کے یہاں بھی ہوتی تھیں مگر اس سیہ کار اور مولانا کے سبقوں میں یہ چیزیں کثرت سے پیش آیا کرتی تھیں -

طلبہ کو تنبیہ اور تصانیف پر نظرثانی ۲۹۸ ج ۲

اس نابکار کا بھی اپنی ابتدائی مدرسی ۱۳۳۵ھ سے اولا" مولانا عبدالرحمان صاحب سابق صدر مدرس مظاہر علوم اور ان کے بعد میرے محترم دوست قاری سعید مرحوم کے ساتھ یہ معمول اور میری تاکید رہی کہ اس سیہ کار کے اقوال و افعال کی نگرانی تمہارے ذمہ ہے ان دونوں دوستوں کو اللہ تعالیٰ بہت ہی جزاء خیر دے کہ یہ ہمیشہ میرے بہت سی نگرانی فرماتے رہے اس زمانے میں چونکہ اس نابکار پر غصہ اور جوش کا دور دورہ تھا اور یہی دونوں حضرات بلکہ بعض دیگر اکابر بھی مجھے اس پر ابھارتے رہتے تھے کہ ان خواص پر چاہئے رؤسا

ہوں، چاہے اکابر مدرسہ میرے حضرت قدس سرہ، حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اعزہ اقارب ہوں ان پر نکیر تو ہی کر سکتا ہے ہم لوگوں کے بس کا نہیں یہ کم ظرف ان فقروں سے اور بھی پھول جاتا اور بہت سختی ان خواص کے ساتھ کیا کرتا تھا اگرچہ میرا معمول ہمیشہ یہ بھی رہا کہ جس پر سختی کرتا کسی دوسرے وقت اس کی تلافی بھی کر دیتا حتی کہ بعض وقت میں بعض طلبہ کے یہ فقرے بھی میرے کان میں پڑتے رہتے تھے کہ شیخ نے بہت دنوں سے کچھ مرمت نہیں کی یہاں چائے پینے کے واسطے پیسے نہیں رہے اس کے باوجود طلبہ کے متعلق یہ دونوں حضرات اپنے اپنے وقت میں یہ کہہ دیتے کہ فلاں کو سزا جرم سے زیادہ ملی میں اس کی تلافی کا بہت ہی اہتمام کیا کرتا تھا اور بے تکلف معافی مانگ لیتا تھا ان دونوں حضرات کے بعد بھی موجودہ احباب سے درخواست کرتا رہتا ہوں مگر یہ حضرات ان دونوں حضرات جیسی نگرانی اس سیہ کار کی نہیں کرتے اس ناکارہ کا معمول اپنی جملہ تصانیف عربی اور اردو میں بھی ہمیشہ یہی رہا کہ ان دونوں اکابر کی زندگی میں تو بڑے اہتمام سے دونوں کو ہر چیز دکھلاتا تھا اور وہ دونوں حضرات بڑی فراخدلی سے میرے مسودوں کے صفحے کے صفحے قلم زد کر دیتے تھے میں قرآن و حدیث سے دلائل بھی پیش کرتا ہوں مگر ان کا آخری جواب یہ ہوتا تھا کہ مضمون تو صحیح ہے مگر عوام کے قابل نہیں فقہاء کے قول "ہذا مما یعلم ولا یفتی" کی آڑ لے کر قلمزد کر دیتے تھے۔

بذل المجہود پر نظر ثانی (ص ۲۳۴ ج ۲)

بذل المجہود کی تالیف میں بھی کوئی اہل علم میں سے آتا اور ایک دو دن قیام کرتا حضرت بڑے اہتمام سے بذل کا مسودہ اس کے حوالے فرماتے کہ غور سے دیکھیں اور کوئی چیز قابل اصلاح ہو تو ضرور متنبہ فرما دیں اور حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں صدر مدرس مظاہر علوم بھی ہوگئے تھے ان کے ذمے مستقل نظر ثانی تھی اور مولانا مرحوم بہت ہی اہتمام سے نظر ثانی کیا کرتے اور جہاں جہاں مولانا نشانات لگاتے حضرت ان کو دوبارہ بہت غور سے

ملاحظہ فرماتے اور اصلاح کی ضرورت سمجھتے تو اصلاح یا توضیح فرماتے۔

طلبہ کے اخراج یا معافی کی سفارش (ص ۳۵۶ ج ۲)

مجھے وثوق سے یاد ہے کہ میں نے اپنے تعلق کی وجہ سے کبھی بھی اخراج کی مخالفت یا معافی کی سفارش کسی بھی ناظم سے کی ہو بعض طلبہ کو مجھ سے کبیدگی ہوتی تھی وہ میری مخالفت بھی کرتے تھے جھوٹے الزام بھی لگاتے مگر میں حلفاً" کہہ سکتا کہ میں نے کبھی ان کے اخراج کی کنایتہً یا اشارۃً تحریک نہیں کی طلبہ کی ناراضی کی وجہ بھی برحق ہوتی تھی کہ یہ ناکارہ خواص یعنی اکابر کے متعلقین کے بارے میں ہمیشہ سخت رہا کیونکہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ ان پر نکیر یا تنبیہہ ہر مدرس کے بس کی بات نہیں مزید برآں میرے دو مخلص دوست حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ اور قاری مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مفتی مدرسہ بھی مجھے ابھارتے رہتے تھے کہ فلاں شخص کی یہ شکایت ہے ہم نکیر پر قادر نہیں تو قادر ہے تیرے عدم نکیر سے تجھ سے باز پرس ہوگی وہ زمانہ بھی میری شدت کا تھا کہ اس زمانہ میں میرا ہاتھ زبان سے زیادہ چلتا تھا اس لئے یہ خواص مجھ سے ناراض رہا کرتے تھے آپ بیتی نمبر ۲ میں مخصوص طلبہ پر میرے تشدد کے ذیل میں یہ مضمون آ بھی چکا اس میں یہ بھی لکھا جاچکا ہے کہ ۵۷ھ میں انہیں خواص نے طلبہ پر سختی کی شکایات ظلم و تعدی کی شکایات اخبار مدینہ میں چھپوائی جو حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ کی شفقتوں سے تحقیقات میں بالکل غلط ثابت ہوئی اس کی تفصیل تو وہاں گزر چکی مگر جب مدرسہ نے ان کے سرغنہ لوگوں کا اخراج تجویز کیا تو اس ناکارہ نے بمصالح مدرسہ ان کے اخراج کی بہت ہی شدت سے مخالفت کی دو دن تک یہ مسئلہ ہماری مجلس شوریٰ میں زیر بحث رہا سب اہل شوریٰ ان کے اخراج پر متفق و متحد تھے کہ ان کا جھوٹ علی الاعلان ثابت ہوچکا تھا صرف ناکارہ دو دن تک ان حضرات سے لڑتا رہا کہ ہرگز اخراج نہ کریں کہ ان کے اخراج سے آپ حضرات کو مشکلات پیش آجائیں گی مجھ تک تو انشاء اللہ کوئی نہیں پہنچے گا

مگر ان طلبہ کے دینی یا دنیوی اکابر سے آپ حضرات کو خصوصی تعلق ہے آپ حضرات کو ان کے اخراج میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ حضرت ناظم صاحب نور اللہ مرقدہ نے تو یہ ارشاد فرمایا کہ یہ معاملہ اس کی ذات کا ہے اس میں اس کی رائے معتبر نہیں اور حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا کہ جن اکابر کا یہ اندیشہ بتا رہا ہے وہ محض اس کا خیال ہے ان کی طرف سے کوئی چیز ایسی پیش نہیں آئے گی مگر خوب آئی ملازمین مدرسہ میں بھی اس سیہ کار نے کبھی اپنے تعلق کی وجہ سے نہ کسی سے سفارش کی نہ کسی کی علیحدگی کی تحریک یا کوشش کی۔

کتب کا احترام

حصول علم کے لئے ذریعہ علم "یعنی کتب" کا احترام بھی ضروری ہے اور اس میں علم و فن کے اعتبار سے فرق مراتب کا لحاظ بھی لازمی ہے۔ حضرت مولانا طلبہ سے بارہا فرماتے کہ علم میں برکت کے لئے علماء نے کتابوں کے احترام کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ کہ کتاب ہی علم کا ماخذ ہے۔ حضرت مولانا کتابوں کے احترام کا بڑا خیال فرماتے۔ درس میں بارہا علامہ ملا علی قاری کے طلبہ سے اس شکوہ کو نقل فرماتے کہ :۔

"ہمارے زمانہ کے طلبہ پر تعجب ہے کہ جوتا دائیں ہاتھ میں اور کتاب بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہیں۔"

حضرت مولانا فرماتے کہ ملا علی قاری کو اپنی زمانہ کے طلبہ سے شکایت ہے۔ اس دور میں تو طلبہ بالکل اس احترام سے خالی اور بے فکر

مولانا محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں :۔

کہ ایک دفعہ دوران درس عربی لغت کی مشہور کتاب "المنجد" منگوائی میں نے المنجد کو تپائی پر رکھی ہوئی کتاب کے اوپر رکھ دی۔ المنجد کے نیچے والی کتاب حدیث کی تھی۔ حضرت نے فوراً ٹوکا۔ اور فرمایا کہ آئندہ خیال کرو اور کتابوں کا احترام کرو کہ اس سے علم میں برکت ہوتی ہے۔

مختلف زبانوں سے واقفیت اور اردو دانی

علمی ہمہ گیری کے ساتھ آپ مختلف زبانوں پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ پشتو مادری زبان تھی زندگی ساری عربی میں قال اللہ قال الرسول پڑھاتے گذری۔ فارسی بچپن میں سیکھ لی تھی۔ اردو سہارنپور میں رہنے کی وجہ سے ایسی بولتے کہ اہل زبان کو آپ کی فصاحت و سلاست کا اقرار و اعتراف کرنا پڑا۔ جن حضرات کی زبان مادری پشتو ہو۔ ان کے اردو بولتے وقت طرز ادالب و لہجہ اور انداز گفتگو سے ضرور ثقل مترشح ہو جاتا ہے۔ مگر اس معاملہ میں حضرت مولانا کی شاید واحدہ نادرۃ روزگار ہستی تھی۔ اردو بولتے وقت یہ کسی کا گمان بھی نہ ہوتا کہ آپ پٹھان ہیں۔ علاوہ ازیں پنجابی بھی آپ بخوبی جانتے۔ نیز بنگال میں آپ کچھ عرصہ رہے۔ بنگالی طلبہ کثیر تعداد میں آپ کے فہرست تلامذہ میں شامل ہیں اس لئے بنگالی زبان بھی جانتے۔ مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔(۱)

کہ حضرت مولانا چھ زبانیں جانتے تھے۔ عربی ' فارسی ' اردو ' پشتو ' پنجابی ' بنگلہ دیشی مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا کی مادری زبان پشتو تھی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اردو ایسی سلاست و صحت اور روانی اور محاورات کی رعایت کے ساتھ بولتے تھے کہ کسی کو یہ وہم بھی نہ ہوتا تھا کہ آپکی مادری زبان اردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان ہوگی۔ ہندو پاکستان کے مختلف صوبوں میں اردو بولی جاتی ہے۔ لیکن اصل اردو زبان لکھنؤ ' دہلی اور یو پی کے مخصوص اضلاع کی سمجھی جاتی ہے۔ ہر صوبہ کا لب و لہجہ جدا ہے۔ معمولی بصیرت والا شخص سمجھ لیتا ہے کہ یہ شخص فلاں صوبہ سے تعلق رکھتا ہے اور اسکی اردو میں اس کے اپنے وطن کی جھلک نمایاں ہے۔ لیکن حضرت مولانا کی زبان سے کبھی یہ مترشح نہ ہوا کہ آپ پشتو بولنے والے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ اردو کی وسعت اور لغات کی ہمہ گیری کی تعریف فرمائی۔ بعض پشتون طلبہ نے

---

(۱) مکتوب بنام راقم سعید الرحمان

کہا کہ ہماری زبان میں بھی کافی وسعت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ۔ کان کی "لو" کو پشتو میں کیا کہتے ہیں۔ طلبہ نے کہا کہ مولانا نرمہ کہا جاتا ہے۔ حضرت نے سن کر فرمایا۔ یہ تو موضوع کے لئے مستقل وضع ہوئی اسکا ترجمہ تو یہ ہوا کہ کان کا نرم حصہ' اس طرح ہر چیز کے نرم حصہ کو اضافت کیساتھ بول سکتے ہیں مگر اردو میں جو لفظ "لو" ہے اس کے ہم معنے لفظ بتاؤ۔ طلبہ حیران رہ گئے اور نہ بتاسکے۔

شان تفقہ

حضرت مولانا کو فقہ میں بڑا تبحر حاصل تھا۔ متون فقہ کے علاوہ شروح اور فتاوی پر بڑا عبور حاصل تھا۔ خاصکر فتح القدیر اور بحرالرائق البدائع و الصنائع مبسوط سرخسی اور شامی کثرت سے زیر مطالعہ رہتیں صرف مسائل ہی پر آپ کی نظر نہ ہوتی بلکہ دلائل و شواہد پر بھی نگاہ رہتی اس فقہی مناسبت کا نتیجہ تھا کہ درس حدیث میں جہاں فتح الباری ' عینی' قسطلانی ' نووی وغیرہ کتب حدیث کے حوالے ہوتے وہاں فقہی مباحث و جزئیات میں شامی ' فتح القدیر طحطاوی ' بحرالرائق زیلعی ' نصب الرایہ وغیرہ کے حوالے بھی فراوانی سے ہوتے۔ درس حدیث میں فقہی رنگ غالب رہتا۔ اختلافی مسائل میں فقہی مباحث بڑی تفصیل سے منقح طور پر ذکر فرماتے۔ مشکل مسائل ایسے سہل اور مناسب انداز سے حل فرماتے کہ فہیم و ذکی حضرات بھی متحیر رہ جاتے افتاء میں بھی آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ سہارنپور میں زیر تکمیل طلبہ کو طریق افتاء سکھلاتے تھے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں جو اہم فتوے آتے وہ تصویب و تصحیح کے لئے آپ کے سامنے پیش کئے جاتے۔ چنانچہ یہ امر مظاہر العلوم کے فتووں سے ظاہر ہے۔ آجکل سہل پسندی کی وجہ سے دوسروں کی دستخط پر تصویب عادت بن چکی ہے۔ حضرت مولانا کا ذوق احتیاط اس کے بالکل خلاف تھا جب تک حرفاً" حرفاً" اپنی خداداد علم کے مطابق مسئلہ کے ہر پہلو کی تحقیق نہ کر لیتے۔ مسئلہ پر دستخط نہ فرماتے۔ چنانچہ کسی نے حضرت تھانوی سے استفتاء کیا کہ قبائل کے مسلمان انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہیں اور اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے موت کا

شکار ہو جاتے ہیں۔ اور بہت بھاری نقصان اٹھاتے ہیں تو اس حالت میں انکو انگریزوں سے لڑنا جائز ہے یا نہیں۔" استفتاء کے مطابق جواب میں تحریر فرمایا گیا۔ "ایسے حالت میں ان کو انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا جائز نہیں۔" یہ استفتاء مظاہر العلوم میں بھی آیا۔ اساتذہ مظاہر العلوم حضرت حکیم الامتہ کے دستخط دیکھ کر تصویب کرنے والے تھے لیکن حضرت مولانا نے فرمایا کہ حضرت حکیم الامتہ سے کسی نے استفتاء غلط کیا ہے اور واقعہ ایسا نہیں بلکہ قبائلی مسلمان انگریزوں پر غالب رہتے ہیں اور انہوں نے انگریزوں کو بے بس اور پریشان کر رکھا ہے اور اسکی اطلاع حضرت تھانوی کو بھی پہنچا دی تو حضرت تھانوی نے اپنی استفتاء سے رجوع فرما لیا اور فرمایا کہ میرے سامنے واقعہ کو غلط بیان کیا گیا تھا۔

اختلافی و نزاعی مسائل میں آپکی رائے بڑی جچی تلی ہوتی۔ اپنی موقف کو ٹھوس دلائل سے ثابت فرماتے۔ غیر ضروری مسائل میں شدت کو آپ پسند نہ فرماتے۔ مسئلہ حیات النبی جو ایک وقت پاکستان کے علمی فضاؤں میں گونج رہا تھا اور جس سے بعض علماء میں تفرقہ انتہاء کو پہنچ چکا تھا اس بارے میں یہ استفتاء آپ کے پاس آیا۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ میں کہ حضرت اقدس نبی کریم ﷺ پر وعدہ الہی کے مطابق کیا حقیقتہ" موت واقع ہوئی کیا آپکی روح مقدس جسد اطہر سے منقطع ہو کر جنت الفردوس میں رفیق اعلی کے ساتھ جاملی کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے آپؐ کے جسد اطہر کو واقعی میت سمجھ کر قبر مبارک میں دفن کیا یا زندہ سمجھ کر اور پھر عالم دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد کیا آپ کو عالم برزخ مین شہداء سے بھی اعلے وارفع حیات برزخی حاصل ہوئی اس عالم میں بھی دنیوی حیات آپ کو عطاء فرمائی گئی۔ اہل سنت کا مسلک اس میں واضح فرمایا جائے بینوا توجروا۔ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

"الحمد اللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفے اما بعد"
احقر ناکارہ عرض گذار ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق متعدد اصحاب نے مجھ سے بھی

دریافت کیا۔ میں یہی عرض کرتا رہا کہ یہ مسئلہ مدار نجات نہیں۔ اس میں چھیڑ چھاڑ اختلاف و منازعت مناسب نہیں تاہم بعض حضرات کے اصرار پر رسالہ حنفیہ لاہور اور رسالہ رحمت کائنات میں میں نے اپنی رائے مختصرا ظاہر کر دی تھی میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع و شائع ہو چکا اس باب میں بہترین مضمون ہے ملاحظہ فرمایا جائے۔ دنیوی حیات بالمعنی المتبادر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اب تک تو میں برزخی حیات جو دنیوی حیات بالمعنی المتبادر سے ہزار درجہ اعلی و ارفع ہے ہی کو صحیح اور حق سمجھتا ہوں ' واللہ اعلم" مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے اس موضوع پر ایک رسالہ "رحمت کائنات" تحریر کیا اس پر تقریظ لکھتے ہوئے حضرت مولانا نے تفصیلی طور پر اپنی رائے ان الفاظ سے مدلل طریقہ پر واضح فرمائی۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کو موت بالمعنی المتعارف کا پیش آنا احقر کے نزدیک نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اسکے بعد عالم برزخ میں جملہ اموات کی خصوصا شہداء کی بالخصوص حضرات انبیاء علیہ السلام کی حیات بھی علی حسب المراتب اہل حق کی نزدیک مسلم اور متیقن ہے ان دونوں امور میں نصوص کو دیکھتے ہوئے احقر کو شک و شبہ کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی ایسے ہی حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اجساد طیبہ کا موت کے بعد صحیح سالم رہنا بھی مسلمات میں سے معلوم ہوتا ہے۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الممات کے آثار اس دنیوی حیات سے بھی زیادہ قوی اور اعلی معلوم ہوتے ہیں جن افعال اور آثار کا صدور ان حضرات سے اور علماء امت سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ صرف ارواح کے معلوم نہیں ہوتے بلکہ ان کے لئے تعلق بالا بدان کی بھی ضرورت ہے۔ جس کا مجھے علم نہیں کہ کس کیفیت سے ہے۔ قال الاستاذ ابو منصور قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا محمد صلی اللہ علیہ و سلم حی بعد وفاته یسر

بطاعات امته و ان الانبیاء علیہم الصلوة والسلام لا یبلون الخ قال البیہقی فی کتاب الاعتقاد الانبیاء علیہم الصلوة والسلام بعد ما قبضوا ردت الیہم ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء الخ مع انا نعتقد ثبوت الادراکات کالعلم والسماع لسائر الموتے فضلا عن الانبیاء و بعود الحیاة لکل میت فی قبرہ کماثبت فی السنة ولم یثبت انه یموت بعد ذلک موته ثانیة بل ثبت نعیم الجنة و عذابه و اما روایة حیاة الانبیاء فمقتضاها حیات الابدان کحالة الدنیا (اقلت لعلہ اقوی منہا)

مذکورہ بالا دونوں تحریروں کو دیکھ کر مسئلہ کی صحیح صورت ذہن میں آجاتی ہے اور اختلاف کا منشاء ہی سرے سے معدوم ہو جاتا ہے۔

مسئلہ اسقاط :۔ مروجہ حیلہ اسقاط کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد حضرات علمائے کرام باانصاف کی خدمت میں گذارش ہے کہ نفس حیلہ اسقاط میں (ان قیود و شرائط کے ساتھ جنکی حضرات فقہا رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے) کے جواز میں کسی سمجھدار با انصاف عالم کو احقر کے نزدیک اختلاف نہ ہونا چاہیئے۔ ایسی صورت میں بہتر صورت یہ ہے کہ حضرات علماء متفق ہوکر کوئی ایسی معتدل اور جائز صورت تجویز کرکے عوام کی سامنے پیش کریں جس پر ان کو عمل کرنے میں خلجان پیش نہ آئے اور انشراح صدر کی ساتھ اس پر عمل کر سکیں اور مدتوں کے اس موجودہ طریق کے ترک میں انکو تردد نہ ہو۔ ورنہ بصورت دیگر باہم اختلاف کی صورت میں علاوہ جماعت کے تشتت کے عوام کی اصلاح کی کوئی خاص توقع نہیں کیجاسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرماوے۔ بندہ عبدالرحمن

مسائل میں احتیاط کا پہلو ہمیشہ ملحوظ رہتا۔ چنانچہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آج کل چندہ کی جو رقوم بڑے لوگون سے حاصل ہوتی ہیں اس کے اکثر

کاروبار سودی اور غیر شرعی ہیں انکی آمدنی سے مدارس عربیہ کو چندہ ملتا ہے کیا ایسے مال سے دینی مدارس چلانے چاہئیں یا نہیں ؟ ۔ اسکے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

"کہ مال حرام تو بہر صورت حرام ہی ہے۔ وہ تو حیلوں بہانوں سے حلال نہیں ہوسکتا ۔ زکوۃ اس میں واجب ہو یا نہ ہو۔ مصرف اس کا کچھ بھی ہو بہر صورت زکوۃ سے مال حرام حلال تو نہیں ہو سکتا۔ بغیر مال حرام کی کام چلے یا نہ چلے اس کے ہم لوگ مکلف نہیں مال حلال سے جتنا کام ہوسکے کرنا چاہیے۔ بہرصورت یہ میری رائے ہے مناسب ہے کہ اس صورت حال کو حضرات علماء کرام کے سامنے پیش کیا جائے اور مختلف مدارس سے فتاوی حاصل کئے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے دیں کا اور خالص دین کا کام سمجھ کر مال حرام سے اس کو پورا کرنا میری سمجھ میں تو کم از کم نہیں آتا۔ بہر صورت اس میں آپ بھی سوچ لیں ' علماء سے بھی دریافت کرلیں اور پھر مجھے بھی مطلع فرمادیں"

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ جلسہ میں سجدہ کے بعد رب اغفرلی پڑھنا کیسا ہے آپ نے فرمایا امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جلسہ میں دعا فرض ہے لہذا ہمیں بھی پڑھنی چاہیئے تاکہ نماز بالاتفاق درست ہو جائے۔

مسائل میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اپنی نجی اہم مسائل میں صرف اپنے علم پر اعتماد نہ کرتے بلکہ دوسرے اکابر و اصحاب علم سے بھی فتوی حاصل کرتے۔ حضرت مولانا کو بسا اوقات ایسی جگہ جمعہ پڑھنے کا اتفاق ہوتا جہاں جمعہ کی اکثر شرائط (جو حنفیہ کے ہاں ضروری ہیں) مفقود ہوتیں اس کے بارے میں آپ نے حضرت مولانا تھانوی کی طرف رجوع کیا۔ حضرت تھانوی نے اس کے جواب میں فرمایا ایسے موقعہ پر فاتحہ خلف الامام پڑھ لینا چاہیئے تاکہ امام شافعی کے مذہب کے بناء پر نماز ہو جائے۔

اپنے خاندان میں جائداد کے ایک مسئلہ میں تنازع کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا نے استفتاء مرتب کرکے مولانا ظفر احمد صاحب تھانہ بھون و مولانا قاری سعید احمد، صاحب مظاہر العلوم کے پاس بھیجا۔ افادہ عام کے لئے

استفتاء مع دونوں جوابوں کے نقل کیا جاتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین صورت ذیل میں تین بھائی ہیں ان کے معاملات سب مشترک ہیں۔ جائیداد مکانات کھانا پینا اور سب اشیاء مشترک ہیں ان میں دو بھائی برسر روزگار ہے اور ایک بے روزگار ہے اور گھر پر رہتا ہے۔ گھر کا اور جائیداد کا انتظام سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ باپ بھی انکا اپنے روزگار سے روپیہ حاصل کرتا ہے اور یہ دونوں بھائی بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب روپیہ منتظم بھائی کے ہاتھ سے گھر کی ضروریات میں علی سبیل الاشتراک خرچ ہوتا ہے اور اسی مشترکہ آمدنی سے منتظم بھائی نے بہ مشورہ باپ کچھ جائیداد بھی خرید لی کئی سال کے بعد اس منتظم بھائی کا لڑکا برسر روزگار ہو جاتا ہے اور اس کے روزگار سے اس کو زیادہ روپیہ حاصل ہوا۔

دو تین سال بعد باپ کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد بھی ان تینوں بھائیوں کے معاملات مشترک رہے۔ باپ کے مرنے کے بعد بھی منتظم بھائی نے کچھ جائیداد خریدی جس میں منتظم بھائی کے لڑکے کا روپیہ زیادہ خرچ ہو اور باقی دو بھائیوں کا کم۔ مگر یہ جائیداد بھی علی سبیل الاشتراک خریدی گئی۔ اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا روپیہ جائیداد کے خریدنے پر کم خرچ ہوا۔ اور منتظم بھائی کے لڑکے کا حاصل کردہ روپیہ جائیداد پر زیادہ خرچ ہوا تفصیل معلوم نہیں۔ اب یہ تینوں بھائی جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور فقہ حنفی کے موافق یہ جائیداد ان تین بھائیوں پر علی السویہ اور برابر تقسیم ہوگی۔ یا منتظم بھائی کو زیادہ حصہ ملے گا اور کتنا زیادہ۔ کیونکہ اس کے لڑکے کا جائیداد خریدنے پر زیادہ روپیہ خرچ ہوا۔ اور اگر کسی صورت سے معلوم ہو جائے کہ منتظم بھائی کے لڑکے کا روپیہ جائیداد کے خریدنے پر اتنا خرچ ہوا اور دونوں بھائیوں کا اتنا۔ تو اس صورت میں یہ جائیداد کیسے تقسیم ہوگی۔ تینوں بھائیوں کو شرعاً مساوی حصہ ملے گا۔ یا منتظم بھائی کو زیادہ غرض دونوں صورتوں کا حکم مفصل تحریر فرمایا جائے۔ یہاں کے لوگوں کا رواج تو یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں تقسیم علی السویہ ہوتی ہے یہ نہیں کہ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم حصہ ملے۔ بحوالہ

کتب و صفحات جواب عنایت فرمایا جائے" اس کے جواب میں مولانا ظفر احمد صاحب نے تحریر فرمایا:-

سئل فی اخوة خمسة تلقوا ترکة عن ابیهم فاخذوا فی الاکتساب و العمل فیها جملة کل علی قدر استطاعة فی مدة معلومة و حصل ربح فی المدة فهل تکون الشرکة وما حصلوابالا کتاب بینهم سویة وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرة و صوابا الجواب نعم اذکل واحدمنهم یعمل لنفسه لاخوته علی وجه الشرکة واجاب الخیر الرملی بقوله هو بینهم علی السویة حیث لا یمیز کسب هذا من کسب هذا ولا یختص احدهما به ولا بزیادة علی الاخر اذالتفاوت ساقط کملتقطی السنابل اذاخلطاما التقطا الی آخر ما قال و اطال و اماد وا جاد ص ۹۲ من تنقیح الفتاوی الحامدة

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں یہ جائیداد تینوں بھائیوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہوگی جبکہ ہر بھائی نے اپنی کمائی کو دوسرے کے ساتھ مخلوط رکھا ممتاز نہیں کیا اور سب کا خرچ وغیرہ مشترک ہی اب تک چلتا رہا ہے تو اب تفاوت کو ساقط کیا جائے گا۔ اور سب کو بحصہ مساوی شریک سمجھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

اور مولانا قاری سعید احمد صاحب نے جواب میں فرمایا:-

"حامدا و مصلیا۔ باپ کے زمانہ حیات میں جو کچھ بھائیوں نے کمایا تھا وہ چونکہ باپ کو دیتے تھے اور باپ ہی کے مشورہ سے بھائی بحیثیت منتظم ہونے کے خرچ کرتا تھا اور کسی کا حصہ علیحدہ نہیں رکھا جاتا تھا اس لئے باپ کے زمانہ میں تو جو مال جمع ہوا اس میں باپ کے مرنے کے بعد سب کا حصہ برابر ہونا ظاہر ہے باپ کے مرنے کے بعد بھی چونکہ سب بھائیوں کا کاروبار مشترک رہا اور کسی کا حصہ کمی بیشی کے ساتھ مقرر نہیں ہوا سب مال مشترک ہی سمجھا جاتا رہا ہے جیسا کہ سوال

سے معلوم ہوتا ہے اور منتظم بھائی کے بیٹے نے جو روپیہ جائیداد کی خرید میں دیا ہے اگر وہ بطور قرضہ دیا ہے یا اس کا کوئی حصہ علیحدہ مقرر کیا گیا تھا۔ تب تو وہ اس قرار۔ داد کے مطابق لے سکتا ہے اور اگر اس نے اپنے باپ کو بلا کسی قرارداد کے روپیہ دیا جیسے کہ سب خاندان کے لوگ کما کر گھر دیتے تھے اور باپ نے اس کو جائیداد میں لگا دیا تو اسکا کوئی حصہ نہیں۔ بلکہ جو کچھ اس کے باپ کو ملے گا اس میں سے وہ حصہ دار ہوگا اور سب بھائیوں پر تمام جائیداد برابر تقسیم ہوگی۔ روپیہ کی کمی بیشی یا عمل نہ کرنے سے حصہ میں فرق نہ ہوگا۔

فاذا کان سعیهم واحد ولم یتمیز ماحصله کل واحد منهم بعلمه یکون ماجمعوه مشترکا بینهم بالسویة وان اختلفو فی العمل والرأی کثرة وصوابا کما افتی به فی الخبر به ردالمختار ص ۵۲۲ ' ج ۳ سئل فی اخوة خمسة سعیهم و کسبهم واحد وعائلتهم واحدة و حصلوا بسعیم و کسبهم اموالا فهل تکون الاموال الذکورة مشترکة بینهم اخماسالاجواب ماحصله الإخوة الخمسة بسعیهم و کسبهم یکون بینهم اخما سا اقول هذافی غیر الاب مع ابنه والزوج مع زوجة لمانقله المولف فی غیر هذالمحل عن دعوی النبرازیة و نصه ذکر شیخ الاسلام جلال الدین فی اب وابن اکتسبا ولم یکن لهما فاجتمع لهما من الکسب اموال الکل للاب لان الابن اذاکان فی عیاله فهو معین له

اساتذہ و مشائخ اور رفقاء کا علمی اعتماد اور قدر دانی

حضرت مولانا کی اس شان جامعیت اور تبحر علمی اور گہری نظر کا نتیجہ تھا کہ آپ کے اساتذہ و مشائخ اور رفقاء اور مدرسین کا آپ پر علمی اعتماد تھا۔ اس علمی اعتماد کی سب سے بڑی شہادت آپ کے استاد و شیخ حضرت مولانا خلیل احمد کا وہ طرز

عمل تھا کہ بذل الجہود کے تالیف کی وقت اس کے مسودات پر مستقل نظر ثانی کا حکم تھا۔ چنانچہ مولانا عاشق الٰہی صاحب تذکرۃ الخلیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔ "اثنائے تالیف میں حضرت کا معمولی بڑے اہتمام سے یہ رہا کہ جب کوئی نئی بحثہ تحریر فرماتے تو احباب و خدام کو خاص طور پر اس کے دیکھنے کی تاکید فرماتے اور اصلاح و اشکال کا تقاضا کیا کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب صدر مدرس مدرسہ کو بھی مستقل نظر ثانی کا امر فرمایا اور ابتدائی اجزاء پر مولانا نے بالاستیعاب نظر بھی فرمائی اشکالات بھی پیش فرماتے اور حضرت ان کو غور سے سنتے تھے۔ پھر ضرورت سمجھتے تو اپنی تحریر میں مراجعت فرماتے اور کبھی توضیح مضمون کے لئے عبارت ہی دوبارہ تحریر میں لاتے تھے۔" حضرت مولانا کی علمی قابلیت پر اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہو سکتی ہے۔ نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمدؒ زکریا صاحب اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔ بذل الجہود کی تالیف میں حضرتؒ مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کا معمول تھا کہ کوئی خاص مضمون ہوتا تو حضرت نوراللہ مرقدہ مولانا عبدالرحمان صاحب کو بھی اسکو خاص طور سے بلا کر دکھاتے مولانا مرحوم کو اگر کوئی اشکال ہوتا تو وہ ادباً[1] براہ

---

[1] اساتذہ کا ادب حضرت مولانا کی زندگی کا ایک روشن پہلو ہے اسی ادب کا نتیجہ ہے کہ بذل الجہود کے کسی اشکال کو براہ راست استاذ کی خدمت میں پیش کرنے سے اجتناب فرماتے۔ اپنے اکابر کا یہی شیوہ رہا ہے حضرت قاری محمد طیب صاحب نے ایکبار ذکر فرمایا کہ حاجی امداداللہ صاحب نے ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ وہ نقل کرنے کے لیے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو دیا۔ اسمیں ایک جگہ املاء کی غلطی تھی۔ ء کی جگہ ع تھا آپ نے اسکو بدلا نہیں بلکہ حضرت کے پاس کتاب اٹھا کر لے آئے کہ یہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا اور جگہ چھوڑ دی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ گویا حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اتباع کا طریقہ اختیار کیا نہ کہ تلقین کا۔ مولانا مجید حسن صاحب نے پہلی مرتبہ حضرت شیخ الہند کا ترجمہ شائع کرانیکا جب ارادہ کیا تو اظہار رائے کے لیے حضرت حکیم الامت کی خدمت میں خط لکھا حضرت حکیم الامت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ نے مجھ کو اظہار رائے کا امر فرمایا ہے مگر غالباً آپکو حضرت کا اور میرا تعلق معلوم نہیں یا اسوقت ذہن میں نہیں رہا ورنہ میرے لیے ایسی جسارت کو تجویز نہ فرماتے۔ مجھ کو حضرت سے جو تعلق ہے جسکا نام (تلمذ ہے) وہ علوم میں محض تقلید کا ہے نہ کہ تنقید کا اور رائے اس شخص کی معتبر ہے جسکو حق تنقید ہو ورنہ مقلد کا کچھ کہنا قطع نظر اسکے خلاف مقتضائے باوجودت زمن آوازنہ یابد کہ منم، ہونے کے سبب سوء ادب ہے اس مضمون کا مصداق ہے مارخ خورشید مداح خود است۔ کہ در چشم روشن و نامر مداست۔ خود ثناگفتن زمن ترک ثنا است۔ دلیل ہستی و ہستی خطا است۔

راست حضرت سے تو نہیں فرماتے تھے البتہ اس ناکارہ سے فرما دیا کرتے تھے۔ اسکے بعد یہ ناکارہ مولانا کی موجودگی میں یا مولانا کی علیحدگی میں اس کی متعلق حضرت قدس سرہ سے عرض کر دیتا۔ اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کو اوجزالمسالک کے تالیف کے وقت حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب تحریر فرماتے ہیں اوجز المسالک کے متعلق یہ صورت تھی کہ اس ناکارہ کا معمول تقسیم ملک سے پہلے تک یہ رہا کہ اپنی تالیف عربی کی ہو یا اردو کی مولانا مرحوم (مولانا عبدالرحمن صاحب) مولانا اسعد اللہ صاحب اور قاری سعید احمد صاحب مرحوم کو حرفاً" حرفاً" دکھلاتا تھا اور یہ حضرات بڑی بے تکلفی سے اس پر نشانات لگاتے تھے اور پھر ہم سب مل کر اس کی اصلاح کر لیتے تھے اور مجھے بسا اوقات ان حضرات کے اصرار پر اپنی رائے کی پختگی کے باوجود ان کی رائے کا اتباع کرنا پڑتا تھا چنانچہ اوجز جلد ثانی کے ختم پر مولانا عبدالرحمن صاحب اور قاری صاحب مرحوم کی حرفاً" حرفاً" دیکھنے کی تصدیق طبع[1] ہو گئی ہے۔ تقسیم کے بعد

---

(1) حضرت شیخ الحدیث اور مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بڑا گہرا تعلق تھا حضرت شیخ الحدیث صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت سے بڑی محبت تھی اسی طرح حضرت مولانا الیاس صاحب سے بھی گہرا ربط تھا دہلی میں جب آپ تشریف لے گئے علاج کے سلسلے سے تو آپ کے پاس قیام تھا حضرت شیخ الحدیث صاحب کا اپنے اس تعلق کا ان الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں کہ مولانا مرحوم کے اس ناکارہ کے ساتھ تعلق کو تو یہ ناکارہ خود کیا بیان کرے ہر وقت شریک نوالہ و پیالہ تھے اس کو مولانا عبدالشکور صاحب اور صاحبزادگان نے خود ہی بہتیرا دیکھا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو تقسیم کے بعد ہر خط میں تقریباً" یہ شعر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

نہ دوری دلیل صبوری بود کہ بسیار دوری ضروری بود

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مظاہر العلوم والوں کے تعلق و محبت کا اندازہ صرف اس بات سے ہو جاتا ہے کہ مولانا قاری سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا امیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ باوجود صدر مدرس ہونے کے مدرسہ کے نقشہ اسباق میں نائب صدر مدرس لکھا جاتا۔ ارباب مدرسہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو پاکستان میں قیام کے باوجود صدر مدرس سمجھتے رہے یہ ان حضرات کی محبت و اخلاص کی بہترین دلیل ہے شاعر نے کیا خوب کہا ہے

وفکرم جارنا مادام فیلنا　　و نتبعه الکرامة حیث مالا

یہ کام صرف دو کا رہ گیا۔ مولانا اسعد اللہ صاحب اور قاری صاحب مرحوم اور
مرحوم کےانتقال کے بعد صرف مولانا اسعد اللہ صاحب رہ گئے تھے مگراب
چند سال سے ان کے امراض اور معذوری کی وجہ سے یہ سلسلہ بھی ختم ہی ہوگیا۔
انا للہ و انا الیہ راجعون ذھب الذین یعاش فی اکنا فھم
و بقیت فرداً کالبعیر الاجرب

حضرت مولانا محمود صاحب رنگونی نے اپنے مکتوب میں فرمایا کہ :۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے جب اوجز المسالک تالیف فرمائی تو حضرت شیخ الحدیث نے بلا ستیعاب عظیم ذمہ داری حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہ کے سپرد فرمایا اور حضرت الاستاذ کے مشوروں کو قابل قدر قرار دے کر موصوف نے قبول فرمایا۔ جس طرح مولانا عاشق الٰہی صاحب (استاذ دارالعلوم کراچی) تحریر فرماتے ہیں :۔

"کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکا تہم موطا امام مالک کی شرح لکھ رہے تھے اس کا پورا مسودہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے خدمت میں پیش کر دیتے۔ حضرت مولانا بے تکلف مسامحات کی نشاندہی فرماتے اور حضرت شیخ قبول فرماتے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب " دارالعلوم دیوبند کی ۵۰ مثالی شخصیات " میں ۳۴ نمبر پر حضرت مولاناؒ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے ۔

حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے اور عرصہ تک مظاہر العلوم کے صدر مدرس رہے تھے اور حضرت مولانا حضرت حکیم الامت

تھانوی رحمہ اللہ قدس سرہ کے خلیفہ ارشد تھے ۔ ایک متبحر عالم دین ' ایک خداشناس بزرگ اور محامد و فضائل انسانی کے جامع انسان تھے۔ طبیعت بہت سادہ مزاج ' نرم اور رومتانت و تمکنت فطری اور علم و وقار خداداد تھا۔ حدیث علم کلام اصول و منطق رجوع الی الحق اور اپنے ساتھیوں سے بے حد خوش اخلاقی سے پیش آنا مولانا کی زندگی کا طرہ امتیاز تھا۔ حدیث سے خاص لگاؤ تھا اور تمام علوم و فنون کے جامع تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے بھی فیض یاب ہوئے اور پھر پوری عمر شب و روز تدریس علوم کی خدمت میں مصروف رہے۔ مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ خیرالمدارس ملتان اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈواللہ یار میں صدر مدرس کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ اس دوران ہزاروں طلباء علم حدیث کو اپنے فیض علمی سے مالا مال کیا۔

۲۷ شعبان ۱۳۸۵ھ کو انہوں نے رحلت فرمائی۔ ہمیں پاکستان کے روابط و مراسلت کے بند ہونے کی وجہ سے اس حادثہ عظیمہ سے بے خبری رہی۔ اب کوئی چار ماہ بعد پاکستانی ڈاک موصول ہوئی تو مولانا کے انتقال کی اطلاع ہوئی اور ہم نے مولانا کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرائی اور ان کے فضائل و مناقب بیان کئے گئے اور خصوصی دعائے مغفرت کرائی گئی۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

مکتوب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی جماعت تبلیغ
بنام صاحب سوانح حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب و دیگر اکابر علماء

بحضرت السامی حضرت ناظم صاحب و حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب و حضرت شیخ الحدیث صاحب و حضرت مولانا اسعداللہ صاحب دامت فیوضہم
السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۔ امید ہے کہ آپ حضرات بخیریت ہونگے ۔ بندہ بفضلہ بعافیت ہے عرصہ سے میرا اپنا یہ خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعت دین کیلئے خود جاکر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور

عوام کیطرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لئے گشت نہ کریں اس وقت تک یہ کام درجہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ عوام پر جو اثر اہل علم کے عمل و حرکت سے ہو گا وہ ان کی دھواں دار تقریروں سے نہیں ہو سکتا اپنے اسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرات اہل علم پر بخوبی روشن ہے۔

میں اپنے اسی نظریہ کے ماتحت ہمیشہ عزیزم مولوی یوسف صاحب کو اس سلسلہ میں باہر نکلنے کیلئے کہتا رہا ہوں جس کے نتیجہ میں وہ کل بروز جمعرات چودہ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۲ھ بہ ہمراہی عزیزم مولوی انعام الحسن و عزیزم مولوی عین الحسن صاحبان وغیرہ پورے ایک ماہ گشت کیلئے میوات تشریف لے گئے ہیں۔

غرض اسی عریضہ سے یہ ہے کہ اس قسم کے مواقع مزکتہ الاقدام بھی ہو جایا کرتے ہیں اور اہل خیر کو خصوصی چیز سے وحشت پیدا کرنے کے لئے اور اس کام سے انس پیدا ہونے سے بچانے کیلئے شیطان کو موقع ہاتھ آجاتا ہے خدمت حدیث جو کہ فی الحال مولوی یوسف صاحب کا موضوع زندگی ہے اپنی بے شمار عظمت و خوبیوں کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے مجھے ڈر ہے کہ ان کا یہ سفر باعث اس امر کا نہ ہو جائے کہ تبلیغ سے تو پوری دلچسپی پیدا نہ ہو اور اس مقدس خدمت سے دل بستگی نہ رہے لہذا آپ حضرات اہل خیر و برکت کی خدمت عالیہ میں گزارش ہے کہ اپنے اس برخوردار کیلئے جناب باری میں خصوصیت سے دعا فرمائیں کہ اس کی وابستگی و دل بستگی ان ہر دو خدمات سے عملی حسب المقدر پوری پوری قائم رہے حق تعالی آپ حضرات کا بابرکت سایہ مجھ پر تادیر قائم رکھے۔

والسلام

بندہ محمد الیاس

۱۵ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۲ھ

مولانا مفتی محمود الحسن گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کی مشہور علمی شخصیت تھے۔ فقہ، حدیث و تصوف سب علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور صاحب سوانح حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اپنے ملفوظات و مواعظ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ان سے منتخب کر کے سوانح میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

منتخبات از ملفوظات فقیہ الامت

حفاظت حدیث کے ضمن میں حضرات محدثین کی خدمات خصوصاً ان کے حفظ ثقاہت اور احتیاط کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ موضوع احادیث کو کس طرح محدثین نے بالکل الگ کر دیا۔ اس ضمن میں واقعہ بیان فرمایا کہ

"ندوۃ العلماء کے بیس بیس آدمی سفر کے لئے نکلے۔ تاکہ ان کے طلبہ کو تجربات ہوں۔ ان میں دو استاذ بھی تھے۔ یہ حضرات سہانپور پہنچے۔ ان حضرات کا طریقہ یہ تھا کہ گول حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ دو تین سطر کی عبارت لکھتے اور اس پرچہ کو ایک طالب علم کو دکھاتے اور وہ پرچہ واپس لے لیتے۔ پھر یہ طالب علم سے کہتے کہ اسی عبارت کو اپنی یادداشت سے لکھو۔ اس طالب علم کی لکھی ہوئی عبارت کو دوسرے طالب علم کو دکھاتے اور وہ پرچہ پہلے والے طالب علم کو دیتے۔ اور اس دوسرے طالب علم سے کہتے کہ تم اپنی یادداشت سے اس عبارت کو لکھو۔ وہ دوسرا طالب علم لکھتا تو اس پرچہ کو تیسرے طالب علم کو دیتے۔ اس طرح تمام طلباء سے لکھواتے۔ آخر میں تمام پرچوں کو دیکھتے تو کوئی دو پرچے ایسے نہ ہوتے جن کی عبارت یکساں ہو مقصود اس سے یہ تھا کہ جب یہیں سامنے بیٹھ کر اتنی سی عبارت یکساں نہیں لکھی جاسکتی تو یہ احادیث

اب بھی موجود ہیں تو بھائی جب حق تعالیٰ ایسے لوگوں سے دین کی خدمت لیتے ہیں تو حدیث کا ذخیرہ کیسے ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر دور میں کسی نہ کسی کو پیدا فرماتے ہیں جو دین کی خدمت کرے۔

صہ ۱۰ اصہ ۱۱ ملفوظات فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ قسط سادس مرتبہ مولانا نور اللہ قاسمی

فتوحات مکیہ قابل مطالعہ کتاب ہے ارشاد فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مسترشد کی فرمائش پر آٹھ جلدوں پر مشتمل "فتوحات مکیہ" لکھی بڑی مشکل کتاب ہے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو آسان کر کے اس کا خلاصہ "الیواقیت والجواھر" کے نام سے لکھا اور فرمایا کہ ہر مبحث شروع کرنے سے پہلے میں پوری کتاب فتوحات مکیہ کا مطالعہ کیا کرتا۔ اس کتاب کی تصنیف میں ایک ماہ کی مدت لگی تو اس طرح روزانہ پچیس جلدوں کے مطالعہ کی نوبت آتی تھی۔ اس کو اس وقت کے علماء نے میری کرامات میں شمار کیا ہے سب سے پہلے میں اپنی کرامت پر یقین لاتا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے خود کرامت کی بحث میں لکھا ہے کہ صاحب کرامت کا خود اپنی کرامت پر ایمان لانا ضروری ہے وہ کتاب مدرسہ کی تھی پھر میں نے وہ کتاب ذاتی بمبئی سے خریدی اس کو پڑھ کے ختم کیا۔ اس کے تمام مضامین کی فہرست بنائی۔ میرے استاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کامل پوری اس کتاب سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ اسباق میں بھی اس کے مضامین کو بیان کیا کرتے تھے۔ وہ پاکستان تشریف لے گئے تو میں نے ان کی خدمت میں وہ کتاب وہیں بھیج دی تھی جس پر انہوں نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا تھا۔

ص ۳۷۔۳۸ / ج ۶ ملفوظات فقیہ الامت

ستر خصموں کا جواب کہاں سے دوں گا

ارشاد فرمایا کہ اساتذہ کو اپنے معمولات کی وجہ سے طلبہ کا حرج نہ کرنا چاہیے۔ مطالعہ کر کے پڑھانا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے فرمایا کہ کتاب دیکھنے میں زیادہ وقت نہ لگایا کرو۔ رات کا اکثر حصہ اللہ اللہ کرنے میں مشغول رکھو۔ اس پر مولانا موصوف نے فرمایا کہ کتاب نہیں دیکھوں گا تو ستر خصموں (طلبہ) کا جواب کہاں سے دوں گا۔

(ملفوظات قسط سابع۔ ۷ ص ۶۰)

شعر و ادب

ارشاد فرمایا جو اشعار میرے سامنے آئے ہیں ان کو پڑھنے سے پہلے عروض کے ذریعے ان کا وزن معلوم کرتا ہوں۔ وزن معلوم ہو گا تو صحیح پڑھوں گا۔ وزن معلوم نہ ہو گا تو صحیح نہیں پڑھ پاؤں گا۔ یہ برکت ہے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری رحمۃ اللہ علیہ کی کہ فارسی پڑھنے کے زمانہ میں ہمارا امتحان ان کے پاس گیا تھا تو انہوں نے فرمایا مولوی محمود صاحب آپ کو شعر پڑھنا نہیں آتا اس وقت میں نے عروض کا مطالعہ کیا۔ کئی کتابیں دیکھیں۔ خود ہی دیکھیں۔ استاذ سے نہیں پڑھیں اور کوشش کی کہ ہر بحر میں کچھ شعر کہہ لوں۔ چاہے وہ شعر بامعنی ہوں یا بے معنی، وزن برابر ہونا چاہیے۔

(ملفوظات ج ۹۔ ص ۵۶)

طرزِ تدریس

مفتی محمود گنگوھی صاحب نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے نسائی اور ابن ماجہ پڑھی نیز خارج میں رشیدیہ، حصن حصین اور اقلیدس بھی مولانا کامل

پوری سے پڑھی ہے بعد عصر رشیدیہ پڑھتے تھے۔ ایک کتاب مولانا کے ہاتھ میں ہوتی۔ دوسری کتاب مفتی صاحب کے پاس ہوتی تھی۔ استاذ شاگرد کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ جہاں کوئی اشکال ہوگا تو پوچھ لیں گے۔ لیکن مفتی صاحب کو نہ کہیں اشکال پیش آیا اور نہ ہی مولانا کو کہیں کچھ فرمانے کی نوبت آئی۔

سوانح مفتی محمود الحسن گنگوھی، از مولانا محمد شاہد سہارنپوری ص ۱۳۔

نماز میں قرآن پاک غلط پڑھ کر صحیح پڑھ دینا

ارشاد فرمایا کہ نماز میں قرآن پاک غلط پڑھ کر پھر صحیح پڑھ دینے سے نماز کے فساد کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ فاسد نہیں ہوتی۔ (فتاوی ج۱ ص ۸۲)

ان میں تطبیق یوں دی جاسکتی ہے کہ پہلا قول فرض نماز سے متعلق ہے اور دوسرا قول تراویح سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ تراویح میں پورا قرآن پاک ختم کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں اس طرح کی غلطی ہو جانا اور نہیں خلاف فرائض کے ع کہ ان میں ایسی غلطی نادر ہے۔ (اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ) ایک مرتبہ سہارنپور میں ایک امام نے نماز کے اندر فسنیسره للیسریٰ کی بجائے فسنیسره للعسریٰ پڑھا پھر صحیح پڑھ دیا۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم نماز میں موجود تھے۔ انہوں نے سلام پھیر دیئے کے بعد فرمایا کہ نماز نہیں ہوئی۔ مولانا اسعد اللہ صاحب بھی تشریف مرماتھے انہوں نے عرض کیا کہ لوٹا کر صحیح پڑھ دیا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ جب ایک مرتبہ ٹوٹ گئی تو پھر نہیں جڑتی۔ (ص ۲۴ ملفوظات فقیہ الامتہ قسط اول۔)

الصلوۃ معراج المومنین کا ماخذ

ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت مدنی سے عرض کیا کہ حضرت آپ کے

مکتوبات میں الصلوۃ معراج المومنین کے محمل تو متورد بتلائے ہیں۔ مگر اس کا ماخذ نہیں رکھا۔ حدیث کی کس کتاب میں ہے تو فرمایا کہ اس کے موضوع ہونے پر اتفاق تو نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو اختلاف بھی نہیں ملا۔ یعنی یہ روایت حدیث کی کتابوں میں نہیں ملی۔ پھر فرمایا (حضرت زادہ مجدہ نے) کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے میرے پاس تحریر بھیجی۔ جس میں الصلوۃ معراج المومنین کے ماخذ کے متعلق یہی سوال تھا۔ میں نے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں اس کے متعلق دریافت کیا تو شیخ نے فرمایا کہ فلاں فلاں دو کتابوں میں اور دیکھ لو اگر ان میں بھی نہ ملے تو سمجھو کہ موضوع بھی نہیں۔ اس پر حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اچھا کچھ احادیث ایسی بھی ہیں کہ بطون اوراق ان کی زیارت سے محروم ہیں۔ نیز فرمایا (حضرت مدظلہ نے) کہ مکتوبات مجدد الف ثانی میں اور امام غزالی کی بعض تصانیف میں یہ حدیث مذکور ہے۔ مگر ماخذ ان کا بھی مذکور نہیں۔ اس طرح مکتوبات مجدد الف ثانی میں ذکر کی جانے والی احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔ اس میں بھی اس کا ماخذ ذکر نہیں کیا گیا۔

(ص ۷۱ ملفوظات فقیہ الامت قسط ثانی۔)

مظاہر علوم کی عربی زبان میں تاریخ فضیلۃ الشیخ صدر الدین عامر الأنصاری صاحب نے ۱۳۹۷ھ
بمطابق ۱۹۷۷ء میں قلمبند فرمائی تھی۔ اس میں ص ۶۹ پر حضرت مولانا کاذکران الفاظ میں کیا۔

الشيخ المغفور له مولانا عبدالرحمان بن الشيخ الحكيم گل احمد الكامل فورى

ولد فى ٢٧ اغسطس سنة ١٨٨٢ م (سنة ١٣٠ ھ)

والتحق بمظاهر علوم ذى القعدة سنة ١٣٣٠ ھ ، و تخرج منها سنة ١٣٣٢ھ ، و توظف فى مظاهر علوم سنة ١٣٣٣ ھ و تولى منصب رئاسة المدرسين فيها سنة ١٣٤٤ھ ، و بقى رئيس المدرسين حتى نهاية عام ١٣٦٦ھ . مكث فى الجامعة ٣٦ سنة يدرس العلوم العالية ، واشتهر بتدريسه الجامع الصحيح للامام الترمذى واعتبر من الفذاذ العلماء فى عصره ، و حين كان يقضى العطلة السنوية فى سنة ١٣٦٦ھ فى وطنه انقسمت الهند الى الدولتين ، فلم يستطع العودة الى الجامعة ، فشغل اوقاته فى خدمة العلم والدين فى المدارس العليا الباكستانية .

وقد تولى رئاسة المدرسين فى خير المدارس ملتان سنة ١٣٦٧، وبقى رئيسا لهم حتى عام ١٣٦٩ھ .

ثم اصبح رئيس المدرسين فى دارالعلوم الاسلامية تندواله يار سنة ١٣٦٩ھ و بقى فيها رئيسا حتى عام ١٣٧٢ھ .

ثم اصبح رئيس المدرسين فى الجامعة الاسلامية اكوره ختك سنة ١٣٧٢ھ وبقى فى رئاسته حتى عام ١٣٧٦ ھ .

وتوفى الى رحمة الله فى ٢٧ شعبان سنة ١٣٨٥ھ (٢١ ديسمبر سنة ١٩٦٥م) و دفن فى مسقط رأسه بهبودى .

و كان رحمه الله مرجعافى الحديث يميل الى الشرح والتدريس اكثر منه الى التاليف ، و يعتز هذا الكاتب بان قرأ الجامع للامام الترمذى على المغفور له ، تغمده الله بغفرانه ومن مؤلفاته :

الحاوى على مشكلات الطحاوى ومحاضراته على الجامع للامام الترمذى .

تاریخ مظاہر میں مولاناؒ کاذکر

تاریخ مظاہر کے نام سے مظاہر علوم کی تاریخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ؒ کی سرپرستی میں شائع ہوئی ہے اس میں حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب ؒ کا جہاں تذکرہ ہے اس کے اقتباسات درج کئے جارہے ہیں۔ ص ۱۳۷ ج ۱ : تاریخ مظاہر۔ ۴۸ بنائی مطابق ۱۳۳۰ھ کے ضمن تغیرات کے عنوان سے مکتوب ہے۔

اس سال قاری ضیاء الدین کے شاگرد سید قاری محمد قاسم کی تشریف آوری پر اس شعبہ (قرات) کا افتتاح کیا گیا اپنے روز افتتاح سے ٹھیک ایک ماہ بعد طلبائے تجوید نے پرکشش انداز سے کلام مجید سنانا شروع کیا جسے قاری صاحب کی حسن سعی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے جن طلبہ نے اس شعبہ میں داخلہ کیا ان میں مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری ۔ ۔ ۔ ۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ص ۹ ج ۲ تاریخ مظاہر ۱۰ بنائی ۱۳۳۳ھ تغیرات کے ضمن میں مرقوم ہے۔

حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب جو مدرسہ سے وابستہ تھے اور تدریسی خدمات آپ کے سپرد تھیں ۔۔۔۔ اس سال حضرت سہارنپوری کی معیت میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اس لئے مولوی محمد حیات صاحب تا واپسی حجاج مدرس مدرسہ بنائے گئے اور چونکہ مولانا عبدالرحمان صاحب کا تقرر ابھی حال ہی میں ہوا تھا اور خداداد قابلیت اور وہبی ذہانت اور استعداد کی بناء پر طلبہ کو ان سے موانست تھی اس لئے ان دوحضرات کی غیبت سے درس و تدریس میں کچھ تغیر نہیں ہوا نہ ہی کوئی کمی محسوس ہوئی۔

ص ۴۱ ج ۲ تاریخ مظاہر ۰۸ بنائی مطابق ۱۳۴۰ھ

مظاہر کے فارغین میں مولانا عبدالشکور صاحب کاملپوری (جو بعد میں مظاہر کے اکابر مدرسین میں سے ہوئے اور اول نمبر آنے پر ان کو انعام بھی دیا گیا۔

ص ۵۲ ج ۲ تاریخ مظاہر ۱۳۴۱ھ

حضرت سہارنپوری کے سفر بلند شہر کے موقع پر آپ کے غیبت میں اسباق تقسیم کئے گئے جس میں بخاری شریف کے پانچ پارے مولانا عبدالرحمان صاحب کو دیئے گئے۔

ص ۶۳ ج ۲ ت م ۱۳۴۴ بنائی ۶۲

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سفر حجاز روانگی کے وقت مدرسہ کے امور کی انجام دہی کے لئے مولانا عبداللطیف صاحب کو ناظم مدرسہ اور مولانا عبدالرحمان صاحب کو صدر مدرس تجویز فرمایا اور اس بارے میں ارباب مدرسہ کو مطلع فرمایا۔

ص ۸۱ ج ۲ ا۔ م

نقشہ انضباط تعلیم ۔ مدرسہ کے سرپرستان نے مولانا عبدالرحمان صاحب کے ذمہ جو نقشہ انضباط تعلیم ذمہ لگایاتھا اس کے بارے میں روئیداد میں ہے کہ : مولانا عبدالرحمان کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کے مجوزہ نقشہ نصاب کی سابقہ جلسہ میں منظوری دی جاچکی ہے اس کی تنفیذ فرمادیں اور آئندہ شعبہ تعلیم کی نگرانی کے ذمہ دار اپنے آپ کو تصور فرمائیں اور اس شعبہ کی اصل مغز اور خلاصہ تمام محنتوں کا ہے خوبیوں کو مدنظر رکھ کر ہم خدام کو تحسین کا موقع دیں۔

عاشق الٰہی ' رشید احمد ' رحیم بخش

میں بھی مولانا عاشق الٰہی کی رائے سے متفق ہوں ' اشرف علی

ص ۱۱۷ ج ۲ ت ۔ م

اس سال نو ذی قعدہ ۰۵ھ مطابق ۲۳ جنوری ۳۷ء شب شنبہ میں حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری صدر المدرسین سفر حج کے لئے تشریف لے گئے اور بخیر وعافیت ۲۲ محرم ۰۶ھ دوشنبہ کو تشریف لائے۔

ص ۱۹۷ ج ۲ ت ۔ م

مظاہر علوم صدر مدرس کی فہرست میں مولانا عبدالرحمان از ۴۴ تا سنہ ۶۶ھ درج ہے

حضرت مولانا مفتی محمود داؤد یوسف صاحب مفتی اعظم برما نے راقم کی درخواست پر ایک مضمون تحریر فرمایا تھا وہ بعینہ درج کیا جارہاہے موصوف نے حضرت ؒ کے سفرحج کے حالات بھی تحریر فرماتے ہیں۔

بعضے ازحالات طیبات حضرت الاستاذ جناب اقدس مولانا الحاج المحدث العلامہ عبدالرحمن صاحب کاملپوری قدس سرہ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد

غالباً" اواخر فروری سن ٦٦ھ میں خیال ہوا کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کی خدمت مبارکہ میں عریضہ ارسال کرکے دعا کی درخواست کروں اس خیال کو عملی جامہ پہنایا 'عریضہ ارسال کردیا ' قوی امید تھی کہ حسب معمول شفقت آمیز جواب موصول ہوگا مورخہ ١٢ مارچ سن٦٦ھ کو ایک مدرسہ کے سالانہ امتحان سے فارغ ہو کر تقریباً" ١٢ بجے مرکزی جمعیتہ علما برما کے دفتر میں پہنچا ' تو میرے نام ایک مکتوب پاکستان سے آیا ہوا رکھا دیکھا' کھڑے کھڑے سرسری نظر سے اتنا پڑھ لیا کہ' یہ خط کیمبل پور سے آیا ہے ایک لمحہ خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ ہو نہ ہو حضرت الاستاذ کا گرامی نامہ ہے ' پھر جب اس کو ہاتھ میں لیا اور اچھی طرح سے دیکھا تو مرسل کے نام لکھنے کی جگہ میں بجائے حضرت الاستاذ کے جناب صاحبزادہ مولانا سعید الرحمن صاحب خطیب جامع مسجد راولپنڈی کانام پڑھنے میں آیا ' اسی وقت ماتھا ٹھنکا ' مگر ساتھ ہی یہ خیال ہوا کہ شاید حضرت الاستاذ زیادہ علیل ہونگے اس لیے جناب صاحبزادہ صاحب موصوف کو حکم ہوا ہوگا کہ جواب لکھدیں اللہ اللہ کرکے خط کو کھولا اور جب شروع ہی کی سطروں میں حضرت الاستاذ قدس سرہ کے وصال کی خبر پڑھی تو دل پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ' دوست واحباب جو وہاں موجود تھے ان کو یہ وحشتناک واندوہناک خبر سنائی ' پھر دن بھر حضرت کی باتیں عنایات ' شفقتیں اور حضرت کے کمالات سب آنکھوں میں پھرتے رہے اپنے رفقاء کو بھی سناتا رہا ' معمول کے مطابق اسی رات یعنی سنیچر کے

روز عشاء کی نماز کے بعد یہاں کی سورتی سنی جامع مسجد میں جو برما کی سب سے بڑی مسجد ہے اور جس کو یہاں مرکزیت حاصل ہے ' تفسیر سنایا کرتا ہوں ' آج بھی اس خدمت کو انجام دینا تھا مگر طبیعت بڑی مضمحل تھی ' خیال ہوا کہ معلوم نہیں آج بیان بھی ہوسکے گا یا نہیں ' آج ناغہ کردوں تو کیسا رہے گا - پھر اس تصور نے ہمت پیدا کردی کہ ہمارے حضرت الاستاذ قدس سرہ تو سراپا خیروبرکت تھے آنکھوں نے قیام سہارنپور کے دوران ایسے ہی غم کے موقعہ پر ان کا عمل دیکھ لیا تھا کہ جواں سال لخت جگر سب سے بڑے صاحبزادہ کے فوت ہونے پر ایک روز بھی اسباق کا ناغہ نہیں فرمایا - لہٰذا ان ہی کی پیروی کرنی چاہیئے بلکہ اس سے خیال میں اتنی تقویت پیدا ہوگئی کہ کیا عجب ہے کہ اوردنوں سے حضرت قدس سرہ کی برکت سے زیادہ مقدار میں مفید بیان ہوجائے یہ بھی خیال ہوا کہ آج کے بیان کا ثواب بھی تو حضرت ہی کو پہونچانا چاہیئے ' پس بنام خدا مقررہ پروگرام کے مطابق جامع مسجد میں عشاء کی نماز کے وقت پہنچ گیا ' اور عشاء کے بعد معمول کے مطابق بیان شروع ہوا' واقعی حضرت الاستاذ قدس سرہ کی برکت کا مشاہدہ کیا - اس روز لن تنالوالبر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوامن شی فان اللہ بہ علیم کی تفسیر شروع کی مماتحبون تک گزشتہ مرتبہ بیان کرچکا تھا - وما تنفقوا سے باقی تھا اس کے بعد آج ومن دخلہ کان امنا" تک بیان جاری رہا میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس روز جس انشراح قلب وروانی سے ٹھوس مضامین بیان ہوتے چلے گئے اس کا بہت ہی کم اتفاق ہوا - برابر حضرت الاستاذ قدس سرہ کی روحانیت نے اثر دکھلایا۔

حضرت الاستاذ قدس سرہ کے ساتھ سفر حج کا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آگیا ' ہمیشہ ایک گھنٹہ بیان کا معمول تھا آج ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا' اختتام پر حضرت الاستاذ کا ذکر مبارک اختصار کے ساتھ رنج وغم سے ڈوبی ہوئی آواز میں سامعین کے سامنے کیا ' وفات کی خبر سنائی اور رفیع درجات

کے لیے دعا وایصال ثواب کی بھی درخواست پیش کردی۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کردیا کہ میں اپنے حضرت الاستاذ کے لیے رسمی طورپر ختم قرآن کی مجلس منعقد نہیں کرونگا' آپ حضرات حسب توفیق برضاورغبت اخلاص سے جتنا بھی ہوسکے حضرت کے لیے ایصال ثواب کرکے مجھ پر احسان کریں'۔ سامعین نے اس طرح کی درخواست پہلی بار سنی تھی ورنہ عام طور پر ایصال ثواب کی رسمی مجلسیں ہوتی ہیں شرما حضوری یا زبردستی لوگوں کو محبوس کرکے قرآن خوانی کی جاتی ہے۔ حضرت الاستاذ کی برکت سے اس کا اچھا اثر ہوا اورمجھے امید ہے کہ مخلصوں نے اپنے اپنے طورپر حسبتہً للہ حضرت کے لیے ضرور ایصال ثواب خاصی مقدار میں کیا' جامعہ دارالعلوم تانبوے کے اساتذہ تواکثر وبیشتر حضرت الاستاذ کے تلامذہ ہی ہیں اور طلبہ تو روحانی پوتے ہیں وہاں برضاورغبت ختم قرآن ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مقبول فرما کر اس کو حضرت الاستاذ قدس سرہ کے ذخیرہ آخرت میں شامل فرما دے' آمین'۔

میرے استاذ زادہ برادر محترم مولانا سعید الرحمن صاحب عم فیضہ نے اپنے خط میں سانحہ وفات کی اطلاع کے ساتھ حضرت الاستاذ قدس سرہ کے سفرحج کے واقعات اوردیگرحالات کو ضبط کرنے کا خود بھی حکم دیا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ استاذ محترم حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہم کا بھی یہ حکم ہے کہ حضرت کے خصوصاً سفرحج کے حالات تم ضرور لکھ کر بھیجدو تاکہ حضرت مولانا کے سوانح میں اس کو شامل کیا جائے'گو مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ ایسے جلیل القدر صاحب نسبت بزرگ وعلامہ کے حالات پر کچھ لکھنا مجھ جیسے گنہگار وبے علم کے بس کی بات نہیں مگر اپنے بڑوں کے حکم کی تعمیل میں اپنی سعادت سمجھ کر اس کی ہمت کرلی اورجن واقعات کا مجھے علم ہے سیدھے سادھے الفاظ میں ان کو قلمبند کردیتا ہوں'۔

سنہ ہجری تو مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے' البتہ یہ بخوبی یاد ہے کہ

۱۹۲۹ء غالباً" وسط اپریل میں حضرت حکیم الامتہ مجدد الملتہ مرشدی مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے مشورہ سے اور حضرت اقدس قدس سرہ ہی کا سفارشی والانامہ لیکر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور تعلیم کے لیے حاضر ہوا۔ حمد باری و آمد نامہ سے تعلیم کا آغاز ہوا - جامعہ مظاہر علوم کے اساتذہ کرام سے سوائے استاذ معظم حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی رحمتہ اللہ علیہ واستاذ مکرم حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب مدظلہم العالی کے کسی سے تعارف نہ تھا، یہ دونوں حضرات متعدد بار رنگون تشریف لا چکے تھے -

حضرت اقدس استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللطیف صاحب قدس سرہ ' ناظم اعلیٰ کی تربیت ونگرانی میں تعلیمی زندگی کا آغاز ہوا' ان دونوں چھوٹی سی کتابوں کوازراہ شفقت خود پڑھاتے تھے - کچھ عرصہ بعد فارسی خانہ میں ہمیں شامل کرویا گیا 'حضرت اقدس ناظم صاحب قدس سرہ کے یہاں عصر کے بعد اکثر مجلس شوریٰ ہوا کرتی تھی ' میں اس مجلس کے حاضرین کیلیے پان بنا کر پیش کیا کرتا تھا ' اس میں حضرت الاستاذ مولانا الحاج عبدالرحمن صاحب کاملپوری قدس سرہ صدر المدرسین بھی شریک ہوا کرتے تھے ' اکثر حضرت مولانا قدس سرہ کے ہمراہ استاذ محترم حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہم العالی بھی ہوا کرتے تھے ' وہیں سے حضرت الاستاذ قدس سرہ 'کو پہچاننے لگا ' شروع ہی میں حضرت کی عظمت دل میں بیٹھ گئی ' علاوہ ازیں کچھ رنگونی طلبہ یعنی مولانا نور احمد صاحب 'مولانا سید حسین صاحب' ومولانا بشیر اللہ صاحب حال استاذ حدیث وناظم جامعہ عربیہ دارالعلوم تانبوے رنگون یہ حضرات اول کچھ عرصہ ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے بعد میں دارالطلبہ میں اقامت اختیار کرلی ' مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان صاحبوں کے حجرہ کا نمبر ۱۸ تھا ' اور یہ حجرہ استاذ محترم حضرت مولانا عبدالشکور صاحب ' مدظلہم کے حجرہ سے قریب تھا درمیان میں صرف دو حجروں کا فاصلہ تھا ' حضرت مولانا موصوف مدظلہم کی عنایات ونوازشیں ان صاحبوں پر بے حد تھیں چنانچہ اس

تقریب سے میری آمدورفت بھی حضرت مولانا موصوف مدظلہم کے حجرہ میں ہونے لگی ' ظاہر ہے کہ حضرت مولانا موصوف مدظلہم ہمیں شفقت سے کیسے محروم فرماتے ' پھر خصوصاً" میرے دادا حضرت حاجی محمد یوسف رحمتہ اللہ علیہ جو کہ حضرت اقدس حکیم الامتہ مولانا تھانوی قدس سرہ کے دیرینہ خادم وخلیفہ خاص تھے ' اورمیرے والد مرحوم حضرت حاجی داؤد ہاشم یوسف صاحب بھی حضرت اقدس حکیم الامتہ مولانا تھانوی قدس سرہ کے مخصوص ترین خدام میں سے تھے '۔

میرے ان دونوں بزرگوں کو عموماً" تمام ہی حضرات علماء حق سے خصوصی تعلقات تھے اس بناء پر بھی حضرت مولانا موصوف مدظلہم بلکہ دیگر اساتذہ کرام بھی اس ناکارہ پر بہت جلد شفقت فرمانے لگے غرضیکہ جب ہماری رسائی حضرت استاذ مولاناعبدالشکور صاحب تک ہوئی تو بھلا حضرت اقدس مولانا کا ملپوری قدس سرہ ' سے کیسے دور رہ سکتا۔

میں نے اپنی زندگی میں صرف تین مثالیں دیکھی ہیں کہ چھوٹے نے اپنے بڑے کا کبھی ساتھ نہیں چھوڑا ' ہمیشہ بڑے کے معمولی اشارہ پر حکم کی تعمیل میں کمربستہ رہتے ' ایک حضرت محترم مولانا شبیر علی صاحب ' تھانوی مدظلہم العالی اپنے بڑے چچا (تایا) حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانوی قدس سرہ کے ساتھ ' دوسرے میرے والد صاحب مرحوم ومغفور کو ان کے چچا حضرت حاجی محمد یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ' اور تیسرے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہم العالی کو حضرت الاستاذ مولانا کاملپوری قدس سرہ ' کے ساتھ جو تعلق تھا 'اس کی مثال نہیں ملتی بس یہ تین نمونے میرے علم میں ہیں ۔ مجھے صرف اتنی خبر ہے کہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب ' مدظلہم کی حضرت الاستاذ قدس سرہ سے کوئی قریبی رشتہ داری ہے مگر کیا رشتہ داری ہے اس کی خبر نہیں ' بہر حال رشتہ داری کے یہ تین نمونے قابل تقلیدو قابل رشک ہیں ۔ جناب صاحبزادہ موصوف کے خط سے مجھے اس بات

کا پورا اندازہ ہوا کہ جس طرح حضرت حاجی محمد یوسف صاحب کے انتقال پر۔
میرے والد صاحب مرحوم کا جو حال ہوا تھا تقریباً وہی حال اب حضرت مولانا
عبدالشکور صاحب مدظلہم کا ہے حاصل یہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالشکور
صاحب مدظلہم وحضرت اقدس مولانا کاملپوری قدس سرہ سے شرف تلمذ سے
بہت پہلے میرے خصوصی تعلقات ہوگئے تھے اکثر وبیشتر چائے نوشی کا موقعہ
نصیب ہوتا ان دونوں حضرات کے ساتھ ساتھ تھانہ بھون کی حاضری میں
رفاقت سفر کی سعادت حاصل ہوا کرتی ' اسی اثناء میں شیطان کے ورغلانے
سے دل میں یہ خیال آیا کہ سہارنپور کے قیام کو چھوڑ کر دیوبند یا کہیں اور چلا
جاؤنگا ' واقعہ یہ ہوا کہ ایک استاذ کے پاس ہماری شرح تہذیب پہلے سے
ہورہی تھی ' اتفاق سے وہ استاذ مدرسہ سے تعلق ختم کرکے چلے گئے '
دوسرے استاذ کے پاس کتاب منتقل ہوگئی ' اکثر شرکاء ان مدرس صاحب سے
پڑھنے پر آمادہ نہ تھے ' طرح طرح کے بہانے نکال کر یہ درخواست پیش کردی
کہ ان کے پاس کتاب سمجھ میں نہیں آتی کسی دوسرے مدرس کے پاس
خصوصاً حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی کے پاس اس کتاب کو منتقل کردیا
جائے یہ مدرسہ کے قاعدہ کے خلاف تھا ' اوردراصل اس کا کوئی ٹھوس ثبوت
بھی ہم اس وقت تک پیش نہ کرسکے ' چنانچہ ہماری درخواست مسترد ہوگئی '
اس وجہ سے میں نے سہارنپور چھوڑنے کا ارادہ کیا ' حضرت الاستاذ قدس سرہ
کو میرے ارادہ کی اطلاع ہوگئی ' مجھے طلب فرما کر دریافت فرمایا کہ کیا قصہ
ہے میں نے عرض کردیا کہ شرح تہذیب فلاں مدرس کے یہاں ہورہی ہے
اور ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور اہل مدرسہ دوسری جگہ اس کتاب کو بدلنے
پر رضا مند نہیں ' اس لیے میں یہاں سے چلا جاؤنگاں ' ارشاد فرمایا کہ بھائی
بس اتنی سی بات پر تم ہم لوگوں کو چھوڑنا چاہتے ہو آخر تم چاہتے کیا ہو یہی
ناکہ کتاب تمہاری سمجھ میں آجائے ' اس کے لیے میں تیار ہوں تم خارج
میں مجھ سے پڑھ لیا کرو اس کے بعد مجھے کچھ عرض کرنے کی گنجائش نہ رہی

' اورمغرب کے بعد حضرت الاستاذ قدس سرہ مجھے شرح تہذیب کا درس دینے لگے 'حالانکہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کا یہ معمول نہیں تھا' خارج میں کسی کو پڑھاتے میں نے اپنے آٹھ سالہ قیام میں نہیں دیکھا'۔

غرضیکہ جب کبھی میرے دل میں اکڑنے کا معاملہ پیش آتا' حضرت الاستاذ قدس سرہ ہمیشہ مناسب نصائح کے ذریعہ محبت وکرم سے میری دلداری فرماتے اور مجھے اپنے غلط رویہ کوترک کرنا پڑتا'

تھانہ بھون کی رفاقت سفر کے دو واقعات ہمیشہ یاد رہینگے ' حضرت اقدس سیدی حکیم الامتہ قدس سرہ نے وعظ فرمانا ضعف کی وجہ سے ترک فرمادیا تھا' میں نے کبھی حضرت کا وعظ نہیں سنا تھا جس کے سبب بڑی حسرت ہوتی تھی ' ایک مرتبہ ہمت کرکے حضرت اقدس کی خدمت میں اپنی خواہش کا اظہار کیا' ارشاد فرمایا کہ تمہارے والد صاحب عنقریب یہاں آنے والے ہیں اس وقت یاد دلانا' چند مہینے کے بعد حضرت والد صاحب مرحوم کی حاضری ہوئی ' حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب[1] چاندپوری بھی ہمراہ تھے ' میں نے والد صاحب سے اس وعدہ کا ذکر کیا تو بڑے خوش ہوئے چنانچہ والد صاحب مرحوم نے میرے حوالہ سے وعظ کی درخواست پیش کردی حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے وعدہ یاد نہیں آتا' پھر بھی اس کو جھوٹا نہیں سمجھتا ہوں ' بہر حال آپ کی بھی خواہش کا مجھے خیال ہے' اس لیے ہمت کرلوں گا ' اس وقت عرصہ دراز کے بعد وعظ ہوا' اس وقت مجھے اس وعظ کانام یاد نہیں ' البتہ وہ وعظ سلسلہ التبلیغ میں شائع ہوچکا ہے

تھانہ بھون حاضری

پھر کچھ عرصہ کے بعد دیوبند کے اساتذہ وطلبہ کثیر تعداد میں عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے موقعہ پر حاضر ہوئے اور وعظ کی درخواست کی جس کو حضرت اقدس قدس سرہ ' نے قبول فرمالیا'

جب حضرت الاستاذ قدس سرہ کو اس وعظ کا علم ہوا تو مجھ سے

[1] مولانا سید محمد مرتضیٰ نقوی مظاہری ندوۃ العلماء میں تدریس اور کتب خانہ کے امور سے متعلق رہے ہیں ۴ نومبر ۱۹۹۵ء میں ان کا انتقال ہوا ان کے حالات و خصوصیات پر مولانا عتیق احمد قاسمی نے ایک مضمون تحریر فرمایا جو الفرقان میں طبع ـــــ

فرمانے لگے کہ شیخ ہم لوگ بھی حاضر ہوکر وعظ کی درخواست کریں گے ' حضرت الاستاذ قدس سرہ کے اس ارادہ کا علم ہوا تو تقریباً" ۱۳ علماء وطلبہ کی ایک جماعت حضرت الاستاذ کی رفاقت میں تھانہ بھون حاضر ہوئی -

پہلی ہی نشست میں حضرت الاستاذ قدس سرہ ' نے درخواست پیش کردی اورحضرت استاذ محترم مولانا زکریا صاحب قدوسیؒ نے تائیداً" عرض کیا کہ حضرت یہ پورا قافلہ وعظ سننے حاضر ہواہے ' ازاں بعد میں نے بھی دبے الفاظ میں کچھ عرض کیا ' تو ارشاد فرمایا کہ تم کو کچھ کہنے کا وعظ کے بارے میں حق نہیں ' تم نے تو وعظ کہلوالیا ہے' احقر نے عرض کیا کہ وہ وعظ تو والد صاحب کی درخواست پر ہوا تھا ' حضرت اقدس مسکرانے لگے ' پھر فرمایا کہ اچھا آپ صاحبان دعا کریں اگر دل میں تقاضا پیدا ہوگیا تو خود اعلان کروں گا اس روز شام تک کچھ پتہ نہ چلا حضرت الاستاذ قدس سرہ کوسب سے زیادہ اشتیاق تھا خود بھی دعا فرماتے اورسب کو یاد دلاتے ' دوسرے روز ظہرتک بھی کچھ پتہ نہیں چلا ' توحضرت الاستاذ قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا کہ بھائی تم حاضر ہو کرپھر حضرت سے درخواست کرو ' میں نے عرض کیا کہ حضرت والا کہیں ناراض ہوجائینگے اورمجھ پر ڈانٹ پڑیگی میں توڈرتا ہوں حضرت الاستاذ نے فرمایا اگر ڈانٹ پڑی بھی تو کیا ' ہم لوگوں کو تو ہمیشہ اس کے لیے تیار رہنا چاہیئے پھر ہنس کر فرمایا کہ شیخ تم ایک تو ہم لوگوں میں چھوٹے ہو اورحضرت والا یوں بھی تم پر شفقت ومہربانی فرماتے ہیں ' اس لیے تم ہی اس کام کے لیے زیادہ موزوں ہو'اس حکم کوسن کر حضرت اقدس قدس سرہ کی خدمت مبارکہ میں ڈرتے ہوئے حاضر ہوا اوردرخواست یاد دہانی سب کی طرف سے کردی مسکرا کر فرمانے لگے ' تم لوگ دعا تو کرتے نہیں اورتقاضا کرتے ہو' میں نے نہایت لجاجت سے عرض کیا حضرت ہم سب برابر دعا کررہے ہیں ' فرمایا کہ اچھا کوشش کرونگا پھر عصر کے بعداعلان فرمادیا کہ احباب کی خواہش پر مغرب کے بعد بیان ہوگا' چنانچہ عجیب وغریب بیان ہوا'

میرے خیال میں وہ وعظ شائع نہیں ہوا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کی رفاقت میں تھانہ بھون حاضر ہوا حضرت نے اپنے کھانے کا دوسری جگہ انتظام فرمارکھا تھا اور میرے لیے کھانا حضرت اقدس حکیم الامتہ قدس سرہ کے یہاں سے آنا طے تھا ' میں نے حضرت الاستاذ قدس سرہ سے عرض کیا کہ میرا کھانا توحضرت اقدس کے یہاں سے آئیگا' اسی لیے حضرت انتظار نہ فرمائیں اپنا کھانا کھالیں ' حضرت الاستاذ قدس سرہ سمجھ گئے ' فرمایا ارے بھائی ' جب حضرت کے یہاں سے تمہارے لیے کھانا آئے اسی وقت ہم بھی کھائیں گے ' کیا میں حضرت کی اولاد (روحانی) میں سے نہیں ہوں - اس کھانے میں میرا بھی حق ہے چنانچہ ساتھ ہی کھانا تناول فرمایا اور حضرت اقدس قدس سرہ کے یہاں سے جو تبرک آیا تھا اس میں سے بے تکلف نوش فرمایا حضرت الاستاذ قدس سرہ کو اپنے مرشد کامل حضرت اقدس حکیم الامتہ قدس سرہ سے جس درجہ عقیدت ومحبت تھی وہ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی ' البتہ اس کے اظہار میں کامل ضبط فرمایا کرتے تھے جب حضرت اقدس حکیم الامتہ قدس سرہ ' کا وصال ہوگیا اور میں تھانہ بھون حاضر ہونے کے لیے سہارنپور پہنچا' اور حضرت الاستاذ قدس سرہ ' کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے اچھی طرح اس بات کا احساس تھا کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ' پر کافی اثر ہے -

تھانہ بھون سے واپسی پر حضرت اقدس قدس سرہ ' کی ایک کرامت جس کو عین وصال کے وقت بعض حاضرین نے مشاہدہ کیا تھا بطور تذکرہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کے سامنے بیان کیا ' تو فرمانے لگے کہ شیخ ' اس کا چرچا مت کرو ہم لوگ تو اپنے حضرت اقدس کے بارے میں اس سے بھی زیادہ کے عقیدت مند ہیں - مگر خواہ مخواہ نکتہ چیں لوگ اس پر تبصرہ کریں گے جس کو سن کر ہمیں کوفت ہوگی'

حضرت الاستاذ قدس سرہ کے علمی واخلاقی کمالات کو بیان کرنے کی

مجھ میں طاقت کہاں سے ہوسکتی ہے ' میں تو حضرت الاستاذ کا ایک ادنی ترین شاگرد ہوں 'یہ کام تو حضرت الاستاذ قدس سرہ کے باکمال تلامذہ ہی کرسکتے ہیں ' البتہ اس سلسلہ میں کچھ معلومات کودرج کردینا مناسب سمجھتا ہوں ' ایک مرتبہ شملہ میں قادیانیوں سے مناظرہ کے لیے حضرت الاستاذ مولانا الحاج محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہم العالی ' خلیفہ خاص حضرت اقدس حکیم الامتہ مولانا تھانوی قدس سرہ ' وحال ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپورکو جو کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں شرکت کی دعوت ملی حضرت مولانا موصوف مدظلہم العالی نے حضرت الاستاذ قدس سرہ ' سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت بھی تشریف لے چلیں ' چنانچہ حضرت الاستاذ قدس سرہ نے قبول فرمالیا ' یہ خادم بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ خادمانہ شریک سفر رہنے کونعمت سمجھا ' مناظرہ سے دو روز قبل صبح وشام علمی مذاکرہ ہوا کرتا تھا ۔حضرت الاستاذ قدس سرہ سے استفادہ کا اہل علم کو خوب موقع نصیب ہوا ' مناظرہ کے روز جب جلسہ گاہ میں جانے کا وقت ہوا تو حضرت الاستاذ مولانا اسعد اللہ مدظلہم نے میرے ذریعہ حضرت قدس سرہ ' کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ حضرت اپنا دستار مبارک عنایت فرمائیں تاکہ برکت کے لیے مناظرہ کے وقت سرپر باندھے رہوں میں نے جب درخواست پہنچائی تو تواضعاً" فرمانے لگے کہ شیخ میرے صافہ میں برکت کہاں یہ تو ان کا وہم ہے' میں نے عرض کیا کہ حضرت جب ان کی یہ خواہش ہے تو اس کو پورا کرنے میں کیا حرج ہے فوراً" ارشاد فرمایا کہ اچھا یہ لو ۔ اور سر مبارک سے دستار اتار کر میرے حوالہ فرمادیا ۔ میں نے خوشی خوشی لیجا کر حضرت مولانا مدظلہم العالی کی خدمت میں پہنچا دیا جس کو جلسہ میں جانے سے قبل نہایت عزت واحترام سے اپنے سر پر باندھا ' وقت مقررہ پر مناظرہ شروع ہوا ' میں اپنی زندگی میں بہت سے مناظروں میں شریک ہوا مگر جو بات حضرت مولانا اسعد اللہ مدظلہم میں دیکھی وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی روانئ تقریر برجستہ ٹھوس

ومدلل جواب میں حضرت مولانا مد ظلہم کی طرح جامع الصفات کسی اور مناظر کو نہیں دیکھا ' اس مناظرہ میں بھی حسب معمول میں حضرت مولانا مد ظلہم کے قریب حاضر تھا تاکہ حوالہ پیش کرتے وقت جس کتاب کی ضرورت ہو فورا" حضرت مولانا کو پیش کردیا کروں ' حضرت الاستاذ قدس سرہ پچھلی نشست میں تشریف فرماتھے ' قادیانی مناظر نے حسب عادت دجل وفریب سے کام لے کر اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے مسلم شریف کا غلط حوالہ دیا ' میں نے آہستہ سے حضرت کی خدمت میں عرض کیا حضرت قدس سرہ ' نے برجستہ فرمایا کہ مسلم شریف کا حوالہ سراسر غلط ہے ۔ مسلم شریف میں کہیں نہیں جوں ہی حضرت قدس سرہ کا جواب حضرت مولانا نے سنا تو جوش میں آکر کرسی پر کھڑے ہوگئے 'اور مسلم شریف جو وہاں رکھی ہوئی تھی دونوں ہاتھ میں لے کر بلند آواز سے فرمایا کہ یہ مسلم شریف ہے مقابل نے جس حدیث کو مسلم شریف کے حوالہ سے اپنے مدعا کے لیے پیش کیا ہے وہ حدیث مسلم شریف میں کہیں نہیں ہے ' اگر ہوتو براہ کرم مدعی دکھلادیں ورنہ مجمع عام میں اپنے کذب کا اعتراف کریں ' جیسے ہی مولانا مد ظلہم نے اس کا اعلان فرمایا اہل حق میں خوب جوش وخروش پیدا ہوا اور نعرہ تکبیر سے جلسہ گاہ گونج اٹھی ' اور مخالف قادیانی مناظر روسیاہ ہوا'

دیکھئے حضرت الاستاذ قدس سرہ ' کا یہ دعوی کہ مسلم شریف میں یہ حدیث نہیں" ہے کوئی معمولی دعوی نہیں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم شریف جیسی ضخیم و عظیم الشان حدیث کی کتاب پر کتنے حاوی تھے اوراس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ علم حدیث میں حضرت الاستاذ قدس سرہ کا کیا درجہ تھا اول تو جامعہ مظاہرعلوم سہارنپور میں سالہاسال تک مسند صدر مدرسی پر فائز رہنا ہی حضرت الاستاذ قدس سرہ کے کمال درجہ علمی کو ظاہر کرتا ہے مجھے جہاں تک علم ہے کہ ترمذی شریف کا درس کم وبیش بیس سال تک پاکستان بننے سے پہلے دیتے رہے جن حضرات کو حضرت الاستاذ

قدس سرہ سے ترمذی شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے '

ان ہی کو حضرت کے کمالات علمی وروحانی کا اندازہ ہوسکتا ہے حضرت قدس سرہ کے درس کی ایک خصوصیت کم از کم مجھے تو کہیں نظر نہیں آئی ' ترمذی شریف کا درس صرف ایک گھنٹہ ہوا کرتا تھا ' مشہوراختلافی مسائل میں مفصل تقریر ہواکرتی ولائل واشکالات کے جوابات اطمینان سے دیتے ' تفریحی بات بھی ہوجایا کرتی ' ترمذی شریف پڑھانے کا حق ادا فرماتے ' پھر بھی تعلیمی سال پورا ہونے سے قبل عموما " اواخر رجب میں یا شروع شعبان میں کتاب ختم فرمادیا کرتے ' ایک گھنٹہ سے زائد یا خارج میں پڑھانے کاموقعہ ہی نہیں ہوتا۔

تذکرۃ الخلیل یعنی حضرت اقدس عارف باللہ استاذ الاساتذہ محدث وقت حضرت مولانا الشیخ خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کے سوانح حیات کے ۱۸۷ میں ابوداؤد شریف کی شرح بذل المجہود کی تالیف کے سلسلہ میں مصنف سوانح نے تحریر فرمایا ' اثناء تالیف میں حضرت (حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ) کا معمول بڑے اہتمام سے یہ رہاکہ جب کوئی نئی بحث تحریر فرماتے تو احباب اورخدام کو خاص طورپر اس کے دیکھنے کی تاکید فرماتے اوراصلاح واشکال کا تقاضا کیا کرتے تھے مولانا عبدالرحمان صاحب صدر مدرس مدرسہ (حضرت الاستاذ قدس سرہ) کوبھی مستقل نظر ثانی کا امر فرمایا اورابتدائی اجزاء پر مولانا نے بالاستیعاب نظر بھی فرمائی اشکالات بھی پیش فرمائے اورحضرت ان کوغور سے سنتے تھے پھر ضرورت سمجھتے تو اپنی تحریر میں مراجعت فرماتے اورکبھی توضیح مضمون کے لیے عبارت ہی دوبارہ تحریر میں لاتے تھے ' انتہٰی - حضرت الاستاذ قدس سرہ کی قابلیت پر اس سے زیادہ اور کیا شہادت چاہیئے۔

حضرت اقدس استاذ محدث کامل مولاناالحاج محمد زکریا صاحب کاندھلوی

شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم نے جب موطا امام مالک کی شرح اوجزالمسالک تصنیف فرمائی تو حضرت موصوف مدظلہم نے بالاستیعاب اس پر نظر غائر فرمانے کی عظیم ذمہ داری حضرت الاستاذ قدس سرہ کے سپرد فرمایا اور حضرت الاستاذ قدس سرہ کے مشوروں کو قابل قدر قرار دیکر حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہم العالی نے قبول فرمایا۔

علم حدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی حضرت الاستاذ قدس سرہ کودرجہ کمال حاصل تھا علم فقہ سے خاص مناسبت تھی فارغ التحصیل طلبہ کو افتاء کا طریقہ سکھاتے اورعرصہ دراز تک رسم المفتی کا درس حضرت کے یہاں ہوتارہا، علم منطق میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا، شرح تہذیب میں نے حضرت الاستاذ قدس سرہ سے خارج میں پڑھی پھر میری درخواست پر ملا حسن کا درس دینا خارج میں قبول فرمایا مغرب کے بعد دارالطلبہ کے صحن میں اپنے حجرہ کے سامنے چارپائی پر تشریف فرما ہوتے، میں کتاب کھول کرعبارت پڑھنا شروع کردیتا اور حضرت کے سامنے کتاب نہیں ہوتی تھی برجستہ تقریر فرماتے، جہاں تک مجھے معلوم تھا کہ عرصہ ہوا کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ نے ملاحسن کا درس دیا تھا باوجود ان کمالات علمی کے حضرت قدس سرہ میں تواضع بھی کامل تھا ہمیشہ اپنے کو معمولی طالب علم سمجھتے رہےاس سلسلہ میں دو چشم دیدواقعات درج کرتا ہوں آج کل کے طلبہ بلکہ علماء کواس سے سبق لینا چاہیئے۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر حسب معمول حضرت اقدس استاذ الاساتذہ مولانا سید عبداللطیف صاحب قدس سرہ ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور قربانی کے انتظام میں مشغول تھے، ایک ضرورت کی بناء پر مجھے حضرت اقدس ناظم صاحب قدس سرہ، کی خدمت میں حاضر ہونا تھا دارالطلبہ پہنچا معلوم ہوا کہ حضرت اقدس ناظم صاحب

حضرت الاستاذ قدس سرہ کے حجرہ میں تشریف فرما ہیں میں حضرت قدس سرہ کے حجرہ میں داخل ہوا ' میری آنکھوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ناظم صاحب تھکے ہوئے لیٹے ہیں اورحضرت الاستاذ قدس سرہ بلا تکلف حضرت ناظم صاحب کے پاؤں دبا رہے ہیں اللہ اللہ جامعہ کے صدر مدرس ہونے کے باوجود اور پھر دارالطلبہ میں کثیر تعداد شاگردوں وطلبہ کے ہوتے ہوئے حضرت الاستاذ قدس سرہ نے اپنے استاذ محترم حضرت ناظم صاحب کے پاؤں دبانے میں ہی اپنی سعادت سمجھی جب میں حجرہ میں داخل ہوا تو یہ خیال ہوا کہ اب حضرت اس خدمت سے رک جائیں گے مگر میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت الاستاذ جامعہ کے صدر مدرس نہیں ہیں بلکہ ہماری طرح ایک طالب علم ہیں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ نے جامعہ دارالعلوم دیوبند میں بھی دورہ حدیث کا درس لیا تھا 'حضرت راس المحدثین علامہ سید انورشاہ صاحب قدس سرہ سے بخاری شریف وترمذی شریف کادرس حاصل فرمایا ' اسی زمانہ میں حضرت الاستاذ نے حضرت عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیوبندی قدس سرہ سے بھی ابوداؤد شریف پڑھی تھی ' میری طالب علمی کے زمانہ میں جب حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر سہارنپور تشریف لاتے تو بعض مرتبہ غریب خانہ پر قیام فرمایا کرتے تھے ' ایک مرتبہ حضرت الاستاذ قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا کہ شیخ ' حضرت میاں صاحب تمہارے مکان میں قیام فرمایا کرتے ہیں کبھی موقع ہو اورحضرت تشریف لائیں تو مجھے اطلاع دینا میں تنہائی میں حضرت کے پاس کچھ دیر کے لیے حاضر رہناچاہتا ہوں چنانچہ ایک مرتبہ سخت گرمی کا موسم تھا حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ سہارنپور تشریف لائے اور میرے یہاں پر قیام فرمایا ' میں نے حسب حکم حضرت الاستاذ کو اس کی اطلاع کردی ' دوپہر کا وقت تنہائی کا تھا ' اس کی بھی خبر کردی ' حضرت

الاستاذ بہت خوش ہوئے ' چلچلاتی تیز دھوپ میں سر پر رومال ڈالے غریب خانہ پر پہنچے -اور جس کمرے میں حضرت میاں صاحب آرام فرمارہے تھے اس کمرے میں میں داخل ہوئے میں نے باہر سے دروازہ کو بھیڑ دیا ' مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ شروع میں کیا باتیں ہوئی البتہ میں نے کچھ دیر کے بعد آہستہ سے دروازہ کو تھوڑا سا کھولا اوردراز سے یہ دیکھا کہ حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ چارپائی پر استراحت فرمارہے ہیں اور حضرت الاستاذ صدر مدرس مظاہرعلوم پاؤں دبا رہے ہیں ' تقریباً" گھنٹہ بھر پاؤں دباتے رہے ' بعد میں حضرت الاستاذ قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ تکلیف کیوں فرمائی ہم خدام خدمت کے لیے کافی ہیں فرمانے لگے کہ شیخ میاں صاحب میرے استاذ ہیں اس خدمت سے محرومی کو کیسے گوارا کرسکتا ہوں ان حضرات اساتذہ کرام ہی کی برکت سے لکھ پڑھ لیتا ہوں یہ دونوں واقعات حضرت الاستاذ قدس سرہ کے کمالات میں زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں-

اپنے طالب علمی کے زمانہ کی ایک بات ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ میرے شفیق استاذ واتالیق معظم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت وتعلیم کے شکریہ سے زندگی بھر عہدہ برآنہیں ہوسکتا ہوں مجھ سے بار بار فرمایا کرتے کہ بعض اساتذہ میں خاص محبوبیت کی شان طلبہ و تلامذہ میں ہوا کرتی ہے ہمارے مدرسہ میں یہ بات حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمن صاحب صدر مدرس کو حاصل ہے تم دیکھو گے کہ مدرسہ کے تمام طلبہ میں بھی حضرت سب کے نزدیک محبوب ہیں - آٹھ سالہ قیام میں کبھی کسی کی زبان سے حضرت الاستاذ کی ذرہ بھی شکایت ورنج کا تذکرہ سننے میں نہیں آیا میں نے حضرت الاستاذ سے ترمذی شریف ' طحاوی شریف ملا حسن شرح تہذیب پڑھی اوربذریعہ صحبت بابرکت بہت کچھ استفادہ کیا ' حضرت الاستاذ قدس سرہ کی برکتوں کا احساس اس وقت سب سے زیادہ ہوا جبکہ

خلاف توقع وخلاف استحقاق ترمذی شریف کے پڑھانے کا موقعہ نصیب ہوا ترمذی شریف کی جماعت میں ۲۷ طلبہ تھے جن میں خاصے ذہین ودل لگا کر پڑھنے والے تھے ' ان میں سے بعضوں نے تقریر کو ضبط کیا ' جب ان کی کاپی میں نے دیکھی تو "مجھے خود تعجب ہونے لگا کہ یہ عظیم کام کس طرح مجھ سے ہوا ہے ' اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کے فیوض وبرکتوں ہی کا طفیل ہے کہ اس نااھل وکم علم کو اتنی بڑی سعادت نصیب ہوئی یہی حال آج کل طحاوی شریف پڑھانے کے وقت ہے ۔۳۲ سال کے بعد طحاوی شریف کے مطالعہ کا موقعہ نصیب ہوا ہے اب بھی حضرت الاستاذ قدس سرہ کی روحانی توجہات سے فائدہ اٹھا رہا ہوں

حضرت اقدس سیدی حکیم الامتہ قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت الاستاذ قدس سرہ سے اصلاح کا تعلق قائم کیا تھا ' درخواست پر متواضعانہ تحریر فرمایا تھا کہ تعجب ہے کہ تم جیسے واقف بھی مجھ سے اصلاحی تعلق کرنا چاہتے ہو ۔ میرے پاس حضرت قدس سرہ کے کچھ خطوط اب بھی محفوظ ہیں کچھ موجود نہیں ہیں جناب صاحبزادہ صاحب دام فضلہم کے حکم کی بناء پر ان خطوط کو ان کی خدمت میں بھیج دیتا ہوں مناسب سمجھیں گے تو شائع کردیں گے حضرت الاستاذ قدس سرہ کے آخری دور کے حالات پر وہی صاحب روشنی ڈالیں گے جو حضرت قدس سرہ سے اس زمانہ میں قریب رہے اوپر لکھے ہوئے حالات تو تیس سال قبل کے ہیں اس طویل عرصہ میں تو ہمارے حضرت نے کتنی ترقی فرمائی ہوگی ' اور ان کا مقام کتنا عالی ہوگیا ہوگا مجھے توسفرحج کے حالات کا حکم ہوا تھا مگر اپنے تاثرات کو روکنا میرے بس میں نہ تھا اس لیے سفرحج کے علاوہ دیگر حالات بھی قلم سے نکل گئے ۔

تعمیر پاکستان کے سلسلہ میں اگر ایک واقعہ کا ذکر نہ کروں تو غیر مناسب رہے گا غالباً" ۱۹۴۴ء میں جب عام طور پر حضرات علماء حق کے بارے میں یہ خیال لوگوں میں پایا جانے لگا کہ سب کے سب بلا استثناء

کانگریس میں شریک ہیں اور نظریہ پاکستان کے مخالف ہیں اس زمانہ میں میرا قیام بمبئی میں تھا حلقہ احباب میں کچھ دیندار تجار بھی تھے ہمارے کانوں میں بھی یہ بات پڑتی تھی، دوستوں سے میں نے کہا کہ اس بات میں حقیقت نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ علماء حق میں سے بعضے تو یکسو ہیں اور بہت سارے ایسے بھی ہیں جن کو مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان سے کامل اتفاق ہے۔

جب اس کا تذکرہ ہوا تو بعض احباب نے مشورہ دیا کہ بمبئی سے ایک وفد علماء حق کی خدمت میں حاضر ہو کر اس امر کا جائزہ لے کہ کون کون حضرات نظریہ پاکستان سے متفق ہیں اور ان کی ایک فہرست تیار کر کے اخبارات میں شائع کر دی جائے تاکہ غلط فہمی دور ہو۔ وفد میں میرے علاوہ مولوی الحاج احمد عبداللہ صاحب مہاجر مدینہ، الحاج محمد حسین صاحب توفیق امیر جماعت تبلیغی بمبئی اور میرے مخلص دوست الحاج صوفی عبدالرحمن صاحب مقیم بمبئی تھے ہم لوگ پہلے سہارنپور پہنچے اور حضرت اقدس مولانا سید عبداللطیف صاحب قدس سرہ ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ مظاہرعلوم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مقصد کو ظاہر کیا، حضرت موصوف قدس سرہ نے ایک مجلس مذاکرہ منعقد فرمایا جس میں حضرات اکابر مدرسہ شریک ہوئے، حضرت الاستاذ قدس سرہ بھی شریک مجلس رہے متعدد نشستیں ہوئیں دیوبند سے حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم حال مفتی اعظم پاکستان اور تھانہ بھون سے حضرت مولانا شبیر علی صاحب مدظلہم حال مقیم کراچی بعض نشستوں میں شریک رہے مگر کسی نتیجہ پر پہنچا نہیں ہوا اس دوران میں ایک مرتبہ حضرت الاستاذ قدس سرہ سے تنہائی میں مل کر مشورہ کیا تو فرمایا کہ شیخ یہاں اس کی امید نہیں تم اپنا وقت ضائع مت کرو میرا مشورہ یہ ہے کہ تم فوراً دیو بند جا کر استاذ محترم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے ملاقات کرو اور اپنا مدعا بیان کرو میرا خیال ہے کہ حضرت موصوف اپنی جماعت میں بڑے بالغ نظر فقیہ ہیں وہ ضرور عقدہ کشائی کریں گے۔ درحقیقت حضرت الاستاذ قدس سرہ کا

مشورہ نہایت مفید نکلا حالانکہ حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ نے اس وقت تک مسلم لیگ کے نظریہ کی تائید میں کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا اور ہمارے حضرت الاستاذ سے کوئی خط وکتابت کا سلسلہ بھی حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کیساتھ قائم نہ تھا' میں توحضرت الاستاذ قدس سرہ کے اس مشورہ کو حضرت کی بصیرت وفراست ایمانی قراردیتا ہوں چنانچہ اس مشورہ کے بعد ہم لوگ دیوبند حاضر ہوئے اورحضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے اپنی خواہش کا اظہار کیا انہوں نے بھی اس کو پسند فرمایا بلکہ ہم لوگوں کوساتھ لے کر حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے حضرت سے ہم نے ملکر ساری باتیں عرض کیں اس وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت موصوف ہمارے انتظار میں اپنے خیالات کی اشاعت میں رکے ہوئے تھے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اب تو یہ بات ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کی کھل کرحمایت کی جائے اورمولانا محمد یحییٰ صاحب سے فرمایا کہ بھائی میرا وہ اعلان جو فلاں امیدوار کی حمایت کے لیے لکھا ہوا رکھا ہے آج ہی ڈاک سے روانہ کردو یہ بھی فرمایا کہ کئی ہفتہ سے میں نے فیصلہ تو کرلیا تھا البتہ صرف اس کا انتظارتھا کہ اپنی جماعت کے کچھ لوگوں کواپنی موافقت میں شریک پالوں (الحمد للہ تم لوگوں کے آجانے پر اب وہ انتظار ختم ہوگیا اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ مسلم لیگ کی حمایت واضح طورپر کیجائے ' اور تعمیر پاکستان میں علماء بڑھ چڑھ کر حصہ لیں نیز ہم لوگوں کو مشورہ بلکہ حکم دیاکہ جمعیتہ علماء اسلام کے جلسہ میں شرکت کے لیے جلد کلکتہ چلے جاؤ۔

ہم نے حضرت موصوف کے حکم کی تعمیل کی اورکلکتہ پہنچ کر جمعیتہ علماء اسلام کے جلسہ میں شریک ہوئے جمعیتہ علماء اسلام کی تشکیل عمل میں آئی ہم ہی لوگوں نے حضرت شیخ الاسلام مولانا عثمانی قدس سرہ کوصدر بنانیکی تجویز سبجیکٹ کمیٹی میں پیش کی اورہماری درخواست پر حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ نے عہدہ صدارت کو بادل ناخواستہ قبول فرمایا ' اس کے بعد متحدہ

ہندوستان کے مختلف اطراف کاحضرت مولاناعثمانی قدس سرہ نے دورہ فرمایا ' اوربڑے بڑے جلسے منعقد ہوئے جنہیں باوجود ضعف وعوارض کے پرجوش ومدلل تقریریں فرمائی ' اس حقیقت کا علم گنتی کے چند احباب کو ہے کہ حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ نے کن حالات میں مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا اس لیے میں نے مناسب جانا کہ اس جگہ اس کا ذکر کردوں ' اور تا کہ ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ ہمارے حضرت الاستاذ قدس سرہ جیسے مقدس روحانی بزرگ کے صحیح مشورہ سے قوم کوکتنا فائدہ ہوا۔

ہم نے اسی سفر میں دوسرے بہت سے اکابر علماء حق سے ملکر ان کا عندیہ معلوم کرکے ان کی ایک طویل فہرست مختلف مسلم لیگی اخبارات بالخصوص سابق روزنامہ منشور دہلی میں شائع کردی اس کے بعد میں سفرحج کے حالات کودرج کرتا ہوں ' جناب صاحبزادہ مولانا سعید الرحمن صاحب دام فیضہ نے اسی کا مجھے حکم فرمایا تھا۔

معاصرت کا احترام

معاصرت کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ معاصرین کی چپقلش کی داستانیں متقدمین کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ معاصرت کی وجہ سے انسان بسا اوقات افراط و تفریط سے کام لے کر حد اعتدال سے گذرجاتا ہے۔ شیخ علامہ تقی الدین سبکی اور علامہ ابن تیمیہ نیز علامہ ابن حجر اور علامہ عینی کے معاصرت کے واقعات اور نوک جھونک اس دور کی تصانیف میں موجود ہیں۔ دراصل ایک رفیع شخصیت کے لئے معاصرین سے نیازمندانہ و مخلصانہ تعلقات قائم رکھنا۔ اور پھرسب کی نظرمیں وقیع اور مقبول ہونا بڑا مشکل کام ہے۔ اس درجہ تک رسائی اخلاص ' للّٰہیت ' بے نفسی ' ذاتی کمالات ' جامعیت اور دوسروں کی دلی عظمت و احترام کے بغیر ممکن نہیں۔ اور سب سے اہم چیز تو اس معاملہ میں فطری تواضع اور فنائے نفس ہے۔ کہ اسکے بغیر معاصرت کا اہتمام صرف زبان کی حد تک تو ہو سکتا ہے لیکن قلب کی گہرائیوں اور

طبعی پنہائیوں میں اسکی جگہ نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا کے دور مین اہل اللہ ' علماء اور صلحاء کی کمی نہیں تھی۔ مشیخت اور طریقت کی مسندیں بچھی ہوئی تھیں اور علم و شریعت کے ستارے بھی جگمگا رہے تھے۔ بعض حضرات سے طرز تربیت' ذوق اور بعض جزوی امور میں اختلاف بھی تھا۔ لیکن اس کے باوجود کبھی بھی عقیدت و محبت میں کمی نہیں آئی۔ آپ کے یہاں معاصر شخصیتوں کا تذکرہ ہمیشہ عزت و تکریم سے ہوتا۔

مظاہر علوم سہارن پور اور دارالعلوم دیوبند کے ظاہری اور باطنی قرب کی وجہ سے حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی کی تشریف آوری مظاہر علوم میں ہوتی رہتی تھی۔ حضرت مولانا ہمیشہ حضرت مدنی کے خلوص ' للّٰہیت ' مقبولیت اور جذبہ جہاد کے دل سے مداح و قدر دان رہے۔ بارہا مختلف مجالس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت مدنی میں دو صفتیں نہایت نمایاں ہیں۔ ایک تواضع دوسری جو دوسخا دارالطلبہ مظاہر علوم جب حضرت مدنی تشریف لاتے تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کی معیت میں حضرت مولانا کے کمرہ میں تشریف لاتے۔ اور نہایت بے تکلفی سے روح افروز مجلس ہوتی۔ بعض ان پر لطف محافل کا ذکر کسی اور جگہ آچکا ہے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری کے ساتھ بھی حضرت مولانا کا نہایت عقیدت و احترام کا تعلق تھا حضرت رائپوری کو مظاہر علوم سے ایک خاص انس تھا حضرت مولانا نیاز مندانہ طریقہ سے حضرت رائپوری کی خدمت میں حاضر ہوتے تقسیم ملک کے بعد جب حضرت رائپوری ملتان میں تشریف لائے حضرت بھی خیرالمدارس ملتان میں مقیم تھے اس موقع پر ان محافل میں شریک حضرات عقیدت و احترام کی یہ خاص ادا بخوبی محسوس کرتے تھے۔ ۵۸ء میں جب حضرت رائپوری کا قیام لاہور میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر تھا راقم زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ تعارف کے بعد حضرت والد صاحب (صاحب سوانح) کے تعلق کے بناء پر حد درجہ خصوصی شفقت اور توجہ فرمائی۔ مجمع میں حضرت مولانا کی منقبت بیان فرمانے لگے انتہائی احترام سے سلام

پہنچانے کا حکم دیا۔ رخصت پر حضرت کے لئے کچھ ہدیہ بھی عنایت فرمایا رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب آپکے رفیق درس اور ہم عصر مدرسین مظاہر علوم میں سے تھے دونوں حضرات تقریبا" ایک ہی دور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے مستفید ہوئے تھے۔ حضرت مولانا کاملپوری حضرت مولانا الیاس صاحب کے خلوص اور مقبولیت عنداللہ کے دل و جان سے قائل تھے۔ فرماتے کہ یہ جو کچھ تبلیغ کے لئے نقل و حرکت ہو رہی ہے یہ حضرت مولانا الیاس کے خلوص کی برکت ہے حضرت مولانا مختلف مواقع پر جب دھلی تشریف لے گئے تو عموما" حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قیام ہوتا۔ اپنے تلامذہ اور متعلقین کو بھی دہلی حضرت مولانا دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا حکم فرماتے۔ حضرت مولانا دہلوی جب سہارنپور تشریف لاتے تو حضرت مولانا کے پاس ضرور تشریف لاتے۔ حضرت دہلوی کی خبر وفات پہنچنے پر رنج و غم آپ پر طاری تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کے ساتھ تو حضرت مولانا کا تقریبا" تہائی صدی رفاقت کا دور گزرا دونوں طرف محبت اور دلی تعلق کے جذبات تھے تقسیم ملک نے اگرچہ ظاہری طور پر ملاقات میں رکاوٹ پیدا کر دی تھی مگر قلبی تعلق میں برابر اضافہ ہوتا رہا حضرت شیخ الحدیث صاحب پاکستان میں اپنے متعلقین کو حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کا اور کسب فیض کا ارشاد فرماتے اور یہی حال حضرت مولانا کا تھا۔

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی مدظلہم العالی کا بھی حضرت مولانا سے بڑا قلبی تعلق تھا۔ حضرت مولانا کے باطنی مقام رفیع کا تذکرہ اپنی مجالس میں فرماتے۔ حضرت مولانا کے متعلقین سے بڑی محبت فرمایا کرتے۔ راقم ۱۹۶۴ء کے سفر حج کے موقع پر حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کی خصوصی نوازشوں اور کرم فرمائیوں کا مشاہدہ کر چکا ہے متعنا اللہ بطول بقائہ۔

معاصرین میں سے بعض دوسرے نامور اصحاب علم و فضل اور مشاہیر نے آپ کے بارے میں عقیدت و محبت کے تاثرات کا جو اظہار فرمایا ہے ان میں سے:

چند مشاہیر حضرات کے کلمات پیش کئے جا رہے ہیں جس سے اندازہ لگ سکے گا کہ عظمت و احترام کے کتنے پہلو آپ کی ذات میں پوشیدہ تھے۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری[1] نے ایک مرتبہ ملتان میں خیر المدارس کے قیام کے دوران فرمایا کہ قیامت میں اتنا کہہ دینا اپنے لئے کافی سمجھتا ہوں کہ میں نے مولانا عبدالرحمن صاحب کو دیکھا ہے۔ حضرت مولانا بھی شاہ صاحب کے دل سے مداح تھے۔ آپ کے عزم ' جذبہ جہاد اور خطابت و تقریر میں یکتائی نیز قوت ایمانی کے قائل تھے۔ فرماتے کہ ہندوستان میں دو حضرات فن خطابت و تقریر میں بے نظیر تھے۔ ایک علامہ مولنا شبیر احمد عثمانی دوسرے حضرت شاہ صاحب۔

حضرت علامہ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے حضرت مولانا کے بارے میں ارشاد فرمایا[2] کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی شان عالی کا کیا کہنا ایک ایک خط (مکاتیب عبادۃ الرحمٰن) میں ایک ایک مقام طے فرمایا ہے۔ حضرت مولانا کے دل میں بھی حضرت سید صاحب کی بڑی عظمت و قدر تھی۔ حضرت تھانوی اور حضرت سید صاحب کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی تھی اہل علم کو اسکے پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ آپ کے مسودات میں یہ مکاتیب قلمی لکھے ہوئے موجود ہیں۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی[3] نے حضرت مولانا کے بارے میں ارشاد فرمایا "مولانا کی قدر تو وہ آدمی پہچانے گا جسے صحابہ کرامؓ کی زندگی پسند ہو"۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ارشاد فرمایا کہ "حضرت تھانوی کے انتقال کے بعد ہم سب میں تغیر آیا۔ زمانہ کے حالات سے متاثر ہوئے مگر حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کا کمال ہے کہ آپ میں کوئی تغیر نہیں آیا۔" حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کا آپ کے ساتھ بڑا نیاز مندانہ تعلق تھا مستقل طور پر بہبودی حضرت کے خدمت میں حاضر ہوتے۔ عجیب بے تکلف پر لطف و پر ظرافت محفل ہوتی[4] مولانا عبدالشکور صاحب کی

از مولانا عبدالشکور صاحب (۲'۳) از مولانا غلام محمد صاحب (۴) از مولانا فضل الرحمان صاحب و مولانا عبدالجلیل صاحب

موجودگی میں محفل کا لطف دوبالا ہو جاتا۔ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مولانا کو اپنے اکابر اور قابل اقتداء ہستیوں میں سمجھتے۔ ہمیشہ مدرسہ کے افتتاح ' سالانہ اجلاس اور تقسیم اسناد کے موقع پر بڑے اہتمام سے حضرت کو دعوت دیتے اور حضرت بھی نہایت محبت سے شرکت فرماتے۔ حضرت کے دوران قیام ہسپتال مولانا غلام اللہ خان صاحب نے نہایت جانفشانی و محبت سے خدمت کی۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا بھی حضرت سے بڑا تعلق تھا آپکے قیام جامعہ اسلامیہ اکوڑہ کے دوران دونوں مدارس میں کچھ مقامی حالات تھے مگر اس کے باوجود حضرت مولانا عبدالحق صاحب حضرت کے احترام میں کمی نہ کرتے حضرت مولانا بھی مولانا عبدالحق کے خلوص و للّٰہیت کے قائل تھے۔ مولانا عبدالحق صاحب ہسپتال میں حضرت کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور انتقال تک رہے

تدریسی تجربہ

ذیل میں حضرتؒ کا تیار کردہ نقشہ انضباط تعلیم پیش کیا جارہا ہے جس سے حضرت کے وسیع تدریسی تجربہ کا اظہار ہوتا ہے۔

نقشہ انضباط تعلیم سالانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور مجوزہ جناب مولانا عبدالرحمن صاحب صدر المدرسین مدرسہ ہذا محررہ بامتثال حکم حضرات سرپرستان مدرسہ و برمقصد اکابر مدرسین مدرسہ معروضہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ (درجہ عربی) اعلیٰ

تعین سال	نمبر شمار اسباق	اسمائے کتب	تعداد کل صفحہ مع مطبع	شوال و ذیقعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الثانی	جمادی الاولیٰ	جمادی الاخریٰ	رجب و شعبان	متفرقات
سال اول	۱	شرح جامی بحث اسم	قیومی صـ ۲۸۹	۱۷	۱۷ / ۳۴	۱۶ / ۵۰	۲۶ / ۷۶	۳۰ / ۱۰۶	۳۰ / ۱۳۶	۵۰ / ۱۸۶	۵۰ / ۲۲۶	۵۳ / ۲۸۹	تمام
	۲	قطبی تصدیقات بعدہ قطبی مع میر قطبی	مجتبائی از ۱۶ تا ۱۶۵ کل ۱۰۹ ، ۱۶ تا ۱۶۵ کل ۱۶۰	۲۵	۲۳ / ۴۸	۲۵ / ۷۳	۳۶ / ۱۰۹	تعطیل شش ماہی ۲۰	۳۰ / ۵۰	۳۵ / ۸۵	۴۰ / ۱۲۵	۱۹ / ۱۴۴	قطبی تصدیقات مختلطات تک میر قطبی ختم تصورات
	۳	کنز الدقائق	قاسمی کل ۲۴۲	۳۰	۳۰ / ۶۰	۳۰ / ۹۰	۵۰ / ۱۴۰	۶۰ / ۲۰۰	۵۰ / ۲۵۰	۶۵ / ۳۱۵	۷۰ / ۳۸۵	۵۰ / ۴۴۲	تمام اسکے شروع تعلیم متعلم کی مرضی
	۴	اصول شاشی بعدہ تلخیص	مطبع کانپوری صـ ۱۰۸ مجتبائی ۸۸	۲۲	۲۲ / ۴۴	۲۱ / ۶۵	۲۵ / ۹۰	شاشی ۱۸ / ۱۰۸ تلخیص ۲۵	۱۷ / ۲۰	۲۰ / ۴۰	۲۵ / ۶۵	۲۳ / ۸۸	ہر دو کتب تمام
سال دوم	۱	مختصر المعانی	خورد مجتبائی صـ ۵۴۴	۴۱	۴۲ / ۸۳	۴۲ / ۱۲۵	۶۰ / ۱۸۵	۷۰ / ۲۵۵	۶۰ / ۳۱۵	۸۰ / ۳۹۵	۹۰ / ۴۸۵	۵۹ / ۵۴۴	تمام
	۲	مسلم العلوم بعدہ ہدیہ سعیدیہ	قیومی ۱۶۹ مجتبائی ۱۲۰ بحث خاص تک	۲۷	۲۷ / ۵۴	۲۶ / ۸۰	۴۰ / ۱۲۰	۵۹ / ۱۷۹	ہدیہ سعیدیہ ۲۰	۳۰ / ۵۰	۴۰ / ۹۰	۳۰ / ۱۲۰	مسلم تمام ہدیہ سعیدیہ بحث خاص تک
	۳	شرح وقایہ بعدہ رشیدیہ	مجتبائی جلد اول صـ ۲۳۱ جلد ثانی کل ۲۱۲ معری صـ ۲۴	۸۰	۷۰ / ۱۵۰	۸۰ / ۲۳۰	۹۱ / ۳۲۱ جلد اول تمام	جلد ثانی ۱۰۰ / ۱۰۰	۱۰۰ / ۲۰۰	۱۱۰ / ۳۱۰	۱۰۲ / ۴۱۲ تمام	رشیدیہ تمام	ہر دو تمام
	۴	نور الانوار	علوی صـ ۲۶۵	۲۳	۲۳ / ۴۶	۲۴ / ۷۰	۳۰ / ۱۰۰	۳۵ / ۱۳۵	۳۰ / ۱۶۵	۴۰ / ۲۰۵	۴۰ / ۲۴۵	۲۰ / ۲۶۵	تمام

تعیین سال	نمبر شمار اسباق	اسمائے کتب	تعداد کل صفحہ مع مطبع	شوال و ذیقعدہ	ذی الحجہ	محرم الحرام	صفر	ربیع الاول	ربیع الثانی	جمادی الاولیٰ	جمادی الاخریٰ	رجب و شعبان	متفرقات
سال سوم	۱	مقامات بعدہ سبعہ معلقہ	مجتبائی ص ۱۶۹، ۲۵ مقامہ، انصاری ۶۲ تمام	ف ۱۵	ج ۱۵ / ۳۰	ج ۱۵ / ۴۵	ج ۲۵ / ۷۰	۳۰ / ۱۰۰	ف ۳۰ / ۱۳۰	۳۹ / ۱۶۹	سبعہ معلقہ ج ۲۵	ج ۳۵ / ۶۰	مقامات ۲۵ مقامہ تک سبعہ معلقہ تمام
	۲	ملا حسن بعدہ میر زاہد ملا جلال	یوسفی ف ۱۷۰ خاتمہ تک، مجتبائی ف ۳۶ از ۳ تا ۱۸	ف ۳۰	ف ۳۰ / ۶۰	ف ۳۰ / ۹۰	ف ۴۰ / ۱۳۰	ف ۴۰ / ۱۷۰	ملا جلال میر زاہد ج ۳۰	ج ۴۵ / ۷۵	ف ۵۰ / ۱۲۵	ط ۵۶ / ۱۸۱	ملا حسن خاتمہ تک ملا جلال درسی
	۳	ہدایہ اولین بعدہ سراجی	مجتبائی ف ۶۲۶ تمام، یوسفی ۶۶	ف ۷۰	ج ۷۰ / ۱۴۰	ف ۷۰ / ۲۱۰	ف ۹۰ / ۳۰۰	ف ۱۰۰ / ۴۰۰	ف ۹۰ / ۴۹۰	ف ۵۰ / ۵۴۰	ف ۵۰ / ۵۹۰	ف ۳۶ / ۶۲۶	[illegible]
	۴	حسامی بعدہ مطول	اصح المطابع ۱۹۰، یوسفی ف ۱۲۰	ف ۳۵	ج ۳۵ / ۷۰	ف ۳۵ / ۱۰۵	ج ۴۵ / ۱۵۰	ف ۴۰ / ۱۹۰	مطول ج ۲۵	ف ۳۰ / ۵۵	ف ۴۰ / ۹۵	ج ۳۵ / ۱۳۰	حسامی تمام مطول درسی
سال چہارم	۱	متنبی بعدہ حماسہ	مجتبائی ف ۱۴۰ تک، باب الحماسہ ختم، قاسمی ط ۱۱۱	ف ۲۰	ف ۲۰ / ۴۰	ف ۲۰ / ۶۰	ف ۳۰ / ۹۰	۳۵ / ۱۲۵	ج ۱۵ / ۱۴۰ حماسہ ف ۱۰	ف ۳۰ / ۴۰	ج ۳۵ / ۷۵	ف ۳۷ / ۱۱۲	[illegible]
	۲	ہدایہ ثالث	مصطفائی ص ۳۴۲	۳۵	ج ۳۵ / ۷۰	ج ۳۵ / ۱۰۵	ف ۴۰ / ۱۴۵	ف ۴۰ / ۱۸۵	ف ۴۰ / ۲۲۵	ف ۵۰ / ۲۷۵	۵۰ / ۳۲۵	ف ۴۷ / ۳۷۲	
	۳	میبذی بعدہ تاریخ الخلفاء	انصاری ف ۲۰۵، مجیدی ف ۱۳۴	ف ۳۰	ف ۳۰ / ۶۰	ف ۳۰ / ۹۰	ف ۴۰ / ۱۳۰	۴۰ / ۱۷۰	ج ۳۵ / ۲۰۵	تاریخ الخلفاء ج ۴۰	ف ۵۰ / ۹۰	۴۴ / ۱۳۴	[illegible]
	۴	جلالین شریف	نظامی ف ۲۹۸	ف ۳۰	ف ۳۰ / ۶۰	ج ۳۰ / ۹۰	ف ۴۰ / ۱۳۰	۳۵ / ۱۶۵	ج ۵۵ / ۲۲۰	ف ۵۵ / ۲۷۵	ف ۶۰ / ۳۳۵	ف ۶۳ / ۲۹۸	تمام دو گھنٹہ
سال پنجم	۱	مشکوٰۃ شریف مع مقدمہ شرح نخبۃ الفکر	احمدی ف ۵۷۵، مجتبائی ف ۱۲۰	ص ۳۰	ج ۴۰ / ۷۰	ف ۴۰ / ۱۱۰	ف ۵۰ / ۱۶۰ شرح نخبہ ف ۱۰	ف ۶۰ / ۲۲۰، ف ۱۵ / ۲۵	ف ۶۰ / ۲۸۰، ج ۱۵ / ۴۰	ف ۹۰ / ۳۷۰، ف ۲۰ / ۶۰	ف ۱۰۰ / ۴۷۰، ف ۳۰ / ۹۰	ف ۱۰۵ / ۵۷۵، ف ۳۰ / ۱۲۰	[illegible]
	۲	شرح عقائد خیالی بعدہ امور عامہ	۲۲۶ تمام، [illegible]	ف ۳۰	ج ۳۰ / ۶۰	ج ۳۰ / ۹۰	ف ۴۰ / ۱۳۰	ف ۵۰ / ۱۸۰	ف ۴۷ / ۲۲۷	امور عامہ ف ۳۵	ج ۴۰	ف ۳۰ / ۱۰۰	

تعین سال	نمبر شمار	اسمائے کتب	تعداد کل صفحہ مع مطبع	تا ۱۰ ذیقعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الثانی	جمادی الاولیٰ	جمادی الاخریٰ	رجب و شعبان	متفرقات
[illegible]	۳	ہدایہ الج بعدہ درمختار	از ص ۲۷۳ تا ص ۶۹۲ کل ص ۳۱۹	ف ۴۰	ف ۴۰ / ۸۰	ف ۴۰ / ۱۲۰	ف ۵۰ / ۱۷۰	ف ۶۰ / ۲۳۰	ف ۶۰ / ۲۹۰	ط ۲۹ / ۳۱۹ درمختار ص ۱۰	ف ۳۰ / ۴۰	ف ۴۰ / ۸۰	
	۴	بیضاوی شریف بعدہ مدارک	مجتبائی ص ۱۶۷ اصح المطابع ص ۱۸۶	ج ۲۰ / ۴۰	ف ۲۰ / ۶۰	ف ۳۰ / ۹۰	ف ۳۰ / ۱۲۰	ف ۳۰ / ۱۵۰	ط ۲۹ / ۱۷۹	مدارک ف ۸۶	ف ۲۰ ف ۱۰۰ / ۱۸۶		
[illegible]	۱	مسلم شریف ج ۱ ج ۲	الانصاری ص ۴۹۰ ، ص ۴۲۲	ف ۸۰	ف ۸۰ / ۱۶۰	ف ۸۰ / ۲۴۰	ف ۱۰۰ / ۳۴۰	ف ۱۰۰ / ۴۴۰	۵۵ ف ۴۹۵ تمام ج ۱ ج ۲ ص ۳۰	ص ۱۲۵ / ۸۵	ف ۱۵۰ / ۲۳۵	ص ۹۷ / ۳۲۲	
	۲	نسائی شریف بعدہ ابن ماجہ بعدہ موطا امام مالک حج تک	مصطفائی ص ۸۳۶ فاروقی ص ۳۲۲ ص ۱۲۴	ف ۱۰۰	ف ۱۱۰ / ۲۱۰	ف ۱۱۰ / ۳۲۰	ف ۱۳۰ / ۴۵۰	ف ۱۵۰ / ۶۰۰	ی ۲۳۶ / ۸۳۶	ابن ماجہ ف ۱۰۰	ف ۱۵۰ / ۲۵۸	ف ۸۲ / ۳۴۲ بعدہ	موطا امام مالک
	۳	ترمذی شریف بعدہ شمائل	احمدی اول ص ۲۲۶ ثانی ص ۲۴۴ شمائل ص ۳۲	ف ۲۵	ف ۲۵ / ۵۰	ف ۲۵ / ۷۵	ف ۴۰ / ۱۱۵	ف ۵۰ / ۱۶۵	ف ۶۱ / ۲۲۶	ثانی ف ۱۰۰	ف ۱۱۰ / ۲۱۰	ف ۵۲ بعدہ ۲۶۲	شمائل
	۴	بخاری شریف بعض رسالے بعد جلد ثانی صبح کے وقت	ط ۱۱۲۹ کامل شروع ہو	ف ۲۵ ×	ف ۲۵ / ۵۰ ×	ف ۲۵ / ۷۵ ×	ف ۴۰ / ۱۱۵ ، ف ۳۰	ف ۵۰ / ۱۶۵ ، ف ۳۵ / ۵۵	ف ۶۰ / ۲۲۵ ، ف ۵۰ / ۱۰۵	ف ۷۰ / ۲۹۵ ، ف ۸۰ / ۱۸۵	ف ۸۰ / ۳۷۵ ، ف ۱۰۰ / ۲۸۵	ص ۱۸۷ / ۵۶۲ ، ص ۲۸۲ / ۵۶۷	جلد اول ط ۵۹۲ پر ختم ہے لہذا جلد ثانی ف ۵۶ پر رہی۔
	۵	طحاوی شریف بعدہ موطا امام محمد	لاہوری اول ص ۲۲۴ ثانی ص ۲۳۶ مصطفائی	ف ۵۰	ف ۷۰ / ۱۲۰	ف ۷۰ / ۱۹۰	ف ۱۰۰ / ۲۹۰	ف ۱۲۵ / ۴۱۵	۲۹ تمام اول ۴۴ ثانی ص ۱۰۰	ف ۱۴۰ / ۲۴۰	ف ۱۹۶ / ۴۳۶	موطا امام محمد تمام	[illegible]
	۶	ابوداؤد شریف	قادری اول ص ۳۵۳ ثانی ص ۳۶۲	ف ۲۵	ف ۲۵ / ۵۰	ف ۲۵ / ۷۵	ف ۴۰ / ۱۱۵	ف ۵۰ / ۱۶۵	ف ۶۰ / ۲۲۵	ف ۱۱۰ / ۳۳۵	۲۹ ف ۳۵۴ ثانی ص ۳	ص ۲۵۲ / ۳۶۲	
[illegible]	۱	صدرا شمس بازغہ بعدہ خلاصۃ الحساب	صدرا مجتبائی ص ۱۱۱ شمس بازغہ فصل صوری ختم تو یعنی تک تفصل الحرکت قد تکون الخ	ص ۲۵	ف ۲۵ / ۵۰	ف ۳۰ / ۸۰	ص ۳۱ / ۱۱۱	شمس بازغہ ف ۲۰	ص ۱۵ / ۳۵	ف ۲۵ / ۶۰	ط ۱۶ / ۷۶ بعدہ خلاصۃ الحساب ص ۱۰	ط ۱۹ / ۲۹ باب اول تمام	

تعیین سال	نمبر شمار اسباق	اسمائے کتب	تعداد کل صفحہ مع مطبع	شوال ذیقعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الثانی	جمادی الاولیٰ	جمادی الاخریٰ	رجب و شعبان	متفرقات
سال ہفتم	۲	قاضی مبارک بعدہٗ میرزاہد رسالہ غلام یحییٰ	مجتبائی ص۱۸۵ مفہوم تک ص۱۳۴ تمام	ص۳۰	۳۰ ص ۶۰	۳۰ ص ۹۰	۳۵ ص ۱۲۵	۳۳ ص ۱۵۸	میرزاہد رسالہ ص۳۰	۳۵ ص ۶۵	۴۰ ص ۱۰۵	۲۹ ص ۱۳۴	
	۳	حمد اللہ	لاہوری ص۱۹۴ قیاس تک	ص۳۰	۳۰ ص ۶۰	۳۰ ص ۹۰	۳۵ ص ۱۲۵	۴۰ ص ۱۶۵	۲۹ ص ۱۹۴				
	۴	اقلیدس ص۵۸ بعدہٗ تصریح ص۳۰ بعدہٗ شرح چغمینی ص۲۵ بعدہٗ سبع شداد		ص۲۵	۳۳ ص ۵۸	تصریح ص۳۰	۴۰ ص ۷۰	شرح چغمینی ص۲۵	۲۵ ص ۵۰	۲۷ ص ۷۷	سبع شداد تمام		چونکہ کئی کتب ہیں اس لئے اخیر ماہ خالی رکھا گیا۔
	۵	توضیح تلویح بعدہٗ مسلم الثبوت	مصری ص۱۲۲ کانپوری ص۷۶	ص۲۰	۲۰ ص ۴۰	۲۰ ص ۶۰	۲۵ ص ۸۵	۲۵ ص ۱۱۰	۱۲ ص ۱۲۲	مسلم الثبوت ص۲۰	۳۰ ص ۵۰	۲۶ ص ۷۶	
			درجہ ابتدائی عربی										
سال اول	۱	میزان بعدہٗ منشعب بعدہٗ صرف میر بعدہٗ علم الصیغہ		ص۲۰	۱۰ ص ۲۰ ختم منشعب ص۱۰	۱۸ ص ۲۸ ختم	صرف میر ص۲۰	۲۰ ص ۴۰	۲۴ ص ۶۴ ختم	علم الصیغہ ص۲۵	۳۰ ص ۶	۴۰ ص ۱۰۰	کل صفحات کتاب نقشہ کے درمیان لفظ ختم یا تمام لکھ دینے سے واضح کر دیئے گئے ہیں
	۲	پنج گنج بعدہٗ نحو میر		×	×	×	پنج گنج ص۲۰	۳۰ ص ۵۰	۳۹ ص ۸۹ ختم	نحو میر ص۱۲	۱۴ ص ۲۶	۱۰ ص ۳۶	
سال دوم	۱	شرح مائۃ عامل با ترکیب بعدہٗ ہدایۃ النحو		ص۲۰	۳۰ ص ۵۰	۳۰ ص ۸۰	۲۶ ص ۱۰۶ ختم	ہدایۃ النحو ص۱۵	۱۵ ص ۳۰	۲۰ ص ۵۰	۲۰ ص ۷۰	۱۹ ص ۸۹ ختم	
	۲	فصول اکبری بعدہٗ تیسیر المنطق بعدہٗ ایساغوجی		ص۲۵	۲۰ ص ۴۵	۲۵ ص ۷۰	۲۳ ص ۹۳ ختم	تیسیر المنطق ص۱۰	۱۰ ص ۲۰	۹ ص ۲۹ تمام	ایساغوجی ص۷	۷ ص ۱۴ ختم	
	۳	مراح بعدہٗ نور الایضاح		مراح ص۲۴	۲۴ ص ۴۸	۲۴ ص ۷۲	۲۴ ص ۹۶ ختم	مراح ص۲۰	۲۰ ص ۴۰	۲۰ ص ۶۰	۲۰ ص ۸۰	۲۸ ص ۱۰۸ تمام	

مثلاً میزان ص۳۰ منشعب ص۲۵ صرف میر ص۶۰ علم الصیغہ ص۱۰۰ لہٰذا ایسی کتب کے صفحات کا اعتبار ہوگا جن کے صفحات نقشہ ہٰذا کے برابر ہوں۔ سال اول میں عربی کا ایک ہی سبق رہیگا باقی فارسی کے۔

تعیین سال	نمبر شمار اسباق	اسمائے کتب	شوال و ذیقعدہ	ذی الحجہ	محرم الحرام	صفر	ربیع الاول	ربیع الثانی	جمادی الاولیٰ	جمادی الاخریٰ	رجب و شعبان	متفرقات
سال دوم	۱	کافیہ بعدہٗ شرح جامی بحث فعل	۱۷ ص	۱۶ ص ۳۴	۱۷ ص ۵۱	۲۵ ص ۷۶	۳۲ ص ۱۰۸	بحث فعل ۱۵ ص	۲۰ ص ۲۵	۲۵ ص ۶۰	۳۳ ص ۹۳ تمام	[illegible]
	۲	مرقات بعدہٗ تہذیب بعدہٗ شرح تہذیب	۲۰ ص	۲۰ ص ۴۰	۲۲ ص ۶۲ تمام	تہذیب ۱۵ ص	تمام ۵ ص ۲۰ شرح تہذیب	۲۵ ص ۴۵	۳۵ ص ۸۰	۴۰ ص ۱۲۰	۱۵۱ ص ۱۷۱	[illegible]
	۳	قدوری	۳۵ ص	۳۵ ص ۷۰	۲۵ ص ۹۵	۲۵ ص ۱۲۰	۲۵ ص ۱۴۵	۳۵ ص ۱۸۰	۳۵ ص ۲۱۸	۳۵ ص ۲۵۰	۴۶ ص ۲۹۶ تمام	قدوری کی دول حصہ نورالایضاح مع ترجمہ سے سبق سے۔
	۴	مفید الطالبین بعدہٗ نفحۃ الیمن حصہ اول بعدہٗ ترجمۃ القرآن پارہ	۱۶ ص	۱۶ ص ۳۲ ختم	نفحۃ الیمن ۱۲ ص	۱۸ ص ۳۰	۲۰ ص ۵۰	۲۲ ص ۷۲ تمام	ترجمۃ القرآن پارہ عم			

نقشہ ھذا میں امور ذیل ملحوظ ہیں

نمبر۱۔ ابتدائے سال میں چونکہ طلبہ کو مناسبت کم ہوتی ہے اس لئے ابتداء میں تعلیم کم ہوتی ہے

نمبر۲۔ شروع کے تین مہینوں میں تعلیم تقریباً مساوی رکھی گئی ہے اس لئے کہ شوال و ذیقعدہ میں طلبہ کی بالکل ہی ابتدائی حالت ہوتی ہے اس لئے مناسبت پیدا کرنے کے لئے تقریر کو طول دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور ذی الحجہ میں تعطیل ایک ہفتہ اور محرم میں امتحان سہ ماہی ایک ہفتہ تک رہتا ہے۔

نمبر۳۔ بعض کتب میں بعض مقامات مخصوص مشکل آجاتے ہیں جن کی وجہ سے خواندگی میں ضروری تفاوت ہو جاتا ہے مگر چونکہ کامل نقشہ میں اسکا لحاظ مشکل ہے اس لئے مناسب ہے کہ ایسے مواقع میں تعلیم کم کر دی جائے اور دوسری جگہ اس کی تلافی کر دی جائے اور ماہانہ نقشہ میں اسکا اظہار فرما دیا جائے۔

نمبر ۴ ۔ ہر کتاب کے ختم پر اس کی مناسب تجویز کر دی گئی۔ لیکن اگر کسی عارض کی وجہ سے "مثلاً" طلبہ اس کتاب کو پڑھ چکے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بمنظوری حضرت ناظم صاحب دوسری مناسب کتاب شروع کی جائی اور اس دوسری کتاب میں بھی خواندگی کی تحدید نقشہ ہذا سے کی جائے۔

نمبر ۵ ۔ کتاب کے ختم پر دوسری کتاب لینے میں ایک دو روز کی تاخیر ہو ہی جاتی ہے اس لئے ہر کتاب کے ختم کے ماہ میں اسکی رعایت رکھی گئی ہے۔

نمبر ۶ ۔ کتب کے مطالع جن کے مطابق صفحات لکھے گئے ہیں درجہ اعلی میں بالاستیعاب لکھ دیئے گئے۔ درجہ ابتدائی رسائل میں تقریبی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیئے گئے۔ حضرات مدرسین ماہانہ تعلیم میں اس کی رعایت فرمائیں کہ ایسی ہی کتب کے صفحات درج فرمائیں جن کے صفحہ اس نقشہ کے مطابق ہوں۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی ایک مختصر سی روئیداد میں نے جناب کو دی تھی۔ اس میں ماہوار خواندگی کے نقشے بھی ہیں۔ انکو ملاحظہ فرماویں۔ میرا خیال ہے کہ حضرات مدرسین کے مشورہ سے ماہوار خواندگی کی ہر کتاب کے متعلق کوئی حقدار متعین ہو جائے تاکہ کتب کے ختم کرانے اور یا کتب کے پڑھانے میں دقت نہ ہو مکتوب ۳ شوال ۷۱ ھ

تصنیف و تالیف

تصنیف و تالیف خدمت دین کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے ہمارے اسلاف نے جس طرح دین کے اور شعبوں میں نمایاں کارنامے انجام دیئے اس طرح تصنیف و[1] تالیف کے سلسلے کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا حضرت مولانا نے اپنی طبعی فنائیت و تواضع و کثرت مشاغل اور درس و تدریس میں غیر معمولی مصروفیت

(۱) حضرت شیخ الحدیث نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا "تصانیف کے سلسلے میں شرح ترمذی کا ذکر بالکل چھوٹ گیا حالانکہ الطیب الشذی کے نام سے جو مولانا اشفاق الرحمن کے نام سے شائع ہوئی تھے۔ اسکی دراصل ابتداء مولانا مرحوم ہی کیطرف سے تھی۔ مجھے تو یاد ہے کہ قاری سعید الرحمن کو ابتدائی خط میں بندہ نے اوھر متوجہ بھی کیا تھا۔ اور غالباً الطیب الشذی کے شروع میں اسکا حوالہ بھی ہے۔ اس ناکارہ کے شدید اصرار پر مولانا مرحوم نے شروع کی تھی۔ اسطرح پر کہ مولانا اشفاق الرحمن صاحب لکھتے تھے۔ اور مولانا املاء کراتے تھے اسکے بعد اس کا کچھ حصہ کے مولانا اشفاق الرحمن صاحب نے لکھا تھا۔ اور ان کے نام سے شائع ہوئی یہاں (مدینہ منورہ) میں الطیب الشذی نہیں ہے اگر وہاں ہو تو تلاش کر کے دیکھ لیں۔ ورنہ اس ناکارہ کے سہارنپور پہنچنے پر بشرط زندگی مجھے لکھیں" مکتوب ۲۰ اکتوبر ۶۹ء

کی وجہ سے مستقل طور پر تصنیف و تالیف میں حصہ نہیں لیا مگر تاہم اس صدقہ جاریہ میں بھی آپ کی خدمات کم نہیں ہیں۔ اپنے اسلاف و احباب و تلامذہ وغیرہ کی تصانیف بالاستیعاب نظر غائر سے دیکھ کر تصحیح و تقریظ سے مزین فرما کر بالواسطہ حصہ لیا۔ عادت مبارکہ یہ تھی کہ تقریظ لکھنے سے پہلے کتاب کو نظر عمیق سے ملاحظہ فرماتے اور پھر اپنی صوابدید پر انتہائی احتیاط کے ساتھ جامع الفاظ میں تقریظ قلمبند فرماتے مصنف کی خواہش یا مشورے کا لحاظ نہ رکھا جاتا۔ جو کتاب آپ کے معیار تحقیق کے خلاف ہوتی اس پر تقریظ لکھنے سے صاف انکار فرمادیتے۔ سہارنپور میں ایک صاحب ضلع مظفر نگر کے ایک بہت بڑے شیخ کے صاحبزادے نے ایک رسالہ لکھ کر آپ کے سامنے تقریظ کے لئے پیش کیا۔ آپ نے بعض مندرجات کی وجہ سے تقریظ لکھنے سے انکار فرمایا۔ وہ بہت خفا ہوئے لیکن آپ نے اس کی خفگی کی کچھ پروا نہ کی۔ بعض ایسے رسائل آپ کی خدمت میں تقریظ کے لئے پیش کئے گئے جن کی مندرجات سے آپکو پوری موافقت نہ تھی آپ نے تقریظ میں ایسا انداز اختیار فرمایا کہ جس سے موافق کی تائید اور خلاف تحقیق کی تردید واضح ہو گئی۔

اسی احتیاط و شان تحقیق کی وجہ سے آپ کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اپنی کتاب بذل المجهود تالیف فرماتے وقت مشکل مضامین کو آپ کی نظر سے گذارنا ضروری سمجھتے اور پھر آپ کی رائے کو بطیب خاطر و انشراح صدر قبول فرماتے۔ گذشتہ سطور میں اسکا ذکر آچکا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم اپنی ہر تصنیف حضرت مولانا کو دکھلاتے تھے۔ چنانچہ

اوجز المسالک جلد اول کے آخر میں حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم نے تحریر فرمایاہے۔

وقد سرح النظر علی هذا المولف من اوله الی اخره حرفاً حرفاً واصلح اسقامه بامعان النظر صدیقی و محترمی ذی المجد والمفاخر جامع العلوم والفنون

الشیخ العلامة مولانا عبدالرحمن رئیس المدرسین بالمدرسة الکلیة الشهیرة بمظاہر العلوم و کتب فی آخره مانصه

وقد تشرفت بمطالعة هذا المجلد من هذالتعلیق الانیق بحول الله تعالی و حسن توفیقه و فرغت منها قبیل الصبح من لیلة الثلثاء لتسع مضت من شهر آخر الجمادین سنة ثمان واربعین بعد الف و ثلثمائة فالحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات و الصلوة والسلام علی سیدالکائنات و اکرم المخلوقات صلوة تسبق الغایات۔ و انا العبدالوجل المشفق المقرالمعترف بذنبی عبدالرحمن خادم الطلبه بمدرسة مظاہر علوم فی بلدة سهارنفور غفرالله له ولوالدیه و مشائخه واحبته ووفقه لما یحب و یرضی من قول او عمل برحمته و کرمه

اور اوجز المسالک جلد ثانی کے آخر میں تحریر ہے:۔

وقد سرح النظر علے هذا الجزء ایضاً المولی العلام جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول حضرة العلامة مولانا الشیخ عبدالرحمن رئیس المدرسین بالمدرسةالعالیه الشهیرة بمظاہر علوم امدا الله ظله و افاض علے العالمین بره و کتب فی آخره مانصه الحمد لله اهل الحمد و مستحقة و صلوته وسلامه علی صفوته من خلقه محمد جامع علوم الاولین والاخرین و علی اله و اصحابه الطیبین الطاہرین۔ اما بعد فانی شرفت بمطالعة هذا الجزء کالجزء الذی قبله من اوجز المسالک شرح الموطاللامام مالک الذی انصرالعلامة الفهامه الذکی

اللوذعی والفطن الالمعی المحدث ابن المحدث مولانا المولوی الحاج الحافظ محمد زکریا شیخ الحدیث بمدرسة مظاہر العلوم فی سہارنپور (التی مستغنیة باسمها عن توصیفها فی الهند و خارجه) من تحلی بنفائس الصفات و نخلی عن خسائس السمات له فی العلوم الدینة لا سیما الفقه و الحدیث ید صالحة والفنون العربیة ملکة کامله له تصانیف کثیرة وهذا کتابه اوجزالمسالک من احسنها و اکثرها فائدة قد جمع فیه من التحقیقات الرائقه و التدقیقات الفائقه ماجمع ولا اقدر افصل محاسنها تفصیلا" کما هو حقه الا ان اقول انی لم ار ولم اسمع لحل الموطا شرحا" مثل هذا الشرح والله اعلم بحقیقةالحال وانی لم ال جهدا" فی مطالعة هذا الشرح حرفا" حرفا" بالتعمق فیه و امعان النظرفاینما وجد ته معلقابهت المولف دام فیضه فسهله و ازال اغلاقه فشکر الله سعیه وا دام ظله و جزاه الله تعالی احسن الثواب و رزق شرحه کما رزق متنه القبول والصواب و توفانامثل هذا الشرح والله تعالی وجمیع المسلمین علی کلمة التوحید والایمان هذا واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

انا العبد الاحقر الافقر عبدالرحمن خادم الطلبة بمدرسة مظاہر علوم فی بلدة سهارنفور

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی کے آخر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا۔

چونکہ اس ناکارہ کو اپنی قابلیت کا اعتراف ہے اس لئے اس ترجمہ کو

نظرِ ثانی کیلئے اپنے محترم بزرگ الفاضل العلامہ مولانا عبدالرحمان صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حوالہ کیا۔ مولانا نے اپنے مشاغل علمیہ اور عدیم الفرصتی کے باوجود اس کی بالاستیعاب نظر ثانی فرما کر اکثر جگہ اصلاح بھی فرمائی فجزاهم الله تعالى عنى خير الجزاء۔ اور اخیر میں یہ عبارت بھی تحریر فرمائی۔

الحمد للہ کہ یہ عاجز بھی ۲۷ رجب ۱۳۴۴ھ بروز پنجشنبہ کو اس کے دیکھنے سے فارغ ہوا۔

طحاوی کے بارے میں بار ہا آپ نے یہ ظاہر فرمایا کہ اس پر کچھ لکھا جائے مگر باوجود تلاش بسیار ہندو حجاز میں صحیح نسخہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے پورا کام نہ ہو سکا تاہم آپ کی ایماء پر مظاہر العلوم کے اساتذہ کا ایک بورڈ مقرر ہو گیا تھا جو طحاوی کی مشکل عبارتوں پر غور کرتا اور ہر ایک اپنی اپنی تحقیق کے موافق رائے تحریر کرتا جو بعد میں ایک رسالے کی شکل اختیار کر گیا۔

فہرست تلامذہ

حضرت مولانا کے بالواسطہ و بلا واسطہ تلامذہ کی تعداد تو ہزاروں سے متجاوز ہیں۔ ذیل میں چند حضرات کے اسمائے گرامی ذکر کئے جاتے ہیں جو علم و فضل میں مشہور یا کسی دینی خدمت میں مصروف ہیں

۱۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ مناظر اسلام۔ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ' خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی۔

۲۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب محدث مہاجر مدنی سابق صدر مدرس ڈابھیل ' سورت

۳۔ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کاملپوری محدث سابق شیخ التفسیر مظاہر علوم ' سہارنپور ' حال دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی۔

۴۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی محدث ' شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

۵۔ حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر العلوم سہارنپور۔

۶۔ حضرت مولانا امیر احمد صاحب مدرس مظاہر علوم سہارنپور

۷۔ حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی مدرس مظاہر علوم سہارنپور

۸۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

۹۔ حضرت مولانا اکبر علی صاحب استاذ دارلعلوم کراچی

۱۰۔ حضرت مولانا ولی محمد صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی (ف ۱۹۵۹ء راولپنڈی)

۱۱۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی[۱]۔ دارالعلوم دیوبند

۱۲۔ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب ناظم تعلیمات مظاہر علوم سہارنپور

۱۳۔ حضرت مولانا ظریف احمد صاحب مدرس مظاہر علوم سہارنپور

۱۴۔ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب (تاجک) کاملپوری۔ شیخ الحدیث مدرسہ اوکاڑہ

۱۵۔ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب شیخ الحدیث مدرسہ فقیر والی ' سابق استاذ مدرسہ ڈابھیل۔

۱۶۔ حضرت مولانا رئیس التبلیغ محمد یوسف صاحب کاندہلوی

۱۷۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی امیر جماعت تبلیغی ہند

۱۸۔ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب امیر تبلیغی جماعت حجاز

۱۹۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب جماعت تبلیغی حال مقیم حجاز

۲۰۔ حضرت مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری ڈھاکہ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی

۲۱۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ناظم جمعیتہ العلماء اسلام پاکستان

۲۲۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب ناظم مدرسہ رحمانیہ بہبودی و مسترشد حضرت مدنی

---

(۱) مفتی محمود گنگوہی مدظلہ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سے کیا پڑھا، جواب میں فرمایا ابن ماجہ، نسائی شریف اور خارج میں، رشیدیہ، حسن حصین، اقلیدس پڑھی، رشیدیہ بعد عصر پڑھی، ایک کتاب ان کے ہاتھ میں ہوتی ایک میرے ہاتھ میں۔ میں نے عرض کر دیا تھا میں پڑھتا جاؤں، جہاں کوئی اشکال ہوگا پوچھ لوں گا حضرت کو کہیں کچھ فرمانے کی نوبت نہیں آئی (ص ۲۱۸ از الریاح اور خدمات فقیہ الامت)

۲۳۔ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب کاملپوری حال خطیب مکی مسجد رحیم یار خان

۲۴۔ حضرت مولانا عبدالقدیم صاحب بہبودی کاملپور۔

۲۵۔ حضرت مولانا مفتی محمود یوسف صاحب رنگون، مفتی اعظم برما۔ مہتمم مدرسہ رنگون

۲۶۔ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی خلیفہ حضرت حکیم الامتہ تھانوی

۲۷۔ حضرت مولانا سید حامد مرزا فرغینانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

۲۸۔ حضرت مولانا سید عمران صاحب استاذ الحدیث مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ و مراقب عام للمسجد النبوی

۲۹۔ مولانا عبدالوہاب صاحب مہتمم و شیخ الحدیث مدرسہ آٹھ ہزاری چاٹگام

۳۰۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب باب الرحمتہ مدینہ منورہ

۳۱۔ حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۳۲۔ مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی لاہور

۳۳۔ حضرت مولانا شمس الحسن صاحب خطیب جامع مسجد خضراء کراچی

۳۴ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب ایڈوکیٹ ایبٹ آباد

۳۵۔ حضرت مولانا نجم الحسن صاحب لاہور

۳۶۔ محمد صدیق صاحب خطیب بنگال چاٹگام

۳۷۔ حضرت مولانا حمداللہ صاحب ڈاگئی ضلع مردان

۳۸۔ حضرت مولانا حکیم سمیع الحق صاحب ترنگزئی چارسدہ پشاور

۳۹۔ حضرت مولانا امین گل صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم ٹل۔ کوہاٹ

۴۰۔ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظفر آباد آزاد کشمیر

۴۱۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی صاحب آلہ آباد۔ انڈیا

۴۲۔ حضرت مولانا عبدالرحمن نعمانی۔ دارالعلوم کراچی

۴۳۔ حضرت مولانا عاشق الہی صاحب، دارالعلوم کراچی

۴۴۔ حضرت مولانا عبدالحنفی صاحب ' دارالعلوم کراچی
۴۵۔ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ راولپنڈی
۴۶۔ حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب ' دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار ' حیدر آباد سندھ
۴۷۔ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب ارکانی
۴۸۔ حضرت مولانا عبدالمتین صاحب ارکان برما
۴۹۔ حضرت مولانا نور احمد صاحب چاٹگام
۵۰۔ حضرت مولانا نور اللہ صاحب رنگون
۵۱۔ مولانا بشیر اللہ صاحب رنگون
۵۲۔ مولانا عبدالقیوم صاحب گوجرانوالہ
۵۳۔ مولانا قاری نذیر احمد صاحب رحیم یار خان
۵۴۔ مولانا محمد علی استاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
۵۵۔ مولانا دوست محمد صاحب مردان
۵۶۔ مولانا ذکی الدین ' عمرزئی چارسدہ پشاور
۵۷۔ مولانا عبدالہادی راولپنڈی
۵۸۔ مولانا غلام محمد شرق پور بہاولپور
۵۹۔ مولانا عبدالعلیم صاحب ٹمپل روڈ لاہور
۶۰۔ عبدالحلیم صاحب بہاولپور ہاؤس لاہور
۶۱۔ مولانا گلزار احمد صاحب لاہور
۶۲۔ مولانا عطاء المنعم صاحب صاحبزادہ امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ صاحب ملتان
۶۳۔ مولانا سبحان محمود صاحب دارالعلوم کراچی
۶۴۔ مولانا حافظ مقبول احمد صاحب جامعہ رشیدیہ ساہیوال منٹگمری
۶۵۔ مولانا غلام رسول صاحب جامعہ رشیدیہ ساہیوال منٹگمری
۶۶۔ مولانا ابو محمد عبدالرحیم صاحب کنال پارک لاہور

۶۷۔ مولانا عبدالکریم صاحب گلبرگ لاہور
۶۸۔ مولانا سیار الدین صاحب زیارت کاکا صاحب
۶۹۔ مولانا خلیل گل صاحب زیارت کاکا صاحب نوشہرہ
۷۰۔ مولانا ہدایت اللہ صاحب جہانگیرہ ضلع پشاور
۷۱۔ مولانا حضرت علی صاحب ' خطیب ڈسٹرکٹ بنوں
۷۲۔ مولانا عبدالرحمن شاہ صاحب بنوں
۷۳۔ مولانا حامد صاحب مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی
۷۴۔ مولانا فضل اللہ صاحب لکی مروت
۷۵۔ مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹ
۷۶۔ حضرت مولانا در محمد ٹھیری سندھ
۷۷۔ مولانا منیر الدین سواتی ' خطیب کوئٹہ
۷۸۔ حضرت مولانا عبدالعلام پروفیسر گورنمنٹ کالج نوشہرہ پشاور
۷۹۔ مولانا بدیع الزمان مدرسہ نیوٹاؤن کراچی
۸۰۔ مولانا عبدالغفور صاحب میرے شاہ بہاولپور
۸۱۔ مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی
۸۲۔ مولانا عبیدالرحمن صاحب خطیب شفیلیڈ انگلینڈ
۸۳۔ سعید الرحمن جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی
۸۴۔ مولانا مظفر شاہ صاحب ' خطیب پشاور
۸۵۔ مولانا حافظ محمد مدثر صاحب گڑھی کپورہ مردان
۸۶۔ مولانا عبداللطیف صاحب گڑھی کپورہ مردان
۸۷۔ مولانا نجیب الرحمن صاحب خطیب مسجد قدوسیہ گوجرانوالہ
۸۸۔ مولانا قاضی عبدالمعین صاحب پیر سباق نوشہرہ
۸۹۔ مولانا محمد اسحق ' زیرکی ' شمالی وزیرستان
۹۰۔ مولانا محمد صابر۔ زیدہ مردان

۹۱۔ مولانا لطف اللہ ' خطیب جامع مسجد شیر شاہ کالونی کراچی
۹۲۔ مولانا جمیل گل صاحب خطیب زیارت کاکا صاحب نوشہرہ

وہبی و فطری کمالات

اللہ تعالی اپنے جن محبوب بندوں سے کچھ کام لینا چاہتے ہیں اور ان کو کسی شرف سے نوازنا چاہتے ہیں تو فطری طور پر کچھ ایسے کمالات ان کو عطاء کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ مسلسل جادہ ترقی پر گامزن رہتے ہیں۔ ایام و سنین گزرنے کی ساتھ ساتھ ان کے فطری محاسن و کمالات میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور انکی پرورش میں وہبی امور کا بھی دخل ہوتا ہے۔ حضرت مولانا پر بھی اللہ تعالی کا یہ فضل شامل حال رہا کہ کسبی استعداد کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے فطری محاسن سے نواز دیا گیا تھا جنکی وجہ سے آپ کی زندگی میں ایک عجیب حسن اعتدال اور کیف محسوس ہوتا۔

مختلف ظاہری و باطنی کمالات حاصل کرنے کے لئے کسی جدوجہد کے ساتھ اگر فطری و وہبی استعداد بھی جمع ہو جائے تو پھر انسان نور علی نور کیوں نہ ہو جائے گا۔ حضرت مولانا اسعداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت مولانا ان گرامی قدر شخصیات میں تھے جو ابتداء ہی سے مخصوص و موقر طور پر نشو و نما پاتی ہیں اور اپنی نو عمری کے باوصف ممتاز ہوتی ہیں۔ زندگی کے ہر دور میں خداداد صلاحیتوں کی بناء پر ان بلند و بالا سطح پر جانی والی شخصیتوں میں ایک ایسی انفرادیت ہوتی ہے اور اس زمانہ میں ان کا اپنا ایک ایسا درجہ ہوتا ہے جس کو قلوب عام طور پر محسوس کرتے ہیں۔

ان کا یہ امتیاز و وقار کسب کا زیادہ مرہون منت نہیں ہوتا۔ اگرچہ تحصیل استعداد کے بارے میں "کسب ہنر" کے عام ضابطہ سے اسکی نفی بھی نہیں کی جاسکتی ہے ۔ مگر علوم و فنون کے کمالات سے آشنا ہوتے ہوئے " مجموعی اعزاز و عمومی امتیاز " صرف وہبی اور عطیہ خداوندی ہوتا ہے۔ اس میں

شک نہیں کہ حضرت موصوف اپنی طالب علمی کے دور میں کافی محنت فرماتے تھے۔ چنانچہ وہ دورہ حدیث اور اس کے بعد فنون میں سب سے اول آئے۔ اور اس محنت اور مطالعہ کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ خود حضرت کے پاس حدیث شریف اور دوسرے علوم کی اس قدر ذاتی کتب تھیں کہ ان کو کتب خانہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی شخصیت کی علمی ہمہ گیری اس محنت وسعی سے کچھ ماورا ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے اذہان اور افکار پر چھا گئے تھے۔ انکا شمار شروع ہی سے مدرسہ کے نمایاں اور باصلاحیت طلبہ میں ہوتا تھا اور وہ صلاحیت کے اس منتہائے کمال پر تھے کہ خود طالب علم ہوتے ہوئے طلبہ ان کے معتقد و مداح تھے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تحریر فرماتے ہیں :۔

فطری ملکات میں مولانا کو ایک نمایاں امتیاز حاصل تھا۔ ریاضت و مجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے۔ اللہ تعالی نے حضرت مرحوم کو وہبی اور فطری اخلاق و ملکات کے وہ مقامات عالیہ عطاء فرمائے تھے کہ ریاضت و مجاہدات کی بعد بھی ان کا حاصل ہو جانا قابل فکر اور وجہ شرف ہے اس علم و فضل اور شرف و کمال کے ساتھ انکسار و تواضع خاموشی اور کم گوئی مولانا کی ایک فطری کرامت تھی(۱)

مولانا محمد وجیہہ صاحب فرماتے ہیں :۔

اللہ تعالی نے آپ کو وہبی اور کسبی دونوں قسم کے کمالات سے معمور فرمایا تھا۔ باقاعدہ مقامات تصوف طے کرنے سے پہلے ہی صاحب مقام تھے ملکات فاضلہ اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ' اخلاق رذیلہ اور اور اوصاف ذمیمہ سے دور افتادہ۔ اللہ تعالی نے مادر زاد ولی بنایا تھا۔ علم و بردباری کے پہاڑ تھے۔ تواضع و انکساری خاص طرہ امتیاز تھا۔ سب کچھ ہونے کی باوجود کچھ نہ سمجھنا خاص شعار تھا"

---

(۱) بینات ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

گوناگوں محاسن کی مجمل فہرست

حضرت مولانا کی زندگی کا بیشتر حصہ حدیث کے درس و تدریس میں گزرا۔ درس حدیث کے ساتھ ساتھ عمل اور زہد و تقویٰ زندگی کے نمایاں پہلو تھے۔ اکابر کا ارشاد ہے کہ حدیث کا خصائل حمیدہ کے ساتھ قدرتی طور پر جوڑ اور لگاؤ ہے۔ اس امر کا مشاہدہ حضرت مولانا کی زندگی میں بہ آسانی کیا جاسکتا تھا۔ درس حدیث اور پھر مسلسل عمل سے آپ کی زندگی محاسن اور خصائل حمیدہ کا مجموعہ بن چکی تھی ۔ مولانا غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

محققین کا کہنا ہے کہ شغل حدیث ' صحبت نبوی کا بدل ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب قدس سرہ کی شخصیت اس قول کی کھلی تصدیق تھی۔ خلوت سے رغبت ' چہرہ پر فکر آخرت۔ تکلم محض بقدر ضرورت مگر لبوں کی مسکراہٹ اور لہجہ کی شفقت کے ساتھ ' طنز و ایراد سے زبان بالکل ناآشنا ' تعریف میں مبالغہ سے گریز ' نشست و برخاست اور چال ڈھال میں متانت اور وقار مگر ہر ادا تواضع میں ڈوبی ہوئی اور اظہار انا سے بچی ہوئی۔ یہ ہے حضرت مولانا کی شخصیت کے محاسن کی مجمل فہرست[1]!

حضرت مولانا کی زندگی جن گوناگوں محاسن کی مرقع تھی اس کے بارے میں مولانا اسعداللہ صاحب اپنا تاثر ظاہر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا میں جو گوناگوں محاسن و کمالات تھے ان کے پیش نظر یہی تاثر ہوتا

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

اور وہ صحیح معنی میں اس کا مظہر تھے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل می شود بے قیل و قال

---

(۱) بینات ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

ان فضائل و محاسن کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں اور آئندہ صفحات خصوصیت سے اسکی شہادت دے رہے ہیں۔

شان تواضع

حضرت مولانا کی یہ ایک امتیازی شان تھی کہ بایں جامعیت و کمال اور اس قدر علوم میں مہارت کے باوجود خود نمائی کا مادہ بالکل نہیں تھا۔ خود نمائی تو درکنار شان اخفاء ایسی تھی کہ نووارد یہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم ہیں تواضع ایسی کہ طالبین و واردین کے استفسارات کے موقع پر اپنے لئے بغیر تکلف و تصنع کے سوائے "ناکارہ" نالائق" بیکار" جیسے الفاظ کی علاوہ اور کوئی لفظ استعمال نہ فرماتے۔ ہر اداء سے تواضع ٹپکتی تھی۔ دوران گفتگو یا درس دیتے وقت کبھی ایسا لفظ نہیں سنا گیا جس سے رفعت و علو کی بو آتی ہو[1]۔ تلامذہ و مسترشدین، واقف و ناواقف ہر ایک سے تواضع کے ساتھ پیش آتے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ اس خود نمائی کے دور میں تھوڑا سا بھی کمال ہو تو کسی نہ کسی وقت اپنے کمال کے اظہار پر مجبور ہو کر خود نمائی کا مظاہرہ ہو ہی جاتا ہے مگر اپنے اسلاف کا یہی طور و طریقہ تھا کہ کمالات کے باوجود اخفاء کی کوشش کی۔ اور خود نمائی سے احتراز کیا۔ اللہ تعالی جب کسی سے کام لیتے ہیں تو ہزار بار اپنے کو چھپائے اس کی جھلک اوروں کی نگاہوں کے سامنے آہی جاتی ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اپنے بارے میں تحریر فرمایا کرتے تھے۔

"کہ یہ چند الفاظ پڑھنے کی تہمت لگ گئی ورنہ اپنے آپ کو ایسا مٹاتا کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کون ہے۔" حضرت نانوتوی کے اس فطری اخفاء کے پیش نظر سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ :۔

جب آپ مناظروں کے لئے تشریف لے جاتے تو سادہ لباس ہوتا کوئی

---

(۱) راقم کیطرف سے حضرت کی تقریر ترمذی کی اشاعت پر اصرار کرنے پر ایک خط بنام راقم تحریر فرماتے ہیں۔ "تقریر ترمذی کی تصحیح اور پھر طباعت نہایت مشکل ہے، مقبولیت کی کوئی توقع نہیں۔ مصارف اس پر بہت ہونگے جسکی برداشت دشوار ہے ویسے اپنے استعمال کیلئے اگر تصحیح اسکی ہو جائے تو مضائقہ نہیں آج کل کے کساد بازاری میں ایسی چیزوں کا نکلنا (خصوصاً جبکہ مجھ ایسے گمنام کے طرف منسوب ہو) نہایت دشوار ہے اور بدنامی الگ۔

یہ نہ سمجھتا کہ یہ مولانا محمد قاسم ہیں۔ نام پوچھنے پر اپنا تاریخی نام خورشید حسن بتلاتے اور سکونت کے استفسار پر وطن کا نام "الہ آباد" بتلاتے۔ کہ ہر جگہ اللہ ہی کی آبادی کی ہوئی ہے۔"

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی بھی یہی شان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کمالات سے نوازا تھا مگر کسر نفسی، تواضع اور اخفاء جیسی صفات سے متصف تھی کیا مجال کہ کسی مجلس میں اپنے آپ کو نمایاں کیا ہو، بلکہ کئی احباب کے سامنے فرماتے کہ اللہ تعالیٰ "مشار بالاصابع (یعنی لوگوں کی انگشت نمائی) سے بچائے کہ اس میں ہلاکت کا خطرہ ہے۔ ایک حدیث میں ایسے مومن کی تعریف ان الفاظ میں ارشاد فرمائی گئی۔

عن ابی امامة عن النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم قال اغبط اولیائی عندی لمومن خفیف الحاذوحظ من الصلوة احسن عبادة ربه واطاعه فی السر وکان غامضاً فی الناس لایشار الیه بالاصابع وکان رزقه کفافاً و ضبر علی ذلک ثم نقد بیده فقال عجلت منیته قلت بواکیه قل تراثه۔ (مشکوۃ ص ۴۴۲)

ترجمہ:۔ میرے دوستوں میں سے زیادہ غبطہ کے قابل میرے نزدیک البتہ وہ مومن ہے جس کا مال کم ہو نماز کا بڑا حصہ اس کو حاصل ہو اپنے رب کی عبادت بڑے اچھے طریقہ سے ادا کرے اور اپنی رب کی اطاعت خفیہ طریقہ سے کرے لوگوں میں مشہور نہ ہو۔ انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ نہ کیا جائے رزق اس کا بقدر کفایت ہو۔ اور اس پر صابر رہے الخ

اس حدیث میں "مشار بالا صابع" ہونے سے بچنا اولیاء اللہ کی ایک نشانی فرمایا گیا ہے اس دور میں اسکی بڑی کمی ہے۔ خود نمائی کا مظاہرہ کرنے والوں کو اولیاء سمجھا جاتا ہے۔ -الانکہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی محبت و ولایت جیسی حقیقی دولت سے نوازتے ہیں۔ وہ خود نمائی اور خود ستائی۔ جیسی چیزوں سے بے

نیاز ہوتے ہیں :-

مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے ہیں " آپ عالمانہ علوم کے باوجود تکلف و تصنع سے دور اور نام و نمود سے نفور[1] تھے" مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تحریر فرماتے ہیں :-

"علم و فضل اور شرف و کمال کے ساتھ انکسار و تواضع ' خاموشی اور کم گوئی مولانا کی ایک فطری کرامت[2] تھی"

مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت مولانا سطحی اور خود فروش انسانوں کی طرح اپنے کمالات کی تجارت نہیں کیا کرتے تھے اور نہ معرفت الٰہی ' یقین کامل اور نور باطن کی جو دولت انہیں ملی تھی اس کی وہ شہرت پسند فرماتے تھے غرض یہ کہ اس طبقہ سے انکا کوئی تعلق نہ تھا جو

"کسی کی زلف پریشاں کسی کا دامن چاک

جنوں کو لوگ تماشا بنائے پھرتے ہیں"

مولانا عبدالشکور صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"حضرت مولانا کا تبحر علمی اور ہر فن میں یک فنی کا مصداق ہونا اظہر من الشمس ہے- باوجود اسکے حضرت مرحوم کی زبان سے کسی طرح یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ حضرت اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتے ہیں یا بڑے بڑے لوگ ان کے شاگرد ہیں اس کا اظہار پسند نہ فرماتے تھے- حضرت مرحوم تفاخر و ریاکاری اور شہرت سے بہت دور بھاگتے تھے گمنامی کی زندگی بسر کرنا پسند تھی-

مولانا ظہور الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"استاذ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی مثال صدف" حامل درشہسوار" کی سی تھی جو اپنے شکم میں" دریتیم" کو چھپائے ہوئے ہوتی ہے کہ عام نظر اسکے چھپے

---

(۱) دارالعلوم دیوبند اکتوبر ۱۹۶۶ء

(۲) ماہنامہ بینات کراچی جنوری ۱۹۶۵ء

ہوئے بیش قیمت" دریکتا" سے تو ناآشنا ہوتی ہے اور محض خاموش اور سادہ صدف سامنے ہوتی ہے۔ جو اپنی جوہر تک سطحی نظروں کو پہنچنے سے روکتی ہے۔

حضرت مولانا باوجودیکہ علوم نقلیہ و عقلیہ کے ماہر اور ساتھ ہی علوم باطنی اور نسبت باطنیہ سے سرفراز تھے لیکن آپ کی خاموش زندگی اور متواضع طبیعت ان کمالات کو چھپائے ہوئے تھی۔ علمی مباحث کی مجلسوں حتی کہ درس میں بحثوں کی گرما گرمی کے موقعوں پر آپ ایسے غیر ملتفت اور خاموش نظر آتے کہ ناواقف دھوکہ کھا جاتا کہ شاید مولانا زیر بحث مسئلہ کی گہرائی سے متعلق کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔

سلسلہ گفتگو میں کج بحثی یا گرے ہوئے نامعقول قسم کے دعوے بھی آجایا کرتے ہیں۔ جو معمولی اہل علم کے نزدیک بھی قابل اعتراض ہوتے ہیں لیکن مولانا کی زبان سے تو کیا قیافہ سے بھی معلوم نہ ہو سکتا کہ آپ بھی کچھ روشنی ڈالیں گے درس میں کسی قول کے ترجیح کے بیان میں انانیت انفرادیت اور ذاتی رائے کے شائبہ تک سے احتراز فرماتے۔"

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔ حضرت مولانا بہت زیادہ متواضع اور منکسر المزاج ' خوش اخلاق تھے۔ مسترشدین کے جھرمٹ میں کھری چارپائی پر بیٹھ جاتے۔ سادہ مگر صاف کپڑے زیب تن فرماتے۔ کسی بھی نشست و برخاست میں خود پسندی یا غرور علم کا شبہ نہ ہوتا تھا۔ چھوٹے بڑے سے لطف و مہربانی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے" اور وجہ طلیق کی ساتھ منبسط ہو کر ہمکلام ہوتے۔ مکان سے جب مدرسہ تشریف لاتے بعض طلبہ دار الطلبہ کے گیٹ میں بینچ پر بیٹھے ہوتے جو آپ کو دیکھ کر تعظیما" کھڑے ہو جاتے۔ آپ کو یہ ناگوار گزرتا تھا۔ ترمذی شریف کے سبق میں جب قیام تعظیمی کی بحث آئی تو طلبہ کو سخت تنبیہہ فرمائی اور بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ میرے لئے کبھی کوئی نہ اٹھا کرے۔ حضرت مولانا اپنا کام خود کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ دوسرے سے خدمت لینا گوارا نہ ہوتا تھا۔ وہاں اگر کوئی خاص خادم اور بے تکلف ہوتا تو خدمت منظور فرما لیتے تھے۔

"حضرت مولانا کی طبعی تواضع میں تصنع و تکلف نہ تھا اسلئے علومنصب یہ کبھی اس طبعی و فطری تواضع میں رکاوٹ نہ بن سکی جس وقت حضرت مولانا مظاہر العلوم کے عہدہ صدارت پر فائز تھے اس وقت کے دو سبق آموز واقعات مولانا محمود رنگونی تحریر فرماتے ہیں جس میں طلبہ و علماء کے لئے درس و موعظت کا سبق پنہاں ہے :۔

ایک واقعہ یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر حسب معمول حضرت اقدس استاذ الاساتذہ مولانا سید عبداللطیف صاحب قدس سرہ ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور قربانی کے انتظام میں مشغول تھے۔ ایک ضرورت کی بناء پر مجھے حضرت اقدس ناظم صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہونا تھا دارالطلبہ پہنچا معلوم ہوا کہ حضرت اقدس ناظم صاحب حضرت الاستاذ قدس سرہ کے حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ میں حضرت قدس سرہ کے حجرہ میں داخل ہوا۔ میری آنکھوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ناظم صاحب تھکے ہوئے لیٹے ہیں اور حضرت الاستاذ قدس سرہ بلا تکلف حضرت ناظم صاحب کے پاؤں دبا رہے ہیں اللہ اللہ ! جامعہ کے صدر مدرس ہونے کے باوجود اور پھر دارالطلبہ میں کثیر تعداد شاگردوں و طلبہ کے ہوتے ہوئے حضرت الاستاذ قدس سرہ نے اپنے استاذ محترم حضرت ناظم صاحب کے پاؤں دبانے میں ہی اپنی سعادت سمجھی۔ جب میں حجرہ میں داخل ہوا تو یہ خیال ہوا کہ اب حضرت اس خدمت سے رک جائیں گے مگر میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت الاستاذ جامعہ کے صدر مدرس نہیں ہیں بلکہ ہماری طرح ایک طالب ہیں دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ نے جامعہ دارالعلوم دیوبند میں بھی دورہ حدیث کا درس لیا تھا۔ حضرت راس المحدثین علامہ شیخ الہند قدس سرہ سے بخاری شریف کا درس حاصل فرمایا اسی زمانہ میں حضرت الاستاذ نے حضرت عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیوبندی قدس سرہ سے بھی ابوداؤد شریف پڑھی تھی۔ میری طالب علمی کے زمانہ میں جب حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ مظاہر العلوم کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر سہارنپور تشریف لاتے تو بعض مرتبہ غریب خانہ پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت الاستاذ قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا کہ شیخ !

حضرت میاں صاحب تمہارے مکان میں قیام فرمایا کرتے ہیں کبھی موقعہ ہو اور حضرت تشریف لائیں تو مجھے اطلاع دینا میں تنہائی میں حضرت کے پاس کچھ دیر کے لئے حاضر رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ سخت گرمی کا موسم تھا حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ سہارنور تشریف لائے اور میرے یہاں قیام فرمایا۔ میں نے حسب حکم حضرت الاستاذ کو اطلاع کر دی۔ دوپہر کا وقت تنہائی کا تھا اسکی بھی خبر کر دی۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ چلچلاتی تیز دھوپ میں سر پر رومال ڈالے غریب خانہ پر پہنچے اور جس کمرے میں حضرت میاں صاحب آرام فرما رہے تھے اس کمرے میں داخل ہوئے میں نے باہر سے دروازہ بھیڑ دیا مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ شروع میں کیا باتیں ہوئیں البتہ میں نے کچھ دیر کے بعد آہستہ سے دروازہ کو تھوڑا سا کھولا اور دروازہ سے یہ دیکھا کہ حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ چارپائی پر استراحت فرما رہے ہیں اور حضرت الاستاذ صدر مدرس مظاہر علوم پاؤں دبا رہے ہیں تقریباً گھنٹہ بھر پاؤں دباتے رہے بعد میں حضرت استاذ قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ تکلیف کیوں فرمائی ہم خدام خدمت کے لئے کافی ہیں۔ فرمانے لگے کہ شیخ! میاں صاحب میرے استاذ ہیں میں اس خدمت سے محرومی کو کیسے گوارا کرسکتا ہوں ان حضرات اساتذہ کرام ہی کی برکت سے لکھ پڑھ لیتا ہوں یہ دونوں واقعات حضرت الاستاذ قدس سرہ کے کمالات میں زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

بے نفسی و فنائیت

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے
تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

حضرت مولانا سے تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے نفس کو ایسا مٹا دیا تھا کہ کبھی ایسا لفظ نہیں سنا گیا جس سے اپنی تعریف کی بو آتی ہو۔ حب جاہ کا یہاں سر کٹا ہوا تھا اور یہ حب جاہ اولیاء و علماء کے قلوب سے سب سے آخر میں نکلنے والی بیماری ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم

صاحب رائے پوری کا ارشاد ہے :۔

"حب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں اولیاء اللہ کے قلوب سے نکلتی ہے ۔ جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تو اس سے پیچھا چھوٹتا ہے "(۱)

حضرت مولانا نے مسلسل مجاہدات وریاضات اور مرتب معالجات(۲) سے اپنے نفس کو ایسا مٹا دیا تھا کہ بغیر تصنع و تکلف کے بے نفسی و فنائیت طاری رہتی۔ حضرت مولانا کبھی کوئی ایسی بات نہ فرماتے جس سے آپ کے علو مرتبہ یا کشف و ادراک کا احساس ہوتا مولانا محمد علی صاحب استاذ دارالعلوم حقانیہ فرماتے ہیں :

"مظاہر علوم میں ترمذی شریف کے درس میں ایک بار کشف کی بحث آگئی۔ ایک طالب علم نے شدت عقیدت سے عرض کیا کہ حضرت آپ پر تو سب کچھ مکشوف ہوتا ہوگا۔ حضرت کو جلال آیا اور نہایت غصہ میں فرمایا کہ "آپ جیسے صوفیوں کو کشف ہوتا ہوگا۔ میں تو خدا کا ایک عاجز بندہ ہوں مجھے تو ظاہری شریعت کی پابندی کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔" کبھی ایسی گفتگو نہ فرماتے جس سے لوگوں کی عقیدت میں اضافہ یا بزرگی کا احساس ہو۔ اپنی نفی ' اپنا انکار اور اپنی بے حسی وغیرہ کا اظہار ہوتا۔ مشیخت کی باتیں یا متصوفانہ نکات یا سلوک و معرفت کی تحقیقات بیان کرنے کا حضرت مولانا کے یہاں دستور ہی نہ تھا۔ اگر علماء کی مجلس میں کوئی مسئلہ بھی پوچھا جاتا تو اگر کوئی دوسرا صاحب نظر موجود ہوتا تو اس کی طرف محول فرماتے۔ ایسی بات سے گریز کرتے جس سے آپ کی ژرف نگاہی اور باریک بینی کا اندازہ ہو کسی بھرے مجمع میں خواہ اس میں کیسے ہی نئے نئے اور سربر آوردہ شخصیتیں کیوں نہ ہوں۔ اپنی لاعلمی اور اپنے عامی ہونے کے اظہار کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا خواہ اس کا اثر حاضرین مجلس اور

---

(۱) تذکرہ شاہ عبدالقادر ص ۲۲۴ ' (۲) ملاحظہ ہوں مکاتیب عبادۃ الرحمان ' ۱۲ تا ۱۴ ' اشرف السوانح ص ۳۰۱

خاص طور پر صاحب علم طبقہ پر کچھ پڑتا ہو۔ حضرت منہ سامنے تعریف سے بڑے ناراض ہوتے۔ اگر کسی جلسہ میں کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپ کے چہرہ انور پر رنج و غم کے آثار نمودار ہوتے اور انتہائی سختی سے اس کو روکتے ' فرماتے "میں جو ہوں مجھے خود معلوم ہے"۔

یہ حضرت کی امتیازی صفت تھی کہ کمالات کے باوجود اپنے آپ کو بالکل مٹایا ہوا تھا۔ مجلس میں اگر دیگر حضرات علماء بھی موجود ہوتے تو آپ پر مکمل خاموشی چھائی رہتی۔ آپ کی پر وقار مجلس میں یہ محسوس ہی نہ ہوتا کہ آپ اتنے بڑے درجہ کے شیخ اور اونچے عالم ہیں۔ علماء کی محفلوں میں خود نمائی ——— اور خود ستائی کا دور دورہ ہوتا ہی ہے مگر حضرت مجسمہ تواضع و انکسار تھے۔ دارالعلوم حقانیہ کے ایک اجلاس کے موقعہ پر اکابر علماء جمع تھے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب ' مولانا عزیر گل صاحب مولانا نصیر الدین صاحب اور حضرت مولانا بھی تشریف فرما تھے۔ محافل میں کوئی یہ نہ سمجھتا کہ حضرت جیسی کامل و جامع شخصیت بھی موجود ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کے سفرپاکستان کے موقع پر راولپنڈی میں جناب عبدالمجید قریشی صاحب کے مکان پر حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کے لیے آپ تشریف لائے۔ واردین و صادرین کا ہجوم تھا۔ ان دو حضرات کے اجتماع سے مجمع کا عجیب رنگ تھا۔ حضرت پر مکمل سکوت طاری رہتا۔ صرف پوچھنے پر کوئی مختصر بات ارشاد فرما دیتے۔

مولانا نذیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت ترمذی کا درس دے رہے تھے کہ اتنے میں مولانا عبداللطیف صاحب جو حضرت کے استاد بھی تھے مع حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تشریف لے آئے حضرت ناظم صاحب نے حضرت کی بڑی تعریف فرمائی۔ حضرت نے فوراً" کتاب آگے کی کہ حضرت ناظم صاحب مجھے اس حدیث کا مطلب سمجھا دیں۔ حالانکہ اور کوئی ہوتا تو خوب زور دار تقریر کرتا۔ لیکن حضرت میں نہایت درجہ کی

فنائیت تھی اس لئے اپنے کو چھپایا"۔
مولانا فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولانا نے باوجود جامع شریعت و طریقت ہونے کے اپنی ذات کو اس قدر درجہ فنائیت میں رکھا کہ ناواقف آدمی تو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے پائے کے عالم اور اتنے بڑے درجہ کے شیخ طریقت ہیں بارہا ایسا موقع آیا کہ علماء کا مجمع ہے سب گفتگو کر رہے ہیں مگر حضرت خاموش ہیں حتی کہ تلامذہ کے سامنے بھی خاموش رہتے۔ ایک بار کسی دعوت کے موقع پر ایک مسئلہ چھڑ گیا۔ حضرت کی رائے اس مسئلہ میں مجھے معلوم تھی چند علماء ایسے تھے کہ حضرت کی رائے کے خلاف گفتگو کر رہے تھے مگر حضرت ساکت ہیں۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے ان کی رائے کی تردید کی۔ طویل گفتگو ان سے رہی۔ چلتے وقت میں نے عرض کیا حضرت آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ فرمانے لگے کہ تم تھے۔ میرے بولنے کی کیا ضرورت تھی۔"

مولانا فضل الرحمن صاحب مزید فرماتے ہیں :۔

حضرت مولانا کے سفر کراچی کے موقع پر عجیب عجیب کوائف دیکھنے میں آئے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے حضرت کے ملاقات کے لئے اوقات مقرر فرما دیئے تھے۔ عصر کے بعد مجمع قابل دید ہوتا۔ حضرت حسب عادت خاموش رہتے اور مجمع پر بھی سکوت طاری رہتا۔ اس مجمع پر رحمتوں کی بارش ہوتی نظر آتی۔ کوئی صاحب اگر کوئی بات دریافت فرماتے تو مختصر بات کے بعد پھر خاموشی طاری رہتی --- گاہ بگاہ واردین میں دریافت کی جرات نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی کا تسلسل رہتا جس پر مولانا عبدالجلیل صاحب مجھے کہتے کہ تم کچھ گفتگو شروع کرو تا کہ سامعین کچھ سن سکیں۔ الغرض کافی دنوں تک یہی حالت رہی۔ اگر حضرت کی جگہ کوئی اور ہوتے تو تقریریں جھاڑی جاتیں۔ نکات و رموز کا اظہار ہوتا مگر یہاں تو اس خموشی اور سکینت میں وہ اثرات و برکات تھے جو لمبی چوڑی تقریروں میں نظر نہ آتے۔ مجمع دن بدن بڑھتا چلا جاتا

اور واردین کا تانتا بندھا رہتا۔ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق دامن بھر کر لے جاتے۔ اس سفر کراچی کے موقع پر حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب نے حضرت مولانا کے اعزاز میں چائے کی دعوت کا اہتمام فرمایا دارالعلوم کراچی میں جب حضرت مولانا پہنچے تو علماء و طلبہ کا عظیم اجتماع حضرت کی زیارت کا منتظر پایا۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ حضرت یہ سب آپ کے مواعظ سننے کے مشتاق ہیں حضرت نے صاف انکار فرما دیا۔ کہ میں تقریر نہیں کرسکتا۔ حضرت مفتی صاحب نے ان الفاظ سے حضرت مولانا کے کمال اور رفعت شان کا اعتراف اور حضرت مولانا کو خراج تحسین پیش فرمایا کہ!

"حضرت تھانوی کے انتقال کے بعد ہم سب میں تغیر آیا۔ زمانہ کے حالات سے متاثر ہوئے مگر حضرت مولانا کا کمال ہے کہ آپ میں کوئی تغیر نہیں آیا" حضرت مفتی صاحب کے ان توصیفی کلمات کو سن کر حضرت مولانا کے چہرہ پر رنج و الم اور اضطراب کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی تقریر ختم ہونے پر حضرت مولانا بنوری با اشارہ حضرت مفتی صاحب کھڑے ہوئے کھڑے ہونے سے قبل حضرت، مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت میں کیا عرض کروں۔ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ مفتی صاحب نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کی تردید کریں۔ مگر حضرت بنوری نے کھڑے ہو کر حضرت کے وہ اوصاف بیان فرمائے جو ہم نے کبھی سنے بھی نہ تھے۔ منجملہ ان کے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی نے قبل از بیعت ہی حضرت مولانا کو خلافت عطاء فرما دی تھی۔ اس تقریب کے دوران حضرت کے چہرہ پر آثار رنج و غم صاف نظر آرہے تھے۔ جب حضرت بنوری بیٹھ گئے تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کو تو میں نے تردید کے لئے کہا تھا آپ نے بجائے تردید کی تائید شروع کر دی۔ یہ تھا حضرت کا کمال انکسار[1]"

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں:

"کہ حضرت پہلی مرتبہ جب جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو مدرسہ کے

(1) مسودہ مولانا فضل الرحمان صاحب

ناظم صاحب نے استقبالیہ جلسہ میں سپاسنامہ پیش یا۔ جس میں آپ کی مدح اور تعریف کی گئی تھی۔ آپ کے چہرہ کے اتار چڑھاؤ سے معلوم ہو رہا تھا کہ طبیعت پر سخت انقباض طاری ہے۔ چنانچہ حضرت جب سپاسنامے کے جواب کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا "کہ اگر سپاسنامہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے اندر جہل اور گندگی کے کتنے پہاڑ ہیں تو میرے بارے میں ایک لفظ بھی تعریف و مدح کا نہ کہتا۔" اس دن صاف طور پر محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت کو مدح بالمواجھو الشافھتہ سے کتنی تکلیف ہوتی ہے[1]

متعلقین میں سے ایک صاحب نے حضرت مولانا سے درخواست کی کہ ایسی کتاب مرتب فرمائیں جسمیں تمام ائمہ کے حالات و سوانح یکجا جمع کر دیئے جائیں۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا "اس کے لئے اور ہر تصنیف کے لئے استعداد قابلیت تحریر و تقریر کی ضرورت ہے' جس سے میں بالکل عاری ہوں۔ اگر میرے اندر کچھ بھی اہلیت ہوتی تو آپ کے ارشاد کی ضرور تعمیل کرتا۔

درحقیقت یہ فنائیت اور بے نفسی حضرت کا حال تھا جس میں کسی تصنع یا مصلحت بینی کا دخل نہیں تھا۔ بداھتہ" اوز وجدانی طور پر اپنے کو ہر کمال سے عاری سمجھتے اور اہل نظر کے نزدیک یہ مقام ہزار کرامتوں اور ہزار علوم و معارف سے ارفع ہے۔

مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب' صاحبزادہ حضرت مولانا علامہ انور شاہ صاحب کشمیری تحریر فرماتے ہیں[2]:۔

حضرت مولانا کے کمالات میں نمود و نمائش کا بالکل کوئی دخل نہیں۔ وہ سر سے پاؤں تک شریعت و طریقت کے لعل و جواہر کا ایک خزانہ ہیں مگر ان کمالات کو اپنے اظہار' بناؤ' ریاکاری اور نمائش کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔

---

(۱)مسودہ مولانا محمد اسحاق صاحب (۲) مضمون مرسلہ بنام راقم سعید الرحمان

مظاہر علوم سہارنپور جیسے وقیع اسلامی مدرسہ کے صدر مدرس حضرت تھانوی کے مجاز و خلیفہ ' حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے شاگرد اور سینکڑوں علماء کے استاذ ہونے کے باوجود مولانا کی زندگی بیحد سادہ ' انکی جائے رہائش بہت معمولی اور انکی پوری زندگی اسباب و اموال سے خالی تھی چٹائی پر اٹھنا بیٹھنا۔ معمول تھا۔ مولانا کے نزدیک یہ زندگی ایک قیامگاہ اور ایک منزل نہیں تھی بلکہ ایک راستہ اور رہ گزر تھی اور ان کے انداز و اطوار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ اس راستہ اور شاہراہ سے گزر کر منزل مقصود پر پہنچنا چاہتے ہیں۔

امتیازی شان سے احتراز

حضرت مولانا فطری حیا اور متواضع طبع کی وجہ سے ہمیشہ امتیازی شان سے احتراز فرماتے۔ کبھی کسی جلسہ میں شرکت کی دعوت دی جاتی تو عام سامعین کے ساتھ بیٹھنا آپ کو پسند ہوتا۔ باوجود اصرار کے کسی ممتاز مقام پر بیٹھنا آپ کی متواضعانہ طبیعت کے خلاف تھا۔ آخری دور میں جب آپ راولپنڈی تشریف لاتے تو جمعہ کی نماز مولانا غلام اللہ خان صاحب کی مسجد میں (جلسہ دستار بندی یا افتتاح اسباق کے تقریب کے سلسلہ میں) ادا فرماتے یا راقم کی مسجد میں جمعہ ادا فرماتے ۔ آپ کی کوشش ہوتی کہ پیچھے کہیں بیٹھ جائیں۔ باوجود دعوت اور انتظام کے آگے تشریف نہ لے جاتے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب[1] تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ عالمانہ علو کے باوجود تکلف و تصنع سے دور اور نام و نمود سے نفور تھے" مولانا محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں :۔

"حضرت جب اکوڑہ خٹک میں مقیم تھے۔ نماز کے لئے ایک چبوترہ استعمال

---

(۱) رسالہ دارالعلوم دیوبند اکتوبر ۱۹۶۶ء

ہوتا چبوترہ پر اکثر اوقات چٹائی وغیرہ نہ ہوتی۔ میں نے حضرت کی جگہ پر پہلے سے اپنی صاف چادر بچھادی۔ پہلی دفعہ جب حضرت نے چادر دیکھی تو نماز تو چادر پر پڑھ لی۔ مگر نماز کے بعد فرمایا کہ کیا تمہارے پاس ہر مدرس کے لئے چادر موجود ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ میرے لئے بھی نہ بچھایا کرو۔ یہ مناسب نہیں کہ میں اکیلا چادر پر کھڑا ہوں اور دوسرے مدرسین زمین پر لیکن میں گوارا نہ کرسکتا تھا کہ حضرت یونہی نماز پڑھیں کیونکہ صفائی کا خاص انتظام نہ تھا۔ اس لئے میں لمبی چادر بچھاتا تاکہ دوسرے مدرسین کے لئے بھی گنجائش ہو۔ اس صورت میں مولانا نے کھڑا ہونا منظور فرمالیا۔(۱)"

مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت کی عادت تھی کہ مسجد میں ایسے وقت میں داخل ہوتے گویا آپ مسافر ہوں اور کوئی جان پہچان کا وہاں نہ ہو۔ دارالطلبہ مظاہر العلوم کے صدر دروازہ میں کبھی کبھی طالب بتی کی روشنی میں سبق دیکھتے یا تکرار کرتے تو آپ دوسری طرف سے گزرجاتے کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔ اسی طرح اگر کہیں اپنے کام سے تشریف لے جاتے تو وہاں اپنی جان پہچان والوں سے ملنے محض اس لئے نہ جاتے کہ ان کو تکلیف ہوگی" (۲)

مولانا فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت کے سفر کراچی میں ایک دعوت کے موقع پر ایک رئیس نے پوچھا کہ حضرت آپ کے یہاں جو مدرسہ بنا ہے اسکا مہتمم کون ہے' حضرت نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا حضرت! مہتمم تو آپ ہیں۔ فرمایا نہیں تم مہتمم ہو۔ حضرت میں انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔"

مولانا فضل الرحمن صاحب فرماتے ہیں :۔

---

(۱) مسودہ مولانا اسحاق صاحب وزیرستانی (۲) مسودہ مولانا عبدالجلیل صاحب

"ایک دفعہ بہبودی کی عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا قصہ در پیش ہوا۔ ہماری بستی بہبودی میں عید کی نماز مساجد میں ہوتی تھی میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر آپ لوگوں کو فرمادیں تو عیدگاہ میں ایک جگہ نماز ادا کیا کریں گے۔ فرمایا کہ میری بات کون مانتا ہے۔ میں نے کہا حضرت آپ کو اپنی شان معلوم نہیں۔ بہت اصرار پر فرمایا کہ بہت اچھا۔ مولانا عبدالشکور صاحب اور حضرت کے بڑے صاحبزادے مولاناحافظ عبیدالرحمن بھی موید بنے۔ وعدہ فرما لیا کہ میں کوشش کروں گا۔ چنانچہ مسئلہ حل ہو گیا۔ حضرت کا فرمانا تھا کہ سب نے مان لیا اس کے بعد عیدگاہ میں امامت کا مسئلہ تھا۔ کیونکہ ائمہ میں ہر ایک امامت کا خواہاں ہوتا ہے اس مسئلہ کا میں نے یہ حل پیش کیا کہ حضرت عید کی نماز پڑھائیں مگر انکار کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے امامت نہیں ہوتی میں نے عرض کیا کہ بغیر آپ کی ذات کے اور کسی پر اتفاق ہو نہیں سکتا اس لئے جناب یہ درخواست منظور فرمائیں۔ بہت اصرار کے بعد حضرت نے درخواست منظور فرمائی۔ جب عید کا زمانہ قریب ہوتا تو حضرت فرماتے کہ تم خود عید کی نماز پڑھاؤ۔ میں معذور ہوں۔ میں عرض کرتا کہ بغیر آپ کے لوگ کسی پر متفق نہیں ہیں۔ حضرت کی آخری عیدالاضحے تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ کچھ لوگ میری امامت پر ناراض ہیں۔ میرے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں لوگوں سے حضرت کے سامنے عیدگاہ میں دریافت کروں گا۔ عیدگاہ میں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہو؟ سب نے کہا کہ یہ تو ہمارے لئے فخر کا سبب ہے۔ الغرض آپ کی زندگی میں کسر نفسی فنائیت اور امتیازی شان سے احتراز کی عجیب شان تھی۔"

اس طبعی افتاد کی وجہ سے آپ نے چاہ کنعان میں لاکھ چھپنے کی کوشش کی مگر قدرت نے آپ کو نکال کر منصہ شہود پر پیش کر دیا تھا۔ آپ دانہ تخم کی طرح لاکھ مٹے۔ مگر کشت زار ہو کر مخلوق کے افادہ کے لئے باہر نمودار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اصلاح میں کسر نفسی

حضرت مولانا کی اس طبعی تواضع اور انکسار کا یہ اثر تھا کہ جب آپ کی طرف کوئی سالک اصلاح نفس کے لئے رجوع کرتا تو آپ بغیر تکلف و تصنع کے اپنی بے بضاعتی کا اظہار فرما کر کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے۔ طالب کے بار بار اصرار پر آپ اس کو استخارہ کا ارشاد فرماتے۔ لوگوں کو بیعت کے لئے دعوت دینا یا بلانا تو درکنار ' خود رجوع کرنے والوں سے انکار فرماتے کہ وہ اور کسی طرف چلے جائیں آپ کے دیرینہ خادم اور سفرحج کے رفیق مولانا محمود صاحب رنگونی (مفتی اعظم برما) نے جب بیعت اور اصلاح کے لئے درخواست پیش کی تو جواب میں یہ تحریر فرمایا۔ غور سے پڑھیئے کہ کس انداز سی اپنی بے بضاعتی اور کوتاہی کا اظہار کیا جا رہا ہے ' فرماتے ہیں :

"آپ نے اصلاح کے متعلق اس ناکارہ کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا ہے۔ آپ ایک عرصہ دراز تک سہارنپور قیام فرما چکے ہیں اور اس طویل مدت اقامت میں آپ مجھ ناکارہ کے اطوار اور ناکارگی اور اقوال و اعمال کی کوتاہیاں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس کے باوجود بھی آپ جیسا عقلمند اصلاح کے لئے مجھ جیسے ناکارہ آوارہ کی طرف رجوع کرنا چاہے۔ بے حد تعجب انگیز ہے۔ اصلاح کے لئے سب سے اول شرط مصلح کا اہل ہونا اور پابند شریعت ہونا لازم اور ضروری ہے۔ جس سے میں واقعی بے بہرہ ہوں اور یہ تصنع اور تواضع نہیں بلکہ خالص اور صاف صاف اظہار واقع ہے۔ اس لئے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس کام کے لئے کسی اہل اور کسی بھلے آدمی کی طرف رجوع فرماویں جن سے آپ کو دین کا نفع ہو۔ احقر کی طرفسے یہ مشورہ آپ کو بہت ہی خلوص اور ہمدردی کا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس کو قبول فرما کر اس کی وجہ سے مجھے دعائیں دیں گے۔ اور اگر باوجود میرے آوارگی'

ناکارگی اور کوتاہیوں کے آپ میرے ہی طرف رجوع فرمانا چاہیں تو احقر کو کچھ عذر نہیں استخارہ مسنونہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے کام شروع کر دیجئے۔ مجھ سے جو کچھ خدمت ہو سکے گی اس میں انشاء اللہ تعالیٰ دریغ نہ کروں گا۔ (تحریر مکتوب مورخہ ۲۴ ذیقعدہ ۶۴ ھج)

اللہ اللہ اندازہ لگائیے۔ کس قدر وضاحت سے اپنے بارے میں یہ الفاظ فرمائے جا رہے ہیں۔ اپنی حقیقت ظاہر کرنے کے بعد پھر استخارہ اور اصرار کے بعد آمادگی کا اظہار بھی کہ حضرت حکیم الامت کی اس امانت عظمیٰ کو اوروں تک پہنچانا بھی ہے۔

ایک صاحب[1] نے اصلاح کے لئے درخواست پیش کی جواب میں تحریر فرمایا:۔

"اپنی اصلاح کی فکر خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اللھم زدفزد میں تو خود ہی بہت بداعمال ' بدافعال ہوں۔ اس کام کے لئے بہتر یہ ہے کہ کسی دیندار باکمال انسان کی طرف آپ رجوع کریں۔ اس معاملہ کے لئے آپ پہلے استخارہ کر لیں۔
ایک زیر تربیت سالک نے تحریر کیا کہ :۔

جب سے آنحضرت سے جدا ہوا ہوں اس وقت سے لے کر اب تک دن بدن حالت میں تنزل ہی آتا جا رہا ہے اور حضرت اب اپنے اندر انتہائی تنزل بنسبت پہلی حالت کے معلوم کرتا ہوں۔ اپنی اصلاح آنحضرت ہی کی خدمت بابرکت میں رہنے میں منحصر معلوم ہوتی ہے۔ دل تو حضرت اب تک یہی چاہتا ہے کہ اپنی زندگی کا کچھ حصہ آنحضرت کی خدمت اقدس میں گزار دوں تاکہ اللہ تعالیٰ آنحضرت کی صحبت میں رہنے کی برکت سے احقر کی اصلاح فرمادیں۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا تحریر فرمایا۔

"یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ ورنہ میں تو ایک بدکار

---

(۱) مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی

ناشائستہ انسان ہوں بلکہ انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں ہوں" مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت کو میں نے خط لکھا کہ اپنے نفس امارہ کی اصلاح آپ سے کرانا چاہتا ہوں اور ساتھ کچھ روحانی امراض بھی لکھدیئے۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ مجھ جیسے گنہگار سے کسی کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ تم کسی متبع سنت کی طرف رجوع کرو۔" لیکن میرے اصرار پر اصلاح کے تعلق کو قبول فرمالیا۔

اپنے اسلاف میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی بھی یہی شان تھی۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب تذکرۃ الرشید میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں :

"کسر نفسی اور تواضع کا سبق آپ کے قدم قدم پر ہر حرکت و سکون سے حاصل ہوتا ہے ۔ بایں وجہ بیعت لینے سے عموماً اپنی کو بچایا۔ مگر جوہر کو کتنا ہی گودڑ میں دبایئے اور مشک کو کیسا ہی کپڑوں میں چھپایئے کھلے اور مہکے بغیر نہیں رہتا۔"

(۱۵۵ جلد ۲ ۔ تذکرۃ الرشید)

حسن خلق

حضرت مولانا سے جن خوش نصیبوں کو دیرینہ رفاقت کا فخر حاصل رہا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت مولانا کی حیات خلق اسلامی کا نہایت پاک و صاف مرقع تھی ۔ فضائل اخلاق کے وصول کے لئے ان کو مجاہدہ و ریاضت کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی کیونکہ یہ دولت بے مانگے اور گھر بیٹھے مل چکی تھی غیرت و مروت ' حیا و تواضع ' حلم و ایثار ' فراخدالی اور بلند نگاہی حضرت مولانا میں بالطبع موجود تھی۔ تنگ نظری ' سخت مزاجی اور تعصب وغیرہ اس قسم کی چیزیں آپ کے لئے اجنبی اور مکروہ تھیں۔تصوف و سلوک کے مراحل طے کرنے سے پہلے ہی آپ

ان اوصاف حسنہ سے متصف تھے۔

آپکے رفیق درس مولانا محمد حیات صاحب فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولانا کی صحبت میں کچھ دن کوٹ چاند نہ اور کچھ مدت سہارنپور آپ کے زمانہ طالب علمی میں رہا ہوں۔ آپ کے محاسن اخلاق کے بیان سے میری زبان قاصر' اور خداداد ملکات فضائل جاننے سے میرا دل عاجز ہے مولانا محمد از ہر شاہ صاحب صاحبزادہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

مولانا کے چہرہ پر علم و وقار کے ساتھ ایک مسکراہٹ اور بشاشت ہوتی تھی انکی متبسم نگاہیں اور مسرور چہرہ کم از کم مجھ جیسے آزاد اور لا ابالی انسان کے لئے بہت بڑی کشش کا باعث تھے بزرگی اور مشیخت کو انہوں نے اپنے اوپر ایک بوجھ بنا کر نہیں لادا تھا کہ مولانا اس بار گراں سے دبے جا رہے ہوں اور اس بوجھ تلے انکی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی دب کر رہ گئی ہو۔ نہ خشمگیں نگاہیں جو آنیوالوں کو ڈراتی ہوں۔ نہ مغموم و محزون چہرہ جو عوام سے ملنے جلنے میں ایک مانع اور ایک حجاب بن کر رہ جاتا ہو۔ مولانا اپنے علم و فضل کے باوجود ہماری دنیا کے ایک عظیم الشان انسان تھے۔ اپنی بزرگی اور بڑائی کے باوصف ہم جیسے گنہگاروں سے بھی التفات فرماتے تھے اور بہت بڑے عالم بہت، بڑے شیخ اور بہت بڑے انسان ہونے کے ساتھ اپنے چھوٹوں پر بھی نظر رکھتے تھے"۔

حضرت مولانا بڑے عالی اخلاق تھے۔ چھوٹے بڑے سب کے ساتھ ایسے پیش آتے کہ کبھی کسی کو آپ سے شکایت کی نوبت تک نہیں آئی۔ زندگی میں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پیش آیا لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرتے رہے مگر کیا مجال کہ زبان سے ایسی بات نکلی ہو جس سے دوسروں کی دل شکنی ہوتی ہو۔ خدام و متعلقین اور طلبہ کو کبھی آپ بے جانہ ڈانٹتے انتہائی نرمی اور حسن خلق سے پیش آتے۔ یہی وجہ تھی کہ علماء طلبہ اور متعلقین آپ کے گرویدہ تھے۔ آپ کی ذات

میں ایسی شان محبوبیت تھی کہ خود لوگوں کے قلوب آپ کی طرف منجذب ہوئے۔
حدیث میں حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دربار نبوی کے خادم خاص حضرت انسؓ کی شہادت ہے۔
"کہ دس سال میں نے خدمت کی۔ مگر کبھی یہ لفظ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔"
حضرت مولانا اس سنت پر بطریق کمال عامل تھے۔
مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت کی عادت مبارک یہ تھی کہ گھر کے لئے خشک اشیاء ضرورت کے موافق شروع مہینہ میں ایک دفعہ مہینہ بھر کے لئے منگوالیتے تھے مجھے گھر کی طرف سے حکم ہوا میں نے حضرت سے دریافت کئے بغیر وہ سب اشیاء خریدلیں۔ حضرت نے اپنی طرف سے ایک دوسرے صاحب کے ذریعہ یہ چیزیں منگوالیں۔ مجھے جب اس کا علم ہوا تو ندامت سے عرض کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ آپ سے دریافت کئے بغیر سب چیزیں میں خرید لایا۔ فرمایا کوئی بات نہیں۔ جو خام چیزیں خراب ہونے والی ہیں انہیں واپس کردو باقی رکھی رہیں گی۔ کام آجائیں گی۔ باری تعالیٰ نے وہ حلم اور بردباری اور حسن خلق عطا فرمایا تھا کہ مجھے یاد نہیں کہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا ہو کہ کیوں ایسا کیا۔ اور نہ کرنے پر فرمایا ہو کہ کیوں نہیں کیا؟ مولانا عبدالجلیل صاحب ہی حسن خلق کے ایک اور مشاہدہ کا ذکر فرماتے ہیں :۔

"ایک بار کھانے کے موقع پر ایک معزز مہمان شریک تھے۔ حضرت نے پانی طلب فرمایا میں نے غلطی سے گرم پانی جو ہاتھ دھونے کی لئے موجود تھا' دے دیا حضرت محض اس خیال سے کہ حاضرین کے سامنے میں نادم نہ ہو جاؤں' وہی پانی پی لیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے مراتب بلند فرمائے۔ اخلاق عالیہ کا عجیب نمونہ پیش فرما گئے۔"

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت نے ایک بار ایک معمولی چیز خرید کر لانے کا مجھے حکم فرمایا کہ جب فرصت ہو تو بازار سے لے آؤ۔ میں بھول گیا۔ عصر کے وقت دریافت فرمایا کہ بازار گئے تھے؟ میں نے عرض کیا بھول گیا۔ حضرت نے فرمایا کوئی حرج نہیں کسی دوسرے وقت چلے جانا۔ حضرت نے کئی بار پوچھا مگر میں بدقسمتی سے بھول جاتا تھا۔ میری اس قدر بے توجہی کے باوجود نہ تو وہ کام کسی اور کے سپرد فرمایا' کہ دل شکنی نہ ہو اور نہ مجھے کچھ ملامت کی۔ آخر میں مزاحا" فرمایا۔ ؟سادہ آدمی ہے بات بھول جاتا ہے۔"

مولانا محمد اسحاق صاحب مزید اپنا ایک مشاہدہ ذکر فرماتے ہیں :۔

ایک دفعہ حضرت کو بخار تھا' نماز تہجد کی آپ سختی سے پابندی فرمایا کرتے تھے۔ بخار کی وجہ سے وضوء کے لئے گرم پانی کی ضرورت پڑتی۔ بخار کے دوران بعد عشاء مجھ سے فرمایا کہ تم رات کو کس وقت میرے لئے گرم پانی لاسکتے ہو۔ میں چپ سا ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا جس وقت میں تمہارے لئے آسانی ہو' بتلادو۔ میں نے وقت نہیں بتلایا۔ حضرت نے خود فرمایا کہ چار بجے لاسکتے ہو۔ میں نے کہا حضرت نہیں۔ فرمایا ساڑھے چار بجے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اذان فجر کے ساتھ تو لاسکوگے' میں نے عرض کیا ہاں صبح عین اس وقت جب مؤذن اذان دے رہا تھا گرم پانی لے کر حاضر ہوا۔ دروازہ بند تھا۔ میں دروازہ پر کھڑا رہا۔ حضرت کی تکلیف اور درد کی آواز آرہی تھی اس لئے مجھے دروازہ کھٹکھٹانے کی بھی جرات نہ ہوئی۔ حضرت نے میری آہٹ کو سن کر دروازہ کھولا۔ میں نے وضو کی جگہ پر لوٹا رکھ دیا۔ حضرت نے فرمایا۔ بس' جاؤ' خود نماز کے لئے تیاری کرو۔" حضرت کے ان اخلاق کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ مجھے اپنے کاہل نفس پر بڑا غصہ آیا۔ کہ شاید پانی میں تاخیر سے حضرت نے یا تو تیمم فرمایا لیا یا ٹھنڈے پانی ہی سے وضوء فرما لیا۔

مولانا عبدالحق سورتی تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب کوئی حضرت سے ملنے کے لئے آتا۔ فورا" حضرت مصافحہ فرما کر اپنی جائے نشست پر بیٹھنے کو بے تکلف فرماتے اور بڑی محبت سے خیر و عافیت اور حالات پوچھتے اور دعائیں دیتے۔"

برتاؤ اور متعلقین کی دلجوئی

"کسی انسان کے علو اخلاق کا اندازہ اپنے متعلقین کے ساتھ برتاؤ سے ہوتا ہے۔ رکھ رکھاؤ کے موقع پر تو ہر ایک اچھے برتاؤ کا ثبوت دے سکتا ہے لیکن اپنے متعلقین ' تلامذہ اور خدام سے حسن سلوک' اچھے برتاؤ اور دلجوئی یہ رفعت اور علو اخلاق کی دلیل ہوتی ہے بعض اصحاب علم و فضل اپنے آرام و آسائش کی خاطر اوروں کی بے آرامی کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔ مگر مولانا کے ہاں تو سراسر لحاظ اور پاس تھا۔ حضرت مولانا اپنے متعلقین سے کس قسم کا برتاؤ فرماتے اس بارے میں تاثرات ملاحظہ فرمایئے :۔

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی فرماتے ہیں :۔ "حدیث کا مضمون ہے کہ اللہ تعالی ہر چیز میں رفق پسند فرماتے ہیں" حضرت اس فرمان پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ میں نے حضرت سے کبھی سختی نہیں دیکھی۔ ایک بار حضرت اپنے گاؤں بہبودی سے اکوڑہ خٹک تشریف لے جا رہے تھے میں بھی ہمراہ تھا موسم سخت گرمی کا تھا اڈہ میں ٹکٹ حاصل کرنے میں بڑی تاخیر ہوئی۔ اڈہ پر آرام سے بیٹھنے کا بھی خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ حضرت کو گرمی سے بڑی تکلیف ہو رہی تھی لیکن مزاج میں کوئی چڑ چڑاپن نہ تھا اور نہ کوئی تبدیلی مزاج میں محسوس ہو رہی تھی۔ کافی دیر کے بعد ٹکٹ ملا۔ بس کے آخری سیٹ پر جگہ ملی۔ سخت گرمی کی وجہ سے حضرت کو دھوپ سے بچانے کی لئے میں نے اپنی چادر کھڑکی پر تان لی۔ حضرت بار بار مجھ سے فرما رہے تھے۔ کہ چادر ہٹا لو ' اور چادر تاننے کی تکلیف مت کرو۔ مجھے اس سے کوئی خاص تکلیف نہ

تھی مگر حضرت کو یہ بھی گوارا نہ تھا" مولوی محمد اسحاق صاحب اپنا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں :۔

جمعہ کے دن میں حضرت کے کپڑے دھوتا تھا۔ میری عادت تھی کہ جمعہ کے دن سورج نکلنے سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد کپڑے دھو لیتا۔ ظہر کو کپڑے حاضر کر لیتا۔ ایک دن حضرت سے کپڑے دھونے کے لئے لے لیے۔ مگر کسی کام سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلا گیا اور بعد عصر کپڑے دھونے لگا۔ حسب عادت جب ظہر کو کپڑے میں نے حاضر نہیں کئے تو شام کو جب حضرت مغرب کی نماز کے لئے نکلے تو راستہ میں بڑی ملائمت اور مزاحی لہجہ میں فرمایا کہ "اے سادہ آدمی کپڑوں کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا حضرت کہیں گیا ہوا تھا عصر کے بعد دھوئے ہیں صبح تک سوکھ جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب وقت پر کپڑے نہ دھو سکے تھے تو عصر کے وقت سردی میں دھونے کی تکلیف تم نے کیوں کی بجائے ملامت کرنے کے میری دلجوئی اور تسلی فرمائی"

مولانا عبدالجلیل صاحب فرماتے ہیں :۔

"سہارنپور سے آتے جاتے اکثر حضرت کے ساتھ رہتا تھا۔ ہمیشہ یہی دیکھا کہ حضرت اپنے آرام کے ساتھ ساتھ اپنے خدام کے آرام کا بھی خاص خیال فرماتے تھے۔ خوب یاد ہے کہ ایک سفر میں کئی بار مجھ سے فرمایا کہ سو جاؤ میں بہ پاس ادب عرض کرتا رہا کہ مجھے نیند نہیں آئی۔ آخر حضرت نے زبردستی سلا ہی دیا۔"

مولانا فضل الرحمن صاحب فرماتے ہیں :۔

"کہ ہم جیسے نااہل جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت اٹھ کر مصافحہ فرماتے۔ یہ حسن سلوک اور دلجوئی کے مظاہرے اور کہیں بہت کم ہم نے دیکھے۔"

مولانا محمد وجیہہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"ایک مرتبہ حضرت کی اکوڑہ خٹک کی قیام کے دوران احقر کا اکوڑہ میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ ذرہ نوازی میں کوئی حد نہ چھوڑی۔ حتی کہ اسٹیشن تک رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے اور جب تک گاڑی نہ چھوٹی واپس تشریف نہیں لے گئے۔ حضرت کو اخلاق کے جس شعبہ میں دیکھا کامل اور نرالا پایا[1]"

ز فرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"سادگی کا یہ عالم تھا کہ حضرت نوراللہ مرقدہ اکثر کھانا گھر سے مدرسہ (مظاہر علوم) میں منگواتے اور خدام کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر کھاتے۔ گھر کا سالن اور ترکاری دو تین قسم کا ہوتا اور اچھا ہوتا تھا۔ بسا اوقات اس کو چھوڑ کر ہم لوگوں کے سامنے سے مطبخ کا معمولی سالن یہ فرما کر اٹھا لیتے کہ اچھا سالن تو تم نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ اور ہم کو گھر کا سالن دیتے ہو"

مہمان نوازی :۔ سنت ابراہیمی (مہمان نوازی) پر آپ بڑی مضبوطی سے عامل رہے۔ مہمانوں کی دیکھ بھال اور ان کے اکرام و اعزاز کا آپ کو بڑا خیال تھا۔ آخری دور میں جب واردین و صادرین کی کثرت ہونے لگی تو حضرت مولانا کا کافی وقت مہمانوں کے احترام و تکریم میں صرف ہوتا۔ بارہا رات کو دیر سے دور دراز سے خدمت میں حاضر ہونے والے متعلقین آجاتے۔ حضرت بڑی خندہ پیشانی سے ان کے اکرام اور دیکھ بھال کا امر فرماتے۔ مہمان کی ذراسی تکلیف بھی آپ کو گوارا نہ تھی ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ مہمان اور ملاقات والے حضرات عین دوپہر کے وقت آجاتے جس وقت آپ آرام فرما رہے ہوتے۔ اگر ان کو جلدی نہ ہوتی تو ظہر کی

---

(1) الحق اکوڑہ خٹک

نماز تک وہ انتظار میں رہتے اور اگر جلدی ہوتی تو حضرت آرام ترک کرکے انتہائی خندہ پیشانی سے ان کے معروضات سنتے اور یہ بے وقت اٹھنا اور قیلولہ ترک کرنا آپ وسعت قلبی سے برداشت فرماتے۔ کیونکہ مہمان پر اپنی راحت کا نچھاور کرنا آپ کی عین ادا تھی۔

عیدین کے بعد تلامذہ و خدام دور دراز سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتے۔ ہر شخص اپنی اپنی داستانیں بیان کرتا۔ حضرت ہر ایک کی باتیں غور سے سنتے۔ اور اصلاح طلب امور کی اصلاح فرماتے۔

حضرت کا مسترشدین اور منتسبین کے لئے یہ قاعدہ تھا کہ پہلے (بذریعہ خط) اجازت مانگ کر بہبودی حاضر ہوتے۔ حضرت موسم کے مطابق آنے کی اجازت یا نہ آنے کے بارے میں فرما دیتے۔ حضرت اصلاح نفس کے لئے آنے والے مسترشدین حضرات پر زور دیتے کہ حاضر ہونے کی بجائے بذریعہ خط و کتابت اپنا اصلاحی تعلق قائم رکھیں اور مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رہیں۔ کافی اصرار کے بعد حاضری کی اجازت دیتے کہ مقصد خط و کتابت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور آنے میں تکلیف ہوتی ہے۔

مگر احباب و منتسبین کب صرف خط و کتابت پر اکتفاء کرتے ہیں بلکہ حاضری لگی رہتی۔ گاہے گاہے واردین وصادرین کا کافی ہجوم ہو جاتا۔ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کے متعلقین بھی حاضر ہوتے رہتے افریقہ کے حضرات بھی موقع ملنے پر آجاتے۔

مہمانوں کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ جس وقت بھی آتے گھر میں جو کچھ موجود ہوتا مہمان کے سامنے لا کر رکھ دیا جاتا۔ عالم جاہل ' شہری دیہاتی ' ہر قسم کے مہمان آتے۔ آپ نہایت خندہ پیشانی سے انکا خیر مقدم کرتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔

مہمانوں کے لئے عموماً بہترین کھانا تیار کیا جاتا۔ بہت سے حاضرین کہتے کہ ایسا لذیذ کھانا اور چائے ہمیں اور کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔ یہ حضرت کے خلوص اور للٰہیت کا اثر تھا۔ مہمانوں کے ہر قسم کے آرام کا خیال حضرت خود رکھتے۔ سردی کے موسم میں تہجد کے وقت گرم پانی تک کا انتظام کیا جاتا۔

مولانا محمد وجیہہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"حضرت میں مہمان نوازی کا خاص جذبہ تھا۔ حتی کہ اعلی سے اعلی طریق سے مہمان نوازی کے بعد بھی اس کو کم سمجھ کر معذرت فرماتے تھے۔ یہ معاملہ صرف مشہورین کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے خدام اور متعلقین کے ساتھ بھی تھا مہمانوں کو دور تک رخصت کرنا یہ سب باتیں آنکھوں دیکھی اور تجربہ کثیرہ کے ساتھ متعلق ہیں۔ بارہا اس ناچیز کو خدمت اقدس میں حاضری کا اتفاق ہوا ایسا معاملہ باوجود اس احقر کی نااہلی کے فرماتے کہ احقر شرم کی وجہ سے زمین میں گڑ جاتا۔ کھانے کا اعلی انتظام ' تمام ضرورتوں کا خاص اہتمام۔ ایسی خدمت فرماتے کہ آدمی اسکے تصور سے بھی پانی پانی ہو جاتا ہے۔ متعدد مرتبہ دولتخانے پر حاضری ہوئی ہر مرتبہ عجیب و نرالا برتاؤ دیکھا۔ حضرت کی تربیت خاص کا گھر والوں پر بھی ایسا اثر تھا کہ ان کو بغیر خدمت کے چین نہ آتا تھا۔ تعجب ہوگا ذرہ نوازی کا یہ حال کہ مہمان کے کپڑے دھلوانے تک کا خاص اہتمام فرماتے تھے اپنے اوپر گزری ہوئی سناتا ہوں کہ کئی مرتبہ وہاں پر کپڑے بدلنے کا اتفاق ہوا۔ اتارے ہوئے کپڑے اصرار سے وصول فرما کر اندر دھلوائے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک مرتبہ احقر نے کپڑے اتار کر سامنے کسی جگہ نہ رکھے بلکہ بسترہ میں پوشیدہ رکھ دیئے۔ حضرت کو جب کپڑے بدلنے کا پتہ چلا تو احقر کے مسجد جانے کے بعد بستر سے کپڑے لے کر اندر دھونے کے لئے دیدئے۔ احقر حضرت کی اس ذرہ نوازی اور کرام گستری دیکھ کر پانی پانی ہو گیا مگر دم مارنے کی اس ناچیز کو کہاں گنجائش تھی"مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"جب کوئی شخص کھانے یا ناشتہ کے وقت کسی ضرورت سے بھی پہنچ جاتا تو اس کو بغیر کھانا کھلائے نہ جانے دیتے۔ جو مسترشدین اپنی اصلاح کے لئے خدمت عالی میں جا کر قیام کرتے ان کے کھانے کا انتظام گھر سے ہوتا اور بوقت رخصت اسٹیشن تک تشریف لاتے۔"

مولوی محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت اپنے مہمانوں کا بڑا اکرام فرماتے۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ حضرت مہمانوں کے لئے ہاتھ صاف کرنے کا تولیہ خود آگے بڑھاتے۔ مہمانوں کو رخصت کرتے وقت حضرت دور تک مشایعت فرماتے۔ ایک بار ہندوستان سے ایک مہمان جو حضرت کے منتسبین میں سے تھے اکوڑہ کے قیام کے دوران حاضر ہوئے۔ دو تین دن ان کا قیام رہا۔ رخصت کے وقت مجھے تانگہ لانے کے لئے کہا۔ حضرت خود مہمان کو وداع کرنے کے لئے اسٹیشن تک تشریف لے گئے۔ مہمان کو تھانہ میں رخصت ہونے کی رپورٹ کرنی تھی۔ حضرت عام لوگوں کے ساتھ اسٹیشن پر بینچ پر بیٹھ گئے اور مجھے مہمان کے ہمراہ بھیج دیا۔ گاڑی چلنے کے وقت تک حضرت وہاں ٹھہرے رہے۔"

مولوی محمد اسحاق مزید تحریر فرماتے ہیں :۔

"سردی کے موسم میں مہمانوں کے لئے کمرہ گرم رکھنے کے لئے ہم کو انگیٹھی جلانے کا حکم تھا۔ اور وضو کے لئے گرم پانی کا انتظام ہوتا"

مولانا عبدالحق صاحب سورتی تحریر فرماتے ہیں :

حضرت کی طبیعت بڑی مہمان نواز تھی۔ ایک مرتبہ ایک آزاد قبائلی مظاہرالعلوم سہارنپور آیا۔ کوئی جان پہچان نہ تھی۔ حضرت نے اس غریب سے کہا کہ دوپہر کو ہمارے ساتھ کھانا کھا لینا۔ چنانچہ وہ شریک طعام رہا۔ کھا کر جب فارغ ہوئے حضرت فرمانے لگے شام کو بھی آجانا۔ چنانچہ وہ شام کو بھی آلیا۔ فارغ ہو کر فرمانے

لگے کل دوپہر کو بھی آجانا۔ اسی طرح یہ ناواقف نووارد کئی دن تک حضرت کا مہمان رہا۔ چلتے وقت اس نے پشتو میں حضرت سے کچھ عرض کیا۔ میں نے پوچھا حضرت یہ کیا کہتے ہیں فرمانے لگے یہ جارہے ہیں شکریہ ادا کرکے یہ تمنا رکھتے ہیں کہ کچھ امداد کر دی جائے۔ چنانچہ حضرت نے کچھ رقم نکال کر اس کو دی اور اسے روانہ کیا۔"

حضرت کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ اگر مہمان بے وقت آجاتا اور آپ پہلے کھانا کھاچکے ہوتے تو حضرت دوبارہ ان کے ہمراہ ان کی تطییب خاطر کے لئے چند لقمے تناول فرماتے تاکہ مہمان کو اپنی تنہائی کا احساس نہ ہو۔ کھانا بہت کم تناول فرماتے لیکن تھوڑا تھوڑا آہستہ آہستہ آخر تک مہمانوں کے ساتھ مشغول رہتے۔

مولوی محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت کھانا بہت کم تناول فرماتے لیکن ہمراہ کھانے والوں سے پہلے کبھی بس نہیں فرمایا۔ آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا تناول فرماتے رہتے جب تک اور کھانے والے سیر نہ ہو جاتے۔ اگر دسترخوان پر کوئی برتن آلودہ ہو جاتا تو حضرت اٹھا لیتے اور اتباع سنت کی وجہ سے روٹی کے ٹکڑے یا انگلی سے خوب صاف فرماتے۔ بائیں ہاتھ سے کسی کو کھاتا یا پیتا دیکھ لیتے تو فوراً ٹوک دیتے تاکہ یہ عادت نہ بن سکے۔ چائے پینے میں عموماً ایسا ہو جاتا ہے کہ دائیں ہاتھ میں پیالی پکڑی ہے اور طشتری میں ڈال کر بائیں ہاتھ سے چائے پی جا رہی ہے۔ حضرت فرماتے کہ اسکا الٹ بھی تو کیا جاسکتا ہے کہ بائیں سے پیالی پکڑی جائے اور دائیں سے چائے پی جائے۔ بہت سے تلامذہ و خدام کو حضرت کی یہ نصیحتیں عمر بھر یاد رہیں اور حضرت کے ٹوکنے سے عادت ختم ہوگئی۔ حدیث میں آتا ہے کھانے کی چیز کا عیب مت بیان کرو۔ اگر طبیعت چاہے تو کھالو ورنہ چھوڑ دو۔ میں نے سالہا سال دیکھا ہے کہ حضرت اس سنت کا اتباع فرماتے۔ کبھی حضرت سے کسی کھانے کی چیز کے بارے میں برائی کا لفظ نہیں سنا۔ اگر طبیعت ہوتی تو تناول فرماتے ورنہ ہم سے کہہ دیتے کہ آپ کھائیے

حضرت نے کبھی الگ کھانا تناول نہیں فرمایا بلکہ کچھ مدرسین اور طلبہ ساتھ ضرور ہوتے"

مولانا فضل الرحمن تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت سے معاشرت کے بارے میں کئی باتیں ہم نے سیکھیں۔ بائیں ہاتھ سے کسی کو کوئی چیز نہ دیتے۔ اپنے سے بڑے کو پانی کا گلاس دونوں ہاتھ سے دینے کی تاکیدً فرماتے۔ کوئی باہر سے آتا۔ اٹھ کر مصافحہ فرماتے مہمانوں اور احباب کے ساتھ آخر تک کھانے میں شرکت فرماتے۔ دوران طعام آپ اتباع سنت کا لحاظ رکھتے ہر ہر ادا سے سنت نبوی کی اتباع مترشح ہوتی

مولوی محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں:۔

"کھانا ہمیشہ زمین پر چٹائی بچھا کر تناول فرماتے اکیلے ہوں یا مہمانوں کے ساتھ مدت العمر زمین پر کھانے کی عادت رہی۔ میز کرسی پر کھانا تناول فرمانا حضرت سے بہت دور کی بات تھی "

گھر میں بھی زمین پر کھانا تناول فرمانے کی اخیر تک عادت رہی۔ گھر میں چھوٹے بچوں کو اپنے ساتھ آپ اسی لئے بٹھلا کر کھلاتے تاکہ وہ آداب طعام سے واقف ہوسکیں۔ احباب تلامذہ ' خدام اور طلبہ کے ساتھ مل کر کھانا آپ کو محبوب تھا کہ سادہ زندگی اور امتیازی شان سے احتراز فرمانا آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ سہارنپور کے قیام کے دوران آپ کے احباب اور مخلصین ' طعام میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے۔ مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں کہ "جن دنوں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مظاہر العلوم میں مدرس تھے۔ حضرت مولانا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب آپس میں ساتھی تھے۔ایک ساتھ کھانا ہوتا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی شریک ہوتے۔ بڑی ایمان افروز باتیں ہوتیں۔" حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"مولانا شریک نوالہ و پیالہ تھے ان کو مولانا عبدالشکور صاحب اور صاحبزادگان نے خود ہی بہتیرا دیکھا ہے۔"

مولانا ظہور الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حسن اتفاق سے چند ماہ کے لئے میری رہائش دارالطلبہ کے حجرہ نمبر ۹ میں مولانا سے بالکل ہی متصل ہو گئی اور سعادت اتنی بڑھی کہ کھانا پینا بھی عموماً ایک دسترخوان پر ہونے لگا۔ جس میں مولانا عبدالشکور اور بسا اوقات مولانا اسعد اللہ صاحب کی بھی معیت ہوتی تھی اور ہم مسلک مہمان آجاتے تو دوسرے متوسلین بھی شریک رہتے "مظاہر العلوم میں حضرت کا رہائشی کمرہ اکابر و مشائخ متوسلین اور تلامذہ کی اجتماع گاہ رہا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب دارالطلبہ مظاہر العلوم تشریف لاتے تو حضرت مولانا ہی کے مہمان ہوتے۔ حضرت کے کمرہ میں تشریف رکھ کر بے تکلف محفلیں منعقد ہوتیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی امیر مجلس احرار اسلام کی ہمیشہ تشریف آوری مظاہر الغلوم میں رہتی۔ کیونکہ مولانا کے صاحبزادہ مدرسہ مظاہر العلوم میں زیر تعلیم تھے۔ حضرت مولانا کے کمرہ میں تشریف لا کر حضرت مولانا لودیانوی اپنی عجیب و غریب انداز میں گفتگو فرماتے اور حاضرین کو اپنے پر مغز اور محبت سے بھرے الفاظ سے حالات حاضرہ پر تبصرہ فرماتے۔ حضرت مولانا لدھیانوی کو اللہ تعالی نے اپنے بزرگوں کا بڑا احترام عطا فرمایا تھا اپنے اسلاف کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔ حضرت مولانا سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ سہارنپور جب بھی آتے۔ بعد مغرب دارالطلبہ میں حضرت مولانا کے قیام گاہ پر ضرور تشریف لاتے۔

محبت و شفقت

حضرت مولانا کی زندگی اور اپنے تلامذہ و اہل تعلق کے ساتھ تعلق میں

جو ادا سب سے نمایاں اور روشن تھی۔ وہ حضرت مولانا کی غیر معمولی محبت و شفقت تھی۔ حضرت مولانا کی یہ ادا اور مزاج اتنا نمایاں اور ان کی زندگی اور معاملات پر اتنا حاوی تھا کہ کوئی شخص بھی جس سے حضرت مولانا کو تعلق ہو اسکی لذت و حلاوت سے نا آشنا نہیں رہ سکتا تھا۔ اس شفقت کے لئے شفقت مادری سے بہتر اور جامع کوئی اور لفظ تعبیر کے لئے نہیں ملتا۔

حضرت مولانا کی اسی ادا کا نتیجہ تھا کہ زمانہ طالب علمی کے آپ کے رفقاء درس اور بعد کے واقفین بلکہ آپ کے اساتذہ بھی(۱) اپنی اولاد و متعلقین کو تعلیم کے لئے آپکی خدمت میں بھیجتے۔ حضرت مولانا کی شفقتوں کے سایہ میں رہتے ہوئے ان کو وطن سے دوری اور اعزا و اقرباء سے بعد کا احساس تک نہ ہوتا

حضرت مولانا محمد حیات صاحب(۲) تحریر فرماتے ہیں :

کہ "مولانا کی شفقت اور مالی ایثار ایسا تھا کہ تقریبا دو سال تک مدرسہ مظاہر العلوم میں میرے کھانے ' کپڑے اور رہنے کے مکان تک کے کفیل رہے اور مدرسہ میں داخلہ بھی میرا آپکی سفارش سے ہوا۔ مولانا ثابت علی صاحب مرحوم ممتحن تھے۔ حمد اللہ وغیرہ کتب کا امتحان لے رہے تھے۔ ان کے رعب اور اپنی کم فہمی سے وہ جو سوال فرماتے مجھ سے جواب میں غلطی ہو جاتی۔ ممتحن صاحب جب غصہ ہوتے تو مولانا فوراً فرماتے لائق طالب علم ہے گھبرا گیا ہے۔ آخر داخلہ کروا ہی لیا۔"

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :

"حضرت میرے باپ تھے۔ مربی مرشد سرپرست اور شفیق استاد تھے۔ حضرت کے مجھ پر اس قدر بے پایاں احسانات رہے ہیں کہ زبان و قلم ان کے اظہار

---

(۱)حضرت مولانا کے استاذ مولانا قاضی عبدالرحمان صاحب پنڈی سرال نے اپنے صاحبزادوں کو حضرت مولانا کے پاس مظاہر العلوم بھیجا تھا (۲) مولانا محمد حیات صاحب بندہ خیل ضلع میانوالی کے رہنے والے ہیں بڑے جید عالم اور متقی اور پارسا انسان ہیں حضرت مولانا کے ساتھ مظاہر العلوم ما رہے ہیں۔

پر قادر نہیں۔ الفاظ و بیان میں وہ وسعت نہیں کہ ان کا احاطہ کر سکیں "

بہودی اور علاقہ چھچھ کے اکثر علما آپ ہی کے زیر تربیت رہے۔ مظاہر العلوم اور دوسرے مدارس میں رہ کر آپکی شفقتوں اور بے پناہ حسن خلق و سلوک کا مشاہدہ انہوں نے کیا۔

مولانا کا جب مظاہر العلوم میں بحیثیت مدرس کے تقرر ہوا تو آپ ذہین طالب علموں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور انکی تعلیم و تربیت کا انتظام فرماتے۔ حضرت مولانا کے زندگی بھر کے رفیق اور حضرت مولانا کے خصوصی تلمیذ مولانا عبدالشکور صاحب حضرو کے انگریزی اسکول میں پڑھا کرتے تھے۔ دسویں جماعت میں داخلہ لے چکے تھے۔ مولانا عبدالشکور صاحب کے والد صاحب مرحوم علاقہ کے مشہور متمول و معزز اور با رسوخ بزرگ اور نمبردار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دسویں جماعت پاس کرا کے ان کو پولیس میں ملازمت دلوائی جائے گی۔ کہ پولیس کی ملازمت اس وقت بڑی وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی مگر حضرت مولانا کی صحبت کا ایسا اثر ہوا کہ انگیزی تعلیم سے دل برداشتہ ہو کر وطن کو خیرباد کہا قریب کے مختلف علاقوں میں علم دین کے حصول میں لگ گئے۔ اور حضرت مولانا کے ساتھ مظاہر العلوم جا کر تکمیل کی، وہیں مدرس ہو گئے اور آخر تک حضرت مولانا کے ساتھ رہے بہودی کے علماء کی خصوصاً اور بیشتر علماء چھچھ کی عموماً" تعلیم و تربیت حضرت مولانا کی مرہون منت ہے۔

آپ کی شفقت اور محبت نے بہودی کے علمی اور بہت سے غیر علمی (یعنی زمیندار) خاندانوں کے قابل و ذہین[1] افراد کو علمی راہ پر لگا دیا تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بہودی علماء و حفاظ کی کثرت میں علاقہ کے دوسرے دیہاتوں سے سے ممتاز ہے۔

(۱) ان میں مولانا عبدالشکور صاحب، مولانا فضل الرحمان صاحب، مولانا غلام ربانی صاحب، مولانا عبدالقدیم صاحب، مولانا ولی اللہ صاحب، مولانا محمد سلیمان صاحب، مولانا محمد جان صاحب، مولانا عبدالحمید صاحب وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا اپنے زیر تربیت رہنے والوں کی نگرانی رکھا کرتے تھے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت ' اخلاق اور معاملات سب چیزوں پر نگاہ رکھتے۔ قیام مظاہر العلوم کے دوران قابل سرزنش طلبہ کو تنبیہہ بھی فرماتے اور بسا اوقات ان کی حرکتوں پر "ضرب" سے بھی گریز نہ فرماتے۔

آخر میں طبیعت کے بے پناہ رحم و شفقت کی وجہ سے صرف زبانی تنبیہہ پر اکتفاء فرماتے۔ حضرت مولانا کے یہاں سب طلبہ سے یکساں سلوک ہوتا۔ کوئی یہ خیال نہ کرتا کہ میری طرف توجہ کم ہے بلکہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ سب سے زیادہ توجہ میری طرف ہے اور میرے برابر حضرت کو کسی سے تعلق نہیں ہے۔

روز مرہ خدمت کرنے والے خوش نصیب خدام پر آپ کی شفقتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہر وقت ان کی تعلیم و تربیت میں کمی کی بجائے ترقی ہوتی۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولانا کے مزاج میں بہت زیادہ تحمل تھا۔ میرے اور دوسرے تلامذہ کی غلطیوں پر چشم پوشی فرمایا کرتے تھے۔"

مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

رجب ۱۳۵۴ھ میں احقر سہارنپور گیا۔ تو شروع میں چونکہ طبیعت مبارک میں حیاء کا غلبہ تھا اور ایک دم نئے آدمی سے بے تکلفی نہیں فرماتے تھے اس لئے کچھ عرصہ ذرا تکلف رہا۔ لیکن چند ماہ بعد بہت مہربانی فرمانے لگے اور دن بدن وہ مہربانی بڑھتی گئی۔ احقر نے اسکی قدر جیسی کرنی چاہیئے تھی نہیں کی۔ لیکن آپ کے کریمانہ اخلاق قدم قدم پر ظاہر ہونے لگے اور وہ صبر و تواضع ' کسرنفسی ' ایثار ' مہمان نوازی ' علم ' سکون ' خاموشی ' امانتداری پردہ پوشی ' درگزر اور شفقت کا مجسم پیکر نظر آنے لگے

مولانا حکیم عبداللہ اعوان فرماتے ہیں:۔

"آپکی سیرت و صورت اور حسن اخلاق سنت نبوی علیہ السلام کے مطابق تھی۔ آپ میں تلطف' مہربانی اور شفقت ایسے جو ہر موجود تھے جو اور کہیں یہ چیزیں دیکھنا کم نصیب ہوئیں۔"

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی (خادم خاص) حضرت مولانا کی شفقت کا ان الفاظ سے اظہار کرتے ہیں

"حضرت نے میرے متعلق ایک دفعہ ایک جملہ فرمایا۔ اس پر ساری زندگی فخر اور خوشی محسوس کرتا رہوں گا ایک دفعہ حضرت کے پاس ایک بڑے عالم تشریف لائے۔ ان کے ساتھ بہت سے شاگرد بھی تھے۔ حضرت سے استفادہ کی غرض سے اکوڑہ خٹک میں مقیم ہو گئے انہوں نے حضرت سے کہا کہ اگر کسی خادم کی ضرورت ہو تو میں ایک طالب علم مقرر کردوں۔ حضرت نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے یہ اسحاق استاذ خادم بھی ہیں اور مخدوم بھی۔ مزاح بھی تھا اور ساتھ خادم کی خدمتوں کا اعتراف بھی۔ اور اپنی شفقت اور محبت کا اظہار بھی"

مرتبہ فناء الفناء

تو درد گم شو وصال این ست و بس
گم شدن گم کن کمال این ست و بس

سلوک کا اعلٰے ترین مقام وہ مقام عبدیت و فناء ہے۔ جس تک پہنچنے کے لئے طالبین و سالکین کو بسا اوقات قبض کی بحر ظلمات کے تیز و تند موجوں۔ غم و اندوہ کی دشوار گزار وادیوں ' عظمت و جلال ۔ ۔ ۔ ہیبت پہاڑوں اور خوف خشیت کی گھنگھور گھٹاؤں سے بھی گذرنا پڑتا ہے ۔ ۔ طے ۔ ۔ نے میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں بعض ہمت ہار کر یہ راستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں اور بعض خوش نصیب بعون اللہ

ان مختلف مراحل سے نکل کر منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنا ہیچ در ہیچ اور لاشئے محض ہونا روز روشن کی طرح مشاہد ہو جاتا ہے۔ یہ مقام اللہ کے نیک بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ حضرت مولانا کو بھی اللہ نے اس مقام سے نوازا تھا اپنی طبعی افتاد اور فطری خصائل کی وجہ سے اس مقام تک رسائی آپ کے لئے بڑی سہل رہی۔ آپ نے اپنی ذات کو اس حد تک فنا کر دیا تھا کہ اس "فنا" کا بھی آپ کو احساس نہ رہا تھا۔ حدیث "من تواضع للّٰہ رفعہ اللہ" کے مطابق آپ کی مقبولیت اور محبوبیت میں اس صفت تواضع کو بڑا دخل تھا کہ مقبولیت اور رفعت ازخود نہیں آتی بلکہ من جانب اللہ ہوتی ہے جبکہ اپنے نفس کو بالکل مٹا دو۔

مولانا غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں :

"مسند نشینان درس و مشیخت کی لب و لہجہ اور طرز تخاطب سے اکثر اپنے " دانستن" اور دوسرے کے "نادانستن" کا اظہار ہو ہی جاتا ہے ۔ حضرت ممدوح مدت دراز تک زینت بخش مسند درس و مشیخت رہے مگر پندار علم اور احساس منزلت کو اس قدر مٹائے ہوئے تھے کہ بھولے سے بھی "احساس دانستن" کا شائبہ ان کی گفتگو یا طرز خطاب میں آنے نہ پاتا تھا۔ مرتبہ فناء کو پہنچنا ہی کتنا دشوار ہے۔ چہ جائے کہ فناء الفناء کو کوئی پہنچ جائے کہ خود مٹنے کا احساس بھی مٹ جائے۔"(۱)

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں:

"تواضع اور شان فناء کا اسقدر غلبہ تھا کہ ہزاروں کو سیراب کرنے کے بعد بھی انہیں خیال نہ گزرتا تھا کہ کوئی میرے چشمہ جاری سے سیراب ہوا ہے"(۲)

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد تحریر فرماتے ہیں(۳):

(۱) بینات ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ ' (۲) دارالعلوم دیوبند اگست ۱۹۶۶ء ص ۳۷ (۳) مکتوب بنام مرتب

"حضرت کا سب سے بڑا کمال ہمہ وقت ایک ہی نظر آتا رہا کہ ماشاء اللہ علم و فضل ظاہر و باطن کے کمالات کی بڑی نادر جامعیت کے باوجود کسی بات میں قطعاً" نہ ان کے اظہار کا کوئی شبہ پایا جاتا تھا۔ نہ ادنی سے ادنی احساس کا' سب کچھ ہو کر کچھ نہ سمجھنے سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں۔"

محاسن گفتار

حضرت مولانا کا انداز گفتگو بڑا عجیب تھا۔ آپ کے بول بڑے انمول تھے۔ محاسن کے کئی پہلو جمع تھے مگر زبان سے جو جواہر نکلتے وہ چھوٹے چھوٹے ' مختصر' صاف اور سادہ جملے اہل فکر کے لئے کلید علم و حکمت ہوتی۔

جناب رفعت احمد خان تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولانا بالطبع ہر چند کم گو اور خاموش تھے۔ لیکن ان کے پاس بیٹھ کر قلب کی کیفیات میں جو تغیرات محسوس ہوتے تھے ان پر دل سے یہی صدا نکلتی تھی۔ خموشی معنی دارد کہ درگفتن نمی آید۔ کسی بحث و تذکرہ پر انکا ایک مختصر سا اشارہ اور نگاہ کی ایک جنبش سے بڑے سے بڑے ظاہری و باطنی مسائل خود بخود حل ہوتے جاتے تھے اور بے اختیار یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا تھا

درصد ہزار ساغر و مینا نہ یافتیم
کیفیتے کہ در نگہ مے فروش بود

آپ کے گفتگو فرماتے وقت مخاطب کے ذہن کی رعایت مدنظر ہوتی اور اس کے محاورہ میں کلام فرماتے۔ کسی معاملہ پر دوران گفتگو دوسرے کے نقطہ نظر سننے میں بڑے تحمل سے کام لیتے۔ بلند آواز سے کبھی گفتگو نہ فرماتے۔ کسی کی بات کاٹتے نہ تھے۔ کوئی پھبتی ' فقرہ ' یا دل آزاری کی بات نہ کہتے۔ گفتگو میں کوئی کتنا

ہی ناواجب لب و لہجہ اختیار کر لیتا ' آپ کے متانت و وقار اور رکھ رکھاؤ میں ذرا فرق نہ آتا۔ آپ کے لب و لہجہ اور طرز تکلم سے شفقت و محبت ٹپکتی نظر آتی۔ مخاطب کی دل نوازی آپ کے پیش نظر رہتی کسی کو ذلت کی نگاہ سے دیکھنا یا تحقیر کے لب و لہجہ میں خطاب کرنا آپ جانتے ہی نہ تھے آپ کے طرز گفتگو میں ایک خاص وصف سلاست و سادگی کے باوجود سوز و گداز تھا۔ دوران گفتگو کبھی کبھی بے ساختہ زبان سے "اللہ" یا "لا الہ الا اللہ" یا "استغفر اللہ" کلمات آہستہ مگر اس قدر پر سوز نکلتے کہ سننے والوں کے قلوب پر بجلی سی گر جاتی تھی عموماً" یہ دعاء بھی دوران مجلس آپ کے زبان سے سنی جاتی۔ اللھم لااحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ ترجمہ اے اللہ میں تیری تعریف نہیں کرسکتا تو ایسی تعریف کے لائق ہے کہ خود تو نے اپنی ذات کی کی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ جب کسی سے مخاطب ہوتے تو پوری توجہ والتفات کے ساتھ مخاطب سے ہم کلام ہوتے۔ حضرت مولانا اس سنت پر بڑی سختی سے عمل پیرا رہے مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت کا یہ معمول دیکھا کہ جب کسی سے کوئی بات فرماتے تو مخاطب کی طرف پوری توجہ سے گفتگو فرماتے۔ جب تک بات انتہا کو نہ پہنچتی حضرت ' برابر متوجہ رہتے۔"

بڑی بڑی محفلوں میں دیکھا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی کہہ رہا ہے۔ بہت سوں سے اشارۃ" کنایتہ" اپنی مدح و تعریف کے الفاظ بھی نکل رہے ہیں بعض اکابر تک سے یہ محسوس کیا گیا ہے مگر حضرت مولانا ایسے مواقع پر خاموشی کے ساتھ سب باتیں سنے جا رہے ہیں۔ کوئی شخص سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اتنے بڑے عالم اور مصلح بھی اس مجمع میں موجود ہیں بلکہ علمی مسائل تک میں بھی اپنی رائے کے اظہار سے احتراز فرماتے۔

مولانا ظہور الحسن صاحب فرماتے ہیں

"دوران درس مسائل میں سلف کی طرف سے اقوال نقل فرماتے کسی قول کے ترجیح کے بیان میں انانیت انفرادیت اور ذاتی رائے کا شائبہ آنے سے احتراز فرماتے کسی کی عدم موجودگی میں اس کا تذکرہ آجاتا تو احترام سے اس کو یاد کرتے۔"

مولانا عبدالجلیل صاحب فرماتے ہیں:

"پس پشت جب کسی کا ذکر فرماتے تو انتہائی احترام سے نام لیتے اپنے گاؤں کے معمر اور بڑے حضرات کا نام لیتے تو ان کے ساتھ رشتہ یعنی ماموں ' چاچا وغیرہ کا لفظ ضرور لگاتے صرف نام پر اکتفاء نہ فرماتے۔ سہارنپور میں جب امام صاحب سے کوئی غلطی ہو جاتی تو اکثر دیگر مدرسین و اساتذہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کے متعلق دریافت فرماتے۔ خود اپنی طرف سے پہل نہ فرماتے۔ پھر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب یا مولانا جمیل احمد صاحب اگر اسکا فیصلہ کر دیتے تو فبہاورنہ اکثر فیصلہ حضرت ہی پڑھتا۔"

کم گوئی آپکی امتیازی شان تھی۔ اکثر خاموشی طاری رہتی۔ مجلس میں جب تک کوئی شخص سوال نہ کرتا آپ لب کشا نہ ہوتے کسی کے پوچھنے اور سوال کرنے پر مختصر اور جامع جواب ارشاد فرماتے۔" مولانا عبدالشکور صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا مرحوم کی خاص عادت تھی کہ اگر کوئی واقعہ اپ کو معلوم بھی ہوتا تو مجلس آرائی وغیرہ کے لئے کبھی اس واقعہ کے بیان کرنے میں اقدام نہ فرماتے اگر کوئی اور اس واقعہ کو بیان کرتا تو حضرت اس طرح سنتے گویا یہ واقعہ معلوم ہی نہیں حالانکہ بخوبی آپ کو معلوم ہوتا۔ حضرت مرحوم کبھی کسی کی تذلیل گوارا نہ فرماتے۔ مطلب کی ضروری بات بیان فرماتے۔ خواہ مجلس میں بہت لوگ ہوں یا کم لوگ ہوں۔ لایعنی بات مرحوم کے زبان سے کبھی نہ سننے میں آئی۔ سکوت غالب ہوتا تھا۔ حدیث ہے :۔

افلارایتم العبد یعطی زھدا" فی الدنیا و قلۃ منطق فاقتربوامنہ فانہ یلقی الحکمۃ (مشکوۃ ۴۴۶ جلد ۲ عن البیہقی) ترجمہ۔ کہ "جس بندے میں زہد اور کم گوئی کے اوصاف ہوں۔ اس سے نزدیکی اختیار کرو کہ حکمت کا اس پر القاء ہوتا ہے" جب حضرت مولانا پر میری نظر پڑتی تھی تو صحیح عرض کرتا ہوں مرحوم اس حدیث کے مصداق نظر آتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ خاموشی اچھی چیز ہے اس سے عیب مخفی رہتا ہے۔ اگر کوئی بری بات نظر آتی تو حضرت کی چہرے پر اسکا اثر نمودار ہوتا اگرچہ زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے مدرسہ مظاہر العلوم کی مجلس شوری میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے فرمایا کہ مولانا عبدالرحمن صاحب کی رائے بڑی صائب اور صحیح ہوتی ہے۔ شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا۔ بالکل صحیح ہے مگر کیا کیا جائے مولانا بہت کم بولتے ہیں بڑی اصرار کے بعد ایک آدھ بات فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کسی کے کام میں دخل نہ دیتے تھے۔ البتہ جب کوئی مشورہ طلب کرتا تو بمقتضا "المستشار موتمن" کے صحیح اور صائب مشورہ دیتے تھے۔

مولانا محمد صادق صاحب (سھگل آباد) تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت کے متوسلین جانتے ہیں کہ آپ درس و تدریس کے علاوہ بہت کم کہتے مگر جب کچھ ارشاد فرماتے تو سیدھے سادھے پیرا یہ میں بغیر کسی تکلف کے فرماتے آپ کے ارشادات میں علم و عرفان اور انکسار و تواضع کا حسین امتزاج ہوتا تھا آپ کی وجاہت میں صلحاء کا نور جھلکتا تھا اور آپکا زہد و تقوی تو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ مولانا محمد وجیہہ صاحب فرماتے ہیں :

"تواضع وانکساری خاص طرہ امتیاز تھا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ نہ سمجھنا خاص شعار تھا۔ غیبت وطعن سے کوسوں دور کم سخنی اور قلت کلام حضرت کا خاص حلیہ تھا" ۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"مولانا آگے یا پیچھے کسی کو برا نہ کہتے تھے خصوصا غیبت سے کلی اجتناب فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا گیا"

مولانا عبدالحق صاحب سورتی فرماتے ہیں :

"حضرت اکثر خاموش رہتے ۔ جس قدر سوال کرو اسی قدر شافی جواب پالو اکثر وقت کتب بینی ذکر و شغل میں گزرتا "

"آپ کی مجلس وقار اور متانت کا نمونہ ہوتی۔ سکوت اور خاموشی میں آپ نفوس کی اصلاح فرماتے اور لوگوں کے قلوب منجذب کرتے۔ مجلس میں نیچے کی طرف دیکھتے۔ چہرہ سے خوف و خشیت خداوندی اور فکر آخرت مترشح ہوتا نظر آتا۔ خاموشی سے ذکر جاری رہتا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی سے تعلق کے بعد تھانہ بھون عموماً" حاضری رہتی۔ آپ حضرت مرشد تھانوی کی مجلس میں نہایت خاموشی سے شریک رہتے۔ مولانا ظہور الحسن صاحب فرماتے ہیں :

"حسب موقع تھانہ بھون حاضری ہوتی۔ مجلس میں فنائے تام کے ساتھ خاموش اور سراپا گوش متوجہ رہتے۔ ہمکلامی کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی"

اس کم گوئی اور خموشی میں آپ نے وہ کچھ حاصل کیا جو انقیاد کامل اور صدق طلب کے ساتھ ایک طالب حاصل کرسکتا ہے۔ استفادہ کے وقت بھی آپکی یہ شان رہی اور افادہ کے وقت بھی لوگ سمجھتے ہونگے کہ خاموشی سے اصلاح کیسے ہو سکتی ہے ۔ مگر اصحاب ذوق اور اہل معرفت کی شہادتیں اس بارے میں آپ پہلے سن چکے ہیں خاموشی معنی دارد کہ در گوہر نمی گنجد"

محاسن تقریر

غالباً" اس فطری خاموشی اور کم گوئی کا نتیجہ تھا کہ آپ عوامی تقریر نہ

فرمایا کرتے تھے۔ باوجود اصرار کے انکار فرما دیتے ہاں کبھی کبھی بھبودی میں عید کے موقع یا اور کسی تقریب میں عوام یا طلبہ کے اصرار پر کچھ ارشادات فرما دیتے! ارشادات کیا ہوتے؟ بیان جوش و خروش سے پاک۔ مگر اثر و کیف سے مملو ہوتا تقریر دلنواز ہوتی آپ کی شخصیت چونکہ مجسم وقار اور باتیں صداقت کا معیار تھیں اس لئے جو کچھ فرماتے سننے والوں میں اعتماد اور یقین کی پائیدار کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ تذکیری اور واعظانہ تقاریر میں قرآن و حدیث کے مستحکم دلائل ہوتے۔ سادہ اور مربوط الفاظ میں اتباع سنت اور شریعت پر عمل کرنے کی تلقین ہوتی۔ عوامی مقرروں کی طرح لچھے دار تقریر یا ادعاء و تحکم کا انداز نہ ہوتا۔ بس موثر اور دلنشین انداز میں لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش ہوتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عالم باعمل کی بات لچھے دار تقریروں سے زیادہ دیرپا اور موثر ہوتی ہے اور "از دل خیزد و بردل ریزد" کا مصداق ہوتی ہے

نظافت اور سلیقہ شعاری

حضرت مولانا باوجود سادہ زندگی بسر کرنے کے نظافت اور نفاست پسند تھے۔ ہر کام سلیقہ شعاری اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے کہ اس سے نفس معمولی اشیاء میں الجھنے سے محفوظ رہتا ہے۔ خادم خاص مولوی محمد اسحاق وزیرستانی فرماتے ہیں :۔

"بدن ہمیشہ صاف رکھتے۔ کپڑے ہمیشہ اجلے زیب تن فرماتے۔ استعمال کی کوئی چیز میلی نہ ہوتی۔ رہائش کے کمرے کی صفائی کا بہت خیال فرماتے میں اس بارے میں حضرت کے مزاج کی نزاکت کو سمجھ چکا تھا اسلئے کمرہ کی صفائی کا بہت خیال رکھتا۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن کمرہ کی صفائی کا بڑا اہتمام کیا اور اپنے خیال سے ہر چیز پوری طرح صاف کی۔ اتفاقاً" کچھ دیر کے بعد کمرہ میں آیا تو دیکھا کہ حضرت کھڑکی

کے باہر کی طرف کے حصہ سے غبار دور فرما رہے ہیں۔ مجھے شرمندگی ہوئی اور حضرت کے لطافت مزاج پر حیرت بھی! ایک دفعہ میں کمرہ میں آیا تو دیکھا کہ حضرت وضوء کی جگہ کو صاف کر رہے ہیں میں نے سلام کیا۔ حضرت اس خیال سے کہ مجھے شرمندگی نہ ہو (پشتو کے محاورۃ کے اعتبار سے بے تکلفی کے ساتھ) مسکراتے ہوئے فرمانے لگے کہ "اسحاق استاذ" میں بیکار بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے اس جگہ کو صاف کر رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں صاف کردیتاہوں۔ حضرت اٹھ تو گئے لیکن یہ فرمایا کہ "ہم بے کار بھی تو کچھ کریں گے۔"

نظافت کی وجہ سے حلق راس کا اہتمام تھا۔ ہفتہ دس دن بعد سر کے بال حلق کراتے عطر کا استعمال ہمیشہ رہا۔ قیمتی سے قیمتی عطر احباب ہدیہ کی طور پر پیش فرماتے۔ عطر کے کثرت استعمال سے آپکی ہر مستعمل چیز سے خوشبو آتی۔ زیر مطالعہ کتابیں، کاغذات، قلم دوات ہر چیز سے مہک محسوس ہوتی۔ واردین کو اس کا خصوصی طور پر احساس ہوتا۔ معمولی استعمال کی چیزوں کو بڑی احتیاط سے رکھتے۔ سوئی دھاگہ جیسی معمولی چیزیں بھی اپنے پاس رکھتے کھجور کے پتوں یا لکڑی سے خلال بنا کر محفوظ رکھ لیتے۔ معمولی چیز بھی بیکار سمجھ کر ضائع نہ فرماتے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کے بارے میں جو سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ مستعمل لفافے بھی ضائع نہ فرماتے تھے بلکہ اسکو الٹا کر کام میں لے آتے۔ حضرت مولانا کی بھی یہی عادت تھی۔ بیکار خطوط کو ضائع کرنے سے پہلے دیکھتے اگر ان میں قابل استعمال کاغذ کا ٹکڑا ہوتا تو اسکو کاٹ کر رکھ لیتے اور بوقت ضرورت کام میں لاتے۔

مالی ایثار

مالی ایثار میں حضرت مولانا "عبادالرحمن" کے قرآنی معیار کی جیتی جاگتی

مثال تھے۔ ایثار مالی میں ان بندگان رحمانی کے حسن توازن کی صداقت یہ بیان فرمائی گئی ہے :۔

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما"

ترجمہ:۔ اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی اور ان کا انفاق اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی کی برکت رہی کہ آخرت کا سامان بھی کر گئے اور دنیا میں بھی استغناء رہا۔ اہل و عیال کے لئے بھی جو کچھ کرنا تھا مناسب طریقہ سے کر گئے۔ فراغت قلبی کی یہ دولت اسی اعتدال پسندی کا نتیجہ تھا جس کی تعلیم قرآن نے دی ہے۔ احباب، تلامذہ، خدام اور اہل جوار میں جو بھی مستحق ہوتا مقدور بھر اس کی خدمت کرتے۔

آپ کے زمانہ طالب علمی کے رفیق مولانا محمد حیات صاحب فرماتے ہیں :۔

"مالی ایثار اور شفقت کا ایسا جذبہ کہ تقریباً" دو سال تک سہارنپور میں میرے کھانے کپڑے رہنے کے مکان تک کے کفیل رہے اور مدرسہ مظاہر العلوم میں داخلہ بھی میرا آپکی سفارش سے ہوا۔"

حضرت مولانا کے مالی ایثار کا دوسرا وصف اخفاء تھا۔ جو کچھ خرچ کرتے حتیٰ الامکان چھپا کر کرتے تھے۔ حدیث "لاتدری یمینہ ماتنفق شمالہ" (دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے خرچ کو نہ جانے) کے مصداق تھے۔

مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"نادار لوگوں کی خدمت حسب توفیق کرتے تھے کبھی اپنے دست مبارک سے اور کبھی مجھے دیدیتے کہ یہ روپے فلاں فلاں کو دیدو مگر میرا نام نہ لینا۔ چنانچہ میرے ساتھ بھی یہی طریقہ رہا۔ خود مجھ کو بھی جب کوئی چیز دیتے تو بالکل چھپا کر کہ کسی کو پتہ چلنے نہ پائے۔ ایک دفعہ کچھ روپے لفافہ میں رکھ کر مجھے دیئے کہ یہ

تمہارے فلاں دوست کا خط ہے اس کو گھر جا کر اطمینان سے دیکھ لو اور پھر کل مجھے واپس دے دینا۔ جب میں نے اسے تنہائی میں کھولا تو اس میں خط کے ساتھ روپے بھی تھے لیکن اس انداز سے دیئے کہ اہل مجلس کو پتہ نہ چلا۔ اخفاء کا اتنا اہتمام تھا۔ میرے ایک دوست میرے ساتھ حضرت کی بیٹھک سے نکل رہے تھے کہ ان کو کچھ روپے اس طرح دیدیئے کہ مجھ کو پتہ نہ چل سکا۔ باہر آکر انہوں نے مجھ سے ظاہر کیا کہ حضرت نے مجھے یہ روپے مرحمت فرمائے ہیں حالانکہ حضرت کو بھی معلوم تھا کہ ہم دونوں کا آپس میں نہایت بے تکلفی کا تعلق ہے لیکن پھر بھی اپنی طرف سے اتنا اہتمام اخفاء کیا کہ مجھے پتہ نہ چلا۔"

حقوق العباد کا خیال

حقوق العباد کے بارے میں حضرت مولانا بڑی احتیاط برتتے۔ اور اپنے متعلقین و احباب کو بھی اس کی بڑی تاکید فرماتے۔ اور اس میں تساہل پر بڑے ناراض ہوتے ۔ ساری زندگی آپ نے سادہ بسر کی۔ اس لئے معاشی طور پر آپ کسی کے زیر بار نہ ہوئے۔ اگر کسی کام کے لئے قرض لینے کی نوبت آئی تو بہت جلد اس سے سبکدوشی کی کوشش فرماتے۔ بفضلہ تعالیٰ وفات کے وقت آپ کے اوپر کسی کا حق یا قرض وغیرہ نہیں تھا۔ ساری زندگی ایسے سلیقہ اور حسن انتظام سے گزری کہ ہر معاملہ حسن و خوبی سے طے ہوتا چلا گیا۔ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی اور معاملات کی صفائی میں ذرہ برابر تاخیر نہ فرماتے۔ حتی کہ اگر کسی کو بازار سے کسی چیز کے خریدنے کے لئے بھیجتے تو اس کا حساب فوراً دریافت فرماتے۔ مبادا اس نے اپنی طرف سے کچھ خرچ کر دیئے ہوں۔

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مولانا کے یہاں معاملات کی صفائی از حد درجہ تھی۔ امانت اور

دیانت میں کمال مقام حاصل تھا۔"

مولانا محمد اسحاق صاحب اس بارے میں اپنا تاثر ظاہر کرتے ہیں :۔

"ایک بار جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مدرسین اور بعض طلبہ کسی جنازہ میں شرکت کے لئے ایک گاؤں گئے تھے۔ حضرت بھی تشریف لے گئے تھے۔ اس گاؤں تک جانے کے لئے راستہ میں دریا کی وجہ سے کشتی پر سوار ہونا پڑتا تھا۔ دونوں طرف سے آنے جانے کا سب کرایہ میں نے کشتی والے کو دیدیا تھا۔ جب مدرسہ واپس ہوئے تو پہلی فرصت میں حضرت نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ کشتی کا کرایہ کس نے دیا ہے میں نے عرض کیا بندہ نے۔ فرمایا کتنا۔ میں نے مقدار بتلادی۔ حضرت نے اسی وقت وہ سب کرایہ مجھے عنایت فرمایا۔ ایسے امور میں حضرت بالکل تسامح یا تساہل نہ فرماتے۔ اور سختی سے اپنے خدام و متعلقین کو بتلا دیا تھا کہ پیسے لینے میں ہرگز چون و چرا نہ کرو۔"

مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

ایک دفعہ میں تھانہ بھون سے وطن رخصت پر آیا تھا۔ حضرت نے واپس سہارنپور جاتے ہوئے بھیڑ کی وجہ سے انٹر کلاس کا ٹکٹ لیا۔ حضرت کی معیت میں میں نے بھی انٹر کلاس کا ٹکٹ لیا۔ جب سہارنپور سے تھانہ بھون رخصت ہونے لگا تو چار روپیہ مجھے عنایت فرمائے کہ تم نے انٹر کلاس کا ٹکٹ میری وجہ سے لیا تھا اس لئے یہ روپیہ رکھ لو۔ میں نے ہر چند عرض معروض کیا لیکن حضرت نے چار روپیہ لینے پر مجبور کر دیا۔"

ذاتی اور شخصی حقوق تو ایک طرف۔ حکومتی اور اجتماعی حقوق کی ادائیگی کا بھی انتہائی خیال رکھا جاتا کہ یہ حضرت حکیم الامت تھانوی کے تعلق کی خصوصیات سے ہے۔

حکومتی حقوق میں احتیاطی پہلو کا اندازہ مولانا محمود رنگونی صاحب کے بیان

کردہ واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ جو حالات سفرِ حج میں صفحہ ۱۰۳ پر گذر چکا ہے وہاں دیکھا جائے۔

اسی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ ہمیشہ آپ مختلف مدارس میں قیام کے دوران مالی اور انتظامی معاملات سے الگ رہتے اور فرماتے کہ مال عظیم آزمائش ہے، کہیں بے احتیاطی کی وجہ سے گرفت نہ ہو جائے۔ مدارس کے مہتممین حضرات کو ناصحانہ انداز میں فرماتے[1] کہ مہتممین کو چاہیئے کہ مدرسین کو مخدوم سمجھیں ملازمین کی حیثیت سے نہ دیکھیں۔ بعض مدارس کے بارے میں جہاں مدرسین و طلبہ کی حق تلفی ہوتی فرماتے کہ یہاں تعلیم مقصود نہیں۔

تورع اور مشتبہات سے احتراز

تورع اور مشتبہات سے احتراز بمصداق حدیث الحلال بین و الحرام بین وبینھمامشتبہات" ترجمہ حلال اور حرام ظاہر ہیں اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں اور دع مایریبک الی مالا یریبک مشکوک چیز کو چھوڑدو اور غیر مشکوک پر عمل پیرا رہو)حضرت مولانا مشتبہ اور مشکوک چیزوں کے استعمال سے ہمیشہ احتراز فرماتے کہ نفس کی پاکیزگی طیب اور مشتبہ چیزوں سے برقرار رہ سکتی ہے سہارنپور میں قیام کے دوران ہندوؤں کے ہاتھوں سے بنی ہوئی چیزوں کے استعمال سے آپ پرہیز فرماتے مولانا عبدالجلیل صاحب فرماتے ہیں" مظاہر العلوم کے قیام کے دوران پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل وغیرہ کے امتحانات کے پرچے آپ کے پاس آیا کرتے تھے ایک مرتبہ ایک صاحب لاہور سے آئے آنیکا مقصد ایک صاحب کی سفارش تھی جنکاپرچہ آپ کے پاس تھا آپ نے سفارش قبول کرنیسے معذوری ظاہر کی جاتے ہوئے وہ پھلوں کی ٹوکریاں چھوڑکر—— چلے گئے حضرت

---

(۱) از مولانا محمد فرید صاحب استاذ دارالعلوم اکوڑہ خٹک

نہیں بتایا ۔ کچھ دیر بعد خدام نے جب بتایا کہ حضرت ! یہ تو وہ ....
حضرت چھوڑکر چلے گئے ہیں آپ نے فوراً وہ ٹوکریاں خدام کے ذریعہ انکو پہنچانیکا حکم فرمایا اور انکی اس حرکت پر انتہائی ناراضی اور غصہ کا اظہار فرمایا اور خدام نے فوراً جاکر انکے حوالہ کردی مولنامنظور احمد صاحب چنیوٹی تحریر فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت کے پاس کتابوں کا ایک پارسل آیا جس پر ڈاک کے بہت سے ٹکٹ تھے انمیں سے چند ٹکٹوں پر ڈاکخانہ کی مہر نہ تھی میں نے انکو جمع کیا فوراً میرے ہاتھ سے لے لئے اور ان کو پھاڑدیا میں نے عرض کیا کہ حضرت ان پر تو مہر نہ تھی فرمایا ہاں اسی لئے تو پھاڑا ہے کیونکہ یہ ایک دفعہ استعمال ہوچکے اب دوبارہ استعمال کرنا ناجائز ہے"

مولانا عبدالقدیم صاحب کیمبلپوری فرماتے ہیں سہار نپور جامع مسجد کے سامنے والی نہر کے کنارے ایک مسجد کسی زمانہ میں تھی جو انگریزوں نے شہریا سڑک کشادہ کرنے کے لئے شہید کرادی تھی حضرت مولانا جب وہاں سے پیادہ گزرتے تو ازراہ ادب جوتے اتار کر گزرتے ایک صاحب[1] نے آپ سے دریافت کیا کہ آجکل چندہ کی جورقوم بڑے لوگوں سے حاصل ہوتی ہیں ان کے اکثر کاروبار سودی اور غیر شرعی ہیں انکی آمدنی سے مدارس عربیہ کو چندہ ملتا ہے کیا ایسے چندہ سے دینی مدارس چلانے چاہئیں یانہیں اسکے بارے میں حضرت مولاناکا محتاط و متورع جواب سنئے فرمایا مال حرام تو بہرصورت حرام ہی ہے وہ تو حیلوں بہانوں سے حلال نہیں ہو سکتا زکواۃ اس میں واجب ہو یا نہ ہو مصرف اسکا کچھ بھی ہو بہر صورت زکواۃ سے مال حرام حلال تو نہیں ہو سکتا بغیر مال حرام کے کام چلے یا نہ چلے اسکے ہم لوگ مکلف نہیں مال حلال سے جتنا کام ہو سکے کرنا چاہیے بہر صورت یہ میری رائے ہے مناسب ہے کہ اس صورت حال کو حضرات علماء کرام کے سامنے پیش کیاجائے اور مختلف مدارس سے فتاوی حاصل کئے جائیں دین کا اور خالص دین کاکام سمجھ کر مال حرام سے اس کو پوراکرنا میری سمجھ میں تو کم ازکم نہیں آتا

(۱) مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی

ھدیہ کے قبول کرنے میں

اپنے شیخ مرشد تھانوی کے اصولوں کو مدنظر رکھتے کہ اس میں راحت ہی راحت اور سراپا احتیاط ہے جب تک ہدیہ دینے والے کے متعلق آپ کو پورا اطمینان اور شرح صدر نہ ہو جاتا تھا کہ یہ بالکل صدق واخلاص سے ہدیہ دیا ہے اور اسکے قبول کرنے میں کسی دینی یا دنیوی مصلحت میں خلل نہیں پڑتا اس وقت تک قبول نہ فرماتے' حضرت حکیم الامتہ تھانوی کا ارشاد ہے کہ آجکل بزرگوں کو جو بصورت ہدایا دیا جاتا ہے اکثر اسکی تین قسمیں ہوتی ہیں ایک تو بغرض دنیا یعنی رشوت دوسرے بغرض ثواب اخروی یعنی صدقہ و خیرات' تیسری کسی امردینی کی غرض سے (مثلاً" استغفار کے سلسلہ میں) اسکی اجرت اور میں ان تین قسموں میں سے ایک قسم کا ہدیہ بھی نہیں لیتا البتہ جو محبت سے دیا جاتا ہے لے لیتا ہوں کیونکہ صدقہ لینا تو مجھے بوجہ غنی ہونے کے جائز نہیں اور اجرت امور دینیہ پر لینا بھی جائز نہیں سمجھتا اور رشوت تو سب کے نزدیک حرام ہے جو محض محبت کی وجہ سے ہو وہ ہدیہ ہے اور اسکا قبول کرنا سنت ہے اور دین کی حفاظت بلا اتباع سنت نہیں ہو سکتی ہماری طرف جو لوگوں کی توجہ ہے وہ سب دین کی بدولت ہے اس لئے ہمیں اس دین کی عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے اسکی عزت اگر نہ رہے تو ہمیں کون پوچھتا ہے (سیرت اشرف صفحہ ۴۸۶) اس اصول پر عمل کرتے ہوئے جن ہدایا میں شبہ ہوتا آپ بلا تفریق قلیل وکثیر رد فرماتے مولوی محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں"ایک مرتبہ تعطیل گزارنے کے بعد اکوڑہ جا رہا تھا تو حضرت والد صاحب نے کچھ روپے دیئے کہ حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کردو نہ تو والد صاحب نے فرمایا کہ ہدیہ ہے یا زکواۃ اور نہ میں نے پوچھا میں نے جب حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو دریافت فرمایا کہ یہ زکواۃ ہے یا ہدیہ ۔ اگر زکواۃ ہے تو مستحق طالب علموں کو دیدو اور اگر ہدیہ ہے تو میں لے لوں گا میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو معلوم نہیں حضرت نے مسکرا کر

روپیہ لے لئے صبح کے وقت جب درس کے لے تشریف لائے تو دورہ حدیث کے طلبہ میں وہ رقم تقسیم فرمادی جس سے واقفیت نہ ہوتی اس سے بھی ہدیہ قبول نہ فرماتے"

مولانا عبدالحق صاحب سورتی تحریر فرماتے ہیں۔ "ہدیہ لینے میں حضرت بڑی احتیاط فرماتے ایک مرتبہ میرے ایک عزیز نے ایک بڑی رقم مجھے بھیجی اور لکھا کہ حضرت کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتے ہوئے میرے لیے دعا کی درخواست پیش کرنا جب حضرت سے میں نے عرض کیا فرمانے لگے دعا ضرور کروں گا مگر ہدیہ واپس کردو میں ان سے اور وہ مجھ سے واقف نہیں چنانچہ میں نے تین روز تک مسلسل کوشش کی کہ حضرت قبول فرماویں مگر بالآخر مجھے مجبور ہونا پڑا اور انہیں رقم واپس کردی گئی

صبر

دنیا عجیب گھر ہے کہ غمی اور خوشی توام اور انقلاب احوال اس کے لئے لازم ہے قدرت کے یہی تصرفات جوحوادث واقعات کہلاتے ہیں انسان کے ضبط و استقلال کی کسوٹی اور مسلمان کے تعلق مع اللہ اور ایمان بالغیب کا امتحان بنتے ہیں کہ انسان کی اپنے بنی نوع سے محبت بھی فطری بات ہے لیکن ساتھ ساتھ شریعت چاہتی ہے کہ ان تمام تعلقات کی فنائیت اور انقطاع کو ہر لمحہ یاد رکھو — تاکہ حی وقیوم خدا کے ساتھ انس ومحبت کے تعلق کا مقابلہ نہ کرسکیں اور صبر و رضا کی مضبوط رسی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے حوادث اور محبوب چیزوں کا فراق قلب میں وہ شکستگی پیدا کرتا ہے جو نفس امارہ کی شوکت کو مضمحل اورعالم آخرت سے غفلت ونسیان کو زائل کرتا ہے اس لئے یوں بھی یہ حق تعالی کی ایک نعمت عظمی ہے کہ جوباطنی کیفیت اور روحانی عروج سالہاسال کے مسلسل مجاہدوں سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی وہ حوادث پر صبر اور تصرفات الٰہیہ پر رضا و تسلیم کے صلہ میں ایک لمحہ کے

اندر نصیب ہو جاتی ہے۔

صوفی نشود صافی تادرنہ کشدجامے
بسیار سفر بایدتا پختہ شود خامے اور
رنج وبلاواں نعمتے بر دوستاں نازل شود
دشمن نیابد ایں نعم جز مومنے نیکو سیر

بیوی بچے والدین احباب واقارب ہر ایک کے تعلقات کی نوعیت جدا اور ہرایک کی مفارقت و موت کا صدمہ ایک نرالا طریق رکھتا ہے جس کی بناپر رحمن ورحیم خدا نے ہر ایک پر صبر کا ثمرہ بھی جدا اور اجر و ثواب کی نوعیت بھی الگ مرتب فرمائی ہے مصائب اور صدمات کے وقت کسی انسان کی بلند حوصلگی اور عالی ہمتی کا اندازہ لگانے کا بخوبی موقع ملتاہے (قرآنی ارشاد **ان الانسان خلق هلوعا اذا مسه الشرجنوعا واذ مسه الخير منوعا**) (ترجمہ بیشک انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے جب اسکو تکلیف پہنچتی ہے تو بے صبری سے جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اسکو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتاہے) کے مطابق صدمات و مصائب میں جزع انسان کی کم ہمتی برداشت اور تحمل کے نہ ہونیکی دلیل ہوتی ہے اوران حالات میں صبر کرنا اور سب پریشانیوں کو منجانب اللہ سمجھنا اور آہ فغاں سے احتراز کرنا عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کی نشانی ہے ۔ اللہ تعالی کو منظور ہوا کہ مختلف صدمات میں آپ کی تسلیم ورضا کا امتحان لیا جائے حق تعالی کے اس فضل و کرم نے جو ہمیشہ اپنے مقبول بندوں کا حامی و پشت پناہ بنکر خود ہی امتحان لیتا اور خود ہی ان کو سنبھالتا اور رہبری فرماکر۔ کامیاب بناتا ہے آپ کو سب صدمات میں سنبھالا کہ رضا بہ قضا میں فرق نہ آنے پائے حضرت مولانا زندگی میں مختلف مصائب سے دوچار ہوئے مگر سب مصائب میں آپ کا صبر بے نظیر تھا مجسم بردباری اور پیکر تحمل تھے مصائب پر صابر وشاکر رہے سہارنپور کے دوران قیام آپ کے بڑے صاجزادے حافظ محمد انور کا

انتقال[1] گیارہ سال کی عمر میں ہوا اللہ تعالیٰ نے انکو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا چھوٹی عمر میں قرآن حفظ کرلیا تھا پاؤں پر پھوڑا نکل آیا وہی جان لیوا ثابت ہوا ہسپتال میں علاج ہوتا رہا مگر ناکام مغرب کے وقت انتقال ہوا تھا احباب اور اھل خانہ کا خیال تھا کہ صبح جنازہ پڑھا جائے مگر پیکر صبرو حلیم نے اتباع سنت کی وجہ سے راتوں رات ہی جنازہ کا انتظام فرمایا۔

مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"جس وقت آپ کے بڑے صاحبزادے محمد انور مرحوم کا انتقال ہوا پورے مرض کے زمانہ میں بہت صبر سے کام لیا۔ اور جب حالت نازک معلوم ہوئی تو احقر سے فرمانے لگے ان کے پاؤں سیدھے کردو۔ میں درست کرنے لگا۔ آپ کا دل ضرور خون ہوا ہوگا۔ لیکن ظاہری گھبراہٹ بالکل نہ تھی۔ تدفین کے وقت لوگوں سے برابر باتیں کرتے رہے۔ جس سے دوسرا سمجھتا تھا کہ شاید آپ پر اثر نہیں۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اس غم کے ازالہ کے لئے حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ سے بھی خط و کتابت کی تھی۔ دو دفعہ بینائی پر بھی اچانک اثر ہوا۔ جس کی وجہ سے سہارنپور کے اساتذہ کرام بہت پریشان ہوگئے تھے دونوں مرتبہ بغرض علاج دہلی تشریف لے گئے اور باری تعالیٰ کے فضل سے شفاء ہوگئی۔ لیکن آپ پر عین اس وقت بھی کچھ خاص پریشانی ظاہر ہونے نہیں پائی تھی۔ اسی طرح بعض مرتبہ ایسا وقت بھی آیا کہ گھر میں سب کے سب بچے بیمار ہو گئے۔ اور علاج کا سلسلہ شروع فرمالیا۔ مگر گفتگو سے چہرہ کے آثار سے گھبراہٹ ' بے صبری ' تنگ دلی بالکل ظاہر نہ ہوتی تھی بلکہ کبھی مسکرا کر فرمایا کہ یہ کیا ہسپتال بنا ہوا ہے۔"

---

(۱) حضرت مولانا کے ایک خادم نے ان الفاظ میں محمد انور مرحوم کی تاریخ وفات لکھی

چوں محمد انور نیکو خصال   از سرائے خام و فانی رخت بست
گفت غلدی سال تاریخ قضا   درہزار وسہ صدوپنجاہ و ہشت

بہرحال ان صدمات عظیمہ پر حضرت کا صبر قابل دید ہوتا۔ نہ کوئی جزع فزع۔ نہ معمولات میں فرق۔ وہی تعلیمی سلسلہ وہی روزمرہ کی مصروفیات و مشاغل، صبرو رضا کی حقیقت ہی یہ ہے کہ صدمہ کا اثر ضرور ظاہر ہو کہ انسان ہے، پتھر یا دیوار نہیں۔ مگر حکم الٰہی سے غفلت اور حد شریعت سے تجاوز کسی امر میں نہ ہونے پائے۔

مولانا محمد حیات صاحب اپنا واقعہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جاڑے کا موسم تھا۔ حضرت مولانا کو نمونیہ بخار ہو گیا تھا۔ لمبی رات تھی تکلیف کی وجہ سے نیند نہیں آئی تھی۔ میں پاس پڑا سوتا رہتا مگر مجھے جگاتے نہ تھے۔ کبھی تکلیف میں جگاتے بھی تو پھر تھوڑی دیر کے بعد میں سوجاتا۔ آٹھ نو دن سخت تکلیف رہی اور میں مولانا کے صبر کا مشاہدہ کرتا رہا۔ ایک دن فرمایا حکیم سے کوئی دوا لاؤ۔ میں حکیم صاحب کے مشورہ سے ایک جوشاندہ لے آیا۔ فرمایا اس کو پکاؤ۔ میں نے پکانا شروع کیا۔ بے احتیاطی کی وجہ سے سب جل گیا پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ فرمایا پھر پکاؤ۔ میں نے پانی ڈال کر پکا کر مولانا کو پیش کیا۔ دیکھا تو پانی کچا تھا۔ فرمایا عجیب دوا پلائی۔ مگر اتنی نالائیقیوں پر بھی کچھ ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے۔"

جائیداد کے سلسلہ میں آپ کے ساتھ بعض حضرات نے ناانصافیاں ناروا زیادتیاں کیں جس کا آپ کو صدمہ تھا۔ آپ چونکہ مظاہر العلوم میں قیام فرما تھے اس لئے آپ کی جائداد اور وراثت کے مسئلہ پر کچھ حضرات نے ناجائز کاروائیاں کرکے آپ کو بے دخل یا کم حصہ دینے کی کوشش کی۔ سب جانتے تھے کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ مگر سب برداشت کرتے رہے اور صبرو تحمل کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور پھر اس صبر کا ثمرہ بھی اللہ نے آپ کو جلد عطاء فرمایا۔ جائیداد کا وہ حصہ آپ کو حاصل ہوا، اور مخالفین کے منصوبے ناکام ہو گئے۔

قناعت

حضرت مولانا کی ساری زندگی قناعت میں گزری۔ حرص یا حصول مناصب و مراتب کی جستجو سے آپ کوسوں دور تھے۔ باوجود جامعیت اور ہر قسم کے فضل و کمال کے مدت العمر قلیل تنخواہوں پر گزر ہوتا رہا۔ ابتداء ہی سے علم سے حصول مال کا خیال تک نہیں تھا ورنہ اس مقصد کے لئے راستے کھلے ہوئے تھے۔ مظاہر العلوم کے خصوصیات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ توکل و قناعت میں سب اساتذہ رنگے ہوئے ہیں تنعم اور عیش و عشرت کی بو تک بھی وہاں نہیں ہے مدرسین کی تنخواہیں نہایت قلیل ہوتی ہیں۔ غریبانہ اور درویشانہ زندگی گزارتے۔ مولانا نے اپنی زندگی کے کامل تینتیس سال تقریباً" توکل و قناعت میں گزارے اور کبھی کسی بڑی تنخواہ پر کہیں اور جانے کا تصور تک نہیں کیا۔ آپ کی ابتدائی تنخواہ صرف ۱۵ روپیہ مقرر ہوئی تھی اور بعد میں عہد صدارت تک صرف ۲۵ روپیہ بڑھ سکی۔ اس دور میں اس قسم کی قناعت کی مثالیں بہت کم ہیں یہی وجہ تھی کہ آپ نے سرکاری اداروں میں جانا کبھی پسند نہیں فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد جامعہ عباسیہ بہاولپور کی طرف سے شیخ التفسیر کے عہدہ پر حضرت مولانا محمد فاروق احمد صاحب[1] مدظلہ کے تحریک پر دعوت دی گئی مگر اس کے جواب میں منجملہ اور وجوہات کے یہ بھی تحریر فرمایا کہ[2] "ان سرکاری اداروں میں دین و ایمان کی حفاظت مشکل نظر آتی ہے اس لئے آنے سے معذور سمجھا جائے۔"

اسی بناء پر سرکاری امتحانات "مولوی فاضل" "منشی فاضل" وغیرہ کو آپ تحسین کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے کہ ایک تو صحیح علم دین سے بے وقعتی ہوتی ہے دوسرے شان توکل و قناعت کے خلاف ہے کہ ان سے سرکاری ملازمتوں کا دروازہ کھلنے

(۱) آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے بھتیجے ہیں (۲) روایت مولانا محمد احمد صاحب صاحبزادہ مولانا فاروق احمد صاحب

کی وجہ سے ظاہری اسباب پر بھروسہ ہو جاتا ہے۔

"حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب حضرت کی شان قناعت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بجز آخری چند سال کے پوری عمر مظاہر العلوم میں گزاردی ۔ مظاہر العلوم تنخواہ دینے میں بہت ممتاز ادارہ ہے۔ کوئی بہت ہی مخلص اور متوکل شخص ہی وہاں رہنے کا ارادہ کرسکتا ہے جس وقت تقسیم ہند کے باعث حضرت کو مظاہر علوم چھوڑنا پڑا۔ اس وقت صرف پینسٹھ روپیہ تنخواہ تھی۔ اور یہاں تک سالہا سال کے بعد پہنچی تھی۔ فضل و کمال کی شہرت کے باعث بہت سی جگہوں سے بڑی تنخواہوں پر بلایا گیا مگر آپ نے مظاہر علوم چھوڑنا پسند نہ کیا۔ پاکستان کے زمانہ قیام میں افریقہ وغیرہ سے دعوت آئی مگر منظور نہ فرمایا۔ پوری زندگی صبر و قناعت کے ساتھ گزاردی۔"

قیام پاکستان کے بعد بہت سے حضرات نے آپ کو کلیم داخل کرکے سہارنپور میں متروکہ اشیاء کے حصول کا ذکر کیا۔ بعض ضلعی آفیسر آپ کے معتقدین میں سے تھے ۔ انہوں نے بھی کہا کہ آپ کلیم داخل فرمادیں۔ کچھ حضرات نے بعض دوسرے علماء کی مثالیں بھی دیں مگر آپ نے استغناء کی ساتھ ان سب چیزوں کو رد فرمایا۔ آپ کے ذوق قناعت اور تقوی و تورع نے ان چیزوں کو گورا نہیں کیا۔

مقتضیات دور سے باخبری اور وسیع المشربی

حضرت مولانا کی طبیعت میں حقیقت پسندی ' عملیت اور زمانہ کے تغیرات کی رعایت بہت تھی۔ آپ کی طبیعت میں وہ افراط و تفریط نہیں تھی جو شدت مجاہدہ یا انقطاع عن الدنیا سے پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ کا ذہن بڑا متوازی تھا۔ حقائق و واقعات پر آپ کی نظر رہتی تھی۔ معاملات کا کمزور اور تاریک پہلو بھی دیکھتے تھے۔ زمانہ کی نئی تبدیلیوں اور تقاضوں پر نگاہ رہتی۔ باوجود ایک مخصوص و محدود ماحول میں نشوونما پانے

اور زندگی گزارنے اور ایک خالص دینی طبقہ سے تعلق رکھنے کے آپ کا ذہن فطری طور پر وسیع تھا۔ مجالس میں اس قسم کے امور کا تذکرہ فرماتے۔ اور اپنے مخلص احباب کو توجہ دلاتے ' جن حضرات کی زندگی سراپا دینی ماحول میں گزری ہو۔ وہ شریعت کے عزیمت کے احکام کو چھوڑ کر رخصت کے اصول پر عمل کرنا تقشف اور مذاق تصوف کے خلاف سمجھتے ہیں مگر جس دین نے یسر کی تعلیم دی ہو' اسکے تعلیمات کو عسر قرار دینا یہ کہاں کا انصاف ہے۔ حضرت مولانا کو ان حقائق کا احساس تھا۔ اور رخصتوں پر عمل جدید طبقوں کے لئے اسلام کی طرف متوجہ کرنے کا ایک طریقہ و ذریعہ سمجھتے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولانا کی بہت یکسو اور خاموش زندگی تھی لیکن اس یکسوئی کے باوجود وہ "مقتضیات دور" سے بھی بے خبر نہ تھے ۱۳ ذی قدہ ۱۳۷۲ ھ کو مجھے ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔ آج احقر نے ایک مفصل عریضہ حضرت شیخ الحدیث صاحب (مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ) کے خدمت میں بھی لکھا ہے۔ حضرت سچ عرض کرتا ہوں کہ روایات قدیمہ پر عمل ہر صورت میں بہتر ہی بہتر ہے لیکن آج کل کی ضرورتوں کا بھی خیال ضروری ہے۔ موجودہ زمانہ میں نہ تو وہ متوکلین ہیں اور نہ وہ سہولتیں ہیں جو پہلے تھیں۔ اس وقت کا مقتضی وہی تھا اس وقت کا مقتضی کچھ اور ہے۔ آپ حضرات کو اس وقت کی ضرورتوں اور اس وقت کے لوگوں کے حالات پر خوب غور کرنا چاہیئے اور کچھ نہ کچھ سہولتوں کی طرف سرکنا چاہیئے۔ جہاں تک شرعاً" جائز ہے آخر شرعی حیل بھی تو عمل کے لئے ہیں گو بوقت ضرورت۔ جو موجودہ حالات میں ہے۔" (صفحہ ۴۴ رسالہ دارالعلوم اکتوبر ۱۹۶۶ء)

اس خط کے اقتباس پر غور فرمایئے کس انداز سے یسر اور سہولت کے پہلو کے اختیار کرنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ حدیث :۔

"یسّرا ولا تعسرا بشّرا ولا تنفرا"

کا مصداق کن مناسب الفاظ میں واضح کیا جا رہا ہے۔ موجودہ دور کے انسان کے لئے اگر اسلام کی ان تعلیمات کو پیش کیاجائے جس میں سہولت اور یسر ہو تو اس کے سامنے اسلام پر عمل کا ایک متوازن اسلوب نظر آئے گا۔

زمانہ کے حالات نیز ملک اور بیرونی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے حضرت مولانا کے یہاں اس سے واقف رہنے کا اہتمام تھا۔ اخیر عمر میں بھی اخبارات کی اہم خبروں اور جدید مضامین کے سننے کا اہتمام رہتا کبھی حاضرین میں سے کوئی صاحب یہ خدمت سرانجام دیتے اور گاہے خود بھی اخبارات ملاحظہ فرماتے۔ مختلف نت نئے فتنوں سے باخبر رہتے۔ اور احباب و متعلقین کو بھی ان سے آگاہ فرماتے۔

۲۲ نکات کی ترتیب

دعوت نامہ و شرکاء

سنہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے جید علماء کا اجلاس منعقد ہوا تھا۔ جس میں مملکت خداداد کے بنیادی اصول ' آئین کا ڈھانچہ اور امت مسلمہ کے اجتماعی مسائل کا خاکہ پاس ہوا تھا

حضرت مولانا عبدالرحمان بھی اس میں مدعو تھے اگر چہ تاخیر سے اطلاع کی وجہ سے اس میں شریک نہ ہو سکے دعوت نامہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے تھا یہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس لئے اس کو محفوظ کرنے کے لئے یہاں اس کو درج کیا جا رہا ہے۔ اور مدعوین کے اسماء گرامی بھی۔ تاکہ مستقبل کے مؤرخ کے کام آسکے۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

جیکب لائنز۔ کراچی

۲۵ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

مخدوم گرامی قدرم زید مجدکم

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

خلافت اسلامیہ کے پارہ پارہ ہو جانے کے بعد جب ملوکیت نے اسلام کے نظام سیاست کو درہم برہم کر دیا اور رفتہ رفتہ تمکین دین جیسے اہم مقصد کی جگہ ذاتی اغراض و شخصی و طبقاتی جاہ طلبی نے لے لی تو قدرتی طور پر اسلامی نظام مملکت اور اس کی بنیادی خصوصیات ذہنوں سے محو ہوتی چلی گئیں۔ انگریز کے دور میں زیادہ سے زیادہ " پرسنل لا" یعنی مسلمانوں کی انفرادی و نجی زندگی کے مسائل علماء کے زیر مطالعہ و زیر بحث آتے رہے اور اس سے زیادہ کی اس فضاء میں ضرورت بھی نہ سمجھی گئی لیکن ھندوستان میں جب انگریزوں کی گرفت ڈھیلی

ہوئی اور مسلمانوں کی سیاسیات نے پلٹا کھایا اور ایک آزاد مملکت کے قیام کا تصور پیدا ہوا تو قدرتی طور پر اھل فکر و نظر حضرات نے اسلامی مملکت کے نقشے کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور اپنی اپنی بساط علم کے موافق اسلامی نظام سیاست کے خاکے بنائے جو اخبارات و رسائل کے ذریعے منظر عام پر آتے رہے لیکن اب اس اسلامی مملکت کے وجود میں آجانے کے بعد بڑی شدو مد کے ساتھ ان مسائل پر قلم آزمائی ہو رہی ہے۔ ملک میں عام طور پر جن افراد یا جس جماعت کے ہاتھ میں سیاست کی باگ ڈور ہے وہ دین سے زیادہ مغربی سیاست اور یورپی ممالک کے نظام ہائے حکومت سے آشنا ہیں اس لئے اس جماعت کی طرف سے بھی ذمہ دارانہ طور پر مغربی طرز حکومت کو جماعت ہی کی طرف منسوب کرکے اسلامی نظام مملکت کا نام دے رہے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ مسئلہ دینی فتنہ کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ اسلام کے اجتماعی شعبہ حیات میں کہیں مستقل تحریف نہ ہو جائے حالانکہ اسلام میں نوع بشر کی افادیت اسی شعبہ ہی سے متعلق ہے ان حالات میں چند اھل بصیرت بزرگوں کے مشورے سے یہ خیال پیدا ہوا کہ سیاسی ضرورت سے قطع نظر غیر رسمی طور پر محض علمی اور شرعی نقطہ نظر سے ملک کے جید اور اکابر اھل علم کا اجتماع کیا جائے جس میں خالص دینؔ کی خاطر تمام فروعی اختلافات سے صرف نظر کرکے ہر فرقہ اور ہر جماعت کے علماء سے شرکت کی درخواست کی جائے تاکہ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں دین کے اجتماعی مسائل پر تبادلہ خیال اور گفتگو کرکے قدرے مشترکہ امور میں متفقہ آراء قوم و ملت کے سامنے پیش کی جا سکیں اس طرح انشاء اللہ فتنہ تحریف کے ازالے کی بھی توقع ہے اور دوسری طرف ملت بھی اس فیصلے سے پورے طور پر مطمئن ہو جائے گی آپ سے امید ہے کہ

دین کی اس اضطراری ضرورت پر آپ ضرور توجہ فرمائیں گے۔ اس سلسلے میں ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۵۱ء بروز اتوار سے کراچی میں شروع ہونے والے اجتماع میں شرکت فرمائیں گے۔ یہ اجتماع کسی سیاسی یا غیر سیاسی جماعت کی طرف سے نہیں ہے محض وقتی اور اھل علم حضرات کا اجتماع ہے۔

آپ کے مصارف سفر اور قیام کا انتظام کیا گیا ہے ۔ تاریخ آمد سے مطلع فرمائیں تاکہ انتظامات میں سہولت رہے ۔ یہ اجتماع غالباً تین چار یوم تک رہے گا

فقط ۔ والسلام

سید سلیمان ندوی ' احتشام الحق تھانوی

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب لاہور

(۲) حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لاہور

(۳) حضرت مولانا حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہور

(۴) حضرت مولانا کفایت حسین صاحب لاہور

(۵) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ پنجاب

(۶) حضرت مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹ پنجاب

(۷) حضرت مولانا خیر محمد صاحب ملتان شہر پنجاب

(۸) حضرت مولانا جناب مولانا محمد علی صاحب

(۹) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب بہاولپور

(۱۰) حضرت پیر صاحب مانکی شریف پشاور

(۱۱) جناب حاجی محمد امین صاحب مجاہد آباد پشاور

(۱۲) حضرت مولانا شمس الحق صاحب قلات

(۱۳) جناب قاضی عبدالصمد صاحب قلات

(۱۴) حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ھالیجوی شریف پنو عاقل سندھ

(۱۵) حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب ٹھیری خیرپور میرس

(۱۶) حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب اشرف آباد ٹنڈو اللہ یار

(۱۷) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اشرف آباد ٹنڈو اللہ یار

(۱۸) حضرت پیر ھاشم جان صاحب مجددی ٹنڈو سائیں داد سندھ

(۱۹) حضرت مولانا اکبر علی شاہ صاحب حیدر آباد سندھ

(۲۰) حضرت مولانا اطہر علی صاحب کشور گنج مشرقی پاکستان

(۲۱) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ڈھاکہ

(۲۲) حضرت پیر صاحب سارسینہ شریف مشرقی پاکستان

(۲۳) حضرت مولانا راغب احسن صاحب ڈھاکہ

(۲۴) حضرت مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری ڈھاکہ

(۲۵) حضرت مولانا محمد صادق صاحب کھڈہ کراچی

(۲۶) جناب علامہ محمد اسد صاحب کراچی

(۲۷) حضرت مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی کراچی

(۲۸) جناب مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد کراچی

(۲۹) جناب پروفیسر عبدالخالق صاحب کراچی

(۳۰) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی

(۳۱) حضرت مولانا ظفر انصاری صاحب کراچی

(۳۲) حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کیمبل پوری شیخ الحدیث دارالعلوم

(۳۳) حضرت مولانا ابوالحسنات صاحب لاہور

۲۲ اسلامی نکات

درج ذیل نکات وہ ہیں جنہیں ۱۹۵۲ء میں پاکستان کے جید علماء اور تمام مسلم فرقوں کے نمائندگان نے مرتب کرکے دستور پاکستان کی اساس بنانے کے لئے پیش کیا تھا۔ جمعیتہ علماء اسلام نے اپنے منشور میں بھی ان نکات کو شامل کیا ہے اور وہ شروع سے ہی ان نکات کو پاکستان کے دستور میں شامل کرنے کا مطالبہ کرتی چلی آرہی ہے

(۱) اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے

(۲)ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہو گا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا نہ کوئی ایسا حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو

(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصدیق بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر ممنوع یا شریعت کے مطابق تبدیل کردیئے جائیں گے

(۳) مملکت کسی جغرافیائی ، نسلی ، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول اور مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے

(۴)اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے معروضات کو قائم کرے ۔ منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے

(۵) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی ، لسانی ، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کرکے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

(۶) مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل و غیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات

یعنی غذا ' لباس ' مسکن معالجہ اور قیام کی کفیل ہو گی ۔ جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں ۔ بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں

(۷) باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطاء کئے ہیں یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو ' آزادی مذہب و مسلک ' آزادی عبادت ' آزادی ذات ' آزادی اظہار رائے ' آزادی نقل و حرکت ' آزادی اجتماع ' آزادی اکتساب رزق ' ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی اداروں سے استفادہ کا حق ۔

(۸) مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا ۔ اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی ۔

(۹) مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود و قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہو گا ۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے ۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہو گا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلے کریں گے ۔

(۱۰) ۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت ' تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہو گی ۔ اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہو گا

(۱۱) غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعت کے اندر جو معاہدات کئے گئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہو گی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک برابر کے شریک ہوں گے ۔

(۱۲) ۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے ۔ جس کے تدین ' صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہوریہ ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

(۱۳) رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہو گا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے

(۱۴) رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہو گی یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض سرانجام دے گا

(۱۵) رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ دستور کو کلا" یا جزوا" معطل کرکے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

(۱۶) جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہو گی۔ وہ کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہو گی۔

(۱۷) رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہو گا اور قانون مواخذہ سے بالاتر نہ ہو گا

(۱۸) ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایسا ہی قانون و ضابطہ اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی

(۱۹) محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہو گا۔ تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو گا۔

(۲۰) ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوعہ ہو گی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

(۲۱) ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہو گی۔ جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہو گا انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہو گا

(۲۲) دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہو گی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو

ضمیمہ

قرآن و سنت کی روشنی میں انفرادی ملکیت ثابت اور محترم ہے بشرطیکہ

جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو لہٰذا اگر کوئی شخص جائز اور حلال طریقوں سے زمیندار یا کارخانہ دار بن چکا ہے تو اسلامی حکومت اس کی املاک سے کوئی تعرض نہیں کرے گی اور اس کے تمام تصرفات جائز اور صحیح قرار دیئے جائیں گے۔

البتہ اگر اسلامی حکومت کسی وقت پورے غور و خوض اور اہل علم و ارباب دیانت کے مشورہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک شخص کی یہ جائز ملکیت اور اس میں اس کی ملک خاص کا مناسب معاوضہ دے کر خریدے اور اس کو بیت المال کی ملک قرار دے دے اور اس طرح اس کو مفاد عامہ میں منتقل کر دے۔ حکومت اسلامی کو اس قسم کے اختیارات ضرورت کے موقع پر حاصل ہیں۔ شریعت مطہرہ میں اس کے نظائر موجود ہیں مثلاً"

(۱) اگر کسی کی دیوار جھک رہی ہو اور اس سے ضرر عام کا خطرہ ہو تو اس دیوار کو گرا دیا جائے گا

(۲) غیر محتاط مفتی اناڑی حکیم ڈاکٹر' قلاش کرایہ دہندگان کو جبرا" ان کے کاموں سے روک دیا جائے گا

(۳) قرض دار کے مال کو جبرا" فروخت کر کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا

(۴) گرانی کے زمانہ میں نرخ بندی کی جا سکتی ہے اور اس طرح تاجروں کو من مانے دام وصول کرنے سے روک دیا جائے گا

(۵) ضرورت کے موقع پر جب ایک شخص نے اپنا غلہ روک رکھا ہے اور فروخت نہیں کر رہا تو حاکم اس کو جبرا" فروخت کر دے گا

(۶) کپڑا فروشوں کے بازار میں اگر کوئی روٹی پکانے کا تنور لگانا چاہے تو حاکم اس کو منع کر دے گا۔ کیونکہ اس سے دوسرے تاجروں کو نقصان ہو تا ہے۔

اسلام کی فکر مندی اور مسلمانوں کے لئے دلسوزی

اسلام کی فکر مندی اور مسلمانوں کے حالات سے درد مندی طبیعت

ثانیہ بن گئی تھی۔ جس گروہ علماء صلحاء و اتقیاء سے آپ کا تعلق تھا۔ اس کا شغل درس و تدریس انقطاع الی اللہ اور یکسوئی ' مسلمانوں سے جدا اور بے فکر نہیں بناتی بلکہ اور زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے درد میں مضطرب اور بے قرار بنا دیتی ہے۔ یہی درد کبھی زبان پر آکر حسرت و افسوس اور آہ و فغاں میں تبدیل ہو جاتا۔ کبھی مسلمانوں کی کوتاہیوں پر دردو قلق کا اظہار ہوتا۔ کبھی تنہائیوں میں دعاؤں میں اس کا اثر ظاہر ہوتا۔ ۴۷ء کے ہنگامہ تقسیم اور فسادات میں مسلمانوں پر جو گزری اس زمانہ کی بیقراری کی تفصیل ایک گذشتہ باب میں گذر چکی۔

ہندو پاکستان کی جنگ کی دوران آپ التزام سے خبریں سنتے۔ حالات معلوم کرتے عین جنگ کے دوران تھوڑی تھوڑی دیر بعد نشر ہونے والی خبریں اہتمام سے سنتے۔ اس وقت آپ کی عجیب حالت تھی۔ ہر وقت زبان پر فتح و نصرت کی دعائیں تھیں۔ جہاد کی اہمیت اور اس کی ضرورت ملنے جلنے اور متعلقین پر واضح فرماتے۔ جنگ سے چند دن قبل آپ کے متعلقین میں سے جناب انیس الدین صاحب لاہور سے آئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :۔

"ظہر کے بعد آپ نے مجھے جہاد کے بارے میں ایک کتاب عطاء فرمائی کہ یہ مطالعہ کرلو۔ معلوم نہیں کہ آپکی نگاہ بصیرت کیا محسوس کر رہی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ بہبودی سے واپسی کے چند دن بعد جنگ چھڑ گئی۔ باوجود اپنی طبعی کمزوری کے حضرت کی بروقت دی ہوئی جہاد کی کتاب کے مطالعہ سے ایسی تقویت رہی کہ مجھے خود اپنے حال پر تعجب ہوتا۔ یہ صرف حضرت کی کرامت ہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھ جیسے ناتواں کی تقویت کے لئے پہلے سے یہ سامان مہیا کرنے کا انتظام فرمایا۔"

تصلب فی الدین اور اتباع سنت و شریعت

طبیعت میں فطری طور پر رفق و ملائمت کے باوجود دین اور اسلامی

معاشرت کے معاملات میں تصلب اور استقامت تھی۔ دینی امور میں ذرہ برابر مداہنت اختیار نہ فرماتے۔ مقصد ہی دین تھا۔ ہر وقت اللہ کی رضاء اور اتباع شریعت مدنظر تھی ۔ دین کے خلاف کسی کام کو دیکھتے تو اسی وقت ٹوک دیتے یا اپنی طرز عمل سے ناراضگی کا اظہار فرما دیتے۔ خلاف شرع کام کے بارے میں کبھی نرمی اختیار نہ فرماتے اپنے نفس کو گو مٹائے ہوئے تھے مگر خلاف شریعت کام سے غضب ناک ہو جاتے اور اس میں اپنے پرائے کا کچھ فرق نہ فرماتے تھے۔ جزوی و فروعی مسائل میں غلطیوں کی اصلاح حکمت عملی سے کرتے مخرب اخلاق امور سے بڑی شدت سے متعلقین کو روکتے۔

مولانا محمد حیات صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولانا نے اپنے نفس کو بالکل مٹا رکھا تھا مگر اللہ کے حکم سے خلاف کرنے پر غضبناک ہو جاتے۔ ایک دفعہ سہارنپور میں نمائش تھی۔ ایک رفیق طالب علم بھی دیکھنے چلے گئے۔ واپسی پر مولانا نے پوچھا کہاں گئے تھے کہا نمائش میں ساتھ یہ بھی بے اختیار منہ سے نکل پڑا کہ وہاں ایک خوبصورت عورت بھی دیکھی تھی ۔ بس یہ سنتے ہی مولانا کو سخت غصہ آگیا فرمایا کہ کچھ شرم بھی آتی ہے یہ لفظ کہتے ہوئے' کیا یہاں اس لئے آئے ہو۔ آپ اس رفیق اور ساتھی پر بڑے مہربان تھے مگر خلاف شرع کام دیکھنا آپ کو گوارا نہ تھا۔"

حضرت مولانا کی زندگی صحیح معنوں میں ایک مرد مومن کی زندگی تھی۔ ہر بات میں اتباع سنت کا خیال رہتا۔ حضرات علماء دیوبند کی یہ امتیازی صفت ہے کہ وہ اسلامی اقدار پر بڑی مضبوطی سے قائم رہتے ہیں جس طور و طریق سے غیر اسلامی اقدار کے راستے ہموار ہوں ان سے احتراز کرتے ہیں۔ سادگی اور پر تکلف زندگی سے پرہیز گویا دیوبند کی خمیر میں ہے حضرت مولانا سراپا اپنے اکابر کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ لباس ' رہن سہن ' اور معاشرت میں سلیقہ شعاری کے ساتھ سادگی تھی۔ تکلف سے

کوسوں دور تھے اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت فرماتے تھے اسی لئے بچوں کے لباس تک میں آپ معمولی سی تشبہ بالنصرانیت اور تجدد گوارا نہ کرتے تھے۔ کالر نما قمیص جس کو بعض بڑے بڑے علماء استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ مولانا کے ذوق پر وہ بھی گران تھی اپنے گھر میں اور تلامذہ و احباب کو تاکید فرماتے کہ اس قسم کا لباس استعمال نہ کریں گھر میں چھوٹی بچیوں کے لباس میں ذرہ برابر تبدیلی پاتے تو فوراً" سختی سے روک دیتے۔ عورتوں کو اونچی ایڑی کا جوتا استعمال کرنا آپ خلاف تہذیب شرعی سمجھتے۔ بہبودی کے اکثر باشندے امریکہ ' انگلینڈ۔ ملایا۔ ہانگ کانگ وغیرہ میں رہتے ہیں واپس آکر وہاں کے تہذیبی اثرات ضرور کچھ ساتھ لاتے مگر آپ اس قسم کی چیزوں کی اشاعت سے سختی کے ساتھ روکتے۔ تاکہ یہ جراثیم آگے پھیلنے نہ پائیں۔

بہبودی میں اگر کسی کی شادی وغیرہ کی تقریب میں کوئی خلاف شرع کام ہوتا تو کبھی اس میں شرکت نہ فرماتے۔ اس میں قریب و بعید۔ پڑوسی و غیرپڑوسی کا کوئی فرق نہ تھا۔ نہ کسی کی ناراضگی کا خیال تھا۔ فرماتے کہ جب یہ اللہ کی ناراضگی کا خیال نہیں کرتے تو ہم کیوں ان کی ناراضگی کا خیال کریں۔ پہلے خود تقریب والوں کو یا ان کے بڑوں کو خلاف شرع کاموں سے منع فرمادیتے اگر رک جاتے تو فبہا ورنہ بالکل قطع تعلق فرما لیتے بلکہ اگر ایسی تقریب کا کھانا وغیرہ آپ کے گھر آتا تو حکم تھا کہ اس کو بالکل نہ لیا جائے واپس کر دیا جائے کہ یہ بھی تعاون فی الاثم کی ایک صورت اور مداہنت ہے۔ دسترخوان پر اگر کوئی صاحب بائیں ہاتھ سے کھاتے تو نرمی سے تنبیہہ فرما دیتے لیکن اگر کوئی بائیں ہاتھ سے پانی پیتے ہوئے یہ عذر کرتا کہ دائیں ہاتھ سی اگر گلاس پکڑا جائے تو کھانے سے ملوث ہوگا اس لئے بائیں ہاتھ سے پانی پیا جا رہا ہے تو اس حجت تراشی سے خفا ہو جاتے کہ عذر گناہ بدتر ازگناہ" اور دائیں ہاتھ سے کھانے کی تلقین فرماتے۔ کھانا شروع کرتے وقت اگر کوئی ہاتھ نہ دھوتا اور کہتا کہ میرے ہاتھ تو پاک ہیں یا ابھی وضو کیا ہے تو فرماتے کہ یہ کھانے کی سنت ہے یہ ہاتھ دھونا طہارت کے لئے

نہیں ہے۔خلاف سنت امور میں نصیحت کا رنگ بھی بڑا عجیب تھا یعنی ایسا پیرا یہ اختیار فرماتے کہ مقصد بھی حل ہو جائے اور مخاطب پر گراں بھی نہ گزرے۔ ان دنوں بہبودی میں آپ کی مسجد میں حافظ غلام سرور صاحب نماز پڑھاتے تھے۔ شروع میں ان کی عادت تھی کہ عموماً مختلف طویل سورتوں کی آیات نا تمام طور پر پڑھتے۔ مولانا نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا

کہ حافظ صاحب سہارنپور میں ہمارے ایک قاری صاحب جب نماز پڑھاتے عموماً ہر رکعت میں مختلف سورتوں سے ناتمام آیات پڑھتے۔ کامل سورت نہ پڑھتے تو ہمارے استاذ مولانا حافظ عبداللطیفؒ صاحب ناظم مظاہر العلوم فرمانے لگے کہ ہمارے قاری صاحب ہمیں ہر روز مکروہ نماز پڑھاتے ہیں اس طرح افہام و تفہیم میں حکمت اور موعظہ حسنہ مدنظر ہوتا۔ وضوء غسل اور دیگر جزوی امور میں بھی سنت کا اتباع سختی سے کرتے تھے۔ حضرت مولانا کے ایک تلمیذ مولانا عبدالحفی مظاہری (دارالعلوم کراچی) ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔

غالباً ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ ترمذی شریف کے سبق میں باب الوضوء من المد کا ذکر تھا۔ اس حدیث میں جب حضرت نے تقریر فرمائی کہ غالباً ۲ رطل تقریباً ۲۸ تولہ پانی سے وضوء ہو سکتا ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ زمانہ نبوی ﷺ یا متقدمین میں تو ہوسکتا ہوگا۔ مگر اب اگر کوئی کرے گا تو بہ تکلف ہی شاید صحیح کرسکے ۔ فرمایا ہوسکتا ہے۔ اللہ کے بندے اب بھی اسی طرح بے تکلف کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں ہوسکتا اگر حضرت کرکے بتادیں تو شاید مجھے شرح صدر ہو جائے۔ حضرت نے نہایت شفقت و خوشی سے فرمایا کہ اچھا جاؤ۔ پانی وزن کرکے لاؤ۔ چنانچہ میں بغایت احتیاط پانی وزن کر کے لایا کہ زیادہ نہ ہو۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سبق میں سب کے سامنے اسی قدر پانی سے وضو کرکے دکھلایا اور کچھ بچ بھی رہا۔ اس کے بعد جب کبھی بھی غور کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وضو یا غسل میں اسراف فی الماء کا شائبہ نہیں ہوا۔ مقدار مسنونہ کے

مطابق ہی ہمیشہ پانی استعمال ہوتا دیکھا۔ اکثر حضرت لوٹے ہی سے وضوء فرماتے تھے۔ اور حوض پر بھی وضوء فرماتے تو پانی زیادہ صرف نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح ہر عمل میں اتباع سنت اور اعتدال حضرت کی طبیعت ثانیہ تھی۔

مولانا محمد صادق صاحب (سھگل آباد) تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ گنہگار سال بھر حضرت جی کی خدمت میں رہا۔ زمانہ طالب علمی کا تھا۔ اور مسائل کی طرح شخصیات میں بھی آزادانہ تجسّس ہمارا مشغلہ تھا۔ حضرت جی کا اہتمام جماعت دیکھ کر ہم رفقاء درس ایک دوسرے سے بیباکانہ دریافت کرتے کہ حضرت جی کی اس دیرینہ رفاقت میں کبھی کسی سنت کی خلاف ورزی دیکھی ؟ مگر ہماری معلومات ایسی کوئی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ حضرت مفتی محمود الحسن گنگوھی فرماتے ہیں:۔

نسائی شریف کے سبق میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری سے عرض کیا جب سبق میں دعاء وسیلہ کی بحث آئی۔ حضور ﷺ نے امتیوں کو حکم فرمایا ہے۔ سلوا اللہ لی الوسیلۃ کہ میرے لئے وسیلہ طلب کریں۔ حالانکہ وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے ہی۔ دعا کا حاصل سفارش ہے۔ امت کی حیثیت کیا جو رسول اللہ ﷺ کے لئے سفارش کرے۔ امت" کی تو نجات کا مدار ہی حضور ﷺ کی شفاعت پر ہے۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وسیلہ تو حضور اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ مگر دعاؤں کی ایک مقدار اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے۔ اس مقدار کے پورا ہونے پر حضور ﷺ کو دیدیا جائے گا۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کی درخواست کی کہ میری دعا کے ذریعہ اس عدد کی تکمیل کر دی جائے۔ جواب ملا یہ تمہاری تقدیر میں نہیں اس کے بعد شیخ محی الدین قدس سرہ کے کلام میں دیکھا کہ مومن کی دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے تو میں نے بہت لجاجت اور آہ و زاری سے اللہ پاک سے دعا کی کہ میری دعا کے ذریعہ اس عدد کی تکمیل فرما دیجئے۔ دعا قبول ہو

گئی۔ اور بشارت بھی ہو گئی کہ تمہاری دعا کے ذریعہ اس عدد کی تکمیل کر دی اور وسیلہ عطا کر دیا گیا۔

میں نے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب قدس سرہٗ سے عرض کیا۔ جب اس عدد کی تکمیل ہو گئی اور وسیلہ عطاء کر دیا گیا تو اب دعا تحصیل حاصل ہے۔

حضرت نے فرمایا بھائی مجدد صاحب کے کشف کو آنکھوں سے لگا کر ہونٹوں سے چوم کر سر پر رکھ کر ادب سے اٹھا کر طاق میں رکھ دو اور حدیث پر عمل کرو۔

از افریقہ اور خدمات فقیہ الامتؒ ۴۸۶

خاموش تبلیغ :۔ ابتدائی حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا نے جس وقت ہندوستان کے دو بڑے مدارس سے سند فراغت حاصل کی اور علوم کی تکمیل کر کے وطن واپس ہوئے۔ اس وقت آپ کے علاقہ میں مانکی شریف کے حضرات شیوخ کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ ان شیوخ کی سرگرمیوں کا حاصل صرف وہ چند فروعی قسم کے مسائل تھے جن پر تشدد ان حضرات کا شعار تھا۔ اپنے مخالف حضرات سے یہ کسی قسم کی رواداری اور صلح پسندی کے قائل نہ تھے ان کے اہم ترین مسائل قضاء[1] عمری ' اشارہ بالسبابہ (تشہد میں انگلی اٹھانا) نماز پڑھتے وقت پگڑی باندھنا ' محراب میں نماز پڑھنا اور حرمت تمباکو ' وغیرہ تھے۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ یہ ان حضرات کے نزدیک ارکان دین ہیں قضاء عمری اسلامی اعمال میں ایک اہم اور ضروری اضافہ سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے اثبات کے لئے دور دراز سے بعض حنفی فقہ کی کتابوں سے حوالے تلاش کر کے پیش کیا

---

(۱) رمضان کے آخری جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد پانچ نمازیں جماعت کے ساتھ بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی تھیں اس کو قضاء عمری کہا جاتا تھا گویا عمر کے قضاء نماز کے ادائیگی کے لئے ایک شرعی حیلہ کے طور پر یہ عمل کیا جاتا تھا دور دراز سے لوگ اس جماعت میں شریک ہونے کے لئے آتے۔

کرتے تشہد میں " اشہد ان لا الہ الا اللہ " کہتے وقت انگلی اٹھانا سنت ہے۔ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے مگر یہ حضرات اس کی تردید و انکار میں ایسے انتہا پسند تھے کہ اس "عمل مسنون" پر عمل کرتے ہوئے اگر کسی نے انگلی اٹھائی تو ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ اس بیچارے کی انگلی نامعلوم جرم میں توڑ دی گئی۔[1]

نماز میں عمامہ (پگڑی) باندھنا اتنا ضروری خیال کیاجاتا تھا کہ اگر غلطی سے کسی نے نماز میں پگڑی نہیں باندھی تو یہ نماز کے دوران اس کے سر پر عمامہ رکھ دیتے اور شملہ ٹھیک کیا کرتے۔

محراب میں نماز پڑھنے کو ضروری سمجھا جاتا تھا۔ سردی ہو یا سخت گرمی ' ہر موسم میں امام کا اندر محراب میں کھڑا ہونا لازمی تھا۔

تمباکو استعمال کرنے والے کو سخت گنہگار سمجھا جاتا تھا جس زمین میں اس

---

(۱) پشت ہاپشت سے مذہبی پیشواؤں کے ان بعض بے جا تشددات کا نتیجہ تھا کہ پشتون علاقہ میں معمولی جزئیاتی مسائل تمباکو ' نسوار ' ضاد اور قضاء عمری وغیرہ پر صدیوں سے لڑائی اور باہمی بحث و جدال کا سلسلہ جاری رہا خلاصہ کیدانی جیسی فقہ کی ایک معمولی کتاب کی ایک فقہی روایت -کہ تشہد میں اہل حدیث کے مانند انگشت شہادت نہ اٹھائی جائے) ان لوگوں نے مسنون اشارہ کو نہ صرف حرام کہا بلکہ اب تک سختی سے اس کی مخالفت ہوتی رہی اس سلسلہ میں ہر تشدد ظلم و شقاوت روا رکھا جاتا یہاں تک کہ اس مسئلہ نے صدیوں سے یہ اہمیت حاصل کرلی کہ اگر کسی کی انگلی اتفاقاً" اٹھ گئی تو اس کی انگلی تراش دی جاتی اور یہ باتیں یہاں تک شہرت پاچکی ہیں کہ علامہ رشید رضا مصری صاحب المنار نے مغنی کے مقدمہ میں اپنا یہ بیان درج کیا ہے (سمعته باذنی من بعض الطلاب الافغانیین فی مسجد لاهور الجامع فی هند وقد سالتهم عن صحته مانقل عن بعض بلادهم فی ذلک فقالو انعم و عللوه بانه عقاب علی مخالفته الرسول و ترک سنته)

مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں کہ ایک بار کیمبلپور سے سہارنپور جاتے وقت سوات کے ایک طالب علم گاڑی میں ملے جو دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے تھے ان کی انگلی کٹی ہوئی تھی پوچھنے پر بتایا کہ یہ اسی غلو کا نتیجہ ہے اس مسئلہ میں تشدد کرنے والے مانکی شریف کے شیوخ نے میری انگلی توڑ دی تھی۔

(۲) لکھا ہے کہ کونہ ملا بیچارے نے حلت تمباکو کا فتویٰ دیا تو اس قسم کے مجاہد دینی حمیت سے کمر باندھ کر میدان میں اترے اور اس پر چڑھ دوڑے اور یہ رجز بنالیا گیا کہ

کی کاشت ہوتی اس کی سبزی ' ترکاری اور دیگر پیداوار کا استعمال ممنوع ہو جاتا۔ الغرض غلو اور تشدد کا دور تھا۔ یہ حضرات اپنے مقصد میں بڑے مخلص تھے ان سب امور کو دین کا کام سمجھ کر اپنائے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا نے جب علوم کی تکمیل کی ' آپ پر ان سطحی اور فروعی و جزئی مسائل کی حقیقت اور ان پر تشدد کا حال ظاہر ہوا تو وطن واپس آکر بڑے حکیمانہ انداز سے ان متشددین کا مقابلہ کیا۔ موعظت و حکمت سے ان کو سمجھایا اور پھر ان کے علماء و خواص کے ذہن کو جو اس قسم کے مسائل کے داعی سمجھے جاتے تھے دلائل اور کتب کے حوالہ جات سے صاف کرنے کی کوشش فرمائی۔ آپ کے لئے پریشان کن بات یہ تھی کہ آپ کے خاندان کے بعض بڑے بزرگ حضرات بھی مانکی شریف کے سلسلہ سے منسلک تھے اس لئے ایک طرف ادب کا پہلو بھی سامنے ہوتا اور دوسری طرف حق کی وضاحت بھی ضروری تھی عملی طور پر آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس قسم کے مواقع سے آپ کنارہ کش ہو جاتے تاکہ فتنہ و فساد نہ ہو جائے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ رمضان کے آخری جمعہ کے موقعہ پر مولانا عبدالشکور صاحب کی معیت میں ایک دوسرے گاؤں (جلالیہ) تشریف لے گئے۔ آپ کی عدم شرکت سے ہی ان کو احساس ہو گیا کہ آخر کیا بات ہے۔ مولانا جو ایک جید عالم ہیں قضاء عمری میں کیوں شریک نہیں ہوئے۔ پروپیگنڈا کرنے والوں نے مشہور کیا کہ جب بزرگ اور معمر حضرات شریک ہوتے ہیں تو مولانا کو بھی جو نو عمر ہیں شریک ہونا چاہیئے تھا۔ بات بڑھتے بڑھتے مناظرہ تک نوبت آگئی۔ خود مولانا کے آبائی بیٹھک میں قضاء عمری کے مسئلہ پر

کوم ملا کافر دیے اوچہ سوک مغہ سرہ وی مغہ ہم کافر دیے
(از تذکرہ شاہ ولی اللہ از علامہ گیلانی)
اس تشدد کی مثال یہ بھی ہے کہ تمباکو کے کھیت سے اگر غلہ لدا ہوا جانور گزر جاتا تو اس غلہ کو بھی حرام سمجھا جاتا اور بعض جگہ تو یہ مشہور ہے کہ اگر کسی چوپائے نے تمباکو خور کی قبر سے گھاس کھالی تو اس کا دودھ اور گوشت حرام سمجھا جاتا۔

مباحثہ شروع ہوا۔ حضرت مولانا کے ٹھوس اور مضبوط دلائل سننے کے بعد مانکی شریف کے شیوخ کے بڑے عالم مولانا سعد اللہ صاحب معروف بہ ساماں ملا صاحب کو سب حاضرین کے سامنے اقرار کرنا پڑا کہ قضاء عمری نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت۔ ایک مستحب امر ہے جس پر مولانا نے مزید فرمایا کہ "ہم جائز بھی نہیں سمجھتے" اور پھر مسجد میں بھرے مجمع میں حضرت مولانا کے والد صاحب نے یہ فیصلہ لوگوں کو سنایا کہ یہ کوئی ضروری چیز نہیں ہے ۔ جب جا کر یہ خلفشار ختم ہوا۔ اس موقع پر ساماں ملا صاحب نے یہ الفاظ بھی فرمائے کہ مولانا عبدالرحمن اپنی نوعمری کے باوجود پچھ کے علماء کو دس سال تک پڑھانا چاہیں تو پڑھاسکتے ہیں[1]۔

"ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظته الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن۔"

ترجمہ :۔ آپ اپنی رب کی راہ کی طرف حکمت کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

پر عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یہ قضاء عمری بہبودی میں موقوف[2] ہوگئی۔ اور دیکھتے دیکھتے پورے علاقہ پر اس کا اثر پڑا۔ اشارہ وغیرہ کے بارے میں بھی غلو اور تشدد آہستہ آہستہ ختم ہوگیا۔

خاموش علمی جہاد:۔ ہندوستان کے متعدد شیوخ کبار نے اپنی گوشہ عزلت اور مرکز ارشاد و تربیت میں بیٹھ کر وقت کے فتنوں کا مقابلہ کیا اور اپنے خلفاء و منتسبین کے ذریعہ اشاعت یا حفاظت اسلام کا نہایت وسیع اور موثر کام انجام دیا ۔ ان کی ترغیب اور حکم و ہدایت سے خدام و منتسبین نے وقت کے اہم تقاضے پورے کئے۔ اور

---

(۱) از مولانا عبدالشکور صاحب (۲) موقوف ہونے کے بعد بعض لوگوں نے کہا کہ سہارنپور سے آئے ہوئے علماء پر خدا رحم کرے کہ ان کی وجہ سے دن کی تراویح سے چھٹکارا ہوگیا۔

ان خطرات کا سدباب کیا جو اس وقت مسلمانوں کو درپیش تھے۔ حضرت مولانا بھی اسی راہ پر گامزن تھے۔

تحریک قادیانیت کے حقیقی مقاصد سے آپ بخوبی واقف تھے۔ اس کو اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کا ذریعہ سمجھتے۔ قادیانیت سے ایسی آپ کو نفرت تھی جیسے ایک غیرت مند عاشق دین اور وفادار غلام محمدی کو ہونے چاہیئے تھی۔ یہی جذبہ تھا جس نے حضرت مولانا العلامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری جیسے اکابر کو مضطرو بے قرار کر رکھا تھا۔ حضرت مولانا اس سلسلہ کی ہر کوشش کو وقت کا اہم فریضہ اور دین کی اہم خدمت سمجھتے تھے۔ خیر المدارس میں قیام کے دوران مولانا محمد حیات صاحب (جنہیں رد قادیانیت میں بڑا ملکہ حاصل ہے) طلبہ کو اس بارے میں تربیت دیتے۔ حضرت مولانا طلبہ کو تاکید فرماتے کہ ان محافل اور دروس میں ضرور شریک ہوں اور قادیانیت کے خلاف معلومات حاصل کریں تاکہ ان سے مناظروں اور مباحثوں میں کام آسکے۔ تحریری طور پر جو حضرات اس تحریک کے خلاف مصروف تھے ان کی بھی حوصلہ افزائی فرماتے۔ مظاہر العلوم کے مشہور مبلغ و مناظر مولانا نور محمد صاحب کو بھی رد قادیانیت میں بڑا ملکہ تھا۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا ان کی کتابوں سے اس کی کذب بیانی اور دریدہ دہنی کا اظہار بڑے مدلل طریقہ سے کرتے۔ مولانا نور محمد صاحب نے اس سلسلہ میں مختلف کتابیں لکھیں اور سب پر حضرت مولانا نے تقاریظ تحریر فرمائی ہیں چنانچہ ان کی کتاب "مغالطات مرزا" پر تقریظ لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے "یہ ناکارہ خلائق اہل اسلام کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ مرزائیوں کا گمراہ فرقہ اپنی گمراہ کن خیالات کے زہریلے اثرات کی اشاعت میں جس سرعت کے ساتھ مصروف ہے اس کو دیکھتے ہوئے میرے محترم عزیز جناب مولانا نور محمد خان صاحب مدرس و مبلغ و مناظر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے اس فتنہ عمیاء کے قلع قمع کے لئے ایک کامیاب و موثر طریقہ اختیار کیا کہ خارجی و بیرونی حملوں کو چھوڑ کر اس کے استیصال میں اندرونی و داخلی

ضربوں کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور عزیز موصوف نے مرزا غلام احمد قادیانی مسیلمہ ثانی کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کر کے مرزا کی ان کفریات۔ اختلافات، کذبات جن کو قدرت نے خود مرزاجی کے ہاتھوں سے جمع کروایا تھا۔ بڑی محنت و جستجو سے منظر عام پر آ کر مرزا جی کی نبوت و دیگر دعاوی کا ایسا بھانڈا پھوڑا کہ بہت سی سعادتمند طبائع کو مرزائیت کے دام فریب سے نکلنے کا ذریعہ دستیاب ہو گیا۔ اسی طرح مولانا موصوف نے مرزا غلام احمد کی تمام غیر مہذب و مرصع گالیوں۔ بدگوئیوں۔ پیغمبرانہ یا وہ گوئیوں کو ان کی مختلف کتابوں سے جمع کر کے ''مغلظات مرزا'' کی نام سے شائع کیا ہے۔ یہ نو تالیف رسالہ حقیقت میں مرزا غلام احمد قادیانی کی تہذیب و اخلاق کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں غلمدیت کے ''نو مولود نبی'' کی اخلاقی تصویر اس طرح عریاں ہو رہی ہے کہ ہر غیرت مند انسان اس کو دیکھ کر نفرت و حقارت کرے گا اور ایسے غیر مہذب متنبی مرزا قادیانی کو اس قابل نہیں سمجھے گا کہ وہ شرافت و انسانیت کے بھی حامل تھے چہ جائے کہ نبوت و رسالت کے

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

اللہ تعالی موصوف کی مساعی کو مشکور فرما کر علم و عمل میں ترقی عطاء فرمائیں۔ امید ہے کہ حضرات اہل اسلام عموماً'' و علماء کرام خصوصاً'' مولانا موصوف کی مساعی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آپکی مقبول عام تالیفات کی اشاعت میں کوشش کریں گے۔'' متعلقین و منتسبین میں جو لوگ اس موضوع پر کام کرتے یا مناظرے کرتے ان سے بڑی خوش ہوتے۔ حضرت کے ایک شاگرد مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی حضرت کی خدمت میں جب حاضر ہوتے تو حضرت بڑی تفصیل سے اس تحریک کے بارے میں پوچھتے۔ اگر کوئی خوشی کی بات بتائی جاتی تو الحمد اللہ کہہ کر اظہار فرماتے۔

شیخ شلتوت (سابق شیخ الازہر قاہرہ) کے فتویٰ وفات عیسیٰ پر آپ بڑی شدت سے ناراضگی اور بیزاری کا اظہار فرماتے۔ ارشاد ہوتا کہ مصر کے یہ علماء تجدد کی رو میں جلد بہہ جاتے ہیں جمہور علماء کے مسلک کا ان کو خیال تک نہیں ہوتا۔

تحریک قادیانیت سے نفرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قیام مظاہر العلوم کے دوران ان کے خلاف اہل اسلام کی طرف سے مناظروں میں بھی آپ نے شرکت فرمائی آپ کے تلمیذ خاص مولانا اسعد اللہ صاحب مناظر اسلام کو اللہ تعالےٰ نے بڑی قوت گویائی اور قدرت کلامی عطاء فرمائی ہے۔ وہ مختلف مناظروں میں حضرت مولانا کی معیت سے مشرف اور مستفید ہوئے ہیں۔ بوقت ضرورت عین مناظرہ کے دوران حضرت مولانا کے علوم سے استفادہ کرتے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب اپنے ایک مکتوب[1] میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا کی سرپرستی میں متعدد مناظروں میں شریک ہوا ہوں اور الحمدللہ سب میں کامیابی ہوئی ہے۔ موصوف نے ان مواقع پر بھی اپنی ظاہری و باطنی فیوض سے مستفید فرمایا ہے۔ فیروز پور چھاونی کا واقعہ تو خاص طور پر ذہن میں ہے جس میں قادیانیوں سے مناظرہ کیا اور اس میں حضرت کی برکت سے ایک قادیانی نے مجمع عام میں قادیانیت کے گمراہ کن عقیدہ سے توبہ کی تھی" مولانا محمودؒ صاحب رنگونی تحریر فرماتے ہیں :۔

"ایک مرتبہ شملہ میں قادیانیوں نے مناظرہ کے لئے حضرت الاستاذ مولانا الحاج محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہم العالی خلیفہ خاص حضرت اقدس حکیم الامتہ مولانا تھانوی قدس سرہ کو جو کہ حضرت الاستاذ قدس سرہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں شرکت کی دعوت ملی۔ حضرت مولانا موصوف مدظلہم العالی نے حضرت الاستاذ قدس سرہ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت بھی تشریف لے چلیں۔ چنانچہ حضرت الاستاذ قدس سرہ نے قبول فرمالیا۔ یہ خادم بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ خادمانہ شریک سفر رہنے

(۱) مکتوب بنام راقم سعید الرحمان۔

کو نعمت سمجھا۔ مناظرہ سے دو روز قبل صبح و شام مذاکرہ ہوا کرتا تھا۔ حضرت الاستاذ قدس سرہ سے استفادہ کا اہل علم کو خوب موقع نصیب ہوا۔ مناظرہ کے روز جب جلسہ گاہ میں جانے کا وقت ہوا تو حضرت الاستاذ مولانا اسعدا للّٰہ صاحب نے میرے ذریعہ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ حضرت اپنی دستار مبارک عنایت فرمائیں تاکہ برکت کے لئے مناظرہ کے وقت سر پر باندھے رہوں۔ میں نے جب درخواست پہنچائی تو تواضعا" فرمانے لگے کہ شیخ میرے صافہ میں برکت کہاں ۔ یہ تو انکا وہم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت جب انکی خواہش ہے تو اس کو پورا کرنے میں کیا حرج ہے۔ فورا" ارشاد فرمایا کہ اچھا یہ لو۔ اور سر مبارک سے دستار اتار کر میرے حوالہ فرمادی۔ میں نے خوشی خوشی مولانا کی خدمت میں پیش کردی۔ جس کو جلسہ میں جانے سے قبل نہایت عزت و احترام سے سر پر باندھا۔ وقت مقررہ پر مناظرہ شروع ہوا میں اپنی زندگی میں بہت سے مناظروں میں شریک ہوا ہوں مگر جو بات حضرت مولانا اسعداللہ صاحب میں دیکھی وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ روانئ تقریر برجستہ ٹھوس اور مدلل جواب میں حضرت مولانا کی طرح جامع الصفات ' کسی اور مناظر کو نہیں دیکھا۔ اس مناظرہ میں بھی حسب معمول میں حضرت مولانا مدظلہم کے قریب حاضر تھا تاکہ حوالہ پیش کرتے وقت جس کتاب کی ضرورت ہو فورا" حضرت مولانا کو پیش کردیا کروں۔ حضرت الاستاذ قدس سرہ پچھلی نشست پر تشریف فرما تھے۔ قادیانی مناظر نے حسب عادت دجل و فریب سے کام لے کر اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے مسلم شریف کا غلط حوالہ دیا۔ حضرت مولانا مدظلہ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت الاستاذ سے دریافت کرو کہ کیا یہ حدیث مسلم شریف میں ہے ؟ میں نے آہستہ سے حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت قدس سرہ نے برجستہ فرمایا کہ مسلم شریف کا حوالہ سراسر غلط ہے۔ مسلم شریف میں کہیں نہیں ہے۔ جونہی حضرت قدس سرہ کا جواب حضرت مولانا نے سنا تو جوش میں آکر کرسی پر کھڑے ہو گئے اور مسلم شریف جو وہاں رکھی ہوئی تھی دونوں

ہاتھ میں لے کر بلند آواز سے فرمایا کہ یہ مسلم شریف ہے۔ مقابل نے جس حدیث کو مسلم شریف کے حوالہ سے اپنے مدعا کے لئے پیش کیا ہے۔ وہ حدیث مسلم شریف میں کہیں نہیں ہے اگر ہو تو براہ کرام مدعی دکھلادیں ورنہ مجمع عام میں اپنے کذب کا اعتراف کریں۔ جیسے ہی مولانا نے اس کا اعلان فرمایا۔ اہل حق میں خوب جوش و خروش پیدا ہوا۔ اور نعرہ تکبیر سے جلسہ گاہ گونج اٹھا اور مخالف قادیانی مناظر روسیاہ ہوا۔ دیکھئے حضرت الاستاذ کا یہ دعوی کہ مسلم شریف میں یہ حدیث نہیں ہے کوئی معمولی دعوی نہیں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم شریف جیسی ضخیم و عظیم الشان حدیث کی کتاب پر کتنا عبور تھا۔" احرار کے رہنما حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اور لودھیانہ کے دوسرے زعماء احرار مولانا رحمت علی صاحب وغیرہ اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے آپ کو بڑی محبت تھی جن کی خدمات رد قادیانیت میں مشہور و معروف ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے صاحبزادے مولانا انیس الرحمن آپ کے پاس مظاہر العلوم میں زیر تعلیم و تربیت رہے۔ قیام خیر المدارس کے دور میں کچھ عرصہ کے لئے حضرت شاہ صاحب بھی مدرسہ میں مقیم رہے۔ بڑی روحانی محفل ہوتی تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب کے ایمانی جذبہ اور سحر بیانی کے بڑے مداح تھے اور ان کے نمایاں کارناموں کی دل سے بڑی قدر فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار ارشاد فرمایا:۔

"ہندوستان میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور حضرت شاہ صاحب جیسے مقرر و خطیب پیدا نہیں ہوئے۔ یہ فن خطابت و تقریر میں اپنی مثال آپ ہیں۔"

باوجود گوشہ عزلت میں زندگی بسر کرنے اور جلسے جلوس کے ہنگاموں سے یکسو رہنے کے حضرت شاہ صاحب کی تقاریر میں گاہے گاہے شرکت فرماتے۔ سہارنپور کے جوبلی باغ میں ایک بار حضرت شاہ صاحب کی تقریر ایک تاریخ کانفرنس کے موقع پر عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوئی اور صبح تک جاری رہی موذن نے جب صبح کی اذان

شروع کی تو حضرت شاہ صاحب نے تواضعا" اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کتنے اللہ کے نیک بندوں کی تو نے تہجد قضا کی ہوگی۔ اور اس پر تقریر کو ختم فرمایا۔ حضرت مولانا بھی مع دیگر مدرسین مظاہر العلوم کے اس جلسہ میں موجود تھے۔

تبلیغی جماعت سے لگاؤ

تبلیغی جماعت کے کام سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی تبلیغ کو آپ اس دور میں جہاد اکبر سمجھتے۔ امیر جماعت تبلیغی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے حضرت مولانا کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے دونوں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے تلمیذ اور بیک وقت مظاہرالعلوم کے مدرس رہے۔ قیام مظاہر العوم میں اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ایک ساتھ تھا۔ حضرت مولانا ' مولانا محمد الیاس صاحب کے خلوص اور للّٰہیت کے صمیم قلب سے قائل تھے۔ فرماتے "کہ یہ جو کچھ حرکت ہو رہی ہے یہ سب مولانا محمد الیاس صاحب کے خلوص اور للّٰہیت کی برکت ہے مولانا محمد یوسف صاحب حضرت مولانا کے خاص تلامذہ میں سے تھے انہوں نے دورہ کی کتابیں مولانا مرحوم کے مرحوم سے پڑھی تھیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب جب راولپنڈی تشریف لاتے حضرت مولانا سے ملاقات کا اہتمام فرماتے۔ محمد شفیع قریشی مرحوم کے مکان پر اور گاہے مولانا غلام اللہ خان صاحب کے مدرسہ میں ملاقات ہوتی۔ تبلیغی جماعت کے بعض اور بڑے سر کردہ حضرات حضرت مولانا کے تربیت یافتہ اور تلامذہ تھے۔ مولانا انعام الحسن صاحب مولانا عبید اللہ صاحب ' حضرت مولانا سے پڑھے ہوئے ہیں۔ مولانا سعید احمد خان صاحب امیر جماعت سعودی عرب حضرت کے تلمیذ خاص اور بڑے تعلق والے تھے پاکستان آنے پر بھبودی بھی حاضر ہوتے۔ تلامذہ و متعلقین کو تبلیغی سلسلہ میں شرکت کا حکم اور مشورہ دیتے مولانا منظور احمد صاحب چیوٹی نے تحریر کیا کہ :۔

"مدرسہ سے رخصت لے کر تین چلوں پر مشرقی پاکستان چلا گیا تھا۔ اور اب جماعت تبلیغی کے ہمراہ حج کے لئے بذریعہ پاسپورٹ پروگرام بنا رہا ہوں۔"

اس کے جواب میں حضرت مولانا نے تحریر فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ آپ کے مساعی جمیلہ قبول فرمائے ہمت اور توفیق مزید عطا فرمائے اور جملہ مقاصد حسنہ پورے فرمائے۔ حرمین شریفین کی زیارت سے بعافیت مشرف فرمائے اور بعافیت واپس لائے۔ وہاں پہنچ کر مجھ ناکارہ کو بھی ' دعاؤں میں یاد فرماویں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانے میں جہاد اکبر ہے ' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔"

جناب جمیل الرحمن صاحب (کراچی) نے تحریر کیا:۔

"میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جو دعوت الی اللہ کے لئے جاتی ہے شرکت برابر کرتا ہوں مگر پچھلی اتوار کی شام کو تبلیغی جماعت کے ایک صاحب جو عالم معلوم نہیں ہوتے تھے انہوں نے اپنے بیان میں فرمایا کہ گشت میں جانیوالوں کو سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے حالانکہ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں نماز پڑھنے والوں کو صرف ایک لاکھ کا ثواب یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ کیسے ! حالانکہ حضرت تھانوی کے وعظ آداب تبلیغ میں پڑھا تھا کہ یہ تبلیغ فرض کفایہ ہے۔ تو جب فرض عین نہیں تو انہوں نے یہ کیسے بیان کر دیا۔

جس پر حضرت مولانا نے مختصراً" تحریر فرمایا کہ :۔

"ایسے جزوی امور کو ترک کر دیجئے۔ جو بات شریعت کے موافق نظر آئے اس پر عمل کرتے رہیں۔"

جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات : ص ۶۱ : مطبوعہ ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۳

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور خلیفہ حضرت اقدس حکیم الامتہ نور اللہ مرقدہما جب تک سہارنپور میں مقیم رہے۔ میوات کے جلسوں میں کثرت سے تشریف لیجاتے رہے۔ حضرت مولانا کی ایک دفعہ طبیعت ناساز تھی حکیم کو دکھانے دہلی تشریف لے گئے چونکہ نظام الدین ہی قیام رہا کرتا تھا اس وقت حضرت دہلوی میوات کے ایک سخت ترین سفر پر جار رہے تھے جو پہاڑ پر تھا حضرت دہلوی نے مولانا کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی باوجودیکہ مولانا بیمار بھی تھے اور حکیم کے پاس علاج کے لئے تشریف لے گئے تھے مگر ساتھ ہولئے جمعہ کا دن نہایت گرمی کا وقت پہاڑ تک سواری مل گئی مگر پہاڑ پر پاؤں چڑھنا پڑا چچا جان تو مشاق تھے ہمیشہ کے عادی تھے مولانا مرحوم کو اس قسم کے سفر کا کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا دونوں اکابر نہایت مشقت کے ساتھ جمعہ کی عجلت کی وجہ سے تیزی سے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے ایک ناواقف میواتی نے دوسرے کو آواز دے کر کہا ارے دیکھ تو یہ مولبی گنجی کھانے کے شوق میں کیسا بھاگ رہے ہیں گنجی میوات کا ایک خاص کھانا ہے جو ان کے یہاں بہت پسندیدہ ہے اور یوپی والوں کو اس کا کھانا مشکل ہے۔

اعتدال مسلک :۔ مگر ساتھ ہی ساتھ طبیعت میں اعتدال کی وجہ سے تقشف و اصرار یا دین کے دیگر شعبوں سے عدم توجہی کے آپ قائل نہ تھے اپنے ایک شاگرد مولانا محمد صادق کو تحریر فرمایا :۔

"مسائل توحید و سنت و رد شرک و بدعت میں دلچسپی بہر صورت احسن ہی احسن ہے۔ مگر معمولی معمولی باتوں پر مسلمانوں کو بغیر قطعی مکفرات کے کافر سمجھنا اور کہنا نہایت قبیح اور مذموم ہے اس کا بھی ضرور خیال کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے۔ کتاب اللہ اور سنت کے موافق عمل اور اعتقاد کی توفیق عطاء

(۱) اپنے ایک شاگرد مولانا محمد صادق صاحب کو خط میں تحریر فرمایا "مسائل توحید و سنت و رد شرک و بدعت میں دلچسپی بہر صورت احسن ہی احسن ہے۔ مگر معمولی معمولی باتوں پر مسلمانوں کو بغیر قطعی مکفرات کے کافر سمجھنا اور کہنا نہایت قبیح اور مذموم ہے اسکا بھی ضرور خیال کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے۔ کتاب اللہ اور سنت کے موافق عمل اور اعتقاد کی توفیق عطا فرمائے۔ شیخ عبدالحق صاحب دہلوی اور دیگر بزرگوں کی عبارات میں اگر کچھ تاویل صحیح کر سکیں تو بہتر ہے ورنہ ان کے پیچھے پڑنے میں کوئی فائدہ نہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ (مکتوب ۲۲-۴-۴۲ء)

کرے۔ شیخ عبدالحق صاحب (دہلوی) اور دیگر بزرگوں کی عبارات میں اگر کچھ صحیح کر سکیں تو بہتر ہے ورنہ ان کے پیچھے پڑنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ تعالی کے سپرد کر دیں۔ مکتوب ۲۲۔ ۲۸ ۲۳؍ ر ۷ھ ہے"۔ جہاں تبلیغی کام ضروری سمجھتے وہاں علوم دینیہ کی اشاعت ' مدارس کا قیام ' درس و تدریس کا رواج ' تصنیف و تالیف اور دوسری دینی خدمات کو بھی آپ ضروری سمجھتے تھے۔ بعض جماعتوں سے وابستہ حضرات جو دین کو صرف اپنے کام میں منحصر سمجھتے ہیں اور دوسرے امور کو وقعت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے۔ یہ چیز آپ کی وسیع المشربی کے خلاف تھی بلکہ اس نقطہ نظر کو دین کے ہمہ گیر نظام کے لئے مضر سمجھتے تھے ' فرماتے کہ خلوص ہو تو دین کا ہر کام اجر اور ترقی درجات کا باعث اور رضائے خداوندی کا موجب ہے۔

نیز کسی جماعت یا کسی کام سے وابستگی اور تعلق سے حقوق العباد میں خلل واقع ہونے کو بھی اچھا نہیں سمجھتے ایک صاحب نے تبلیغ میں مسلسل چلوں کا ذکر کیا تو فرمایا "کہ موجودہ زمانہ میں یہ بہت بڑا فریضہ ہے مگر اس کے ساتھ پسماندگان کے حقوق کا بھی خیال فرمانا ضروری ہے۔"

فرماتے کہ دین کے ایک شعبے پر عمل کرنے سے دوسرے شعبوں کو ترک کرنا اسلام کے مزاج اور سنت نبوی کے خلاف ہے۔ شریعت کا مقصد ہی یہ ہے کہ مومن کا ہر کام صحیح طرح سے سنت کے مطابق ادا ہوتا چلا جائے۔

جماعت اسلامی اور اکابر علماء دیوبند

اسی اعتدال پسندی اور افراط و تفریط سے احتراز کا نتیجہ تھا کہ جماعت اسلامی کے بارے میں آپ کا وہی خیال تھا جو دوسرے اکابر علماء دیوبند کا تھا کہ مودودی صاحب اور جماعتی لٹریچر کے مطالعہ سے ذہن میں آزادی اور سلف صالحین سے بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے نیز صرف تحریک سے وابستہ لوگوں کو صحیح اور صالح مسلمان سمجھنا اور دوسروں کو اسلامی اصول سے روگردانی کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ مودودی صاحب کی

تحریرات سے اسلام کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اکابر علماء دیوبند اس سے متفق نہیں۔ حضرت مولانا کی رائے بھی یہی تھی۔ اور یہ رائے آپ نے "شنید" پر قائم نہیں کی اور نہ مخالفانہ تحریریں پڑھ کر آپ نے یہ نظریہ قائم کیا بلکہ براہِ راست مودودی صاحب اور جماعت کا لٹریچر آپ نے غائر نظر سے مطالعہ کرکے یہ رائے قائم کی۔ نیز جماعت کی مخالفت اور حمایت میں جو لٹریچر شائع ہوا اس کو بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا جماعت کی دستوری دفعہ ۳ نمبر ۶ جس میں کہا گیا ہے کہ "رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔"

حضرت مولانا کے نزدیک یہ دفعہ ' حریت فکر آزادی رائے اور سلف صالحین صحابہ کرام فقہاء عظام اور صوفیاء کے بارے میں عدم اعتمادی کے بارے میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس سے صحابہ کرام پر تنقید کا دروازہ کھلتا ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام اہل السنتہ و الجماعۃ کی نزدیک انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل خلائق ہیں۔ قرآن کی آیات ان کی فضیلت اور خدا کی رحمت ' جنت اور خوشنودئی باری تعالیٰ کے مستحق ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے حدیث "ما انا علیه و اصحابی" اور حدیث " علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ" اور حدیث " اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم"

میں صحابہ کو معیار حقانیت ' بتلایا ہے۔ اور ان کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑنے اور ان کو مقتدا بنانے کا حکم دیا ہے بہر حال قرآن و حدیث میں اس قدر صحابہ کی توثیق و تعدیل کردی گئی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اب اگر ان نصوص کے خلاف صحابہ کے بارے میں یہ تاثر قائم کرایا جائے کہ صحابہ معیارِ حق نہیں ہیں اور ان

پر تنقید جائز ہونی چاہیئے تو یہ کہاں تک صحیح ہے اور یہ کونسے اسلام کی خدمت ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا کی نزدیک عصمت انبیاء ' فتنہ دجال ' حدود شرعیہ ' مقام حضرت عثمانؓ ' مسئلہ داڑھی ' مجددین امت ' اجتہاد۔ مسالک فقہیہ اور تصوف و تزکیہ نفس وغیرہ امور کے بارے میں مودودی صاحب کی تحریرات و نظریات قابل اعتراض ہیں جن پر مختلف علماء نے گرفت کی ہے ان مسائل کے بارے میں مودودی صاحب کی طرف سے جن حضرات نے جوابات دیئے وہ مولانا کے نزدیک تسلی بخش نہیں تھے۔ جماعت اسلامی گوجرانوالہ کی طرف سے ایک پمفلٹ "جائزہ" کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہوا تھا۔ حضرت مولانا نے اس کا غائر نظر سے مطالعہ کرکے اس پر اپنی طرف سے بعض اہم مقامات پر نوٹ لکھے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جوابات اصل اشکالات کے دور کرنے کے لئے کافی نہیں۔

جماعت سے منسلک حضرات عموماً" یہ اعتراض بھی کیا کرتے ہیں کہ علماء نے مودودی صاحب کی تحریرات کو غور سے نہیں پڑھا یا سیاق و سباق کا لحاظ نہ کرتے ہوئے قطع و برید سے کام لیا ہے۔ حضرت مولانا نے اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے خود قیمتاً" مودودی صاحب کا کچھ لٹریچر منگوایا اور قابل اعتراض مقامات کی نشاندہی فرمائی۔ ایک بار جماعت اسلامی سے منسلک دو حضرات مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اثنائے گفتگو میں قطع ید اور دوسرے شرعی حدود کے بارے میں تفہیمات جلد دوم صفحہ نمبر ۲۸۱ کی عبارت کے متعلق انہوں نے کہا کہ اس عبارت کو سمجھا نہیں گیا حضرت مولانا نے فرمایا کہ عبارت اردو میں ہے۔ یہ جانی پہچانی زبان ہے۔ سیاق و سباق اور پورے مضمون کو دیکھنے کے بعد بھی معمولی سمجھ بوجھ والا انسان سمجھ لیتا ہے کہ حدود شرعیہ کو ظلم کہا گیا ہے اور یہ کہاں تک صحیح ہے۔ فرمایا کہ ان مکمل عبارات کو دیکھنے کے لئے میں نے براہ راست اصل کتابوں کی طرف رجوع مناسب سمجھا۔ صرف حوالہ جات پر اکتفا نہ کیا۔ مبادا قطع و برید سے کام لیا گیا ہو۔ حضرت مولانا فرماتے کہ ہر معاملہ

میں جمہور کے مسلک پر عمل کرنا زیادہ انفع اور باعث برکت ہے۔ جمہور کے راستہ سے الگ ہو کر چلنا خطرناک ہے۔ حضرت مولانا فرماتے کہ حضرت حکیم(۱) الامت تھانوی نے ترجیح الراجح کے نام سے جو سلسلہ قائم کیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حضرت کی تحریر سے کسی کو اختلاف ہوتا' حضرت کو مطلع کر دیا جاتا۔ تحقیق کے بعد معترض کی رائے اگر صحیح ہوتی تو بے چون و چرا اس کو تسلیم کرکے سابقہ رائے سے رجوع فرمالیتے اور تسامح قبول فرمالیتے۔ مولانا فرماتے کہ اسلاف کا طریقہ یہی تھا۔ کہ حق کے ظاہر ہونے پر ہٹ دھرمی سے کام نہ لیتے۔ بلکہ انتہائی فراخدلی سے حق کی جستجو میں رہتے۔ ذرا سی تنبیہہ پر اگر اپنی رائے کی عدم صحت کا خیال آجاتا تو اس سے فوراً" رجوع کر لیتے۔

اگر مودودی صاحب بھی اسی راہ پر چلتے تو اس قدر وسیع خلیج کبھی حائل نہ ہوتی۔ بہر حال حضرت مولانا کی رائے جماعت اسلامی کے بارے میں مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر وہی تھی جو دوسرے اکابر علماء دیوبند کی تھی۔ حضرت مولانا انفرادی و اجتماعی اصلاح کے لئے وہی معتدل طریق بہتر سمجھتے جس پر اس دور میں علماء دیوبند گامزن ہیں کمال اعتدال کی ساتھ ساتھ کمال توازن اور وسیع المشربی نیز تکفیر و تفسیق میں احتیاط بھی حضرت مولانا کی زندگی کا اہم ترین پہلو تھا۔

تکفیر و تفسیق

مولانا محمد صادق صاحب (سھگل آباد) تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت جی اپنے دور کے عظیم اور مایۂ ناز عالم دین تھے۔ ہزاروں علماء آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرچکے تھے مگر علم کے اس سمندر میں مدوجزر نہ تھا سکون و اطمینان تھا۔ متانت اور حلم تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دوران تدریس

(۱) ایک بار وصل بلگرامی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں تو بہت رجوع ملتا ہے فرمایا ہاں ترجیح الراجح کا مستقل سلسلہ ہے اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ صدیوں کے بعد یہ سلسلہ ہوا ہے بہشتی زیور اور ترجیح الراجح کا ایک واقعہ بیان فرماکر فرمایا کہ میں تو ہر ایک مسئلہ میں اپنا تسامح قبول کرنے کو تیار ہوں چاہے ایک بچہ ہی بتادے (از ملفوظات جمیل الکلام ص ۱۱)

مسائل کی وضاحت میں آپکی اعتدال پسندی اور کمل توازن سلف صالحین کی یاد تازہ کر دیتی تھی۔ پیچیدہ اور نازک مسائل میں اعتدال اور احتیاط ساتھ ساتھ ہوتے تھے اور اس پر شفقت علی الخلق کا جذبہ چار چاند لگائے ہوئے تھا۔ ایک دفعہ عوام کی بے راہروی ' بدعات ' تجدد پسندی اور افعال شرکیہ پر شرعی فتوؤں کے متعلق تحقیق ہو رہی تھی۔ یہ گنہگار سوالات میں مفروضہ شرکیہ افعال پر حضرت جی کا فتوی لینا چاہتا تھا مگر آپ عوام پر شفقت فرماتے ہوئے ان مفروضہ اعمال کی توجیہہ فرما کر فتوی شرک و کفر سے اجتناب فرمادیتے تھے اور میں مزید ایک اور سوال میں اور مفروضہ پیش کر دیتا تھا۔ جب احتیاط اور توجیہہ کا دامن تنگ ہوگیا تو حضرت جی نے بمشکل فرمایا کہ ہاں اگر ان اعمال شرکیہ کی کوئی بھی توجیہہ کی گنجائش نہ رہے تو پھر وہ آپ کی توپ (فتوے) کے سامنے آجائے گا۔ طلباء محو حیرت تھے کہ حضرت جی میں شفقت علی الخلق اور احتیاط[1] کا جذبہ کتنا عظیم ہے ۔"

مسئلہ حیات النبیؐ

حیات النبی کا مسئلہ ایک دور میں پاکستان کے علمی فضاؤں پر چھایا رہا۔ جانبین سے افراط و تفریط کے مناظر دیکھنے میں آئے۔ پاکستان کے ایک مشہور عالم نے پیام اسلام لاہور رسالہ کے ۲۹ جولائی ۶۱ ء کے شمارہ میں (یہ رسالہ اس نام سے اب بند ہوچکا ہے) حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب اور شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی کے بارے میں بلا تحقیق بیان شائع کیا۔ اور ان حضرات کو مورد طعن بنایا۔ اس کے جواب میں حضرت نے جو جواب تحریر فرمایا وہ بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے ان مسائل میں حضرت مولانا کا مذاق افتاد طبع اور اعتدال و میانہ روی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

بخدمت گرامی محترم --- صاحب زاد مجدکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالی وبرکاتہ

جناب نے پیام اسلام لاہور کے ۲۹ جولائی ۶۱ء کے پرچہ میں چند امور شائع

---

(۱) راقم کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا "جتندمین کے مقابلہ میں تقریروں میں سب وشتم سے اجتناب ضروری ہے۔ اپنے اکابر کے حالات اور انکے صحیح مسلک بیان کرنے اور جتندمین کے اعتراضات کے جوابات پر اکتفاق کیا کریں۔ کہ سب وشتم کا اثر عوام پر اچھا نہیں پڑتا۔ ان کے اعتراضات کے جوابات میں حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ کے "الشہاب الثاقب" اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے "براہین قاطعہ" کو مطالعہ میں قبل الوقت ضرور رکھا کرو"۔

کئے ہیں۔ جن کا واقعیت اور حقیقت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔ معلوم نہیں آپ جیسے مشاہیر کبار نے بلا تحقیق میرے متعلق ان مفتریات کو کیسے شائع کیا۔ بغیر تحقیق و ثبوت کے کسی بے قصور کو قصور مند ٹھہرانا آپ جیسے بزرگوں کی شان سے بہت بعید ہونا چاہیئے آپ کو نص قطعی (ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا) پر عمل کرتے ہوئے پہلے مجھ سے دریافت فرما لینا چاہیئے تھا نمبر۱ میرے متعلق آپنے تحریر فرمایا ہے کہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے حیات بعد الممات کا منکر ہوں (سبحانک ھذا بہتان عظیم) حاشا و کلا العیاذ باللہ۔ آپ کلی اطمینان فرماویں کہ یہ میرے متعلق بہتان شنیع ہے۔ خدا تعالیٰ شاھد ہے کہ میں اس بہتان سے بری ہوں۔ مجھے تو بحمد اللہ اس --- مضمون کا وسوسہ بھی نہیں ہوا میں ہمیشہ سے اس کا قائل اور معتقد ہوں جو حضرات اہل حق ہیں اہل السنہ والجماعۃ کا اعتقاد ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو جیسے حق تعالیٰ نے دنیا کے اندر ایک ممتاز شان اعلیٰ و ارفع صفات کے ساتھ عطا فرمائی ہے۔ ایسی ہی اس دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اکمل و اعلیٰ و ارفع صفات کے ساتھ اکمل و اعلیٰ حیات برزخی عطا فرمائی ہے۔ بلکہ شہداء اور صالحین امت و عامہ مومنین کو بھی اللہ تعالیٰ نے بعد الممات علی حسب المراتب حیات عطا فرمائی ہے جیسے کہ شرعی نصوص بکثرت اس کے شاہد ہیں۔ اسی کو میں حق سمجھتا ہوں۔ اور یہی اہل حق کا مسلک ہے۔ اسمیں کبھی بھی میری طرف سے سرمو تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اور متعدد بار متعدد رسائل میں یہ ظاہر بھی ہوچکا۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ اس کے خلاف میرے متعلق جناب والا اگر کوئی شخص کچھ کہے یا لکھے وہ کذاب اور مفتری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ یوم حساب میں جواب دہ ہے۔ میرے متعلق اس شخص نے بہتان کیا جو ناقابل معافی جرم ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ، نصوص شرعیہ کو دیکھ کر اس اجلی البدیہیات (حیات انبیاء علیہم السلام) کے مسئلہ میں کسی اہل علم کو کیسے شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ حضرت مولانا! میں ایسی لایعنی باتوں میں پڑ کر تضیع اوقات کرنا نہیں چاہتا۔

مگر چونکہ آپ جناب نے مجھے کچھ عرض کرنے کو ارشاد فرمایا ہے۔ اس لئے تعمیلاً للارشاد چند سطریں لکھدیں۔ امید ہے کہ اہل انصاف علماء کرام اور مسلمانوں کے دیندار طبقہ کے لئے یہ کافی ہونگی۔ آئندہ میرے متعلق کسی کے کہنے لکھنے سے اگر جناب والا کچھ تحریر فرمائیں گے۔ مجھے اسکے متعلق کچھ لکھنے کہنے سے معذور خیال فرماویں۔ میں ایسی فضول باتوں میں پڑنا نہیں چاہتا نہ میری عادت ہے۔ میں ایسے لوگوں کے ان مفتریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں وہ اسرع الحاسبین احکم الحاکمین سمیع علیم ہے وہ مخلص غیر مخلص ظالم مظلوم کو خوب جانتے ہیں۔ وہ خود ہی فیصلہ فرمائیں گے۔

نمبر ۲۔ آن جناب نے اپنی اس تحریر میں دیگر بعض حضرات کے متعلق بھی مجھ سے کچھ دریافت فرمایا ہے۔ حضرت والا کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں سب دنیا کا ٹھیکیدار ذمہ دار نہیں ہوں۔ جو سب کے طرف سے جوابات دیتا پھروں۔ جناب کا جی چاہے تو ان حضرات سے براہ راست دریافت کیجئے ۔ وہ حضرات چاہیں گے تو آپ کو جواب دیدیں گے نمبر ۳ نمبر ۴ حضرت مولانا! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ الٹا پارٹی بنا کر امام وقت شیخ العلماء حضرت لاہوری پر کیچڑ اچھال رہے ہیں اس کے متعلق عرض ہے کہ جناب والا کو بخوبی معلوم ہے کہ میں نے بحمد اللہ کبھی کوئی پارٹی نہیں بنائی اور نہ کبھی کسی پارٹی سے تعلق رہا۔ البتہ ایک پارٹی سے تعلق رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ رہے گا (وہ اہل حق اہل السنتہ والجماعۃ کی پارٹی) س کو میں اپنی لئے سبب نجات سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ اسی پر مجھے قائم رکھے۔ امام وقت حضرت مولانا لاہوری کے متعلق جو آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ میرے متعلق بہتان ہے۔ حضرت موصوف کو میں اپنا بزرگ اور مقتدا سمجھتا ہوں ۔ میری زبان سے ان کے لئے شان رفیع میں (فیما اعلم) کبھی کوئی کلمہ خلاف شان نہیں نکلا۔ آپ سے جس نے افتراء کے ساتھ کیا تعلق ہے جو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس کا دور و دراز کا بھی کوئی تعلق نہیں واللہ اعلم)

۵۔ شروع میں ان جناب نے تحریر فرمایا ہے (آپ ہر دو بزرگوں نے یعنی (مولانا) عبدالرحمن اور حضرت شیخ الحدیث (مولانا نصیرالدین غور غشتی) نے کئی مرتبہ ہم سے یہ فرمایا کہ آپ کے عقائد مولوی غلام اللہ خان صاحب کے خلاف ہیں۔ جناب مولانا نہایت ادب کے ساتھ گذارش ہے کہ مجھے تو کبھی سال ہا سال سے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ البتہ ۸۴ھ یا اسکے قریب قریب کسی سال ملتان میں چند منٹ آپ سے نیاز حاصل ہوا تھا۔ جس میں اس قسم کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ معلوم نہیں میرے متعلق یہ آپ نے کیسے تحریر فرما دیا۔

واللہ علی مانقول وکیل۔ الھم انک علی کل شی قدیر

عبدالرحمن غفرلہ از بہبودی

اسی لئے جزوی اور فروعی مسائل میں جو مدار نجات نہیں ہیں ان میں آپ تشدد اسلام کے لئے نقصان دہ سمجھتے۔

مسئلہ حیات النبی(ا) پر ایک صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ نبوت اور حیات لازم ملزوم ہیں۔ جس طرح حکومت اور حیات میں لزوم ہے۔ جب تک بادشاہ زندہ ہے بادشاہ ہے۔ مرنے کے بعد اس کی بادشاہی ختم۔ گویا حضور ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرنے کے لئے آپ کی حیات ماننی پڑے گی اور منکر حیات منکر نبوت ہوگا اور منکر نبوت منکر توحید ہے۔ الی آخرہ۔ حضرت مولانا نے اس قسم کے غلو اور غلط طرز استدلال پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ " نہ معلوم ان مسائل میں جو مدار نجات نہیں ہیں کیوں اتنا غلو اور تشدد کیا جاتا ہے خواہ مخواہ اختلاف کی خلیج وسیع کی جا رہی ہے۔"

(ا) از مولانا محمد فرید صاحب

فراست و حاضر جوابی

فراست و ذکاوت آپ کی بے نظیر تھی۔ خدام و متعلقین اپنی تجارت ' صنعتی ' گھریلو اور نجی معاملات اور طرح طرح کے مقدمات کے بارے میں آپ سے مشورہ لیتے۔ آپ جواب میں تحریر فرماتے کہ بندہ ان معاملات میں تجربہ نہیں رکھتا۔ مجھے ان کاموں سے مناسبت نہیں۔ اس کے بارے میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں پھر ان کی تسلی کے لئے ان کے اصرار پر تحریر فرما دیتے کہ میرے خیال میں یہ بہتر ہو گا۔ بارہا تجربہ ہوا کہ حضرت کی رائے ہمیشہ صائب رہی اور انجام کار اس میں کامیابی رہی۔

لوگوں کے اعمال و کردار سے ان کی ذہنی ساخت کا اندازہ لگا لیتے۔ ایک مرتبہ ایک جلسہ کے لئے ایک مشہور مقرر کے بلوانے پر منتظمین نے بڑا اصرار کیا مگر حضرت برابر انکار کرتے رہے۔ وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ کچھ عرصہ بعد حج کے موقع پر ان مقرر صاحب سے ایسے کردار کا مظاہرہ ہوا جس سے حضرت کی فراست مومنانہ کا اندازہ ہوا۔

حضرت مولانا حاضر جوابی میں بھی اپنی نظیر آپ تھے لیکن اس حاضر جوابی میں دل آزاری یا ایذاء رسانی کا شائبہ تک نہ ہوتا درس کے دوران طلبہ کے سوال پر نہایت لطافت کے ساتھ حاضر جوابی کا ثبوت مہیا ہوتا۔

مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی تحریر فرماتے ہیں۔

"دوران درس یہ مسئلہ آیا کہ اگر مسجد بڑی ہو تو نمازی کے آگے سے بلاسترہ گزر سکتا ہے۔ راقم نے سوال کیا کہ حضرت بڑی مسجد کی تعریف کیا ہے۔ فرمایا کہ آپ چھوٹی مسجد کی تعریف بتادیں ' بڑی کی میں بتادوں گا۔"

ظرافت و بے تکلفی

تلامذہ و متعلقین کے ساتھ آپ ہمیشہ بے تکلفی سے پیش آتے طبیعت ہشاش بشاش رہتی۔ چہرہ پر تبسم کی آمیزش رہتی تقشف و پژمردگی کے آثار تک نظر نہ آتے۔ گاہے مزاح بھی فرماتے۔

مولانا محمود صاحب رنگونی فرماتے ہیں کہ

"دوران سفرحج مجھے نیند زیادہ آتی تھی، آپ مجھے شیخ النوم فرمایا کرتے تھے۔"

مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت احقر کو اکثر اوقات میں ان الفاظ سے یاد فرمایا کرتے۔ اٹھ جا بھائی منجور نماج کا وقت ہوگیا۔ پھر اس پر مظاہر العلوم سہارنپور کے موذن کا واقعہ بیان فرماتے کہ اس کا ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام منظور تھا۔ وہ اسے ان الفاظ سے یاد کیا کرتا تھا۔"

دوران درس جو طلبہ بغیر کتاب سمجھے خاموش بیٹھے رہتے ان کو صوفی کے لقب سے یاد فرماتے۔ ایک سال اسی قسم کے چار پانچ طلبہ اکٹھے بیٹھتے۔ ان کی طرف سے کوئی آواز سوال و جواب کی نہ آتی۔ آپ ان کو صوفیوں کے محلہ سے تعبیر فرماتے۔

مولانا عبدالحق صاحب سورتی تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت والا کبھی کبھی ہم خدام سے مذاق بھی فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون جانا ہوا۔ حضرت کے ہمراہ میں اور ایک طالبعلم بنام مولوی نذیر احمد سیالکوٹی تھے۔ مولوی نذیر احمد اپنے ہمراہ کچھ بادام لئے ہوئے تھے۔ حضرت نے ریل میں ان سے پوچھا کہ صوفی جی! یہ کیا لے رکھا ہے۔ عرض کیا ---- اعلیٰ حضرت تھانوی کے لئے بادام لئے ہیں، ہدیہ پیش کروں گا۔ مسکرا کر فرمانے لگے۔ صوفی جی اجازت طلب کر لی ہے یا نہیں؟ عرض کی کہ نہیں۔ مگر میرا ہدیہ قبول ہی قبول ہو کر رہے گا۔ ہنس کر فرمایا ہمیں ہی کھلا دو۔ صوفی نذیر صاحب نے منع کیا کہ نہیں۔ غرض کہ اعلیٰ حضرت کی

خدمت میں جب ہماری حاضری ہوئی۔ صوفی صاحب نے بادام پیش کئے۔ حضرت نے انکار فرما دیا۔ اب کیا تھا واپسی میں جب ریل میں ہم سوار تھے۔ صوفی جی نے حضرت سے گزارش کی حضرت بادام کھالیں۔ ہنس کر فرمانے لگے ارے صوفی جی ! اب یہ ہدیہ تمہارا مردود ہوگیا۔ اب کسی کام کا نہ رہا۔ غرض سہارنپور تک مذاق فرماتے رہے۔"

(۱) ایک بار حضرت مولانا مدنی مظاہر العلوم حضرت مولانا کے کمرہ میں تشریف لائے۔ کمرہ میں چٹائیوں پر چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ بطور ظرافت حضرت مدنی نے فرمایا کہ یہ تو سب ولائیتی چادریں ہیں (حضرت مدنی ولایتی اشیاء کے استعمال سے احتراز فرماتے ہمیشہ کھدر کا کپڑا زیب تن فرماتے) مسکرا کر نہایت بے تکلفی سے حضرت مولانا نے جواب میں فرمایا کہ حضرت ! آپ کے چشمے (عینک) بھی تو ولایتی ہیں۔ اس گفتگو کا لطف وہ حضرات نہیں بھول سکتے جو اس وقت موجود تھے۔

(۲) ایک عالم نے ایک صاحب سے کسی جلسہ میں تقریر کے لئے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ بعد میں انہوں نے کسی دوسرے شخص سے وعدہ کر لیا۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ پہلا شخص زیادہ مستحق ہے۔ آپ اس کے ساتھ آئیں۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ میں نے انشاء اللہ کے ساتھ معلق وعدہ کیا تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ وعدہ کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ جاؤں گا انشاء اللہ۔

آخری بار سفر کراچی سے واپسی پر گاڑی میں ایک رفیق سفر کی پر لطف و سادہ حرکتوں پر بڑی بے تکلفی سے محظوظ ہوتے۔ بار بار تذکرہ ہوتا اور اہل مجلس قند ظرافت سے لطف اندوز ہوتے۔

---

(۱) از مولانا عبدالجلیل صاحب (۲) از مولانا محمد فرید صاحب

حضرت مولانا کی نماز

طبعی طور پر آپ میں عبدیت ' تواضع خشوع و خضوع کی صفات تھیں۔ اس لئے نماز سے آپ کو فطرتاً مناسبت تھی کہ اظہار عبدیت کے لئے سب سے اونچی عبادت نماز ہی ہے۔ نماز سے برابر عبدیت اور قرب خداوندی میں ترقی ہوتی گئی۔ نماز سے حضرت مولانا کو بڑا شغف تھا۔ ہیئت اور کیفیت کے اعتبار سے ایسی کامل نماز پڑھتے تھے کہ اگر کوئی کتاب الصلوۃ کھول کر بیٹھ جائے اور اس سے مقابلہ کرتا چلا جائے تو کتاب و عمل میں پوری مطابقت پالے حضرت مولانا کی نماز میں کمال طمانیت و خشوع ہوتا۔تعدیل و تحسین کا خاص اہتمام تھا۔ نماز کی حالت میں .بمصداق کانک تراہ حضرت پروقار' خشوع و سکینت کی ایک خاص حالت طاری رہتی۔ قیام کی حالت میں ایک صاحب احسان کی طرح قیام محسوس ہوتا۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ کبھی حضرت کو زکام یا کھانسی کی شدت ہوتی تو نماز کے شروع کرنے کے بعد ختم نماز تک حضرت کو کبھی کھانسی ہی نہیں آئی۔ اتنا ضبط اور آداب صلوۃ کا لحاظ تھا۔ قیام کی حالت میں کیا مجال کہ ادھر ادھر نگاہ اٹھ جائے سیدھے ایسے سکون کے ساتھ کھڑے ہوتے کہ حرکت نام کو نہ ہوتی پھر قیام بھی طویل ہوتا۔ ضعف و نقاہت کے دور میں آپ کے سکون اور طویل قیام کو دیکھ کر جوانوں کو شرم آتی تھی ؟

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم
ہرگہ نظر بہ سوئے تو کردم جواں شدم

حیات ناسوتی کے آخری رمضان میں طبیعت کافی مضمحل تھی اور مختلف عوارض میں ابتلاء تھے مگر جب مصلی پر تشریف لاتے تو ذرہ برابر قیام و قعود میں تامل یا ارکان کی ہیئت میں کوئی فرق نظر نہ آتا تھا بلکہ بعد نماز معلوم ہوتا تھا کہ قوت بڑھ گئی ہے آخر یہ کیا چیز تھی؟

آخری سالوں میں ایسا بھی ہوا کہ دس پارے روزانہ تراویح میں سماع فرماتے۔ برابر کھڑے رہتے۔ بیٹھنے کی نوبت نہ آتی۔

قیام کی طرح رکوع سجود اور ہر رکن موافق سنت پوری تعدیل ' کامل سکون اور رعایت آداب کے ساتھ ادا کرتے۔ نماز کے ہر جزو میں سنت و استحباب کی رعایت اور فقہاء حنفیہ کے اتباع کا اہتمام تھا۔ بہبودی وغیرہ دیہاتوں میں ظہر کی نماز گرمیوں میں تقریباً" اول وقت ہو جایا کرتی تھی حضرت کی تحریک پر وقت موخر کیا گیا تاکہ ابرادفی الظہر پر عمل ہو۔ بہبودی میں آپ کے زمانہ کے آخری دور کے امام حافظ غلام سرور صاحب کو تاکید فرماتے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سنت کے موافق سورہ الم سجدہ اور سورہ دھر کی تلاوت کریں۔

حافظ صاحب کی عدم موجودگی میں ایک دوسرے صاحب نماز پڑھاتے تھے نماز کے بعد دعا میں اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت ربنا و تعالیت یا ذالجلال والاکرام کے ساتھ عوام میں مشہور الفاظ و الیک یرجع السلام حینار بنا بالسلام وادخلنا دار السلام الخ کا اضافہ بھی کرتے تھے۔ ایک دن ان امام صاحب کی موجودگی میں حافظ صاحب سے پوچھا کہ آپ نماز کے بعد کونسی دعا پڑھتے ہیں۔ انہوں نے یہ مختصر دعا پڑھی۔ فرمانے لگے۔ آگے اور الفاظ کیوں نہیں پڑھتے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ حدیث میں اتنے ہی الفاظ ہیں۔ دوسرے امام صاحب کو فرمایا کہ آپ نے حافظ صاحب کی بات سن لی۔ گویا ان کو اس طرح سمجھا دیا کہ یہ بقیہ الفاظ حدیث کے نہیں ہیں۔ ان کا اضافہ نہیں ہونا چاہئے حضرت کے افہام کا طریقہ بڑا عجیب تھا کہ دل شکنی بھی نہ ہو اور دوسرے کے بات بھی سمجھ میں آجائے نماز باجماعت کا مدت العمر اہتمام رہا۔ دوران سفر بھی نماز باجماعت ادا کرتے مولانا عبدالجلیل صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

کہ ریل کے سفر سے عموماً" سہارنپور آتے جاتے رہتے۔ مگر کبھی نماز بغیر جماعت

نہیں پڑھی موقع ہوتا تو ریل سے نیچے اتر کر مختصر نماز باجماعت ادا فرماتے۔ ورنہ ریل کے اندر ہی اہتمام ہوتا۔ اور استقبال قبلہ کی صورت نکال لیا کرتے آخری ایام میں سفر کراچی کے موقع پر باوجود ضعف کے کھڑے ہو کر چلتی گاڑی میں باجماعت نماز ادا فرماتے۔ شدید بارش یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے اگر مسجد میں تشریف نہ لاسکتے تو گھر پر صاجزادگان کی معیت میں نماز باجماعت ادا فرماتے۔

مولوی محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک دفعہ سخت بارش تھی۔ باہر نکلنے کا امکان نہ تھا۔ بارش کافی طول پکڑ چکی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت کا کمرہ سارا ٹپک رہا تھا۔ کمرہ میں آیا تو دیکھتا ہوں کہ حضرت اپنے بڑے صاجزادے حافظ عبیدالرحمن کی پیچھے نیت باندھے نماز باجماعت چارپائی پر ادا فرما رہے ہیں اپنے صاجزادگان کو نماز کی بڑی تاکید فرماتے کہ نماز باجماعت فوت نہ ہو جائے۔ میں کبھی کبھی صاجزادہ قاری سعید الرحمن کے ساتھ کمرہ میں تکرار کیا کرتا۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو حضرت ہمارے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ نماز کا بھی کچھ خیال ہے یا نہیں۔ عرض کیا جاتا۔ ہاں۔ تو فرماتے کہ جب خیال ہے تو اٹھو تیاری کرو۔ تکبیر اولی کی التزام سے پابندی ہوتی۔ "مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"معمولات تہجد اور تکبیر اولی پر مواظبت فرماتے تھے۔ "من کثرت صلوته باللیل تلائد و جهه بالنهار"۔ کے مطابق حضرت کا چہرہ مرکز انوار تھا۔ صاحبدے فرمود ---

نور	حق	ظاہر	بود	اندرولی
نیک	بین	باشی	اگر	اہل ولی

اور گویا اس کا ترجمہ ہے ---

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

نماز باجماعت میں امام کی صحت عقیدہ کا بہت خیال فرماتے۔ ایک صاحب کے متعلق مشہور تھا کہ ان کا عقیدہ مشرکانہ ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ کبھی کبھی امامت بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"کہ ہماری تو صرف ایک نماز باقی ہے۔ اگر یہ بھی فاسد ہو جائے تو ہمارے لئے تو تباہی اور بربادی کا باعث ہے نماز کے بارے میں بڑی احتیاط کی ضرورت[1] ہے" تجوید سے ناواقف امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے آپ کو بڑی کوفت ہوتی۔ گاہے اس کا اظہار بھی فرماتے۔

مولوی محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک دفعہ مجھے نماز میں آگے امامت کا حکم دیا۔ دوسرے تیسرے دن مجھے فرمایا کہ فرصت کے وقت تجوید کی مشق کر لیا کرو۔"

تجوید کے اس اہتمام کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صاحبزادگان کو باقاعدہ جید قراء سے تجوید سیکھنے کا حکم فرمایا ہوا تھا۔ ٹنڈو اللہ یار کے قیام کے دوران حضرت قاری[2] عبدالمالک صاحب لکھنوی' دارالعلوم اسلامیہ کے شعبہ تجوید کے صدر تھے۔ صاحبزادگان کو سخت تاکید تھی کہ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ تجوید پر پوری توجہ دیں۔ اس کے بعد لاہور بھی قاری صاحب کی خدمت میں صاحبزادگان کو بھیجا اور وہاں تکمیل کی۔ حضرت خود امامت

---

(۱) از مولانا محمد فرید صاحب

(۲) برصغیر ہندو پاکستان میں حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ مشہور ترین قراء میں سے تھے فن کی تکمیل حجاز مقدس میں کی کئی سال وہاں قیام رہا تقسیم ملک سے قبل تک لکھنؤ کے مشہور دارالتجوید مدرسہ فرقانیہ میں فیض پہنچاتے رہے تقسیم کے بعد مولانا احتشام الحق صاحب کی دعوت پر دارالعلوم اسلامیہ ' ٹنڈو اللہ یار تشریف لائے وہاں سے کچھ عرصہ بعد دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور منتقل ہو گئے آخیر وقت تک یہاں قیام رہا پاکستان میں آپ کی ذات سے بہت زیادہ فائدہ رہا قرات و تجوید میں آپ کی خدمات بڑی درخشاں ہیں۔

کم فرماتے۔ مظاہر العلوم کے قیام کے دوران کبھی کبھی مسجد کلثومیہ میں امامت کی تھی بعد میں بھی کبھی کبھی احباب و اکابر کی درخواست پر نماز پڑھا دیتے تھے۔

قرآن باتجوید پڑھتے۔ مظاہر العلوم میں طالب العلمی کے دوران تجوید کی کتب بھی آپ نے پڑھی تھیں۔ تجوید کی انتہائی کتاب "الشاطبیہ" کا ذکر آپ کی سند مظاہر العلوم میں بھی موجود ہے۔ قرآن پڑھنے میں خاص لطافت اور ملائمت ہوتی تلاوت کے وقت خاص سوز و گداز محسوس ہوتا۔ قرآن سادہ پڑھتے مگر انتہائی مسحور کن لہجہ میں۔ پنجابی اور پٹھانی طلبہ کو خصوصیت سے آپ تجوید پڑھنے کی تاکید فرماتے کہ یہ علاقے اس فن سے بالکل محروم تھے۔ فرماتے کہ بعض بڑے بڑے علماء قرآن کے صحیح پڑھنے کا خیال نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس کا تعلق نماز کی صحت اور عدم صحت سے ہے۔

معمولات

تہجد۔ حضرت مولانا کا معمول اخیر شب میں دس بارہ نفلیں پڑھنے کا تھا۔ تہجد کی پابندی طالب علمی کے زمانہ ہی سے تھی جس کا ذکر دور طالبعلمی میں گزر چکا ہے آپ کے رفیق درس مولانا محمد حیات صاحب فرماتے ہیں۔

"سحر کے وقت جاگنا گویا حضرت مرحوم کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ تہجد کے بعد اذکار اور اوراد و وظائف میں مشغول ہوجاتے۔ اس کے بعد (قیام مظاہر العلوم و دیگر مدارس کے دوران) مطالعہ فرماتے اور کبھی کبھی اس وقت تدریس کا سلسلہ بھی رہتا۔"

چنانچہ مولانا اسعد اللہ صاحب اپنی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت میرے باپ تھے۔ مربی مرشد سرپرست اور شفیق استاد تھے۔ حضرت کے مجھ پر اسقدر بے پایاں احسانات رہے ہیں کہ زبان و قلم ان کے اظہار پر قادر نہیں۔ میں مدتوں حضرت کے زیر سایہ اس مکان میں رہا ہوں جس میں حضرت قیام فرماتے تھے اور مدتوں میں نے حضرت سے وقت تہجد پڑھا ہے[1]۔"

گھر کے قیام کے دوران تہجد اور ذکر و اذکار سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر استراحت فرماتے۔ اور فجر کی سنتیں گھر میں ادا فرما کر مسجد تشریف لے جاتے۔ مسجد میں نہایت خاموشی سے تشریف فرما ہوتے۔ پہلی صف میں امام کے داہنے طرف کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے۔

نماز فجر کے بعد قیام مدارس کے دوران حجرہ میں تشریف لا کر اشراق تک مراقبہ میں ہوتے۔ اور کچھ دیر تلاوت قرآن اور مناجات مقبول میں مشغول رہتے اور۔ پھر چائے سے فارغ ہونے کے بعد اسباق کے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے۔ اور آخری دور میں گھر کے قیام کے دوران نماز فجر کے بعد مسجد میں کچھ دیر مراقب ہوتے اور پھر تھوڑی دور کھیتوں میں تفریح کے لئے چلے جاتے۔

گھر کے قیام کے دوران چاشت کی نماز کے بعد گیارہ بجے تک مسجد میں قیام رہتا اور آخری ایام میں اپنی تقریر ترمذی مرتبہ راقم سعید الرحمن ' حافظ غلام سرور صاحب سے سماع فرماتے۔ اور اس کی اصلاح فرماتے۔

قیلولہ۔ کھانا کھانے کے بعد (قیلولہ) دوپہر کو آرام کرنے کا التزام تھا کہ شب کو اٹھنے میں اس سے مدد ملتی ہے اذان ظہر سے قبل اٹھ کر وضو اور گرمی میں غسل کر کے سنت ظہر اداء فرمانے کے بعد مسجد تشریف لے جاتے۔

ظہر کے بعد قیام مدارس کے دوران اگر آپ کے اسباق ہوتے تو اس میں مشغول ہو جاتے ورنہ مطالعہ فرماتے۔ اور بہبودی میں بالالتزام ظہر کے بعد تلاوت قرآن اور مناجات مقبول گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پڑھنے کا معمول رہا۔ اس کے بعد خطوط کے جواب تحریر فرماتے عصر سے قبل چار سنتوں کا بالالتزام معمول تھا۔

عصر کے بعد جلوہ عام کا وقت تھا۔ خدام چاروں طرف سے گھیر لیتے۔ تسبیح آپ کے ہاتھ میں ہوتی۔ حاضرین سے لطافت اور بے تکلفی سے گفتگو رہتی۔ کبھی کبھی باہر

باغات اور کھیتوں میں تفریح کے لئے نکل جاتے۔ بہودی میں بعد عصر بیٹھک میں تشریف فرما ہوتے۔ گاؤں کے لوگ اور باہر سے آئے ہوئے مہمان بھی بیٹھ جاتے۔ مختلف امور پر گفتگو ہوتی۔ حاضرین اخبارات کے خبروں پر تبصرے بھی کرتے۔

اوابین۔ مغرب کے بعد صلواۃ الاوابین کا اہتمام ہمیشہ رہا۔ مسجد میں یہ نوافل بڑے اطمینان و سکون اور انتہائی خشوع و خضوع سے ادا فرماتے۔ کافی دیر کے بعد جب نمازی چلے جاتے۔ آپ طویل دعا میں مشغول ہوتے۔ عشاء کی اذان کے بعد مسجد میں چار سنتیں ادا فرماتے۔ تہجد آپ کا دائمی معمول تھا اور نیند آپ کو کم آتی تھی مگر وتر بعد نماز عشاء ادا فرماتے اور یہ کمال احتیاط تھی کہ آخر شب میں اٹھنے پر اعتماد نہ فرماتے تھے۔

بعد عشاء سر پر تیل لگانے کی عادت تھی اور یہ خدمت طلبہ اور اکثر اوقات صاحبزادگان انجام دیتے سرمہ لگانے کی عادت بھی آپکو ہمیشہ رہی۔ اکثر مدینہ کا سرمہ اثمد استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مسواک کا استعمال بھی سفر و حضر ہر وقت رہتا۔

جمعہ۔ جمعہ کے دن عموماً" اشراق کے بعد کوئی خاص مضمون یا مسئلہ ہوتا تو اس پر غور فرماتے۔ ہفتہ میں ایک بار خط بنواتے۔ آپ کی عادت حلق راس کی تھی۔ ان سب امور میں سنت کا اتباع ہوتا۔ ہفتہ میں عموماً" دوبار کپڑے بدلتے۔ قیام مظاہر علوم میں جمعہ کے دن کبھی کبھی عربی جبہ زیب تن فرماتے۔ اکثر اچکن پہنتے، اعلیٰ سے اعلیٰ عطر لگاتے۔

ماہ رمضان۔ رمضان میں آپ کی تقلیل طعام زیادہ بڑھ جاتی مگر معمولات میں فرق نہ آتا۔ زیادہ وقت نوافل، وظائف، اوراد، تلاوت قرآن اور دعاؤں میں گزرتا۔ افطار میں تعجیل فرماتے اور سحری میں تاخیر۔= کہ طلوع صبح صادق سے تقریباً" آدھ گھنٹہ قبل نوافل معمولہ سے فارغ ہو کر کھانا تناول فرماتے۔ روزہ کی حالت میں کبھی آپ کے چہرہ

یا آواز سے یہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ روزہ سے ہیں یا بھوک و پیاس کی تکلیف ہے۔
زمزم کا پانی آپ ہمیشہ تھوڑا تھوڑا استعمال فرماتے۔

تراویح۔ تراویح میں ختم قران کا آپ کو بڑا اہتمام تھا۔ زندگی بھر یہ معمول رہا کہ اپنی بیٹھک میں سردی گرمی ہر موسم کے رمضان میں تراویح میں ختم قرآن کا دستور رہا۔ آپ کے صاجزادگان میں سے کوئی سناتا (آپکے صاجزادگان میں تین حافظ ہیں) اگر کبھی مسجد میں حافظ کا تسلی بخش انتظام نہ ہوتا تو آپ کو بڑی کوفت ہوتی اور پھر کم از کم اخیر عشرہ میں ایک ختم قرآن کا ضرور اہتمام کرتے۔ آخری سالوں میں ایسا بھی ہوا کہ ضعیف العمری اور کمزوری کے باوجود دس دس پارے تراویح میں سماعت فرماتے۔ بیٹھنے کی نوبت نہ آتی۔

قرآن سے شغف۔ حفاظ کا قرآن آپ بغور سنتے باوجود یہ کہ آپ حافظ نہ تھے لیکن کثرت تلاوت کی وجہ سے قرآن خوب یاد تھا۔ چنانچہ ایک بار آپ کے بھتیجے حافظ عبدالماجد صاحب مرحوم بہبودی کی مسجد میں قرآن سنا رہے تھے۔ انہوں نے سورہ زخرف میں یصدون کو بضم الصاد پڑھا۔ حضرت مولانا نے یصدون بکسر الصاد کا لقمہ دیا۔ حافظ صاحب کو اپنی حفظ پر اعتماد تھا۔ انہوں نے بضم الصاد ہی پڑھا۔ نماز کے بعد مولانا نے فرمایا کہ بھائی قرآن دیکھو۔ کیا لفظ ہے۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یصدون بکسر الصاد ہے۔ ایسے واقعات کئی بار رونما ہوئے۔

حضرت مولانا کے علاقے میں حفظ قرآن کا چرچا ہی نہ تھا۔ اس علاقہ میں دین کی یہ خدمت بھی آپکی سعادت اور صدقات جاریہ میں شامل ہے۔ بہت سے لوگوں نے حضرت مولانا کے ارشاد پر بچوں کو حفظ قرآن پر لگا دیا۔ قیام مظاہر کے دوران جو بچے آپ کی زیر نگرانی حفظ کرتے۔ خود عشاء کے بعد ان کی منزلیں سنتے۔ جن حفاظ سے آپ کے صاجزادگان یا دوسرے زیر نگرانی طلبہ حفظ کرتے۔ ان کو ہدایت تھی کہ کسی

قسم کی رعایت ان سے نہ کی جائے۔

بحمداللہ جن کے ساتھ آپنے محنت کی۔ ان کو اللہ نے حفظ القرآن میں عبور عطاء فرمایا۔ حفظ قرآن کی طرف اس خصوصی توجہ کا نتیجہ نکلا۔ کہ دیکھتے ہی دیکھتے بہبودی، حفاظ کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ اردگرد کے علاقہ میں اتنے حفاظ کم ہی کسی جگہ ہوں گے۔

مرض وفات سے چند دن قبل آپ نے تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام شروع فرما دیا تھا۔ صاحبزادگان موجود نہ تھے۔ اس لئے بہبودی کے حافظ فردوس صاحب سے طے کر لیا تھا کہ وہ بیٹھک میں قرآن سنائیں گے۔ مگر اللہ کو منظور ہی نہ تھا اور ۲۷ شعبان کو آپ واصل الی اللہ ہو گئے۔

عیدو تقریبات۔ عید کے دن جلوہ عام ہوتا۔ بہبودی کے احباب، اعزہ و اقارب ملنے آتے دور دراز سے حضرت مولانا کے خدام، تلامذہ و متعلقین ملاقات کے لئے حاضر ہوتے۔ آپ بڑے اہتمام سے سب کی مہمانی فرماتے۔ کسی کو بغیر کھانا کھلائے نہ چھوڑتے قربانی کا بڑا اہتمام تھا۔ بقرعید سے کافی دن قبل جانور خرید لئے جاتے۔ ان کی خدمت ہوتی عموماً ایک یا دو گائے ضرور قربانی کرتے۔ جن میں حضور ﷺ اپنے اساتذہ و مشائخ اور والدین کے حصے ضرور ہوتے۔ اس موقع پر احباب و متعلقین کی بڑے اہتمام سے دعوتیں ہوتیں۔

متعلقین اور گاؤں والوں کے غمی خوشی میں ضرور شرکت فرماتے۔ بہبودی میں اگر کسی غریب کے بچے کا جنازہ ہوتا تو التزام سے شرکت فرماتے اور ارشاد ہوتا کہ مالداروں کے جنازے میں تو ہر ایک شرکت کرتا ہے۔ غریب کے جنازے میں لوگ تساہل برتتے ہیں۔

اسلامی تقریبات میں احباب کی دعوت پر شرکت فرماتے بچوں کے ختم قرآن، دکان یا ھرٹ وغیرہ کے افتتاح نیز مکان کے بنیاد رکھتے وقت اور مختلف دیگر مواقع پر آپ تشریف لے جاتے۔ خوشی و غمی کے موقع پر اگر کوئی خلاف شرع کام دیکھتے تو خود

روکتے اور پھر تقریب والوں کے بڑوں کو بلوا کر ان کے ذریعہ مزید روکنے کی کوشش فرماتے

مدارس کے مہتممین حضرات اپنے سالانہ جلسوں، افتتاح و اختتام اسباق کے مواقع اور تقسیم اسناد کے محافل میں شرکت کی دعوت دیتے۔ آپ باوجود ضعیف العمری اور مختلف امراض میں مبتلا ہونے کے ان کے حوصلہ افزائی کے لئے شرکت فرماتے۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک، دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی اور دارالعلوم چارسدہ کے بہت سے اجلاس و تقاریب میں آپ نے شرکت فرمائی۔

خطوط کا جواب۔ اپنے شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرح خطوط کا جواب اہتمام سے اور جلدی دیتے تاکہ لکھنے والوں کو انتظار کی کلفت نہ اٹھانی پڑے بعض متعلقین لکھتے کہ حضرت کا جواب موصول نہیں ہوا۔ تو تحریر فرماتے کہ میرے پاس خط نہیں پہنچا ہوگا۔ اور آخر میں لکھتے کہ میری عادت خط کے جواب میں تاخیر کی نہیں۔

آخری دور میں ڈاک زیادہ ہوگئی تھی۔ اصلاحی خطوط کی کثرت ہوتی مگر آپ اسی دن جواب دینے کی کوشش فرماتے۔

تعویذات و عملیات[1]

قرآن پاک کی ایک صفت شفاء بھی ہے اس سے روحانی اور قلبی بیماریوں سے صحت حاصل ہوتی ہے مگر بزرگوں نے تجربہ سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جس کی توثیق احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی کو اپنے شیخ حاجی امداد اللہ صاحب نے تاکید فرمائی تھی کہ اگر لوگ تعویذ مانگنے آئیں تو جو کچھ اس وقت سمجھ میں آجایا کرے لکھ کردے دیا کریں۔ حضرت تھانوی اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں تعویذ لکھ کر دیدیتے تھے۔

(۱) قاضی محمد اسماعیل قاسمی گڑھنگی مانسہروی تحریر فرماتے ہیں "کہ ہمارے استاذ مولانا عبدالقیوم ہزاروی جنہوں نے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ سے ابوداؤد شریف پڑھی تھی۔ درس میں فرماتے تھے کہ ہمارے استاذ نے مسواک پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص منہ میں مسواک کرتے وقت دائیں طرف سے شروع کرے اور زبان پر بھی مسواک کرے تو اللہ تعالیٰ اسکو فصیح و بلیغ بنا دیںگے، اسکی بات میں اثر ہوگا۔ جب ہم نے اپنے شیخ سے یہ عجیب نسخہ سنا تو عملی تجربہ کیا۔ جس دن بھی زبان پر مسواک کو مل کر وضوء کر کے تقریر کرتا تو اس میں زیادہ اثر محسوس ہوتا"۔

حضرت مولانا کی عادت مبارکہ بھی یہی تھی کہ جب کوئی کسی مقصد کے لئے تعویذ کی درخواست کرتا تو آپ مناسب حال آیت یا کوئی دعا لکھ دیتے تھے۔ جس سے بفضلہٖ تعالیٰ بالعموم مطلب براری ہو جاتی تھی۔

۱۔ برائے حل مشکلات۔ حل مشکلات اور مصائب دور کرنے کے لئے بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ لا ملجا ولا منجا من اللّٰہ الا الیہ۔ ایک سو مرتبہ بعد نماز عشاء اور سورہ الم نشرح ، ایک سو مرتبہ باوضوء کسی وقت پڑھنے کے لئے ارشاد فرماتے۔ ایک صاحب نے اپنی مشکلات کا اظہار کرکے پڑھنے کے لئے کوئی وظیفہ پوچھا آپ نے تحریر فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لاملجأ ولامنجاء من اللہ الا الیہ دس مرتبہ پڑھا کریں

۲۔ برائے غائب یعنی واپسی گمشدہ۔ آیۃ فرجعناک الی امک کی تقر عینھا الخ الآیۃ چرخہ کے ساتھ باندھ کر روزانہ بعد نماز صبح سو مرتبہ الٹا چکر دینے کو بتلاتے۔

۳۔ برائے کشائش رزق۔ کشائش رزق کے لئے آپ "یامغنی" روزانہ ایک ہزار بار پڑھنے کا حکم فرماتے۔ ایک صاحب نے تحریر کیا کہ کاروبار مستقل طور پر نہیں چلتا کوئی علاج تحریر فرماویں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ استغفار بکثرت پڑھا کریں۔ ۴۔ برائے دفع جن۔ ایک صاحب نے اپنے گھر میں جنات کے آسیب سے شدید پریشانی کا ذکر کیا۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ روزانہ گھر میں تین مرتبہ سورۃ جن پڑھا کریں اور سوتے وقت آیۃ افحسبتم انما خلقناکم آخر سورۃ تک تین بار پڑھ کر سو جایا کریں۔

۵۔ برائے قوت بصر و قوت حافظہ۔ ان دونوں چیزوں کے لئے نماز کے بعد پانچ مرتبہ آیۃ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کرکے ہاتھوں کو آنکھوں پر ملنے کا ارشاد فرماتے۔

۶۔ برائے اختلاج قلب۔ قلبی امراض اور اضطراب کے دور کرنے کے لئے یہ تعویذ

ذیخ بسم اللہ الرحمن الرحیم الابذکر اللّٰہ تطمئن القلوب لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ لا ملجا ولامنجاالا الیہ بسم اللہ الذی لایضرمع اسمہ شیی ' فی الارض ولافی السماء و ھوالسمیع العلیم لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

۷۔ برائے دفع بخار۔ یا نارکونی بردا" و سلاما" علی ابراھیم واللہ خیر حافظا" و ھو ارحم الراحمین لاحول ولا قوۃ الا باللہ لا ملجاؤلا منجا الا الیہ۔ بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیی فی الارض ولا فی السماء و ھو السمیع العلیم۔ اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ماخلق۔

۸ • برائے حفاظت از اعداء۔ بسم اللہ الذی لا یضرمع اسمہ شیی فی الارض ولا فی السماء و ھو السمیع العلیم۔ اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔ الا ان نصر اللہ قریب۔

۹۔ برائے مختلف امراض۔ بسم اللہ الذی لا یضر الخ و اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ماخلق الخ ولا حول ولا قوۃ الخ اللھم یا شافی اللھم یا کافی اللھم یا شافی الامراض اشفنا بشفائک وراونا بدوائک۔

۱۰۔ دعا برائے ہنگامی حالات۔ ایک صاحب نے تحریر کیا کہ آجکل جنگ میں ہنگامی حالات کی وجہ سے قلب پریشان رہتا ہے اور اطمینان و سکون میسر نہیں ہوتا براہ کرم کوئی دعا یا ذکر بتلادیں۔ حضرت نے تحریر فرمایا میں تو ہر وقت یہ دعا پڑھتا ہوں۔ آپ اگر چاہیں پڑھ لیا کریں۔ اللھم انصر الاسلام و المسلمین و اخذل الکفرۃ و

المشرکین۔

محبوبیت۔ ایسی ستودہ صفات ہستی کیوں نہ اللہ کی محبوبیت کا شرف پاتی ؟ یقیناً" وہ محبوبیت کی خلعت سے سرفراز تھی۔ اور اس کے آثار ہر صاحب نظر و بصیرت پر عیاں تھے۔ ان سے رشتہ محبت جوڑ کر اہل محبت نے حب الہی کے جو انعام پائے۔ اور صاحب محبت پا رہے ہیں۔ وہ بھی اہل تعلق سے مخفی نہیں۔

آپ کے تقوی ' تورع اور توجہ الی اللہ کا یہ اثر تھا کہ حق تعالی نے ہر دور میں آپ کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دی تھی۔ آپ نہ صرف بزرگوں اور اپنوں کی نظر میں محبوب تھے بلکہ غیر بھی آپسے محبت کرتے تھے۔ سہارنپور کے قیام کے دوران ہندو بھی آپ کی خدمت میں آیا کرتے۔ اور اپنے لئے دعا کی درخواست کرتے۔ عصر کے بعد جب آپ سیر کے لئے باغات کی طرف تشریف لے جاتے ۔ تو راستہ میں ہندو بھی ادب و احترام سے پیش آتے ایک بار ایک شخص مظاہر العلوم میں آپ سے تعویذ لینے کے لئے آیا۔ وہ تعویذ لے کر چلا گیا۔ دوسرے دن کسی سے معلوم ہوا کہ وہ تو ہندو تھا۔ آپ نے فوراً" اس کا پتہ کرایا اور کہلوایا کہ وہ تعویذ واپس کر دو ورنہ تمہیں نقصان کا خطرہ ہے۔ اس بہانہ سے تعویذ واپس کرایا۔

محبوبیت کا یہ کرشمہ بھی دیکھا کہ جس نے حضرت مولانا کی ذرہ بھی مخالفت کی یا ستایا یا آپ کے حق میں کوئی گستاخی کی۔ تو حدیث۔

من عادی لی ولیا" فقد اذنتہ بالحرب"

ترجمہ۔ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اس کو جنگ کا چیلنج دیتا ہوں کے مطابق اپنے کئے پر پشیمان ہوتے۔ اولاد و اموال ہر طرف سے پریشانی کے شکار ہوتے۔

اعزہ و اقارب میں جنہوں نے آپ کے خلاف طرز عمل اختیار کیا بہت جلد

خمیازہ بھگتا اور اپنے کئے پر پچھتاتے۔

حضرات علماء کے زمرہ میں حضرت کی شان مرجعیت کی تھی۔ ہر طبقہ کے علماء میں عزت اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے علماء کی آپس میں جزوی امور میں گروہ بندیاں رہتی ہیں مگر حضرت مولانا ان سب چیزوں سے الگ تھلگ رہے اور نہ کبھی آپ نے جزوی مسائل میں تشدد اختیار کرکے کسی کی تکفیر یا تضلیل کی۔ اور نہ برا بھلا کہا۔ مختلف علماء اپنے معاملات اور پھر اختلافی امور میں آپ کی طرف رجوع کرکے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ مظاہر العلوم میں ایک آدھ بار طلبہ نے ہڑتال کی۔ بعض اوقات اساتذہ اور ارباب اہتمام کے خلاف تحریکیں چلائیں۔ جو ہمہ گیر صورت اختیار کر جاتیں مگر ان سب مواقع پر ایک حضرت مولانا کی واحد ذات ممتاز تھی۔ طلبہ کی زبانیں آپ کے بارے میں ساکت ہوتیں کیامجال کہ گستاخی یا بے ادبی کا کوئی لفظ آپ کے حق میں کسی سے نکلتا۔

بعض گستاخ طلبہ نے اساتذہ کے ہجو میں اشعار بھی کہے۔ جس میں کسی استاذ کو انہوں نے نہ چھوڑا۔ مگر حضرت مولانا کی شان محبوبیت ! کہ ان کی شاعری بھی یہاں مفلوج تھی کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملتا۔ ارباب اہتمام طلبہ کے افہام و تفہیم اور زجر و توبیخ کے لئے آپ سے تعاون کے خواستگار ہوتے۔

مولانا نذیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا کا رعب اتنا زیادہ تھا کہ ایک مرتبہ ہولی کے موقع پر کسی طالب علم پر رنگ ڈال دیا گیا تمام طلبہ لاٹھیاں وغیرہ ہاتھ میں لے کر باہر بازار میں آئے تو سہارنپور کے تمام بازار بند ہوگئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے گرجدار آواز میں فرمایا کہ واپس چلو۔" طلبہ حضرت کی آواز سنتے ہی واپس آگئے۔"

اسی طرح ایک واقعہ مدرسہ میں پیش آیا۔ بنگالی طلبہ اور یوپی کے طلبہ میں کسی وجہ سے کشمکش ہوگئی۔= اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی گرجدار اور بارعب آواز نے تمام

طلبہ کو اپنے اپنے کمرہ میں جانے پر مجبور کر دیا اور معاملہ صلح و عافیت سے طے ہو گیا۔
مولانا محمود صاحب رنگونی فرماتے ہیں۔

"اپنے طالبعلمی کے زمانہ کی ایک بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ میرے شفیق استاذ و اتالیق معظم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی گنگوہی جن کی تعلیم و تربیت کے شکریہ سے زندگی بھر میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ہوں۔ مجھے بار بار فرمایا کرتے تھے کہ بعض اساتذہ میں خاص محبوبیت کی شان طلبہ و تلامذہ میں ہوا کرتی ہے۔ ہمارے مدرسہ مظاہر العلوم میں یہ بات حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمن صدر مدرس کو حاصل ہے۔ تم دیکھو گے کہ مدرسہ کے تمام طلبہ میں حضرت مولانا سب کے نزدیک محبوب ہیں۔ آٹھ سالہ قیام میں کبھی کسی کی زبان سے حضرت الاستاذ کی ذرہ بھی شکایت و رنج کا تذکرہ سننے میں نہیں آیا۔

مولانا سعید احمد خان صاحب امیر جماعت تبلیغی حجاز بھی فرماتے ہیں۔

کہ حضرت مولانا کی شخصیت ہی ایسی تھی جن کو طلبہ اور اساتذہ کے ہنگاموں میں ایک خاص مقام محبوبیت حاصل تھا۔ ایک طرف مولانا کی شان تواضع اور اخفاء۔ دوسری طرف عوام و خواص میں یہ پذیرائی یہ صرف من جانب اللہ مقبولیت کا ثمرہ تھا۔ اس قدر اخفاء اور کتمان کے باوجود محبوبیت آپکے لئے مقدر تھی۔ اور لوگوں کے قلوب منجذب ہوتے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا کو انکے تلامذہ اور مسترشدین کے علاوہ بھی ایک مقبولیت عامہ حاصل تھی۔ حضرت "فیوضع لہ القبول فی الارض" کی مکمل و حقیقی شرح تھے بہت سے تعلیمی ادارے اور اہل علم آپکی جانب ارادت و عقیدت کے ساتھ رجوع کرتے تھے۔ اورینٹل کالج لاہور اور مدرسہ فتح پوری دہلی کے آپ ممتحن تھے۔ حضرات مدرسین آپ سے استفادہ فرماتے تھے۔ اور میں تو اثنائے سبق ہی میں جماعت کو چھوڑ کر وقتی طور پر

پیش آنے والے بعض امور دریافت کیا کرتا تھا۔ اور اس پر مجھے فخر ہے۔ یہی نہیں بلکہ میں اپنے رنگون کے ڈھائی سالہ قیام میں بھی حضرت سے برابر مستفید ہوتا رہا۔"[1]

مولانا محمد اسحاق سندیلوی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء حضرت مولانا سے اپنے آغاز تعلق اور محبوبیت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"سیدی و مرشدی حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت مولانا محمد عیسی صاحب بھی اپنے شیخ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اور مجھے ایک مصلح مربی کی ضرورت تھی۔ یوں بھی مجھے کسی سے جلدی عقیدت نہیں ہوتی۔ پھر اصلاح و تربیت کا تعلق پیدا کرنا تو بہت احتیاط کا مقتضی تھا۔ اس لئے اگر چہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف حالات سن کر میلان قلب ہوتا تھا۔ مگر محض سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرکے اس قسم کا اہم رابطہ قائم کر لینا مناسب نہ تھا بلکہ حالات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے لکھنؤ سے سہارنپور حضرت موصوف کی خدمت میں پہنچا۔ اور دو تین روز وہاں قیام کیا۔ ناقدانہ نظر لے کر پہنچا تھا۔ مگر اسے کیا کہوں کہ حضرت موصوف کی صورت دیکھتے ہی وہ خود بخود معتقدانہ نظر بن گئی۔ ایک ایسی ہستی نظر آئی جو انوار سنت سے منور تھی۔ اتباع سنت ——کی روشنی کے سامنے تنقید کا چراغ کیا جلتا۔ وہ بجھا اور اس کے بجائے مولانا کی محبت و عقیدت کی شمع روشن ہوگئی۔ جس نے راستہ روشن کر دیا۔

ارادہ ہوا کہ عرض مدعا کروں۔ مگر عقل نے مزید احتیاط کا مشورہ دیا۔ مستقر پر واپس آکر پھر کئی مرتبہ غور کیا۔ ہر مرتبہ عقیدت و محبت میں اضافہ ہی پایا۔ خط و کتاب کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ حاضری کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور افادے و استفادے کا سلسلہ حضرت مولانا کی آخر زندگی تک جاری رہا اس میں خلل صرف ہندو پاکستان کی جنگ کے زمانہ میں واقع ہوا۔ جس کی وجہ سے خط و کتاب کا سلسلہ بند ہوگیا تھا۔

---

(۱) ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" اکتوبر ۶۶ء

حضرت مولانا کی ہستی ایسی عظیم ہستی تھی کہ جس کی مثالیں شاذونادر ہی ملتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر و باطن دونوں دولتوں سے مولانا کو مالا مال کر دیا تھا۔ جنہیں وہ دن رات اس طرز سے لٹائے رہتے تھے کہ مصداق حدیث نبوی ﷺ داہنا ہاتھ جو داودہش کرتا تھا بائیں ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہوتی تھی۔ تواضع اور شان فناء کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہزاروں کو سیراب کرنے کے بعد بھی انہیں یہ خیال نہ گزرتا تھا کہ کوئی میرے چشمہ جاری سے سیراب ہوا ہے۔[1]

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے اپنے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا

"حضرت مولانا کی زیارت کا مجھے کم اتفاق ہوا۔ لیکن اس کے باوجود دل میں حضرت مولانا کی الحمد للہ بڑی عظمت تھی۔ اپنے سلسلہ کے اکابر میں حضرت کو میں مثالی شخصیت سمجھتا تھا۔"

مولانا عبدالجلیل صاحب حضرت مولانا سے اپنے تعارف اور محبوبیت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"احقر حضرت سیدی و آقائی مولانا عبدالرحمن صاحب نور اللہ مرقدہ سے بالکل ناواقف تھا۔ حضرت اکثر سہارنپور رہتے تھے۔ کبھی کبھی رمضان میں اپنی بستی بہبودی تشریف لاتے تھے۔ میں چونکہ اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتا تھا اس لئے حضرت کے محلہ میں جانا بہت کم ہوتا تھا لیکن سال میں ایک دو مرتبہ جب حضرت ممدوح استاذی مولانا عبدالشکور صاحب کے ہمراہ ہمارے محلہ کی مسجد میں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے تو بس دور سے دیکھ لیتا۔ ان صحبتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت بہت کم گو ہیں۔ اکثر تبسم فرماتے اور دوسروں کی باتیں سماعت فرمایا کرتے تھے۔ جن دنوں میں شمس آباد میں رہتا تھا وہاں استاذی مولانا امیرحسن صاحب المعروف

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اگست ۶۶ء

بہ بزرگ بابا سے خصوصاً" اور وہاں[1] کے رہنے والوں سے عموماً" حضرت ممدوح کی تعریف سنا کرتا تھا اس وقت تو مجھے اس کا زیادہ خیال نہیں ہوا لیکن بعد میں یہ چیز دیکھی کہ یہ ایک خاص خصوصیت ان کے حصہ میں ازل سے لکھی ہوئی تھی کہ قریب قریب تمام رفقاء و احباب ' شاگردو اساتذہ وغیرہ سب کے دلوں میں خداوند کریم کے فضل سے ان کی غیر معمولی محبت پیدا ہے۔ حضرت کے ایک پیر بھائی[2] میرے ایک دوست جو حضرت کے متعلقین میں سے ہیں ایک دن دعا کے لئے عرض کرنے لگے کہ حضرت کی طبیعت علیل رہتی ہے۔ صحت کے لئے دعا فرماویں تو وہ بزرگ فرمانے لگے کہ میں تو ان کے لئے ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہوں۔ حالانکہ ان کا حضرت سے بظاہر کوئی خاص تعلق معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لیکن ان کے اس جملہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا بھی قلبی تعلق اتنا گہرا تھا کہ ہمیشہ حضرت کو دعا میں یاد رکھتے تھے۔"

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب ایک دفعہ بنگال سے واپسی پر (تقسیم کے بعد) سہارنپور اترے۔ مدرسہ میں قیام فرمایا۔ وہاں کے اساتذہ کرام وغیرہ نے حضرت کی خیریت دریافت کی۔ حکیم محمد یامین اور محمد عمر اور بعض دوسرے حضرات نے بس خیریت دریافت کرتے ہوئے آنسو بہا دیئے۔"

مولانا عبدالشکور صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"سفر حج کے موقعہ پر جب مدینہ منورہ کی حاضری ہوئی تو حضرت مولانا بدر عالم صاحب کے خدمت میں حاضری ہوئی۔ مرحوم نے فرمایا کہ جب واپس جاؤ گے تو میری طرف سے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی خدمت سلام عرض کرنا۔ اور یہ عرض کروگے کہ میں مولانا کو ہر وقت یاد کرتا ہوں اور فرمایا کہ میں نے مظاہر العلوم میں حضرت مولانا سے حسامی اور میبذی پڑھی تھی۔ مولانا میرے شفیق استاذ ہیں۔ سفر حج کے

---

(۱) کیونکہ طالب علمی کے ابتدائی ایام میں آپ یہاں رہے ہیں خوشخطی فارسی اور عربی کی بعض ابتدائی کتابیں آپ نے یہاں پڑھیں۔

(۲) مراد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب

موقع پر مکہ معظمہ خاص کعبہ شریفہ کے پاس مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی جو ہندوستان کے مشاہیر علماء میں سے ہیں اور دیگر علماء نے حضرت مولانا مرحوم کا حال پوچھا اور فرمایا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم لوگ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی زیارت سے دنیا ہی میں محروم ہوگئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ حضرت مولانا کی مقبولیت من اللہ ہے۔ اور پشتو کا یہ مصرعہ یاد آیا کہ **تہ گل شے پر بلبل بہ د ثنا کا** "کہ مولانا موجود نہیں ہیں۔ اور مقامات مقدسہ میں آپ کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔"

مولانا امین گل صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"کنز کے درس میں مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی (سہارنپور) من احق بالامامتہ کے مصداق کے تعین میں ہمیں سمجھایا کرتے تھے کہ جیسے مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری ہیں نابھی ہیں اور ع اور احق بالا مامتہ۔

حلیہ

اللہ تعالی نے حسن خلق کے ساتھ حسن خلق کے ساتھ بھی نوازا تھا۔ قد ما شا اللہ ابھرا ہوا جمیل الاعضاء' سفید سرخی مائل چہرہ' چہرہ مدور' داڑھی نہ زیادہ گنجان نہ زیادہ خفیف بلکہ درمیانی' جسم نہایت مناسب نہ بالکل ہلکے نہ بالکل بھاری۔ ہر چیز میں اللہ تعالی نے اعتدال نصیب فرمایا تھا۔ چہرہ رعب کے ساتھ ساتھ بہت نورانی تھا۔ اول نظر ہی میں آپ کی طرف قلوب کا انجذاب ہوتا۔ آپ کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا۔ حکیم محمد یعقوب صاحب گنگوہی مظاہری صاحب نے مظاہرالعلوم کے اکابر و اساتذہ کے بارے میں (مسدس[1] بہار

---

(۱) نظم مسدس بہار علم کے نام سے سالانہ جلسہ مدرسہ مظاہرالعلوم منعقدہ ۲۱ شعبان ۱۳۴۴ھ میں پڑھی گئی۔

علم ' کے نام سے ایک مجموعہ اشعار مرتب کیا تھا۔ حضرت مولانا کے بارے میں یہ تین شعراس موقع کے مناسب ہیں۔

رحمٰن کا وہ عبد صفا کیش و خوش نظر
جو اس شب ظلوم میں رخشندہ ہے سحر
اس کی جبیں پہ علم الٰہی ہے جلوہ گر
اللہ یاد آتا ہے صورت کو دیکھ کر
گلزار علم کا وہ گل حق شمیم ہے
مخلوق پر خدا کا وہ لطف عمیم ہے

مولانا اسعد اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"علم و فضل کے ساتھ تقوی طہارت اور رجوع الی اللہ کی گرانمایہ دولتوں سے بہرہ مند تھے۔ آپ کی شخصیت کو دیکھ کر اولیاء حق کی یاد تازہ ہوجاتی تھی اذاراوا ذکر اللہ کا سچا مصداق تھے۔ اپ کی انتہائی سادگی کے باوصف ہر کہ ومہ آپکے خداداد وقار و تفوق کو محسوس کرتا۔ مسلسل علمی کام اور لگاتار ریاضتوں سے چہرے کی رونق میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔ آپ کو مدتوں سے بے خوابی کی تکلیف تھی کبھی کبھی ساری رات نیند نہ آتی لیکن چہرے پر زردی یا اضمحلال کا شائبہ تک نہ ہوتا۔"

مولانا محمد وجیہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالی نے حضرت کو جس طرح کمالات باطنی علمی و عملی عطاء فرمائے تھے جسمانی جمال بھی عطاء فرمایا تھا۔ چہرے میں عجیب کشش تھی انوار کی بارش ہوتی نظر آتی تھی دیکھنے سے خاص انس ہوتا تھا۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

حضرت مولانا کے ایک شاگرد خادم مولوی محمد اسحاق وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں۔

"ناظرین میری یہ بات حسن عقیدت پر شاید محمول کریں لیکن یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت اپنے مکان کے صحن میں چارپائی پر عشاء کے وقت لیٹے ہوئے تھے میں نے باہر سے دروازہ کے درازوں سے دیکھا تو حضرت کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا رات کی تاریکی نے حضرت کے چہرے کو مستور نہیں کیا تھا۔ سبحان اللہ ایسے مبارک چہروں پر رات کی تاریکی کب غالب آسکتی ہے۔ جن کی ساری زندگی اللہ کی اطاعت میں گزری ہو۔"

اکوڑہ خٹک میں ایک جلسے کے موقع پر بڑے بڑے علماء کا اجتماع تھا۔ مولانا بھی اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔ پشتو زبان کے ایک مشہور شاعر اور لیڈر جناب اجمل خٹک صاحب کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلا کہ جو نورانیت حضرت مولانا کے چہرے پر مجھ جیسے گنہگار کو نظر آرہی ہے وہ کسی اور عالم کے چہرے پر نظر نہیں آتی۔" یہ سب کچھ نور عبادت و تقویٰ کا کرشمہ تھا۔

مولانا حکیم عبداللہ اعوان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ۔"۱۳۷۰ھ میں مولانا دوست محمد صاحب قریشی نے تحریر فرمایا کہ عزیزی! دورہ حدیث پڑھنے کا اردہ کہاں ہے۔ کاش کوئی آسان صورت ہوتی تو تمہیں دارالعلوم دیوبند بھیجا جاتا لیکن وہاں جانا مشکل ہے ہاں الحمد اللہ اب پاکستان میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں بڑے بڑے فاضل اور کامل حضرات تشریف لا چکے ہیں۔ جو سلف صالحین کے بہترین یادگار ہیں۔ حضرت مولانا قریشی کی ایماء پر میں دارالعلوم اسلامیہ حاضر ہوا۔ اور دورہ حدیث میں داخلہ لیا بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق حضرت مولانا عبدالرحمن کے پاس شروع ہوئے اور باقی اسباق حضرت مولانا محمد

یوسف بنوری اور دیگر اساتذہ کے پاس 'اساتذہ کرام کی زندگی سبحان اللہ جو پڑھتے تھے۔ وہ نقش عملی صورت میں سامنے دیکھتے جاتے تھے۔ حضرت مولانا کی سیرت صورت حسن اخلاق اور عادات سنت نبوی کے عین مطابق تھے۔ ایک بار بندہ کو مدرسہ میں بخار ہوگیا۔ والد صاحب کو اطلاع ملی وہ بتقاضائے شفقت پدری میری عیادت کے لئے ٹنڈو اللہ یار تشریف لائے۔ اساتذہ کرام سے مختصر ملاقات کے بعد فرمانے لگے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ایسے حضرات کی زیارت نصیب ہوئی۔ جن کے چہرے میں علم کی چمک ہے حضرت مولانا کے متعلق فرمایا کہ آپ کی نشست و برخاست رفتار و گفتار سب درس ہدایت ہیں۔ اور فرمایا کہ میں نے بہت سے بزرگوں کی زیارت کی ہے لیکن اس زمانے میں ایسی جامع کمالات شخصیت نظر نہیں آئی۔ آپ تواضع انکساری کم گوئی حلم وقار اور تقوی میں یگانہ روزگار ہیں۔ اور فرمایا کہ آپ سلف صالحین اور صحابہ کرام کے زندگی کا بعینہ نمونہ ہیں۔ اور مولانا کے بارے میں بے ساختہ یہ اشعار پڑھے۔

ملوک البرایا لیس یشقی جلیسهم
لهم بیض روایات العلے فی المواقف
صبوا و خطو خطوا اصطفوا ثم قربوا
وولوا وعلوا فوق کل الطوائف

اور فرمایا سبحان اللہ

بحار العلم او تاد الاراضی
ملوک الخلق اقمار الزمان

پٹھان بزرگ

اس ضمن میں مولانا ظہور الحسن صاحب ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ سہارنپور کے قریب ایک قصبہ کے ایک معمر رئیس مشہور پٹھان خاندان سے متعلق آپ کی خدمت میں بغرض استفادہ حاضر ہوئے۔ طریق سے ناواقفیت کی وجہ سے الٹے سیدھے سوالات شروع کئے۔ حضرت مولانا نے کسی طالب علم کے ساتھ ان کو میرے پاس بھیجدیا۔ کہ اس سے گفتگو کرلو۔ وہ تمہاری تشفی کرالے گا۔ ایسے موقع پر خادم سے خدمت لی جاتی تھی۔ خان صاحب تشریف لائے گفتگو سے معلوم ہوا کہ بیچارے اب تک دکاندار پیروں کے پھندے میں رہے۔ طریق اور مقصود سے ناواقف اور بہت دور ہیں۔ بے تکے مجاہدات اور ریاضات سے تنگ آچکے ہیں۔ ناکامی کے سلسلے میں اظہار یاس کے طریقے پر کہنے لگے کہ سنا ہے کہ پٹھان بزرگ نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو میری کوشش ہی لاحاصل ہے۔ یہ سن کر مجھے تامل ہوا کہ کیسے سمجھاؤں کہ انکا یہ خیال کہ ”پٹھان بزرگ نہیں ہوسکتا“۔" غلط ہے۔ اللہ تعالی نے رہبری کی اور میں نے ان سے سوال کیا کہ بتلاؤ جن مولانا نے آپ کو میرے پاس بھیجا ہی وہ بھی بزرگ ہیں یا نہیں ؟ کہنے لگے یہ تو یقیناً" بزرگ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ اصلی پٹھان ہیں اور پٹھانوں کے علاقے کے رہنے والے ہیں۔ تب ان کو اطمینان ہوا۔ پھر ان کو صحیح مقصود اور طریق سمجھایا گا تو کام کرنے پر آمادہ ہو کر مولانا ﷫ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالی نے آپ کو وہ نور علم ' نور عبادت اور نور تقوی عطاء فرمایا تھا کہ دیکھتے ہی انسان کا دل آپ کی بزرگی کا قائل ہو جاتا تھا۔“

باب ہفتم

اصول تربیت واصلاح

ومکاتیب اصلاحی

اصول تربیت و اصلاح و مکاتیب اصلاحی

کسی محقق شیخ کی روحانی تربیت کا اندازہ لگانے کے لئے اجمالی طور پر ان کے اصول تربیت و اصلاح کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ بعض اصول شیخ کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں اور بعض مرید کی ذات سے ' ذیل میں حضرت مولانا کے اصول تربیت کا اجمالی طور پر ذکر کیا جاتا ہے تفصیلی اور عملی مشاہدہ کے لئے مکاتیب اصلاحی کا مطالعہ ضروری ہے۔

اصول متعلقہ ذات مرشد

برکت و صرف ہمت۔ حکیم الامت حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ کامل شیوخ میں دو قسم کی ہستیاں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کے ہاں کام "برکت" سے چلتا ہے یعنی وہ خود زیادہ مشقت اٹھاتے ہیں۔ اور مریدوں کی اصلاح میں بجائے "زجر و توبیخ" کے صرف ہمت سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جن کے ہاں "حرکت" سے کام چلتا ہے یعنی مریدوں کی اصلاح میں "زجر و توبیخ" سے کام لیتے ہیں اور ان کے بار کو خود ان سے اٹھواتے ہیں۔ یہ اختلاف دراصل شیوخ کے انفرادی مزاج کا نتیجہ ہے حضرت مولانا کے ہاں بھی "برکت" کا مشاہدہ عام تھا۔

حضرت مولانا غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں "مولانا عبدالرحمن صاحب "اہل برکت" میں سے تھے انکی مجلس میں خاموشی ہی چھائی رہتی تھی۔ وہ سکوت مجسم بنے رہتے تھے مگر فیضان قلبی اہل مجلس کی مسلسل سیرابی کرتا رہتا تھا اگر یہ نہ ہوتا تو ان کے متوسلین میں انقلاب روحانی کیسے ہوتا "[1]

---

(۱) بینات (کراچی) ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

"شانِ تعدیہ" (یعنی تربیت باطن کا طریق)

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی تحریر فرماتے ہیں۔

"مرشدی حکیم الامت قدس سرہ کی زبانی سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ بعض نفوس قدسیہ میں تعدیہ کی خاصیت فرما دیتے ہیں وہ کچھ فرمائیں یا نہ فرمائیں، پاس بیٹھنے والے کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ اس کا ایک مصداق تو خود حضرت ممدوح کو پایا اور دوسرا مصداق حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تربیت باطن میں حضرت کا یہی طریقہ تھا۔ زبانی تعلیم کم تھی قلبی تعلیم و ہدایت زیادہ چنانچہ تعلق رکھنے والے تعلق کے برکات کو وجدانی طور پر محسوس کرتے تھے۔

ایک خاتون کا واقعہ میرے سامنے ہے جو نماز تو پڑھتی تھی مگر پابند نہ تھی۔ میرے مشورے سے وہ خط کتابت کے ذریعہ سے حضرت مولانا سے بیعت ہو گئیں۔ ازراہ شفقت بزرگانہ احقر کی سفارش پر حضرت نے بیعت فرما لیا۔ موصوفہ کو اگرچہ عقیدت تو تھی مگر بیعت برائے بیعت ہی رہی۔ یعنی نہ کبھی حال احوال کی اطلاع حضرت کو دی۔ نہ حاضر خدمت ہونے کی نوبت آئی۔ باوجود اس کے بیعت ہونے کے کچھ ہی دن کے بعد حالت میں تغیر شروع ہوا۔ اور وہی خاتون جو نماز بھی گنڈے دار پڑھتی تھیں۔ عرصہ ہوا کہ حج بیت اللہ و زیارت روضہ اطہر کی سعادت سے مشرف ہو چکی ہیں۔ یقیناً" یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کی برکت اور حضرت کا روحانی مخفی فیض تھا۔(۱)

حضرت مولانا کی نگاہ مسترشدین کے باطنی رجحانات و ملکات کی طرف زیادہ متوجہ رہتی تھی۔ باطنی اصلاح کے بعد ظاہری اصلاح کا جذبہ خود بخود ابھر آتا ہے۔ ظاہری وضع قطع کے خلاف شرع ہونے پر بصراحت کم ٹوکتے تھے۔ مگر خود منتسبین کے دل میں جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب موجودہ زمانہ کے رفتار کے اعتبار سے وضع قطع میں بالکل آزاد تھے اپنے ایک دوست کے توسط سے حضرت کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ چنانچہ بہت جلد ہی ان کی حالت

---

(۱) دار العلوم اگست ۱۹۶۶ء

ایسی بدلی کہ پوری داڑھی رکھنے لگے اور صلحاء کا لباس اختیار کیا۔ اور شریعت کے ایسے پابند ہوگئے کہ جب کسی مسجد میں چلے جاتے ائمہ حضرات ان سے نماز پڑھانے کی درخواست کرتے۔ حضرت مولانا شروع میں اگر ان پر سختی سے روک ٹوک فرماتے تو شاید وہ بمشکل آمادہ ہوتے۔

سلوک نبوت

فن سلوک میں بعض حضرات کا ذوق سلوک ولایت کی طرف ہوتا ہے۔ اور بعض طبعی طور پر سلوک نبوت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا سلوک نبوت کے راہی تھے۔

مولانا غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"فن سلوک کے واقف کاروں کا کہنا ہے کہ جن لوگوں کا راستہ سلوک ولایت کا ہے ان میں سوز و گداز جذب و محویت اور شورش عشق کا اثر نمایاں ہوتا ہے بلکہ کشف و کرامات کا ظہور بھی علانیہ نظر آتاہے۔ اس لئے یہ حضرات عوام کی نگاہ سے چھپے نہیں رہتے۔ مگر جو سلوک نبوت کے راہی ہیں ان میں وجد و کیفیات کی دھوپ چھاؤں کا اثر بالکل نظر نہیں آتا۔ نہ ان سے حسی کرامات کا ظہور ایسا ہوتا ہے وہ خود چھپے رہتے ہیں اور ان کے کمالات بھی عوام کی نگاہ میں آنے نہیں پاتے۔ ان کے یہاں حسیت پر معنویت غالب رہتی ہے۔ اور معنویت ایسی چیز نہیں کہ اہل نظر کے سوا کوئی اسے دیکھ سکے۔ ہمارے مولانا ممدوح بھی سلوک نبوت کے راہی تھے اس لئے عام طور پر تو عالم و محدث ہی سمجھے گئے۔ البتہ اہل نظر ان کے رتبہ عالی کے قائل ہو کر رہے۔ حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ نے ایک مرتبہ راقم عاجز سے فرمایا کہ "مولانا کی قدر تو وہ شخص پہچانے گا۔ جس کو صحابہ کرام کی زندگی پسند ہو"

حق یہ ہے کہ ایک جملہ میں وہ کچھ فرما دیا گیا جو ایک دفتر میں نہ سما سکے۔"

اتباع سنت و شریعت

حضرت مولانا کے نزدیک سلوک و معرفت میں مصلح اور مرید دونوں کے لئے اتباع سنت و شریعت سب سے اہم ترین چیز ہے۔ خود بھی اپنے احوال و افعال و اقوال میں سنت کا نمونہ تھے اور متعلقین سے بھی اسی امر کے خواہاں تھے۔ ایک صاحب کے جواب میں مصلح کی اہلیت کے بارے میں تحریر فرمایا"

کہ اصلاح کے لئے سب سے اول شرط مصلح کا اہل ہونا اور پابند شریعت و سنت ہونا لازم اور ضروری ہے۔"

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا "ان العلماء ورثة الانبیاء" کے صحیح معنی میں مصداق تھے۔ انبیاء کا علم عمل سے علیحدہ نہیں ہوتا اس وارث علوم نبویہ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ظاہر و باطن دونوں میں سنت نبوی ﷺ کا انعکاس واضح طور پر محسوس ہوتا تھا۔ مسترشدین کو بھی اتباع سنت ہی کی راہ پر لگاتے تھے۔ اور اسی کو ارتقاء روحانی کا حقیقی ذریعہ خیال فرماتے تھے"[1]

حضرت مولانا اپنے متعلقین کو سختی سے خلاف شرع و سنت کام سے روکتے تھے اور ہرگز خلاف شرع امور میں شرکت کی اجازت نہ دیتے۔ ایک صاحب کے رشتہ دار کی شادی مع رسومات ہو رہی تھی۔ انہوں نے رسومات کی برائیوں کا ذکر "اصلاح الرسوم" اور "بہشتی زیور" سے سنایا۔ مگر وہ نہ مانے۔ حضرت کی خدمت میں انہوں نے لکھا کہ انہوں نے اپنے مسائل شروع کر دیئے ہیں اور مجھے شریک ہونے کے لئے یوں ترغیب دیتے ہیں کہ کسی مسلمان کا دل نہیں توڑنا چاہیئے۔ حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔

"کہ نیک کام میں کسی مسلمان کا دل نہیں توڑنا چاہیئے۔ برے کام میں اگر دل ٹوٹے پڑا ٹوٹے"

---

[1] دارالعلوم اگست ۱۹۶۶ء

اصلاح میں انفرادی مزاج کا لحاظ

حضرت مولانا ہر طالب کے انفرادی و خصوصی مزاج کا لحاظ رکھا کرتے تھے علماء کے لئے اصلاح کا طرز کچھ اور تھا۔ جدید تعلیم یافتہ۔ تجار اور عوام کے لئے آپ کا معیار الگ تھا۔ جو مکاتیب اصلاحی سے بخوبی واضح ہے۔ سہارنپور میں ایک بوڑھے دیہاتی ' امام الدین صاحب نے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے ان کے ضعف و سادگی کو دیکھ کر تین دن نفل پڑھنے کا حکم فرمایا اور اس کے بعد بیعت فرمالیا[1]۔ مولانا منظور نعمانی صاحب سے ایک صاحب نے مشورہ طلب کیا کہ بندہ سنہ ۳۷ ھ میں حضرت تھانوی سے بیعت ہوا اور تعلیم بھی حضرت کے ذمہ رہی سنہ ۴۸ ھ میں سلسلہ تعلیم مولانا محمد عیسیٰ کے سپرد ہوا جو سنہ ۶۲ ھ تک جاری رہا اب کیا کیا جائے مولانا نعمانی نے جواب میں تحریر فرمایا سنتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری اور مولانا عبدالرحمان صاحب صدر مدرس مظاہر العلوم مولانا وصی اللہ اعظمی حضرت کے خلفاء میں سے اصلاح و تعلیم میں بہت زیادہ ممتاز ہیں (مکتوبات تصوف صفحہ ۵۳)

اصول متعلقہ ذات مرید

تخلیہ یعنی رذائل نفس کی اصلاح۔ حضرت مولانا کے یہاں سب سے اہم چیز امراض نفسانیہ کی اصلاح اور رذائل سے تخلیہ تھا امراض نفسانیہ کی فہرست کی ترتیب خود سالک کے ذمہ ہوتی حضرت مولانا خصوصیت کے ساتھ تبلیغ دین کے مطالعہ کی تاکیداً" حکم فرماتے۔ کہ اس سے نفس کے عیوب سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ایک صاحب نے تحریر کیا کہ میرے اندر کچھ عیوب موجود ہیں۔ مگر بظاہر نظر نہیں آتے۔ شاید کوئی صورت ایسی بھی ہو جس سے اپنے عیوب اور امراض معلوم ہو جایا کریں۔ اس کے

---

[1] از مولانا عبدالجلیل صاحب

جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ تبلیغ دین مفصل بغور دیکھ لیں اس کے دیکھنے سے سب عیوب کا انشاء اللہ انکشاف ہو جائے گا۔

تحلیہ یعنی ذکر و شغل۔ امراض نفسانی سے کافی حد تک شفاء حاصل ہونے کے بعد سالک کے حال کے موافق ذکر کی تلقین فرماتے۔ اس کے بارے میں کم و کیف دونوں ملحوظ رکھے جاتے۔ عموماً سالک کو ابتدائی طور پر ذکر بارہ تسبیح تعلیم فرماتے چنانچہ ایک سالک عالم نے تحریر فرمایا کہ بندہ کی طبیعت چاہتی ہے کہ کچھ پڑھا کرے۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر کوئی فارغ وقت ملے اور تعلیم و تعلم کا حرج نہ ہو تو ذکر بارہ تسبیح کا سرسری پڑھ لیا کرو۔

مقصد سے لگاؤ۔ حضرت کا مقصد ہمیشہ کام سے لگاؤ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے اپنے سستی اور کوتاہی پر نادم ہونے سے جرمانہ مقرر کیا اور اس ندامت پر خط میں بھی جھجک محسوس کی۔ حضرت نے جواب دیا کہ مزید الجھن میں پڑنا بھی ضرر سے خالی نہیں ندامت اور جھجک کو یہیں رہنے دیجئے اور کام میں لگ جائیے۔

اسی طرح ایک سالک کو جس کے علاج کے سلسلہ میں محسود علیہ کی تعریف کرنے کا فرمایا۔ اس نے لکھا کہ اس سے وہ فتنے میں پڑ جائے گا۔ حضرت نے فرمایا یہ کیسے معلوم ہوگا آپ اپنی فکر کریں وہ اپنی کرے گا۔ اس سلسلے میں سالک نے عرض کیا کہ دوسرے کے فتنہ میں کیا سبب بننا جائز ہے حضرت نے فرمایا اسی میں تو کلام ہے کہ وہ کیسے اور کیوں فتنہ میں پڑے گا اور اگر آپ صرف اپنے نفس کے سنبھالنے کے لئے بطور علاج کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں اگر وہ فتنہ میں پڑے تو آپ کا کیا گناہ۔ اگر آپ نماز پڑھیں اور کوئی نادان آپ کی نماز سے تمسخر کرکے کافر بنے تو کیا اس سبب سے نماز چھوڑ دیں گے

مقصود طریق رضائے خداوندی۔ حضرت کا ہر کام اللہ کے رضاء کے

لئے ہوتا تھا اور اپنے متعلقین کو بھی اسی کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ایک صاحب نے تحریر کیا کہ جب دل پریشان ہوتا ہے تو ذکر اللہ سے پریشانی دور ہو جاتی ہے اس میں پریشانی کا دور ہو جانا حظ نفس ہے تو اس کی وجہ سے اس ذکر میں خلوص رہے گا یا نہیں۔ اگر خلوص نہ رہتا ہو تو اس ذکر کو خالص بنانے کا کیا طریقہ ہے ؟ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا۔ کہ آپ ذکر اللہ پریشانی دور کرنے کے ارادے سے کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی نیت کرکے ذکر کیا کریں۔

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت نماز میں دل حاضر نہیں رہتا۔ اس کا علاج تجویز فرماویں۔ حضرت نے فرمایا کہ نماز میں جی لگنا مقصود نہیں۔ نماز پڑھنا اور خدا کی عبادت کرنا اصلی مقصود ہے۔ جی لگے یا نہ لگے۔ بلکہ اگر جی نہ لگے اور پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت انسان کرے تو اس میں اجر و ثواب کی انشاء اللہ زیادہ توقع ہے۔

ایک صاحب نے پوچھا کہ تسبیح میں کوئی دلبستگی نہیں آپ نے فرمایا کہ یہ مقصود اور غایت نہیں۔

فراغت قلبی۔ حضرت مولانا اپنے متعلقین و منتسبین کو وسائل رزق اور اسباب معاش سے وابستہ رہنے کے تاکید فرماتے کہ بغیر اس کے فراغت قلبی و طمانیت خاطر میسر نہیں آتی۔ حضرت مولانا ترمذی کے درس میں امام احمد کا مقولہ نقل فرماتے۔ کسب الشیئ ولو کان فیہ شیئ خیر من الجلوس بغیر شیئ" متعلقین میں سے ایک صاحب نے تبلیغ کے لئے فارغ ہونے کی اجازت چاہی اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ۔

"تبلیغ میں کوشش بہر صورت آپ جیسے اہل کمال کے لئے از بس ضروری ہے تاہم اگر کوئی اچھی ملازمت حسب منشاء ایسی مل جائے کہ جس میں تبلیغ بھی ہوسکے۔ اس کو آپ ضرور قبول فرمالیجئے۔ باقی ہم سب کا ایمان و اعتقاد

ہے کہ رزاق مطلق رزق دے گا۔ آپ کو یہ آزادی چھوڑ دینی چاہیئے اور کسی مناسب جگہ ملازمت اختیار کرکے دین کی خدمت کرنا چاہیئے۔ جو کام پابندی سے ہوسکتا ہے۔ وہ ویسے پھرنے سے نہیں ہوسکتا۔"

مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کی تاکید ۔ حضرت مولانا اپنے[1] متعلقین کو حضرت حکیم الامتہ کے مواعظ و ملفوظات دیکھنے کی بڑی تاکید فرماتے کہ اس سے نفس کی اصلاح اور امراض کے پہچاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اصول بیعت ۔ نمبر۱۔ حضرت مولانا ہر کس و ناکس کو بیعت نہ فرماتے اور جلدی بیعت کرنے کے بھی خلاف تھے۔ آپ کے متعلقین جب آپ کو بیعت کے بارے میں لکھتے۔ تو آپ جواب میں تحریر فرماتے۔ کہ اصل مقصد کام یعنی اصلاح ہے۔ پہلے اس کی طرف توجہ دو۔ بعد میں بیعت بھی ہوجائے گی۔

نمبر۲ ۔ بیعت کرنے میں بڑی احتیاط اور تاخیر فرماتے۔ جب تک کہ طلب صادق اور جذبہ اصلاح نہ دیکھتے بیعت نہ فرماتے۔ چنانچہ بعض حضرات کو بیعت کرنے سے انکار فرمایا بعد میں ان سے ایسی حرکات کا صدور ہوا جو اہل طریق کے شایان شان نہیں تھے۔

نمبر۳ ۔ محض بیعت کی خاطر سفر کی اجازت نہ دیتے۔ بلکہ خط کے ذریعہ ہی سلسلہ میں داخل فرما لیتے تھے۔ اور اس طرح بیعت میں بھی وہی برکات حاصل ہوتیں جو دست بدست بیعت میں ہوتی ہیں (جیسے مولانا محمد اسحاق صاحب ندوی کی سفارش پر ایک خاتون کے بیعت ہونے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) نیز اس طرح سالک کا اس مقصد کے لئے دور دراز سے سفر کی مشقتوں کو برداشت کرنا

---

(۱) حضرت مولانا شبیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الامتہ عوام کے لئے ملفوظات اور علماء کے لئے مواعظ مفید سمجھتے تھے۔

آپ کے طبع لطیف اور قلب حساس پر بارگراں ہوتا۔
نمبر۴۔ عورتوں کو بیعت پردے کے پورے اہتمام اور ذی رحم محرم یا شوہر کی موجودگی میں فرماتے شادی شدہ عورتوں کو ان کے خاوند کی اجازت کے بغیر بیعت نہ فرماتے۔ اور ان کے خطوط پر شوہر کے دستخط ثبت ہونے کو لازم و مشروط قرار دیتے۔

طریق خط و کتابت ۔ سالک کی اصلاح بڑے منظم اور مضبوط و مربوط طریقے سے کرتے پہلے امراض کی فہرست تبلیغ دین کی مدد سے مرتب کرواتے اور پھر ایک ایک مرض اور اس کے سارے پہلوؤں کا مکمل علاج ہوتا۔ ایک مرض سے مکمل اصلاح کے بعد دوسرے مرض کی طرف توجہ ہوتی۔ خط و کتابت میں کم از کم پندرہ یوم کا فصل فرماتے۔ اور خط میں صرف ایک ہی بات پوچھنے کی اجازت ہوتی۔ ایک خط کے ساتھ پہلے خط کا بھیجنا بھی ضروری قرار دیتے۔

استخارہ ۔ طالبین اصلاح کو سلسلے میں داخل ہونے سے قبل استخارے کا حکم تاکیداً فرماتے۔

اصلاح برائے طلبہ ۔ تعلیم کے دوران طلباء کے لئے زیادہ ذکر و شغل مناسب نہ سمجھتے بلکہ ارشاد ہوتا کہ طلباء تحصیل علم میں زیادہ اپنے اوقات کو صرف کریں ۔ چنانچہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ تعلیمی مشغلہ کے ساتھ اصلاح کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تعلیم کے ساتھ اصلاح کا طریقہ سیکھنا زیادہ سہل نہیں تاہم قصد السبیل آپ دیکھ لیں۔ اس میں چار دستور العمل ہیں۔ اس میں جو دستور العمل آسان معلوم ہو اس کو شروع کریں اور اطلاع دیتے رہیں۔

اصلاحی مکاتیب

حضرت مولانا کے متوسلین کا حلقہ کافی وسیع ہے اور ان میں ہر طبقہ کے حضرات شامل ہیں۔ ہر ایک نے مختلف انداز سے تربیت حاصل کی ہے۔ سب مکاتیب کے لئے تو ایک مستقل ضخیم جلد کی ضرورت ہے۔ سوانح کے یہ مختصر صفحات اس کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

ذیل میں افادہ عام کے لئے بطور نمونہ کچھ مکاتیب پیش کئے جارہے ہیں تاکہ حضرت کی شان تربیت و اصلاح اور مرشدانہ و عارفانہ ذوق کا اندازہ ہوسکے پہلے مکاتیب ایک عالم باعمل اور سالک صالح کے ہیں۔ جو حضرت مولانا کے تلمیذ بھی ہیں اور آج کل ایک مشہور دارالعلوم میں استاذ حدیث ہیں نام کا اظہار مناسب نہیں سمجھا گیا موصوف نے بڑے ربط و ترتیب سے تربیت حاصل کی۔

اصلاحی مکاتیب

مکتوبِ اوّل

سیدی و محترمی معظمی ذوالمجد والکرم
و مصلحی حضرت مولانا صاحب مدظلہ العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
معروض آنکہ. بندہ اپنے نفس کی اصلاح کرنا چاہتا ہے. بندہ قواعد اصلاح سے واقف نہیں. اسکا کیا طریقہ ہے. نیز امراض کا یقین کیسے ہو؟ کہ کونسا مرض ہے کونسا نہیں. اس کو کیسے معلوم کیا جائے. اور تقدیم و تاخیر میں اصلاح میں امراض کو کیسے مرتب کیا جائے. کونسے خصائل مضر ہیں.
والسلام

عزیزم سلمہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
فارغ اور خالی اوقات میں تبلیغ دین کا مطالعہ تھوڑا تھوڑا سمجھ کیا کرو جہاں سمجھ میں نہ آئے وہاں کسی سمجھ دار سے پوچھ لیا کرو اور اثنائے مطالعہ میں اسکا خیال رکھو کہ جو جو امراض تبلیغ دین میں ذکر کئے گئے ہیں وہ آپ کے قلب میں ہیں یا نہیں؟ جس جس کا یقین ہو جائے. کہ یہ مرض قلب میں ہے انکو ایک کاپی پر لکھتے جائیں. اس صورت میں امراض قلب کی ایک فہرست آپکے پاس تیار ہو جائیگی تیار ہونے کے بعد اطلاع دیں. فقط

مکتوب ۲

مکتوب ۲ میں سائل نے تبلیغ دین کے مطالعہ کے بعد امراض کی تفصیل فہرست کا ذکر کیا ہے حضرت نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا۔

عزیزم سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، ان امراض میں سے ایک ایک مرض کا علاج پوچھتے رہو۔ اور علاج پر عمل کرتے رہو۔ جب ایک مرض کا علاج پورا ہو جائے۔ اس کے بعد دوسرے مرض کا علاج پوچھو۔ علیٰ ھٰذہٖ۔

مکتوب ۳ (وساوس خشوع وخضوع)

معروض آنکہ بندہ کا نماز میں جی نہیں لگتا۔ اور طرح طرح کے ایسے وساوس آتے ہیں اور ایسی غفلت ہو جاتی ہے کہ بسا اوقات سجدہ سہو کی نوبت آجاتی ہے۔ اور کبھی مفسدات نماز کی۔ لیکن بحمد اللہ اتنا ضرور ہے کہ اگر نظر مواضع مقررہ پر رکھی جائے جیسے حالت قیام میں موضع سجدہ پر۔ اور پھر ساتھ ساتھ یہ تصور بھی ہو کہ میں اللہ کی عبادت کر رہا ہوں تب وساوس نہیں آتے مگر تصور اور استقرار نہیں رہتا۔ حضرت والا اسکا علاج تحریر فرمادیں۔ اور بندہ کیلئے استقامت اور خشوع وخضوع فی الصلوٰۃ کی دعا فرمائیں۔

بلا اختیار نماز میں وساوس کا آنا معصیت نہیں ہے۔ اسلئے ایسے وساوس کے طرف تو التفات ہی نہ کرو۔ البتہ اختیار سے اپنے قلب کو ان وساوس کی طرف متوجہ کرنا جائز نہیں۔ اسکا علاج یہی ہے کہ باختیار خود التفات اور توجہ الی اللہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر قلب اتفاقاً غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو یاد آجانے پر فوراً اللہ کی طرف متوجہ کر لیا کریں۔ بس اسی کے آپ مکلف ہیں۔ یہی خشوع شرعاً ضروری ہے۔

مکتوب ۴ (معین خشوع)

بندہ کے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ استقامت فی الدین عطاء فرمائے۔ اور آپ حضرات کی محبت دل میں زیادہ ہو، حقوق واجبہ میں کوتاہی نہ ہو۔ اور مقاصد حسنہ میں کامیابی ہو۔	دل سے دعا کرتا ہوں۔ آپ بھی مجھے نہ بھولیں
حضرت والا نے نماز میں وساوس کے بارے میں جو تحریر فرمایا تھا۔ وہ سمجھ میں آگیا۔ اس وقت وساوس بھی کم آنے لگے تھے۔ مگر پھر وساوس جیسے پہلے کافی آتے تھے آنے لگے۔ اگر کوئی معین اس امر میں ہو کہ توجہ الی غیر اللہ نہ ہو۔ اور الی اللہ تعالیٰ ہو۔ اور وساوس نہ آئیں تو تحریر فرمادیں۔	التفات الی قراءۃ الامام یا التفات الی قراءۃ نفسک

مکتوب ۵

حضرت والا بندہ کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزۃ بندہ کی اصلاح فرمائیں۔	دل سے دعا کرتا ہوں۔ آپ بھی مجھے نہ بھولیں
اور مقاصد حسنہ میں کامیابی ہو	آمین
استقامت حاصل ہو	آمین
حضرت والا نے جو معین توجہ الی غیر اللہ کے نہ ہونے کا تحریر فرمایا ہے بہت مناسب ہے۔ حتی الامکان کوشش کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہو۔ حضرت دعا فرمائیں کہ اس میں اللہ رب العزت کامیابی عطا فرمائیں۔	آمین
لیکن نماز میں چونکہ لذت نہیں معلوم ہوتی۔ اس وجہ سے	کیا لذت بھی مقاصد میں سے ہے

بھی کامیابی پوری نہیں ہوتی	بغیر لذت کے عبادت پر ثواب نہیں ملتا یا کم ملتا ہے۔
نماز میں بعض وقت ایسا گذرتا ہے جس میں نہ اپنی قراءت ہوتی ہے اور نہ امام کی۔	بہت کم ہوئے قیام کے کچھ نہ کچھ اذکار ہر حالت میں مصلی کے ذمہ ہوتے ہی ہیں۔
ایک وقت ایسا ہوتا ہے۔ کہ اپنی قراءت تو ہوتی نہیں۔ اور امام کی قراءت ہوتی ہے۔ مگر مسموع نہیں ہوتی۔ ان صورتوں میں معین تحریر فرمائیں جس پر عمل کیا جائے	ذہول پر یاد آجانے پر قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیا کرو۔ بس اسی کے مکلف ہو اس سے زیادہ کے نہیں۔

مکتوب ۱۷۶

حضرت والا نے جو نماز میں توجہ الی اللہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ کہ ذہول پر یاد آجانے پر قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیا کرو بندہ اسی کی کوشش کرتا ہے۔ یاد آجانے پر حتی الامکان ایسا ہی کرتا ہے۔	بس اتنے ہی کی تکلیف ہے
حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائیں اور توجہ الی اللہ ہو۔ تخلی عن الرذائل و تحلی بالفضائل ہو۔ اور معاصی سے قباحت طبعی ہو۔	دل سے دعا کرتا ہوں آپ بھی مجھے نہ بھولیں آمین آمین آمین
حضرت والا بندہ کے لئے یہ تحریر فرمائیں کہ خالی اوقات میں چلتے پھرتے کیا پڑھا کرے۔	لا الٰہ الا اللہ یا اللہ و اللہ

احقر بعد صلوٰت خمسہ کے اللّٰھم انا نستعینک علیٰ طاعتک ۱۱ بار اوّل آخر درود شریف ۱۱ بار پڑھتا ہے۔ اگر مناسب ہے تو فبہا۔ ورنہ اسکا نعم البدل تحریر فرمائیں۔	جی ہاں اچھی دعا ہے

مکتوب ۸

بندہ نے پہلے نماز کے متعلق اور پھر فارغ اوقات میں ذکر کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اب حضرت سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عامل بنائے۔	دل سے دعا ہے آپ بھی مجھے نہ بھولیں
اور اصلاح کامل نصیب ہو خوف لومۃ لائم و طعن	آمین
طاعن نہ ہو استقامت فی الدین حاصل ہو	آمین
کثرت کلام کی ہوس اور فضول گوئی کا اطلاق کس وقت ہو سکتا ہے	جس وقت کوئی دینی دنیوی مصلحت نہ ہو
اور اس کی کیا حقیقت ہے	ایسی باتیں جس میں کوئی فائدہ دینی دنیوی نہ ہو
حضرت والا کثرتِ کلام کی ہوس اور فضول گوئی کا علاج تحریر فرمائیں۔	قبل از تکلم یہ سوچ لینا کہ اس تکلم میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں۔ اگر قباحت سمجھ میں آ جائے تو بہ تکلف اس سے رک جانا

مکتوب ۹

عرض یہ ہے کہ احقر کی عادت الحمد للہ زیادہ بولنے کی نہیں مگر جبکہ بعض احباب اور ساتھیوں سے گفتگو ہوتی ہے اور کوئی بحث	اگر واقعی رکنے کی قدرت نہیں ہوتی اور بلا اختیار بولنے پر مجبور اور مضطر

چھڑ جائے تو اسمیں بعض اوقات ایسی حد تک گفتگو پہنچ جاتی ہے کہ جسمیں صرف ہنسی اور مزاح کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات یہ بھی نہیں ہوتا بلکہ صرف گفتگو ہی گفتگو ہوتی ہے۔ اور کچھ نہیں نہ تفریح نہ کوئی اور فائدہ اور اسوقت کلام سے رکنے کی قدرت بہت کم پاتا ہوں۔ تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے	ہو جاتے ہو تو واقعی آپ اس وقت غیر مکلف ہوتے ہیں اور شرعًا ایسے مضطر اور بلا اختیار بولنے والے اور کرنیوالے پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ مگر میرے نزدیک ایسا مسلوب القدرۃ عدیم الاختیار ہونا مسلم نہیں
	کچھ نہیں کرنا چاہیئے مواخذہ تو افعال اختیاریہ پر ہوتا ہے۔ آپ تو اپنے اختیار اور قدرت سے بولتے ہی نہیں پھر کیا فکر۔
اور اس سے رکنے کی کیا صورت ہے۔	جب اسپر مواخذہ اخروی نہیں تو اس سے رکنے کی صورت پوچھنے اور بتانیکی کیا ضرورت۔
دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزۃ اس مرض کو دور فرمائیں۔	اب تو بقول آپکے یہ مرض ہی نہیں مگر تاہم دعا سے دریغ نہیں

مکتوب ۱۰

احقر نے کثرت کلام اور فضول گوئی کے متعلق دریافت کیا تھا آپ نے علاج تحریر فرمایا تھا پھر بندہ نے لکھا تھا کہ بعض اوقات کلام بے فائدہ سے رکنے کی قدرت بہت کم پاتا ہوں۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر یہ واقعہ ہے تو مجبور و مضطر ہو لیکن ایسا مسلوب القدرۃ ہونا مسلم نہیں۔ بندہ نے جب اسپر غور کیا تو معلوم ہوا کہ واقعہ ایسا مسلوب القدرۃ غیر مسلم ہے۔ اگر کوئی شخص اسوقت کہے کہ نہ بولو۔ تو اسوقت رکنا پڑتا ہے۔ بندہ نے طبعی رکاوٹ کو اضطرار سے تعبیر کر دیا تھا۔ الحمد للہ کہ حضرت کی تحریر سے اس غلطی سے

سے نجات ملی حضرت سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطیوں پر متنبہ فرمائے۔ اور فضول گوئی سے نجات عطا فرمائے۔ ۱۹، ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ یوم السبت	دل سے دعا ہے آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔ آمین۔

مکتوب ۱۱

بندہ نے حضرت والا سے فضول گوئی کے متعلق دریافت کیا تھا۔ الحمد للہ کہ جواب کافی وافی ملا۔ اور تسکین ہوئی اور علاج

وحقیقت معلوم ہوئی حضرت سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسکو کلیتہً زائل فرمائے۔	دل سے دعائیں کرتا ہوں۔ آمین
غصہ کے متعلق تحریر فرمائیں کہ کس درجہ تک اور کتنا اور کس وقت مذموم ہے	جو بلا کسی شرعی داعیہ کے ہو
اگر کوئی شخص خلاف واقعہ یا خلاف شریعت بات کرے اور باوجود قدرت ہونیکے اسپر غصہ نہ کرے یہ کیسا ہے۔ اور اس وقت غصہ کرنا کیسا ہے۔ اور غصہ کی تعریف کیا ہے؟ ۱۱، صفر ۶۳ھ	یہ ناجائز ہے۔ واجب ہے۔ ارادۂ انتقام

مکتوب ۱۲

عرض ہے کہ بندہ اگر کسی جانب سے کوئی بات اپنی طبیعت کے خلاف دیکھے اور سنے تو بعض اوقات حد اعتدال سے گذر جاتا ہے۔ افراط تفریط ہو جاتی ہے بڑے اور چھوٹے کا بھی خیال نہیں رہتا۔	ایسے وقت میں تبدیل مکان اور وضو یا غسل اور تغیر ہیئت اور یہ خیال کرنا کہ حق تعالیٰ کو مجھ پر بہت زیادہ اور

حضرت والا سے درخواست ہے کہ اسکا علاج اور دفعیہ کی صورت تحریر فرمائیں جس کی وجہ سے اس ناشائستہ خصلت سے بچ سکوں ۲۸ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ	اور بہت زیادہ قدرت ہے اس سے کہ جتنی مجھے اس شخص پر ہے غصہ فرو ہونے کیلئے ہر ایک مستقل علاج ہے۔

مکتوب ۱۳

حضرت والا سے غصہ کا علاج دریافت کیا تھا. حضرت والا کی دعا سے احقر طبیعت کیخلاف بات سننے اور کسی کی پریشان کرنے سے حد اعتدال سے جو گذر جاتا تھا بحمد اللہ گم ہو گیا ہے۔	الحمد للہ علی ذلک
لیکن اب بھی کبھی خلاف ہو جاتا ہے	۲ کا مراقبہ کرتے رہو انشاء اللہ اعتدال رہے گا۔
نیز عرض ہے کہ گو حد اعتدال سے گذرنا نہ بھی ہو اور اس شخص سے کچھ نہ بھی کہا جائے لیکن خلاف اور پریشان کن باتوں سے اس شخص کی جانب سے دل میں کچھ کدورت سی پیدا ہو جاتی ہے اور بولنے کو بھی طبیعت نہیں چاہتی. اور اگر وہ معافی بھی مانگ لے اور معاف کر بھی دیا جائے. تب بھی پہلے جیسا انشراح پیدا نہیں ہوتا. اور کدورت کا اثر نہیں جاتا طبیعت میں اجنبیت سی پیدا ہو جاتی ہے. حضرت والا تحریر فرمائیں کہ یہ قبیح ہے یا نہیں۔	اگر صرف طبعی تکدر اور اجنبیت تک محدود ہے اور اس کے مقتضی پر عمل نہ ہو تو شرعاً مواخذہ اور قباحت نہیں. ورنہ قبیح قابل گرفت ہے۔
اگر ہے تو اس کے ازالہ کی صورت تحریر فرمائیں	بہ تکلف اسکے ساتھ بولنا اور احسان کرنا اور تعظیم کرنا اور غائبانہ اسکی تعریفیں کرنا۔

حضرت سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ احقر کے اخلاق درست ہوجائیں۔	دل سے دعائیں کرتا ہوں آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔
اور تمام مقاصد حسنہ حاصل ہوں	اللہ تعالیٰ ان سب مقاصد کو پورا فرمائے اور اصلاح وفلاح دارین عطا فرمائے۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔

مکتوب ۱۴

بندہ نے حضرت والا سے غصہ میں اعتدال اور افراط وتفریط کے ازالہ کے متعلق دریافت کیا تھا تو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ ۱۴ کا مراقبہ کافی ہوگا اب عرض یہ ہے کہ یہ مراقبہ خاص اسوقت میں ہے۔	جی ہاں۔ اس وقت تو ضروری ہے،
یا کسی خاص متعین وقت میں کیا جائے چاہے غصہ ہو۔ یا نہ ہو۔	کوئی وقت متعین کرکے اس میں بھی کرلینا چاہیئے غصہ ہو یا نہ ہو۔
اور مراقبہ کی حقیقت کیا ہے۔	اس مضمون کو غور وفکر سے سوچنا۔
کیا مراقبہ میں کوئی خاص ہیئت بھی ہوتی ہے۔	نہیں
غصہ کی وجہ سے طبیعت میں جو اجنبیت پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کی وجہ سے بولنے کو بھی طبیعت نہیں چاہتی تھی۔ اب انشاء اللہ اسکے مقتضی پر عمل نہ ہوگا بولنا شروع کردیا ہے۔	زیادہ نہ بولو صرف ضرورت کی بات اور سلام اور اسکا جواب اسی پر اکتفا کرو۔ زیادہ بے تکلفی سے اور اختلاط سے کلی اجتناب رکھو۔
گو اجنبیت طبیعت میں ہے۔	کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ اس میں انشاء اللہ اجر زیادہ ملیگا۔
حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائے	دل سے دعا کرتا ہوں۔

ہاں. الحمدللہ کہ اجنبیت پہلے سے کم ہوگئی ہے .	اور بھی انشاءاللہ کم ہوگی. مگر کم ہونے پر زیادہ بول چال اور اختلاط نہ رکھو.
اور باوجود بولنے کے اگر طبیعت میں اجنبیت ہو تو مضر تو نہیں . ۶. ج ۲ سـ ۶۳ھ	نہیں . یہ طبعی امر ہے .

مکتوب ۱۵

بندہ نے جو حضرت والا سے غصہ میں افراط و تفریط اور اجنبیت کی کمی کا اظہار کیا تھا اب اجنبیت تو باقی نہیں رہی	الحمد للہ علیٰ ذٰلک
مگر غصہ کبھی کبھی آ ہی جاتا ہے . گو پہلے سے بہت کم ہے . حضرت کے علاج پر عمل سے بہت کافی فائدہ ہوا .	غصہ آ جانا تو معصیت نہیں اسکے مقتضیٰ پر عمل معصیت ہے . اس کا خیال رکھو .
حضرت والا حسد کی تعریف جامع الافراد تحریر فرمائیں تاکہ افراد حسد پر انطباق میں آسانی ہو اور اس کے غیر سے امتیاز میں سہولت ہو . اور بعض اوقات احقر کے دل میں کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے .	یہی تو حسد کی جامع مانع تعریف ہے اگر بہ اختیار خود عزم زوال ہو
اس قسم کے توہمات دل میں آتے ہیں اور وسوسے گذرتے ہیں جسکی وجہ سے حسد کا خیال ہوکر بہت پریشانی ہوتی ہے . وسوسہ حسد اور حسد کا امتیاز بہت مشکل معلوم ہوتا .	وسوسہ اور توہم کوئی چیز نہیں . اس پر کوئی مواخذہ نہیں . یہ امور غیر اختیاریہ ہیں . البتہ عزم زوال بہ اختیار خود حسد مذموم اور قبیح و ناجائز ہے اور مرض قلب ہے

اور کیا وسوسۂ حسد پر بھی مواخذہ ہے۔	نہیں۔ کما مرّ
بندہ کی طبیعت چاہتی ہے کہ کچھ پڑھا کرے۔ اگر کوئی چیز احقر کیلئے مناسب ہو تو تجویز فرمائیں	اگر کوئی فارغ وقت ملے اور تعلیم و تعلم کا حرج نہ ہو تو ذکر بارہ تسبیح کا سردست پڑھ لیا کرو
حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ احقر کے اخلاق درست فرمائے اور اتباعِ شریعت و اخلاق نصیب فرمائے۔	دل سے دعائیں کرتا ہوں آپ بھی کرتے رہیں آمین آمین

مکتوب ۱۶

احقر نے حضرت سے حسد کی تعریف وغیرہ کے متعلق دریافت کیا تھا۔ سامی نامہ سے تعریف معلوم ہوئی۔ مگر بعض اوقات عقل تو اسی کو مقتضی ہوئی ہے۔ کہ بیکار کیوں کسی پر حسد کیا جائے اس سے کیا فائدہ مگر طبیعت میں حسد کا شائبہ اور خیال ہوتا ہے جو مائل الی عزم الزوال ہوتا ہے۔ اور حسد کی تعریف اس پر صادق آتی ہے۔ تو کیا اس پر بھی مواخذہ ہوگا اور کیا یہ بھی قابلِ گرفت ہے۔ اگر ہے تو اس کا علاج تحریر فرمائیں ...	حسد کی تعریف اگر اس پر منطبق ہے تو مواخذہ ہوگا۔ ورنہ نہیں صرف شائبہ اور میلان تو حسد نہیں عزم زوال حسد ہے۔ اس میں زیادہ کنج و کاو کی ضرورت نہیں جو یقیناً حسد ہے۔ اس سے اجتناب ضروری ہے
اور اگر اس پر مواخذہ نہیں ہے تو چونکہ اسکی وجہ سے طبیعت میں پریشانی اور ضیق سی ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ کیلئے مناسب صورت تحریر فرمائیں۔	پریشانی کی کوئی بات نہیں وساوس معفو عنہا ہیں اور غیر اختیاری انکا کوئی خیال نہ کریں۔
حضرت اقدس نے جو بارہ تسبیح پڑھنے کا فرمایا تھا۔	

احقر نے اسی وقت شروع کردی تھی مگر یہ دریافت نہ کر سکا تھا کہ کس طرح پڑھی جائیں. جہراً یا سراً.	خفیف جہر کے ساتھ. اگر بسہولت ہو سکے. ورنہ سراً
اور علیحدہ علیحدہ یا ملا کر.	اسکا مطلب سمجھ میں نہیں آیا.
جہر سے تو سر میں درد ہو جاتا ہے. اب تک تو میں سراً ہی کر رہا ہوں مع خفیف جہر کے	اگر خفیف جہر سے بھی درد سر ہوتا ہو تو سراً ہی پڑھ لیا کریں.
پہلے تو کسی دن ذکر نہ چھوٹتا تھا لیکن پھر دو چار دن ذکر رہ گیا. اسکا کیا جائے. ان دنوں کا ذکر بھی پورا کیا جائے.	بسہولت ہو سکے تو قضاء کر لو

مکتوب ۱۷

سامی نامہ سے حسد کی تعریف معلوم ہوئی اور حضرت کی تحریر سے اطمینان ہوا نیز معلوم ہوا کہ میلان و توہمات نیز وساوس پر کوئی مواخذہ نہیں. حضرت اب حسد کا علاج تحریر فرمائیں تاکہ اس سے اجتناب کر سکوں.	جسپر حسد ہو اسکی تعریف کیا کرو. اوسکی خدمت کیا کرو اور تعظیم کیا کرو.
حضرت کے ارشاد کے بموجب احقر بحمد اللہ بارہ تسبیح پڑھ رہا ہے خفیف جہر کے ساتھ. بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ذکر کے بعد اسکا اثر ظاہر ہوتا ہے اور اللہ کیطرف توجہ ہوتی ہے	اثر کیسا؟
مگر قدرے. بہت تھوڑی دیر. پھر اس کے بعد وہی حالت ہو جاتی ہے. جو قبل الذکر تھی اور اثر جاتا رہتا ہے اور بعض اوقات ذکر کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ طبیعت پر ذکر کرتے وقت جبر سا ہوتا ہے.	جبر پڑا ہو. اسکا خیال نہ کیا کریں. مقصود رضا حق ہے وہ ذکر سے بہر صورت حاصل ہے. انشاء اللہ

اور ملا کر پڑھنے کا مطلب یہ تھا کہ بعض حضرات تو اللہ کی ہاء کو ساکن کرتے ہیں، اور علیحدہ علیحدہ پڑھتے ہیں۔ اور بعض حضرات اللہ کی ہاء کو ضمہ دیکر دوسرے لفظ اللہ کی ہاء کو ساکن پڑھتے ہیں تو ایک سانس میں اس طور پر اللہ دو مرتبہ کہتے ہیں ۵ر شوال سنہ ۶۳ھ	ایسا ہی ہے۔ ایسا ہی پڑھا کرو۔

مکتوب ۱۸

احقر نے حضرت والا سے حسد کا علاج دریافت کیا تھا۔ سامی نامہ سے علاج معلوم ہوا۔ انشاء اللہ احقر اس پر عمل کریگا۔ حضرت والا دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ عمل کو آسان فرمائے اور اس مرض کو دور فرمائے۔	دل سے دعا ہے آمین۔
حضرت والا بخل اور محبت مال کے معنے تحریر فرمائیں۔	یہ قبل از وقت حسد کا علاج جبتک قابل اطمینان نہیں ہوا اس سے پہلے دوسرے مرض کیطرف متوجہ نہ ہونا چاہیئے
حضرت استقامت اور مقاصد حسنہ میں کامیابی کی دعاء فرمائیں۔ ۸ر ذی الحجہ سنہ ۶۳ھ	دل سے دعا کرتا ہوں آمین

مکتوب ۱۹

احقر نے حسد کے متعلق دریافت کرنیکے بعد بخل وحب مال کے متعلق دریافت کیا تھا۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ پہلے حسد کا علاج قابل اطمینان ہونا چاہیئے۔ احقر کے ذہن میں اسکے	میرے ذہن میں تو کوئی خاص بات نہیں۔ تم بتاؤ کہ اسکا علاج کسی درجہ میں ہو۔

متعلق کوئی بات نہیں ہے. جو مناسب ہو. اور حسد کے متعلق ضروری ہو تو تحریر فرمائیں.	گیا ہے یا نہیں. اگر آپ کے خیال میں ہو گیا ہو. اور قابو میں آگیا ہو تو دوسرے مرض کا علاج شروع کر دو
حضرت دعاء فرمائیں کہ سب اخلاق رذیلہ دور ہوں اور استقامت حاصل ہو. احقر بارہ تسبیح التزام کے ساتھ پڑھ رہا ہے. اور بحمد اللہ فائدہ معلوم ہوتا ہے گرانی نہیں استقلال کی دعاء فرمائیں	دل سے دعا ہے آپ بھی مجھے نہ بھولیں بارک اللہ ووفقک اللہ لاحسن وازید من ہذہ آمین

مکتوب ۲۰

حضرت نے حسد کے متعلق ضروری امر کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ تم بتاؤ کہ اس مرض کا علاج ہو گیا ہے یا نہیں. اگر علاج ہونے سے حضرت کی مراد ازالہ ہے. ازالہ تو بالکلیہ نہیں ہوا. ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ احقر اگر حسد کا شبہ پاتا ہے تو حضرت کے تحریر کردہ فرمودہ علاج پر حتی الامکان کوشش کر کے عمل کرتا ہے. بحمد اللہ پہلے سے کافی کمی معلوم ہوتی ہے.	خیر کچھ دنوں اور انتظار کرو
اگر حسد نہ ہونے کا کوئی اور طریقہ اور علاج ہو تو تحریر فرمائیں	محسود علیہ کی خدمت جانی مالی اور غیبت و حضور میں اس کی تعریف کرنا ہی علاج ہے.
حضرت والا مرض کے نہ ہونے کا کوئی معیار اور پہچان علامت تحریر فرمائیں قطعی حکم لگانا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے. ۲۰ صفر ۶۴ھ	ہر مرض کے زوال کی علامت جداگانہ ہے مثلاً حسد کے زوال کی علامت محسود علیہ کے منعم ہونے سے عقلاً پریشانی اور قلق نہ ہو.

مکتوب ۲۱

احقر سے حضرت والا نے حسد کے علاج ہونے نہ ہونے کے متعلق دریافت فرمایا تھا۔ اسکے جواب کے بعد حضرت والا نے کچھ دن انتظار کرنیکو فرمایا تھا۔ ارشاد گرامی کے بموجب عمل کیا الحمدللہ اس مرض میں بہت کافی کمی ہوگئی۔ محسود علیہ کے منعم ہونے پر عقلاً پریشانی و قلق نہیں ہوتا۔ اور اگر کبھی کچھ محسوس ہوتا ہے تو حضرت والا کے تحریر کردہ فرمودہ علاج پر عمل کرتا ہوں۔	الحمدللہ علی ذلک اللہ تعالیٰ بقیہ آثار اس کے بھی دفعہ فرمائے۔
حضرت والا نے حسد کے علاج کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ محسود علیہ کی جانی مالی خدمت۔ اور حضور و غیبت میں اسکی تعریف کی جائے۔ اب عرض ہے کہ بعض جگہ حسد کا شبہ ہوتا ہے۔ مگر علاج تحریر فرمودہ پر عمل دشوار ہوتا ہے مثلاً کوئی مجمع ہے حاضرین مجمع میں سے کسی پر حسد کا شبہ ہوا۔ اب ایسے موقع پر جانی و مالی خدمت یا تو دشوار ہے۔	دشواری سمجھ میں نہیں آتی
یا بعض معزرتوں کی وجہ سے مشکل ہے۔	مثلاً
ایسے ہی وہاں پر اسکی تعریف کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔	کیوں؟
نیز موقع و محل نہ ہونیکی وجہ سے یا تعریف کرنے سے محسود علیہ فتنہ میں پڑ جائیگا۔	یہ کیسے معلوم ہوگا۔ آپ اپنی فکر کریں وہ اپنی کریگا۔
کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ وہ فتنہ میں پڑ جائے تعریف کرنا بھی درست نہیں۔	یہ کیسے معلوم ہوا؟
اور اگر مجمع نہ ہو تب بھی ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی اس قابل ہی نہ ہو کہ اسکی جانی مالی خدمت کی جائے	مثلاً
شبہات کے پیدا ہونے اور توہمات و خیالات فاسدہ کے پیدا ہونیکی وجہ سے اور شرعی نکتہ نظر سے ایسے اسباب و مواقع سے بچنا بھی ضروری ہے۔ تو درود شبہات و توہمات	صرف شبہات تو مانع نہیں ہو سکتے۔ شرعاً اسکا کوئی اعتبار نہیں البتہ تحقیق و تیقن

کی وجہ سے خدمت جانی و مالی سے مجبوری ہوتی ہے۔	ہو یا کم از کم ظن غالب تو ہو اور خاص اسوقت بھی تو خدمت ضروری نہیں ایسے وقت کر لینا بھی کافی ہے جہاں یہ وجوہ نہ ہوں۔
اور تیسری صورت کہ اسکی تعریف کی جائے اس میں بھی شرعی نکتہ نظر سے دشواری ہوتی ہے کیونکہ وہ حاضر ہے اور حاضری میں کبھی فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔	کیسے یقین یا ظن غالب ہو سکتا ہے۔ اور اگر ہو بھی تو وہ اپنی فکر کریگا آپکو تو اپنے نفس کو حرام سے بچانا ضرور ہے۔ وہ خود مکلف ہے اپنی فکر کریگا۔
نیز اگر غائب ہو تو وہاں پر جانی مالی خدمت غیبوبت کے سبب دشوار ہے۔	مالی کیوں دشوار ہے۔
اور تعریف کرنے میں گو فتنہ میں پڑنیکا اندیشہ نہیں ہے اگر تنہا ہو تو اس وقت خود بخود بیٹھ کر تعریف کرنا گراں اور مشکل ہوتا ہے نیز خود بخود تنہا بیٹھ کر تعریف کرنے میں معتد بہ فائدہ محسوس نہیں ہوتا	تنہائی میں تعریف کوئی چیز نہیں لوگوں کے سامنے تعریف کرنا چاہیئے
اب ایسی صورت میں کیا عمل کرنا چاہیئے۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ تمام امراض دور	عرض کر دیا ہے۔ دل و جان سے دعائیں کرتا
ہو جائیں اور اللہ رب العزۃ کی مرضیات میں مشغول نصیب ہو۔	ہوں۔ آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔ آمین
بحمد اللہ بموجب ارشاد گرامی روزانہ بارہ ۱۲ تسبیح خفیف جہر سے پڑھ رہا ہوں۔	بارک اللہ اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔

مکتوب ۲۲

احقر نے حضرت والا سے دریافت کیا تھا کہ بعض صورتوں میں ان تحریر فرمودہ طریق علاج حسد پر عمل کرنا دشوار ہوتا ہے۔ احقر نے اس کی اجمالاً کچھ صورتیں بھی تحریر کی تھیں۔ اس پر حضرت نے مشکل ہونیکی وجہ دریافت فرمائی تھی۔ احقر نے تحریر کیا تھا۔ کہ مثلاً تعریف سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ اس پر حضرت نے تحریر فرمایا۔ اپنی فکر کرو وہ اپنی کریگا اسپر دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوسرے کے فتنہ میں پڑنیکا سبب بننا کیا جائز ہے؟ جبکہ حدیث ہے۔ فاحثوا فی وجوھھم التراب کا حکم مداحین کے لئے وارد ہوا ہے۔ اور جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حضرات صحابہ کی خود تعریف فرمائی تھی حضرات محدثین نے تطبیقاً بینھما فاحثوا فی وجوھھم التراب کو محل فتنہ پر محمول کیا ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ اس حدیث کو جب محل فتنہ پر محمول کیا ہے۔ کیا اس فتنہ وقت خاص کا مراد ہے یا مطلقاً یعنی تعریف کی وجہ سے فتنہ میں پڑنے اور نہ پڑنے کا اس وقت خیال کیا جائیگا جبکہ خود فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔

اسی میں تو کلام ہے کہ وہ کیسے اور کیوں فتنہ میں پڑیگا۔ اور اگر آپ صرف اور خالص اپنے نفس کے سنبھالنے کیلئے بطور علاج کر رہے ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ فتنہ میں پڑے تو آپکا کیا گناہ اگر آپ نماز پڑھیں اور کوئی نادان آپکی نماز سے تمسخر کر کے کافر بنے تو کیا اس سبب سے آپ نماز چھوڑ دیں گے۔

اور اگر وہ فتنہ میں مبتلا ہے۔ جیسے حسد ہو رہا ہے۔ اور اسکے دوسرے کو فتنہ میں ڈالنے اور سبب بننے سے اسکا حسد دور ہو جائیگا اور فتنہ سے دور ہو جائیگا۔ تو کیا اس وقت میں اپنی بلاء کو دور کرنے کیلئے دوسرے کو کسی بلاء میں مبتلا کرنا جائز ہوگا۔

کرنا اور چیز ہے ہونا اور چیز ہے۔ اس ارادہ سے کرنا تو جائز نہیں صرف خالص اپنی اصلاح کی نیت سے کرنا اور اس کا مبتلا ہو جانا یہ اسکا فعل ہے آپکا اسمیں کیا دخل ہے۔

اور یا مطلقاً چاہے خود بلا و فتنہ میں مبتلا ہو یا نہ ہو یا اپنے آپکو اس بلا و مرض سے دور کرتا ہو یا نہ کرتا ہو. بہر صورت دوسرے کو فتنہ میں ڈالنا جائز نہیں ہے. اگر یہ مراد ہے تو اسکی فکر ضروری ہوگی. اور اگر دوسرے کی فکر نہ بھی کی جائے تو کیا سبب بننے کی وجہ سے گرفت نہ ہوگی۔	سبب بننا تو جائز نہیں سبب بن جانا آپ کا فعل نہیں
حضرات محدثین کی جو مراد ہے. تحریر فرما دیا جائے۔	مجھے اسوقت مستحضر نہیں. آپکے متعلق جتنی بات تھی عرض کر دی
احقر نے تحریر کیا تھا. کہ جانی مالی خدمت میں بھی بعض اوقات دشوار ہوتی ہے. اس پر حضرت والا نے مثال معلوم کی ہے. مثلاً کوئی امرد ہو جانی خدمت تو ہو ہی نہیں سکتی. اور مالی خدمت میں بھی طرح طرح کی خرابیاں ہیں. اور پھر قبول کرنا بھی دشوار ہے. اور وقوع بھی مشکل ہے۔	بالواسطہ میں کیا خرابی ہے. اور قبول اور وقوع کیا دشوار ہے۔
اور رہا یہ کہ وہم کافی نہیں اور اگر ظن ہو تو پھر کیا کیا جائے۔ حضرت مقاصد میں کامیابی، مرضیات میں مشغولی اور استقامت کی دعا فرمائیں۔	ان امور مذکورہ سے تو ظن ہو ہی نہیں سکتا. اگر ہو بھی تو کیا حرج ہے بکمال دل سے دعا ہے آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔ آمین۔

مکتوب ۲۳

احقر نے حضرت والا سے حسد کے علاج کی صورتوں کے بارے میں دریافت کیا تھا. کہ بعض اوقات ان پر عمل کرنے میں دشواری ہوتی ہے لیکن بحمد اللہ اب کوئی شبہ باقی نہ رہا۔

اطمینان ہو گیا۔ اب عرض یہ ہے کہ حسد شئے موجود ہی میں منحصر ہے۔ یا غیر موجود اشیا جو کہ متوقع ہوں۔ ان میں بھی ہو سکتا ہے۔	واقع ہو یا متوقع بہر صورت حسد ہوتا ہے۔
مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کے پاس مال یا کوئی اور شئے موجود ہو۔ اس کے زوال کی تمنا کی جائے۔ یہ تو حسد ہے ہی۔ لیکن اگر کسی کے پاس وہ چیز موجود تو نہیں لیکن توقع ہے۔ اب اگر کوئی تمنا کرے یا دعا مانگے کہ یہ شئے اس شخص کو نہ ملے۔ تو کیا یہ صورت حسد میں داخل ہے یا نہیں	جی ہاں داخل ہے۔
اور اس کا کیا درجہ ہے۔	جو شئے واقع کا درجہ ہے۔
پھر متوقع میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دونوں کو مل سکتی ہے۔ دوسری یہ کہ وہ دائر ہے دونوں میں صرف ایک کو ملنا دوسرے کی محرومی کا سبب ہو۔ دونوں صورتوں کا کیا حکم ہے	جملہ صورتوں میں حسد ناجائز ہو سکتا ہے۔
استقامت و اخلاص کی دعا فرمائیں۔ ۴ رمضان سنہ ۶۴ھ	دل سے دعا ہے آپ بھی مجھے نہ بھولیں ۸ رمضان سنہ ۶۴ھ

مکتوب ۲۴

احقر نے حضرت والا سے حسد کے متعلق کچھ استفسارات کئے تھے۔ جوابات سے تشفی اور تسکین ہوئی۔ اور مرض میں بہت کچھ کمی ہوئی۔ حضرت دعا فرما دیں کہ اس مرض اور دیگر امراض سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرما دے۔ دیگر معروض آنکہ بخل کی حقیقت اور محبت مال کے معنی تحریر فرمائیں۔	اللہ تعالیٰ اس مرض اور جملہ امراض سے نجات و عافیت عطا فرمائیں۔ جہاں جہاں شرعاً انفاق فرض ہے اس میں کوتاہی کرنا۔

اور محبت مال مذموم وہی ہے جو شرعاً بخل ہے جسکی حقیقت ابھی بیان کی گئی

مکتوب ۲۵

حضرت سے بخل وحب مال کی تعریف معلوم کی تھی تعریف معلوم ہوئی لیکن یہ کہ حقوق مفروضہ پورے طور پر ادا ہوئے ہیں یا نہیں. اسکا اندازہ نہیں ہوتا. اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ مرض موجود ہے یا نہیں. کیونکہ حقوق بھی ایسے فی الحال واجب نہیں. کہ جسکو غور سے دیکھ کر اور سوچ کر معلوم کیا جا سکے کہ یہ مرض ہے یا نہیں. حضرت سے درخواست ہے کہ حقوق کے ادا کرنیکا معیار اور اس مرض کے ہونے نہ ہونے کی پہچان تحریر فرمائیں.	حد یہ تو حقوق کے واجب ہونے اور اس کے بعد ادا کرنے نہ کرنے پر ہو سکتی ہے جو مبتلیٰ بہ کا کام ہے و بس
حضرت والا دعا فرمائیں کہ استقامت نصیب ہو.	دل سے دعا ہے آپ بھی مجھے نہ بھولیں.
حضرت کے ارشاد کے بموجب روزانہ بارہ تسبیح پڑھ رہا ہے. حضرت دعا فرمائیں کہ دوام نصیب ہو. ۲ ۱۲/۴ یوم الجمعہ	بہتر ہے. بارک اللہ فی اعمالکم وعلومکم. اللہ تعالیٰ دوام و التزام وبرکت عطا فرمائیں

مکتوب ۲۶

احقر نے مرض بخل اور حقوق کی ادائیگی کی پہچان دریافت کی تھی. حضرت نے تحریر فرمایا کہ یہ مبتلیٰ بہ کا

کام ہے۔ اب عرض ہے کہ احقر کے اوپر حقوق واجبہ نہیں ہیں لہٰذا متبلی بہ نہیں ہے۔

پھر کیوں فکر ہے۔

حضرت والا کی جو رائے عالی ہو تحریر فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

بہتر یہ ہے کہ استحساناً کچھ قلیل مقدار کبھی کبھی دیدیا کرو۔ تاکہ طبیعت کم از کم عادی ہو جائے زکوٰۃ ادا ء حج۔ صدقہ فطر واضحیہ وغیرھا۔

نیز عرض ہے کہ اگر حقوق واجبہ کی کچھ تفصیل وتشریح فرمائیں تو اور بھی بہتر ہوگا۔

احقر اہل وعیال اور والدین پر انفاق اور زکوٰۃ وغیرہ کو حقوق واجبہ میں شمار کرتا ہے۔ اگر اس کے علاوہ بھی ہوں تو تحریر فرمائیں۔

والدین اگر محتاج ہوں اُن پر صرف کرنا۔

حضرت عافیت، استقامت علی الدین علم میں ترقی اور مقاصد حسنہ میں کامیابی کی دعا فرمائیں۔

دل سے دُعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جملہ مقاصد حسنہ پورے فرمائے۔

مکتوب ۲۷

حضرت کے ارشاد کے مطابق استحساناً کچھ قلیل مقدار کبھی کبھی خرچ کیا کرو۔ احقر اس پر عمل کرتا ہے اور بحمداللہ طبیعت کے اندر اس سے کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات عمل کرنے کے بعد خوشی محسوس کرتا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسکو بارآور فرمائیں۔

دل سے دعا کرتا ہوں آمین

احقر نے مختلف امراض کے بارے میں جو علاج دریافت کئے تھے حضرت کے ارشادات پر عمل سے کافی کامیابی ہوئی ہے

بارک اللہ و وفقک اللہ

اور بعض اوقات حضرت کے ارشادات سے غفلت و ذہول کی وجہ سے ناکامی بھی ہوتی ہے بعد میں تنبیہ اور خیال ہوتا ہے مگر وقت گذرنے کی وجہ سے سوائے تاسف کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ طبیعت میں اضطراب نیز اپنی گنہگاری اور بدکاری سے طبیعت کو غیر مشمر پاتا ہوں۔	نرا افسوس تو کافی نہیں اسکے ساتھ توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ بھی ہونا چاہیئے۔
امراض مسئولہ میں سے غصہ زیادہ پریشان کرتا ہے اور بعض جگہ اس کے مقتضیٰ پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ جو پریشان کن امر ہے۔ حضرت کے فرمودہ علاج پر عمل کرتا ہوں مگر بعض اوقات کوتاہی ہو جاتی ہے جس سے شرم بھی دامنگیر ہے۔	اپنی طرف سے علاج کے استحضار کی کوشش کیا کریں اگر غفلت سے صدور ہو جایا کرے تو توبہ سے اسکا تدارک کر لیا کریں۔ بہتر یہ ہے کہ اس صورت میں نفس پر کوئی جرمانہ مالی یا بدنی مقرر کر لیں۔
احقر حضرات کے ارشاد کے مطابق روزانہ پابندی سے بارہ[۱۲] تسبیح اسم پاک کی خفیف جہر سے کبھی قبل الفجر اور کبھی بعد الفجر پڑھتا ہے	بہت بہتر ہے۔ بارک اللہ تعالیٰ
اور جو میرے لئے مفید ہو ارقام فرمائیں کہ میری فلاح دارین کا ذریعہ ہے۔	ابھی یہی کافی ہے۔
۱۵ ج م ۱۳۶۵ھ	۱۴/۶/۶۵

مکتوب ۲۸

عفت کے متعلق احقر کے استفسار پر حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا کہ مالی یا جانی جرمانہ مقرر کر لیا جائے۔ احقر نے جرمانہ تو مقرر کر لیا ہے مگر بعض جگہ تردد ہوتا ہے کہ یہ موقع جرمانہ کا

کلب ہے یا نہیں. مثلاً بعض اوقات پڑھاتے وقت غصہ آجاتا ہے اور غصہ بھی بے وجہ نہیں ہوتا. بلکہ باوجود بڑی بڑی کتابوں میں شریک ہونیکے عبارت کا صحیح نہ پڑھنا. اور ترجمہ تک نہ کرسکنا.	ایسا غصہ تو معصیت نہیں ہوتا. پھر جرمانہ کی کیا ضرورت ہے.
تو اگر ایسے وقت غصہ آجائے تو کیا کیا جائے اور کس حد تک غصہ کیا جاسکتا ہے.	سب سے زیادہ بہتر صورت تو فہمائش اور اسکے بعد خاموشی
اگر اس وقت غصہ آئے تو کیا یہ بھی قابل جرمانہ ہے یا نہیں. ۲۰ رمضان ۶۵ھ	نہیں. مگر اسکے مقتضٰی پر عمل نکرنا چاہیئے. ۲۶ ۹/۶۵ھ

مکتوب ۲۹

حضرت نے پڑھاتے وقت غصہ کے بارے میں تحریر فرمایا تھا کہ فہمائش اور اس کے بعد خاموشی اختیار کی جائے. اب عرض ہے کہ فہمائش صرف زبانی گفت وشنید ہے.	جی ہاں. زبانی نصیحت اور فہمائش
اگر صرف گفت وشنید کی فہمائش سے کام نہ چلے تو پھر کیا کرنا چاہیئے.	مہتمم صاحب کو اطلاع دینا چاہیئے اور بس.
بعض اوقات جب زبانی گفت وشنید سے کام چلتا نظر نہیں آتا تو مارنے کی بھی نوبت آجاتی ہے. پھر بعد میں پریشانی ہوتی ہے کہ یہ ظلم تو نہیں ۲۱ ۱۱/۶۵	ایسا آجکل کے زمانہ میں مناسب نہیں. ۲۲ ۱۱/۶۵

مکتوب ۳۰

احقر نے فہمائش طلبا کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ حضرت نے سوائے زبانی گفت وشنید کے اور کسی چیز یعنی مارنے وغیرہ کی اجازت نہیں دی۔ حتی الوسع اسی پر عمل پیرا ہوں مگر باوجود ضبط کے گاہے گاہے اسکے خلاف ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے طبیعت پریشان رہتی تھی۔ اب پھر پختگی سے ارادہ کیا ہے کہ نہ مارونگا بحمداللہ کامیابی ہے۔ آئندہ جو حضرت تجویز فرمائیں عمل کرونگا۔

۲۳ ۲/۶۶

جہانتک ہوسکے اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔

۲۵ ۲/۶۶

مکتوب ۳۱

احقر نے غصہ کے بعض جزئیات کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ تحریر فرمودہ علاج پر عمل پہلے دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اب بحمداللہ زیادہ دشوار نہیں رہا۔ اور مارنا وغیرہ چھوڑ دیا مگر شاذونادر کبھی ایسا ہوجاتا ہے کہ کبھی ایک آدھ طمانچہ ماردیا۔ اگر ایسا ہو جائے تو اپنے اوپر جرمانہ مقرر کروں یا اور کچھ

اگر اتنی مقدار محض تنبیہ اور تادیب کے لئے ہو تو کچھ حرج نہیں اور اگر ہیجان غضب و غصہ کیوجہ سے ہے تو ایسی صورت پیش آنے پر دس رکعت نفل پڑھ لیا کریں۔

حضرت کے ارشاد کیمطابق بارہ تسبیح روزانہ پڑھ رہا ہوں استقلال کی دعا فرمائیں۔ طبیعت چاہتی ہے کہ تہجد کی نماز پابندی سے پڑھا کروں مگر پابندی نہیں ہوئی۔ کبھی اٹھ جاتا ہوں کبھی تو آنکھ ہی نہیں کھلتی۔ اور کبھی آنکھ کھل جاتی ہے مگر سستی سے پڑے پڑے رہنے کیوجہ سے وقت جاتا رہتا ہے۔ اس کیلئے حضرت کچھ علاج تحریر فرمادیں

۴ ۲/۶۶

ہمت اور استقلال اور ناغہ ہوجانے پر زوال سے پہلے تہجد کی دوگنی رکعتیں۔

۸/۲/۶۶

مکتوب ۳۲

احقر نے حضرت سے دریافت کیا تھا کہ طلبہ کو معمولی سزا دینے پر کیا جرمانہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ اگر محض تنبیہ کیلئے ہو تو حرج نہیں۔ اور اگر غضب و ہیجان کی وجہ سے ہو تو دس رکعت پڑھ لیں۔ اب عرض یہ ہے کہ بسا اوقات اشتباہ ہو جاتا ہے کہ اسمیں غضب و ہیجان ہے یا محض تنبیہ و تادیب ہے یا اسمیں اور کسی چیز کی آمیزش ہے۔ حضرت اسمیں امتیاز کی کوئی صورت تحریر فرمائیں۔	یہ تو مبتلیٰ بہ کی رائے پر ہے۔ جو بہ آسانی معلوم ہو سکتا ہے۔

مکتوب ۳۳

حضرت سے محبت مال اور غصہ کے بارے میں کچھ استفسار کئے تھے۔ ارشادات عالیہ سے اطمینان ہوا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ رعونت و شہرت و جاہ کی محبت کا معیار کیا ہے اسکی علامت کیا ہے۔ کونسا درجہ اسکا منہی عنہ ہے۔ ارقام فرمائیں تاکہ علامات و معیار کو دیکھ کر معلوم کیا جا سکے۔ کہ یہ مرض کس درجہ تک اپنے اندر ہے۔	ان امور کی کوشش کرنا اور ایسے اسباب سے خوش ہونا بلکہ انکی تحصیل کا اہتمام کرنا جن سے یہ حاصل ہوں اور جنکو یہ حاصل ہیں ان پر غبطہ کرنا وغیرہ وغیرہ
تہجد کے وقت آنکھ بہت کم کھلتی ہے۔ میں عشاء کے بعد کچھ نفل پڑھ لیتا ہوں۔ اگر تہجد کے وقت اٹھ جاؤں تو اس وقت بھی پڑھ لیتا ہوں۔	بہتر ہے۔

مکتوب ۳۴

حضرت نے رعونت و شہرت و جاہ کے علامات تحریر فرمائے ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ان امور کی کوشش اور ان اسباب کے اختیار کا جذبہ تو نہیں ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر ایسی باتیں اور ایسے اسباب من جانب اللہ بغیر کسی اہتمام وکوشش کے کہ جن سے شہرت ہوتی ہو۔ عزت بڑھتی ہو۔ اس سے طبیعت خوش ضرور ہوتی ہے۔	اسکا مضائقہ نہیں۔ حدیث کی دعا ہے اللّٰھم اجعل فی عینی صغیراً و فی اعین الناس کبیراً
اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس شہرت وجاہ پر نظر ہوتی ہے تو یہ کہکر کہ ان چیزوں میں کیا رکھا ہے اسکے خیال کو چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ اب عرض ہے کہ اگر یہ خوش ہونا اس شہرت و جاہ کے حصول پر گو بغیر تحصیل کے ہو معصیت ہے تو اس کا علاج تحریر فرمائیں۔	یہ خوش ہونا طبعی ہے۔ معصیت نہیں ہے

مکتوب ۳۵

(تقسیم ملک کے بعد پہلا مکتوب)

امید ہے کہ حضرت والا بخیر و عافیت ہوں گے اور	جی ہاں الحمدللہ
تھانہ بھون پر بھی ہر طرح سے خیریت ہوگی۔	جی ہاں الحمدللہ
تقسیم ملک کے باعث جناب کی خیریت معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ ہر وقت خیریت معلوم کرنیکی فکر تھی۔ مگر ڈاک کی گڑبڑ نے شرف اندوزی سے محروم ہی رکھا۔ خدا کرے یہ خط جناب تک پہنچ جائے اور ہم تک مژدہ لے آئے۔	جی ہاں اسی وجہ سے میں بھی اپنے مخلصین احباب کی خیریت معلوم نہ کرسکا۔

۲۲ ۱۲/۶۶ ھج	الحمدللہ. ابتک ہم سب خیریت سے اور امن میں ہیں اور اس گڑبڑ کیوجہ سے ابتک یہاں ہی قیام ہے دعاء عافیت فرمائیں. اگر ہوسکے تو سہارنپور کے حالات مفصل اور اپنی خیریت سے بذریعہ ہوائی ڈاک مطلع فرمائیں۔ (۱۰ ارمحرم ۶۷ھ سہ شنبہ

مکتوب ۳۶

احقر بحمداللہ مع الخیر ہے۔ آجکل حفظ قرآن کا شغل ہے۔ اس سے قبل کئی عریضے کچھ کچھ وقفے کے بعد ارسال کئے تھے. مگر ابھی تک جواب سے شرف اندوز نہ ہوسکا. خدا کرے کہ یہ عریضہ پہنچ جائے اور خیریت مزاج سامی معلوم کرکے اطمینان حاصل کروں. حضرت سے درخواست ہے کہ رب العزۃ فلاح دارین نصیب فرمائیں اور استقامت نصیب ہو۔	الحمدللہ الحمدللہ. اللہم زد فزد ایک یا دو تو پہنچے تھے جنکا جواب دیدیا تھا الحمدللہ ہر طرح سے بعافیت ہوں. البتہ آپ جیسے مخلصین سے جدائی کا صدمہ ہے. اللہ تعالیٰ آپکے جملہ مقاصد حسنہ دینیہ و دنیویہ پورے فرمائے. آپ مجھے اپنی دعاؤں میں نہ بھولیں. میں بھی آپ کی دعاؤں کا محتاج ہوں. بیحد۔ تقریباً تین ماہ سے میں یہاں (ملتان خیر المدارس) آیا ہوں شعبان تک یہاں قیام رہیگا. آئندہ واللہ اعلم. ۱۷ ج ا ۶۷ھ از ملتان شہر۔
۱۲ ۵/۶۷	

مکتوب ۳۷

سخت افسوس ہے کہ اس بار کچھ عدیم الفرصت ہونے کے سبب اور کچھ کاہلی و سستی کی وجہ سے عریضہ ارسال کرنے میں تاخیر ہوگئی جسکی معافی کا خواستگار ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آنجناب کی ادعیہ مبارکہ کی برکت سے کلام پاک کا حفظ پورا ہوگیا	سب معاف ہی معاف ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ بڑی خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ مبارک کرے اور استقامت و حفظ تام عطا فرمائے۔
افتادِ وقت اور حوادث زمانے کے سبب کچھ ایسے اسباب وجود میں آئے کہ حضرت والا احقر کی شادی میں شریک نہ ہو سکے	آپ سے زیادہ مجھے افسوس ہے مگر مجبوری کا کیا علاج
اسکی دعوت ولیمہ احقر کے ذمہ قرض رہی	جی ہاں۔
اب قرآن پاک کے ختم پر حد درجہ طبیعت کا اقتضاء ہوا بلکہ طبیعت نے مجبور کیا کہ ناچیز ہدیہ بطور خوشی و شکریہ کی مٹھائی کے خدمت میں روانہ کروں لہٰذا پانچ روپیہ منی آرڈر کر رہا ہوں۔	یہ پانچ پچاس سے بھی کم نہیں ابتک وصول نہیں ہوئے اور وصولی کے انتظار میں پانچ چھ دن جواب میں بھی تاخیر ہوئی۔ انشاء اللہ وصول ہو جائیگا۔ آپ بےفکر رہیں۔
امید ہے کہ حضرت والا اس ناچیز ہدیہ کو قبول فرما کر احقر کو حد درجہ شکر گذار ہونیکا موقع عطا فرمائیں گے۔	صرف قبول ہی نہیں بلکہ آپکا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ آپنے یاد فرمایا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ ثم جزاکم اللہ تعالیٰ چونکہ اس وقت آپ برسر روزگار نہیں۔ اسلئے آپکی تکلیف کا خیال ہے ورنہ آپکا اخلاص اور محبت اس سے بھی بہت کچھ زیادہ ہے

احقر نے شہرت و جاہ کے بارے میں عرض کیا تھا کہ اگر

منجانب اللہ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں تو خوشی ہوتی ہے۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا کہ یہ طبعی ہے۔ معصیت نہیں۔ الحمد للہ کہ اکثر شہرت کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ شہرت پسندوں و جاہ پسندوں پر تعجب ہوتا ہے۔ کہ یہ کس لغو چیز کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔

بس اتنا ہی کافی ہے۔

مگر شاذ و نادر احقر کو بھی خیال آجاتا ہے کہ ہم بھی ذی جاہ و ذی شہرۃ ہوتے۔ مگر یہ خیال مستقر نہیں ہوتا۔ جلدی طبیعت سے یہ خیال نکل جاتا ہے۔ اس صورت میں شہرت و جاہ والوں پر غبطہ تو ہوتا ہے مگر وہی غیر مستقر اور آنی فانی ہے۔

غیر اختیاری خیال مضر اور معصیت نہیں۔

اب عرض ہے کہ حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا کہ جنکو شہرت وغیرہ حاصل ہو۔ ان پر غبطہ کرنا انکی محبت کی علامت تو اس درجہ کا غبطہ بھی مرض میں داخل ہے یا نہیں۔

نہیں نہیں۔ ایسے غیر اختیاری اور غیر مستقر امور پر انشاء اللہ مواخذہ نہیں۔

حضرت والا سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ فلاح دارین نصیب ہو اور خصائل رذیلہ سے اجتناب حاصل ہو۔ اور خصائل حمیدہ پیدا ہوں۔

دل و جان سے دعائیں کرتا ہوں۔ آپ بھی میرے لئے اور بچوں کیلئے اخلاق کیلئے دعا فرماویں۔ آمین

اور قرآن پاک خوب یاد ہو جائے۔ اور تراویح میں خیریت سے سناؤں۔

۲۱/۷/۶۷

تراویح کے ختم کے بعد دعا میں ضرور یاد رکھیں اور پھر اطلاع بھی فرماویں۔

۶ شعبان ۶۷ھ چہار شنبہ۔
از ملتان خیر المدارس

مکتوب ۳۸

آنجناب کی ادعیہ مبارکہ اور رحمت خداوندی
سے الحمدللہ ۲۵ رمضان المبارک کو تراویح میں
قرآن پاک پورا ہوگیا خصوصیت سے اس وقت
حضرت کے ارشاد کے مطابق حضرت والا اور
صاحبزادگان کیلئے دعائیں کیں اور دیگر اوقات
میں تو کرتا ہی رہتا ہوں۔ حضرت والا سے
درخواست ہے کہ قرآن پاک کی پختگی کی دعا فرمائیں
حضرت والا حب دنیا کی حقیقت تحریر فرمائیں
نیز اسکا درجہ ممانعت تحریر فرمادیں۔ اور اسکا
علاج بھی ارقام فرمادیں۔
دعا فرمادیں کہ فلاح دارین نصیب
ہو۔

کچھ دنوں زیادہ مشغولی کی وجہ سے تسبیح
چھوٹ گئی تھی۔ اب پھر شروع کردی ہے۔
ناخنوں کے متعلق ارشاد فرمادیں۔
۲۷ رمضان ۶۷ھ چہار شنبہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے الحمدللہ
ثم الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو بڑی دولت
عطاء فرمائی۔
جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء
دل وجان اور اخلاص سے دعائیں
کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔
ایسا تعلق جس سے فرائض و واجبات
کے ترک کا ارتکاب ہو۔
جو مفضی الی ترک حق اللہ یا حق العبد
ہو۔ فناء دنیا و زوال مال کا مراقبہ
اور حب دنیا پر مواخذہ کا خیال۔
دل سے دعا کرتا ہوں آپ بھی مجھے بھولیں
مختلف انواع کی پریشانیاں ہیں دعا
فرمادیں کہ حق تعالیٰ اطمینان عطا فرمائے
بارک اللہ بسہولت اگر عشر تک کا
تدارک ہوسکے تو کر لیجئے۔
۸ شوال ۶۷ھ سہ شنبہ

مکتوب ۳۹

حضرت کے ارشاد سے حب دنیا کی حقیقت اور درجہ ممانعت معلوم ہوگیا۔ اب عرض ہے

کہ اگر کوئی شخص فرائض و واجبات ادا کرتا ہے۔ اور حقوق اللہ مثل صلوٰۃ زکوٰۃ حج سب ادا کرتا ہے اور کسی کا مال بھی نہیں دباتا۔ لیکن بر وقت مال جمع کرنے میں منہمک ہے۔ اسکی فکر و کوشش یہ ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ مال جمع ہو جائے تو کر لوں تو کیا یہ شغف باوجود ادائیگی فرائض و تکمیل حقوق کے حب دنیا خارج ہے؟	جی ہاں۔ ایسا[1] حب دنیا مذموم اور قبیح نہیں۔
نیز عرض ہے کہ اگر فرض کی ادائیگی میں احیاناً دیر ہو جائے تو کیا یہ بھی حب دنیا ہے۔ مثلاً دکاندار گاہکوں کی کثرت کی وجہ سے مشغول رہا۔ اسکا خیال ہے کہ اس سے مالی نقصان ہوگا۔ جسکی وجہ سے جماعت چھوٹ گئی۔ کیا یہ حب دنیا ہے؟	جی ہاں۔
حضرت نے اسکا علاج فناء دنیا و زوال مال کا مراقبہ تحریر فرمایا۔ تو کیا خاص زمان و مکان اور تخلیہ میں مراقبہ ہونا چاہیئے یا چلتے پھرتے اس طرف توجہ کر لینا کافی ہے۔ نیز کسی خاص معین مدت تک مراقبہ کی ضرورت ہے؟ ۴/۸/۶۸ جمعہ	دونوں طرح جب تک مرض باقی ہے

مکتوب ۴۰

حضرت والا کے ارشاد سے معلوم ہوا تھا کہ حب دنیا مذموم و قبیح نہیں۔ اسکا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ اسمیں انہماک و شغف قبیح نہیں یا اور کچھ مطلب ہے۔	میری عبارت[2] میں ضیق تھا۔ اسکی اصلاح کر دی ہے اب بھی اگر کوئی شبہ ہو تو فرمایئے۔
یا یہ مطلب ہے کہ اگر واجبات و فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اگر کسب دنیا میں انہماک ہو تو وہ مضر نہیں۔	جی ہاں۔

ع۱ مکتوب ۴۰ میں استفسار پر حضرت نے یہ لفظ ایسا بڑھا کر ضیق کلام کی اصلاح فرما دی۔

ع۲ مکتوب ۳۹ اوّل میں سوال کے جواب میں لفظ ایسا بڑھانے سے حضرت نے ضیق دور فرمایا۔

انہماک و شغف فی الدنیا کس درجہ سے شروع ہوتا ہے؟	جس میں حقوق اللہ حقوق العباد کی کوتاہی ہوتی ہو
حضرت کے ارشاد کے مطابق بارہ تسبیح اسم ذات اور ایک تسبیح استغفار کی پڑھ رہا ہوں لیکن کوئی دلبستگی نہیں۔	یہ مقصود نہیں۔
جی نہیں لگتا	یہ غایت ہی نہیں
اگر مناسب ہو تو معمولات میں اور زیادتی فرماویں	قصد السبیل کے چار دستور العمل میں سے ایک دستور العمل مناسب حال متوقع الالتزام کو شروع کردیں۔ ۲۴ شوال ۶۸ھ اتوار
۲۸ رمضان ۶۸ھ یوم الاثنین	

مکتوب ۱۴۱

احقر نے ایک عریضہ میں حضرت والا سے نخوت و تکبر کی تعریف معلوم کی تھی۔ تحریر سامی سے تعریف تو معلوم ہوئی مگر مجھے سخت پریشانی	اتنی کاوش میں کیوں پڑتے ہو جبکہ مرض کا علم ہی نہیں۔ تو پھر علاج کی کیا ضرورت ہے

اپنے کو بڑا سمجھنا دوسروں کو حقیر سمجھنا یہ دونوں

و حیرانی ہے۔ کیونکہ مجھے امتیاز کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ آیا میرے اندر یہ مرض ہے یا نہیں مثلاً ہر کس و ناکس کا کام کرنے اور خدمت کرنے سے طبیعت رکتی ہے۔ چاہے وہ شخص عالم ہی کیوں نہ ہو۔	قلب ہی کے متعلق ہیں۔ اگر قلب میں یہ ہیں تو مرض ہے ورنہ نہیں۔ باقی کسی کی خدمت سے گریز اسکے اسباب کبر کے علاوہ اور بھی ہو سکتے ہیں۔ جو علی حسب حالات کبھی محمود کبھی مذموم ہوتے ہیں۔ جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔
ہاں اگر عالم ہے اور استاذ بھی ہے۔	

تب تو اسکی خدمت میں کوئی عار معلوم نہیں ہوتا۔ اور اگر ہو بھی تب بھی طبیعت کو مجبور کیا جا سکتا ہے مگر غیر استاد کی خدمت میں طبیعت کو مجبور کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ہاں اگر عالم مشہور و معروف ہو تب عار نہیں معلوم ہوتا۔ اس بارے میں راہ عمل تجویز فرمائیں۔

خدمت نہ استاد کی ضروری نہ غیر کی ضروری جو مختلف بہ اختلاف احوال ہے اسکو کبر کیساتھ تعلق نہیں۔ کبر کا مدار اسی پر ہے جو پہلے عرض کر دیا ہے۔

بچوں کی پڑھائی میں بڑائی چھوٹائی کا معاملہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہے۔ تنبیہ و تادیب میں ان کے درجہ کے مطابق الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ بڑوں کے الفاظ سے انکو یاد کرنا یا تنبیہ ترک کر دینا بھی ان کے اخلاق کے لئے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اور اصلاح میں اپنے نفس کی بڑائی معلوم ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جو حضرت والا تجویز فرمائیں۔ اسپر عمل کرونگا۔

نہیں۔ اپنے کو چھوٹا سمجھ کر تادیب کو شرعی حکم سمجھ کر کرنا چاہئے اس میں نہ کبر ہے۔ نہ ترک تادیب۔

ہر ایک کو اپنا استاد بنانے سے بھی طبیعت رکتی ہے گو کہ وہ شخص استاذ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ کیا یہ کبر میں تو داخل نہیں۔

اسکے بھی مختلف اسباب ہیں۔ ایک سبب یہ بھی تو ہے کہ ہر ایک کا ادب مشکل ہے۔ اسمیں کیا کبر ہے۔

اپنے کو بڑا سمجھنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے کو افضل سمجھے اور دوسرے کو کم درجہ کا اور حقیر سمجھے یہ بظاہر کبر ہی معلوم ہوتا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کو نہ بڑا سمجھے نہ چھوٹا بلکہ مساوی سمجھے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کو ذلیل و حقیر تو نہ سمجھے۔ ہاں چھوٹا ضرور سمجھے کیونکہ شریعت نے اس کو چھوٹا بنایا ہے جیسے باپ کو بیٹے پر۔ استاذ کو شاگرد پر۔ شوہر کو بیوی پر فوقیت حاصل ہے۔ پھر اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ

جس صورت میں انکو حقیر و ذلیل سمجھے اور اپنے

جنکو فوقیت حاصل ہے. اس فوقیت و افضلیت کو وہ فضل خداوندی سمجھیں. دوسری یہ کہ ذہن سے فضل خداوندی کا تصور مضمحل ہو جائے. تو ان صورتوں میں کونسی صورت قابل اجتناب و اصلاح ہے۔

اکو بڑا اور فضل خداوندی سمجھنا اکمال ہے، تو بہر صورت بوجہ تحدث بالنعمۃ کے محمود ہی محمود ہے۔

حضرت نے فرمایا تھا کہ قصد السبیل کے چہار عمل میں سے کوئی عمل تجویز کر لیا جائے. میں نے عالم مشغول کا عمل تجویز کر لیا ہے. اسمیں بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک ضرب و جہر کیساتھ اسم ذات پڑھنے کو لکھا ہے۔

عرض یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار بار سے زیادہ کی نوبت نہیں آتی. نیز اطمینان اور ٹھہر ٹھہر کر اور لہجے کیساتھ ذکر کرنے میں توجہ لگتا ہے اور وابستگی ہوتی ہے اور قلب پر اثر بھی معلوم ہوتا ہے اور اگر جلدی کیا جائے تو وابستگی نہیں ہوتی. جہر و ضرب میں تکان ہوتا ہے. دماغ پر اثر پڑتا ہے۔

جب تکان ہونے لگ جاتا ہے تو جہر خفیف یا سراً کرتا ہوں معمولات میں کبھی کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے۔

جتنا بسہولت پڑھ سکیں پڑھ لیا کریں اور جسمیں اور جتنے میں جی لگے ترک کر دیں، جہر و ضرب کو ایسا ہی کیا کریں قضا ہو سکے تو کر لیا کریں۔

۳/۳/۶۹

مکتوب ۴۲

عرض ہے کہ امراض باطنی اگر کسی کے اندر نہ ہوں تو ہمیشہ کیلئے اطمینان نہیں ہو جاتا بلکہ کبھی کبھی کسی نہ کسی مرض کا اثر ضرور ظاہر ہوتا ہے. اسلئے عرض ہے کہ کبر کا علاج بھی تحریر فرمادیں. تاکہ جب کبر کا اثر اپنے اندر محسوس کروں تو علاج تحریر فرمودہ پر عمل کر کے مرض سے نجات حاصل کروں۔

جی ہاں معالجات تو اس کیلئے ہوتے ہیں کہ ضرورت کے وقت خصوصاً انکو استعمال کیا جائے۔

حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ کسی کی خدمت نہ کرنیکی وجہ صرف کبر ہی نہیں بلکہ کبر کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن میں سے بعض محمود اور بعض مذموم ہیں۔ براہ کرم ان اسباب محمودہ و مذمومہ سے اس ناچیز کو آگاہ فرمادیں۔

محمود جیسے کسی دینی منفعت کے غرض سے اور جیسے کسی دنیادار کی طمع کی وجہ سے مذموم جیسے بالعکس۔

تادیب طلبا کے بارے میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اپنے کو چھوٹا اور تادیب کو حکم شرعی سمجھ کر کیجائے۔ اسمیں نہ ترک تادیب ہے اور نہ کبر ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ بعض اوقات تادیب کے وقت یہ چیز مستحضر نہیں رہتی اسکا تصور نہیں ہوتا خالی الذہن ہوکر تادیب ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں کیا تدارک کروں۔

ایسی صورت میں آپ مکلف ہی نہیں تصور و استحضار کے پھر اس کے لئے توبہ و استغفار اور اور اس سے معافی کافی ہے۔

ایک جزئیہ تحریر ہے ایک طالبعلم نے کوتاہی کی۔ حسب قاعدہ مدرسہ اہل مدرسہ کو اسکی اطلاع کردی۔ اس طالبعلم کو ناگوار گذری جسکا اثر یہ ہے کہ اس نے مجھے سلام و کلام بند کردیا۔ یہ دیکھکر میں بھی کنارہ کش رہا۔ اور کچھ تعرض نہ کیا۔

بغرض اصلاح اسمیں حرج نہیں۔

بعض طلبہ و مدرسین کے تنبیہہ پر اسکو تنبہ ہوا۔ اور اس نے مجھ سے حسب سابق معاملہ چاہا۔ مگر احقر کنارہ کش رہا۔ یہ کنارہ کشی کبر اور مذموم تو نہیں۔ احقر کو اس موقع پر کیا کرنا چاہیئے۔

سلام و کلام بوقت ضرورت و ملاقات تو بند نہ کرنا چاہیئے البتہ کچھ دنوں تک بغرض اصلاح بشاشت کا معاملہ اس سے نہ کرنا چاہیئے۔

ایک دینی ادارہ پر کچھ سازشی قسم کے لوگ قبضہ کرنا چاہتے ہیں کہ اقتدار بھی حاصل ہوگا اور کھانے پینے کو بھی ملیگا۔ اسمیں میرے ایک عزیز رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ احقر کو اس جماعت سے تکدر ہے۔ ان سے نہ سلام کرنے کو دل چاہتا ہے اور نہ بولنے

سلام کلام بند نہ کریں۔ آمد و رفت اور بشاشت بند کرنے میں

کو حضرت فرمائیں کہ کیا طرز عمل اختیار کیا جائے ۔
رشتہ داری کے تعلق کو کس درجہ تک ان سے ختم کیا جائے ۔

کوئی حرج نہیں عرض کر دیا ہے البتہ بوقت ضرورت انکی کی جائے ۔

دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اصلاح و فلاحِ دارین اور رضاء کامل عطاء فرمائے ۔

٦ ٦/٦٩

اللہ تعالیٰ آپکے جملہ مقاصد اور جملہ حاجات پورے فرمائے
۱۵ ۲۔۷ سنہ ۶۹ھ

مکتوب ۴۳

حضرت نے کبر کے متعلق استفسارات پر جو تحریر فرمایا ہے اس سے اطمینان ہوا مگر تھوڑا سا خلجان باقی ہے ۔ وہ یہ کہ حضرت والا نے اسباب محمودہ مانع خدمت علاوہ کبر کے امثلہ تحریر فرمائی ہیں کہ کسی دینی منفعت کیوجہ سے اس کے بارے میں عرض ہے کہ عالم کی خدمت نہ کرنے میں دینی منفعت کیا ہے نیز تحریر فرمایا ہے کہ مثلاً کسی دنیا دار کی طمع کی وجہ سے ۔ تو جب اس سبب سے خدمت نکرنا اسباب محمودہ میں سے ہے ۔ تو عالم کی خدمت کرنے میں دنیا داری کی طمع کا وجود کہاں ہے ۔ لہٰذا عالم کی خدمت سے کنارہ کرنے کے سبب ہونے کا خلجان پیدا کرتا ہے ۔ احقر کی طبیعت میں ہر عالم کی خدمت سے رکاوٹ ہے جو کبر کے وجود کا خیال پیدا کر رہی ہے ۔

یہ صرف بعض اوقات میں طبعاً ہوتا ہے ۔ جو ناگوار نہیں ۔ البتہ اگر متبلی بہ اس کو کبر ہی کی وجہ سے نہیں کرتا تو اس کا علاج بھی کبر ہی کا علاج ہے ۔

رمضان المبارک میں کلام پاک میں مشغولی زیادہ ہوگی جسکی وجہ سے ذکر کی کثیر تعداد میں کمی آجائے گی حضرت کا کیا ارشاد ہے ۔ کلام اللہ میں مشغولی کم کروں یا ذکر کم کروں ؟
۵ ر شعبان سنہ ۶۹ھ

کچھ حرج نہیں رمضان مبارک میں تلاوت قرآن بہت بڑی عبادت ہے ۔
۱۰ ر شعبان سنہ ۶۹ھ

مکتوب ۴۴

حضرت کی تحریر سے کبر کے غلجان کے بارے میں
تسلی ہوئی کہ یہ طبعی امر ہے۔ اب عرض ہے کہ کبر کا علاج
تحریر فرماویں۔
نیز رکاوٹ طبعی کی پہچان تحریر فرماویں۔ تاکہ
ہر دو حالت میں امتیاز ہو سکے۔

احقر کلام پاک و مناجات تو روزانہ پڑھتا ہے مگر ذکر پر
بوجہ قلت وقت دوام نہیں ہوتا جس کی وجہ سے پریشانی
رہتی ہے۔ ۲۶ر شوال سنہ ۲۹ھ یوم جمعہ

اپنے عیوب پر نظر، اور اسکا خیال
کہ شاید اس شخص میں کوئی ایسا کمال
ہو جسکے سامنے میری جملہ خوبیاں ہیچ
ہوں طبیعت تو کسی کام کرنیکو چاہے
مگر ضعف قلب کیوجہ سے لوگوں کے
سامنے اسکو کرنا شاق ہو
کچھ نہ کچھ جتنا بسہولت ہو سکے کر
لیا کریں۔ ۴ر ذی قعدہ
سنہ ۲۹ھ شنبہ ٹنڈوالہ یار

مکتوب ۴۵

گرامی نامہ سے کبر اور رکاوٹ طبعی میں فرق معلوم ہوا۔
اب یہ گذارش ہے کہ اگر کوئی شخص یا میں کسی کو بڑا بزرگ
صاحب کمال اور صاحب باطن سب کچھ خیال کرتا ہے۔
یہاں یہ تو گمان نہیں ہوتا کہ میں بڑا اور حقیر ہوں مگر باوجود
اسکے خدمت نہ کرے۔ تو کیا اس صورت میں یہ ضعف
قلبی ملـ میں شمار ہوگا؟ نفس ہر جگہ بہانہ ڈھونڈ لے گا اور
کبر کو رکاوٹ طبعی کی تاویل میں لانے کی کوشش کریگا۔
۲۴ر ذی قعدہ سنہ ۶۵ھ

ملـ جی ہاں یہ بظاہر
حیاء عرفی طبعی ہے ایسی
صورت میں بہ تکلف اسکی
خدمت کیا کریں۔ اور اس
طبعی حیاء کا بہ تکلف مقابلہ کریں

مکتوب ۴۶

ایک واقعہ عرض ہے۔ اسکے متعلق جو حضرت ارشاد فرمادیں۔
ہمارے ادارہ کے منتظم صاحب کہیں گئے ہوئے تھے۔ جاتے وقت
مجھے نگران بنا گئے۔ میں نے ایک ملازم کی بددیانتی کو دیکھا اسکو
ٹوکا۔ اس نے مجھے برا بھلا کہا۔ اور کہا کہ تجھکو کیا حق ہے تو ہے
کون؟ بہرحال اس نے بہت کچھ کہا۔ منتظم صاحب تشریف لائے
تو میں نے از خود یہ بات پہنچانی مناسب نہیں سمجھی بعض ذرائع
سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ ان تک پہنچ گیا ہے۔ مگر انکی طرف سے
اس بارے میں کچھ تذکرہ نہیں ہوا

اب اس شخص نے سلام کلام بالکل بند کر دیا ہے جو ابھی
تک جاری ہے۔ جب اس نے بند کیا تو میری طبیعت میں اور
انقباض پیدا ہو گیا۔ اور میں نے کلام کی ابتداء نہ کی۔ اب اس
میں جو ارشاد عالی ہو تحریر فرمادیں تا کہ عمل کیا جائے۔

خود پسندی کی تعریف تحریر فرمادیں

نیز اسکا علاج بھی تحریر فرمادیں

۷ رمحرم سنہ ۰۷ھ یوم الجمعہ

۷ رمحرم سنہ ۰۷ھ یوم الجمعہ

ملاقات ہونے پر سلام کہہ
دیا کریں۔ اور سلام کا
جواب۔ ضروری بات
انکو کہنے کی ہو کہہ دیا
کریں۔

اپنے آپکو بڑا سمجھنا۔
اپنے عیوب کا استحضار اور
سلف کے کمالات کا تصور
۱۴/۱/۰۷ھ یوم الخمیس

مکتوب ۴۷

نوٹ (ایک خط ضائع ہو چکا ہے)

ناکارہ نے سابق عریضہ میں خود پسندی کے متعلق استفسارات کئے تھے جن کے جوابات سے شرف اندوزی ہوئی مگر خلجان ابھی تک باقی ہے۔ امید ہے کہ اس ردوکد کو

کو معاف فرمائیں گے بعرض یہ ہے کہ احقر نے تحریر کیا تھا کہ ایک
بات کم درجہ کا شخص کہتا ہے۔ اس سے ناگواری ہوتی ہے
اور وہی بات اونچے یا برابر عہدہ والا کہتا ہے تو ناگواری
نہیں ہوتی۔ اس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ اپنے ضمیر سے
معلوم کرنا چاہیئے کہ اگر کم درجہ والے سے ناگواری اپنے کو
بڑا سمجھنے کی وجہ سے ہے تو ناجائز ورنہ نہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ جب
وہی بات بڑا کہہ رہا ہے اور ناگواری نہیں۔ اور اسی بات سے کم
درجہ والے پر ناگواری ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ
ناگواری کلام کا اثر نہیں بلکہ خصوصیت متکلم کو اس میں دخل
ہے۔ اگر کلام کا اثر ہوتا تو بہر نوع اس کلام سے بلا کسی کی
خصوصیت کے اثر ہونا چاہیئے تھا۔ جب متکلم کے تغیر سے اثرات
مختلفہ مرتب ہوئے تو احقر کی سمجھ میں اسکے سوا کچھ نہیں آتا
کہ نیچے عہدہ والے کلام سے ناراضگی کا سبب اپنے سے بڑا
سمجھنا ہی ہوگا۔ حضرت اسکے متعلق کچھ تحریر فرماویں۔

حد نہیں بلکہ یہ طبعی امور
ہیں۔ اسمیں تذلیل یا بڑا
سمجھنا نہیں جیسے استاد یا
باپ کہے کہ تم نے یہ بات
کیوں کہی اسکو ناگوار نہیں سمجھا
جاتا اگر تلمیذ تم کے کلمہ سے
خطاب کرے تو طبعاً ناگوار
ہوتی ہے نہ کہ اسکو ذلیل سمجھا
جاتا ہے اور اپنے کو بڑا اپنے
سے کسی کو آگے آگے چلنا
ناگوار ہو۔ اور اسکے وجہ سے
اس سے بے التفاتی برتے یہ
کبر اور خود پسندی کی علامت
ہے ورنہ نہیں۔ و امثالہ

کبر و خود پسندی اور اس کے غیر کے اثرات میں
تفاوت بھی تحریر فرماویں تو نوازش ہوگی

اگر امر بالمعروف کیا جائے تو اسکے نہ ماننے پر کس حد
تک ناگواری ہونی چاہیئے اور اس ناگواری کے اثرات
کس حد تک محدود ہونے چاہیئں ؟

اُس کے اس فعل
کو قبیح سمجھنا۔ اور
اس سے خصوصی تعلقات
نہ رکھنا۔

طبعی تکدر کے تاثرات کس حد تک ماذون فیہ اور کہاں پر منہی عنہ ہیں۔

مختلف باختلاف الحالات ہے مثلاً بیٹا اگر ہو تو مار پیٹ تک کی اجازت ہے اجنبی اگر ہو تو اُس سے کلام ترک کر لینا باپ یا استاذ ہو تو اسکے پاس زیادہ آمدورفت کو ترک کر دینا۔

دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے اور اتباع شریعت و طریقت نصیب ہو۔

۱۵ رج ار سنہ

دل سے دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ استقامت علی الدین صلاح و فلاح دارین عافیت دائمہ قائمہ عطا فرمائے۔ آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔

۲۲ رج ار سنہ جمعرات

مکتوب ۴۸

حضرت والا کے جوابات سامی سے اطمینان ہوا۔ توہمات دور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت جیسی بدیع المثال بلکہ بے مثل ہستی کو ہمارے سر پر سایہ افگن کیا۔ جو شمع ہدایت بن کر ضلال گمراہی اور کجروی سے کھینچکر ہدایت کی طرف لا رہی ہے ورنہ ہم جیسے ناکارہ ہر وقت اور طرح اپنی کجرویوں کے سبب خسران و ناکامی کا نظارہ کرتے۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے حال زار پر باوجود ناکارگی رحم فرماتے ہوئے بخشش کی کہ ایسا بابرکت دامن ان گناہ آلود ہاتھوں میں دیا۔ اس کی بخشش سے امید ہے کہ قلم عفو اس بڑی نسبت سے ہی کھینچ جائے۔ ورنہ اپنی ہستی اس قابل کہاں۔ جو حضرت نے تحریر فرمایا سمجھ میں آگیا۔ اب اتنا اور عرض ہے کہ حضرت نے کبر و خود پسندی کی علامت میں تحریر فرمایا ہے کہ اپنے سے کسی کے آگے چلنے سے ناگواری ہو

اور اسکی وجہ سے بے اتفاقی برتے۔ سو اگر کوئی شخص اپنے بڑے سے مثلاً مرید پیر سے یا شاگرد استاد سے آگے چلے یا غیر مودب بیٹھے بشرطیکہ سمجھدار ہو تو ناگوار ہوتی ہے اور بے اتفاقی کی طرف طبیعت میں میلان پیدا ہوتا ہے اسمیں یہ تخصیص نہیں کہ میرا ہی شاگرد ہو۔ بلکہ کوئی استاد و شاگرد ہو۔ یہ معاملہ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

ج: اگر اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے تو ناجائز ہے اور اگر تادیباً ناگوار سمجھتا ہے (مثلاً یہ خیال کرکے اسکو خود خیال کرنا چاہیئے کہ بڑوں کیساتھ ایسا معاملہ نکرنا چاہیئے) تو اسمیں حرج نہیں ہے بلکہ نہی عن المنکر کا ایک شعبہ ہے۔

ایسے ہی اگر کسی کے نشست و برخاست اور چال ڈھال سے بڑائی معلوم ہوتی ہو تو اس سے بھی بے اتفاقی ہوتی ہے۔ گو میں سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے عنداللہ یہ مقبول ہو اور ہم سے کہیں اچھے درجوں پر فائز و کامران ہو۔ مگر ان حرکتوں سے انقباض اور تکدر ہوتا ہے۔

ج: طبعی میں کچھ حرج نہیں۔ غیر طبعی اور اختیاری نہ ہونا چاہیئے۔ نیز تفصیل بالا بھی ملحوظ رہے۔

اس کے متعلق حضرت والا جو علاج تجویز فرماویں اس پر عمل کروں گا۔

ج: بصورت ناجائز بے اتفاقی کے بہ تکلف اوس سے اختلاط اور اسکی مدارات اور کبھی کبھی اوسکی عزت وغیرہ سے اوس کا تدارک کرے۔

نماز میں قرآن ترتیب سے (یعنی غیر متداول سورتیں پڑھتا ہوں) تب تو توجہ کیساتھ نماز ہوتی ہے اور اگر پ ۳۰ عم کی متداول سورتیں پڑھی جائیں تو بے توجہی سی ہو جاتی ہے۔ اور سہو بھی اس وقت بہت ہوتے ہیں۔ حضرت کا جو ارشاد ہو اس پر عمل کروں گا۔

۲۸ رج ۲ ر سنہ ھ

ج: جس صورت میں توجہ الی اللہ کی زیادہ توقع ہو اسکو اختیار کرنا چاہیئے۔

۱۹ رجب سنہ ھ جمعرات

مکتوب ۴۹

حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ چھوٹے سے بے ادبی کو
نادیبا ناگوار سمجھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسکے متعلق عرض ہے
کہ گو تادیبا یعنی اسکے اس ؎۱ چیز کی طرف توجہ نہ کرنے ہی پر
ناگواری کا خیال کیا جاتا ہے۔ اور یہ خیال ہوتا ہے کہ بے ادبی
کیوجہ سے اسکو علمی نقصان نہ پہنچ جائے مگر اسمیں اپنے نفس کا شائبہ ؎۲
بھی ہوتا ہے کہ جب وہ اس نصیحت پر کاربند ہوگا تو اپنے ساتھ
بھی عزت ؎۳ کا برتاؤ کریگا۔ جس سے نفس کو حظ حاصل ہوگا۔
تو فائدہ اس نصیحت کا اپنی طرف لوٹتا ہے۔

؎۱ اسی پر تو تادیب اور تنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

؎۲ شائبہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ حقائق کا اعتبار ہے۔

؎۳ اس میں کیا حرج ہے۔ مقصد تادیب ہے اور اسکی اصلاح ہو۔ اسپر یہ بھی اگر مرتب ہو جائے تو حرج کیا ہے۔

بہر حال الحمد للہ کہ شان کیوجہ سے اب ناگواری نہیں ہوتی۔
اگر خیال آتا بھی ہے۔ تو اس خیال کو ذہن میں جمنے نہیں دیتا۔
بلکہ خیال کرتا ہوں کہ تو کس قابل ہے۔ یہ تیری نالائقی ہے کہ دوسروں
سے اپنی خدمت کا متمنی ہے کسی قابل بن۔ خود بخود عزت ہوگی۔
تو اس طور سے اس خیال کو دور کرتا ہوں۔

بہت اچھا

مگر یہ خیال دامنگیر ہے کہ اسمیں نفس کا دھوکہ تو نہیں نفس کو
اس چیز میں کوتاہی کی طرف توجہ زیادہ کیوں ہوتی ہے۔ دوسری
کوتاہیوں کی طرف اتنی توجہ کیوں نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں
حضرت کا کیا ارشاد ہے؟

نہیں بعرض کر چکا۔ خود اپنے نفس کے امور میں تو بھی ایسا ہوتا ہے۔

کبھی خیال ہوتا ہے کہ کسی کو کچھ نہ کہوں۔ ہر ایک کو اس
کے حال پر چھوڑ دوں۔

یہ غلط خیال ہے۔

مگر یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ شاید کسی کا فائدہ ہو جائے

کیونکہ آجکل ایسی طبیعتیں بہت کم ہیں کہ خود توجہ کریں مگر متنبہ کرنے پر کوئی نہ کوئی متنبہ ہو جاتا ہے۔ اور کوئی بڑا اثر لیتا ہے۔	یہ بہتر خیال ہے۔
احقر بارہ تسبیح اسم ذات اور کلام پاک اور مناجات پڑھ رہا ہے۔ نیز تہجد بھی ادا کرتا ہوں۔ دعاء برکت و استقامت فرمائیں۔ ۴ شعبان جمعہ سنہ	کیا حرج ہے آپکے ذمہ جو حق تھا وہ ادا ہو گیا۔ بہت بہتر ہے مبارک ہو دعا کرتا ہوں دل و جان سے آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔ ۱۰ شعبان سنہ جمعرات

مکتوب ۵۰

حضرت والا سے درخواست ہے کہ ریاء کی حقیقت تحریر فرمائیں تاکہ اسکا انطباق اسکے افراد پر آسانی سے ہو سکے نیز اسکا علاج بھی تحریر فرما دیں۔	عبادات میں غیر اللہ کی رضامندی کا قصد۔ چونکہ فعل اختیاری ہے اسلئے باختیار اس قصد سے بچنا۔
بہت سی مرتبہ احقر کو ریاء کا خیال ہوتا ہے مگر اس خیال کی وجہ سے معمولات ترک نہیں کرتا۔	ایسا ہی انسب ہے۔
اسلئے کہ سمجھتا ہوں کہ یہ کام خلق کی وجہ سے نہیں بلکہ معمول میں داخل ہے۔ اگر کوئی نہ ہوتا تنہائی ہوتی تب بھی ضرور کیا جاتا۔ مگر نئے کام میں یہ وسوسہ پیدا ہونے پر اس کام کو چھوڑ دیتا ہوں۔	تو پھر ریاء ہی نہیں۔ وسوسہ کوئی چیز نہیں قصد اور عزم کا اعتبار ہے۔
اور یہ بات بھی ہے کہ اس معمول کے کسی کے سامنے پورا کرنے میں طبعاً شرم بھی آتی ہے۔	بڑا شرم ہو۔ کرتے رہیں

حتی کہ تنہائی نہ ہونیکی وجہ سے کام پورا کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔

دشواری پڑی ہو عمل کرتے رہیں۔

بعض اوقات طبیعت خوش بھی ہوتی ہے کہ لوگ میرے اعمال کو دیکھکر اچھا سمجھیں گے۔

یہ قصداً نامناسب ہے۔

رمضان میں قرآن میں شغل سے معمولات جاری نہ رکھ سکا۔

کچھ حرج نہیں۔

۱۳ ر شوال سنہ ؁

۲۴ ر شوال سنہ ؁ اتوار

مکتوب ۵۱

ریاء کے متعلق کچھ استفسارات اس سے پہلے کئے تھے اب عرض ہے کہ عبادت میں تو یہ قصد نہیں ہوتا کہ غیر اللہ کو راضی کروں نفس عبادت میں تو اللہ ہی کے واسطے نیت ہوتی ہے مگر ہاں اتنی بات اپنے اندر ضرور پاتا ہوں کہ درمیان عبادت میں اگر کوئی شخص آجائے تو ذرا کچھ طمانیت بڑھ جاتی ہے یعنی اور زیادہ سنبھال کر پڑھنے پر میلان طبع ہوتا ہے۔ کبھی اسپر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنا حال بحالہ رہتا ہے۔ اس کے متعلق جیسا ارشاد ہو عمل کروں۔

ابتداء نیت اور اخلاص احسان کیلئے کافی ہے انشاء اللہ تعالےٰ۔

نیز عرض ہے کہ ایسے افعال جو اباحت کے درجہ میں ہیں کیا وہ بھی عبادت میں داخل ہوں گے۔

مباحات تو عبادات نہیں الا بنیۃ۔

اور کیا ان میں بھی ریاء مضر ہوگا۔ مثلاً صنعت و حرفت میں اپنی کاریگری ظاہر کرنے کیلئے کہ لوگ بڑا کاریگر سمجھیں یا محنت دکھلانے کیلئے مزدوری میں جانفشانی کرنا۔ ملازمت میں خوبی سے کام کرنا۔ حکام و افسران کی نظر میں اچھا بننے اور عہدہ کی ترقی کیلئے نیز پاکیزگی و نظافت ظاہر کرنے کے لئے اچھے کپڑے پہننا۔ کیا یہ ریاء میں داخل ہیں

مضر نہیں نہیں۔

نیز عرض ہے کہ پڑھانے میں لمبی چوڑی تقریر کرنا تاکہ طلبہ قابل اور متبحر سمجھیں اور کمال کے قائل ہوں نیز اجنبی کے آنے پر لمبی تقریر کرنا کیا ان پر بھی ریاء کا اطلاق آئیگا۔ ۶ ذیقعدہ جمعہ ۸۸ھ

ریاء تو نہیں قبیح ضرور ہے۔ حب جاہ ہے شہرت پسندی ہے جو مستقل امراض ہیں۔

۱۱ ذی قعدہ ۸۸ھ بدھ

مکتوب ۵۲

توبہ کی حقیقت اور اس کے درجات

ندامت علی ما مضیٰ اور عزم علی ما یاتی

ندامت اور عزم کے رسوخ اور عدم رسوخ کے مابین متعدد مراتب ہو سکتے ہیں معاصی کی قباحت اور اسکے آثار پر غور کرنا

نیز طریق حصول بیان فرماویں

حضرت والا نسبت اور خطوط کے اصلاحی خط لکھنے میں طبیعت پر بہت بوجھ اور گرانی ہوتی ہے اور کوئی بات جلدی ذہن میں نہیں آتی بہت سوچنے کے بعد کچھ مضمون ذہن میں آتا ہے۔

ہونا ہی چاہیئے۔

حضرت دعاء فرمادیں کہ صلاح وفلاح دارین اور اتباع طریقت وشریعت اور استقامت نصیب ہو۔ ۲۵ ذی الحجہ ۸۸ھ

دل وجان کے ساتھ دعا کرتا ہوں آپ بھی مجھے نہ بھولیں

۳۰ ذی الحجہ ۸۸ھ بدھ

مکتوب ۵۳

حضرت نے جو توبہ کی حقیقت تحریر فرمائی ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ احقر کو گناہ پر ندامت بھی ہوتی ہے اور عزم بھی آئندہ کیلئے ہوتا ہے مگر احقر کو اسکا کچھ پتہ

نہیں کہ کس درجہ تک حاصل کرنا اور اسکا کیا معیار ہے اور کس درجہ پر قناعت کیجائے کی ہے رسوخ وعدم رسوخ کی کیا پہچان ہے ۵ صفر ۷۰ھ	ص۔ اس کو ہر شخص اپنی حیثیت سے سمجھ سکتا ہے۔ کلی شکل ہے جیسے اطمینان قلب۔ یا ایمان۔ کہ ہر شخص کا اطمینان اور ایمان کا کمال ونقصان اوسکی حیثیت سے ہے۔ جسقدر بھی ہے اپنے طرف سے جو درجہ کمال کا ہو اور پختہ ہو اوسکی تحصیل کی کوشش کرنا چاہیئے۔ کوئی معیار مقرر نہیں اپنے طرف سے پختہ ارادہ کرنا چاہیئے۔ بس۔ اس معصیت سے نفرت کی قلت وکثرت۔ اوسکے طرف التفات میں کمی بیشی ۱۰/۲/۱۷ھ اتوار

مکتوب ۵۴

گذشتہ استفسارات میں یہ بھی تھا کہ توبہ کس درجہ تک حاصل کرنا چاہیئے۔	اچھے سے اچھے عزم تک پختہ سے پختہ ارادہ تک معاصی ترک کریگا اور گذشتہ پر خالص ندامت
نیز ایک استفسار یہ تھا کہ رسوخ کی پہچان کیا ہے؟	اولاً تو اسکی ضرورت ہی نہیں۔ پہچان ہو نہ ہو۔ مگر پھر بھی عرض کر دیا تھا کہ معاصی سے نفرت اور انکی قلت علامت عزم کی ہے۔ جو متفاوت ہے علی حسب العزم۔ اور اگر یہ نہ بھی ہو تو صرف عزم ہی بشرط قبول کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہی توبہ ہے۔ اس سے زیادہ قیل وقال میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔
حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ یہ کلی شکل ہے۔ اپنے نزدیک جو درجہ کمال ہو اسکی کوشش کرنی چاہیئے۔ اب عرض ہے کہ یہی چیز محل کلام ہے۔ اسکا پتہ کیسے چلے کہ یہی درجہ کمال ہے۔ کیونکہ نفوس مختلف ہیں۔ کوئی بلند ہمت عالی حوصلہ اور کوئی سست اور کم ہمت جو بلند ہمت عالی حوصلہ ہوگا۔ نہایت تیزی سے اسکے حصول کی کوشش کریگا۔ اور بلند حوصلگی کی وجہ	جیسے اور وجدانیات کا اور امور قلب کا

سے ہر اونچے درجہ کو ناقص ہی خیال کریگا۔

اور اگر کوئی کاہل ہے تو ہر اس درجہ کو جو کہ حاصل ہو لبسا غنیمت سمجھے گا۔ اور اسیکو اپنا منزل مقصود بنا کر ٹھہر رہیگا۔ اور یہی اسکی نظر میں بڑا کام ہوگا لہٰذا اقصیٰ منازل سے دور ہی رہ جائیگا۔ تو اگر ہر ایک کی سمجھ اور حیثیت پر رکھا جائے تو معاملہ بہت سہل ہو جائیگا۔

اور پھر ہر ایک کو
واصل الی اللہ
کہا جا سکے گا۔

یہی ہونا چاہیئے۔

وہ تو فرائض کے ترک کو بھی لبسا غنیمت سمجھیگا اور موجودہ حالت تو گناہوں کی بھی۔ پھر ایسوں کا تو عزم ہی نہیں۔

کیا جسکے قلب میں معاصی سے پوری نفرت اور گذشتہ گناہوں پر ندامت کاملہ اور آئندہ ان سے امتناع کا پختہ عزم ہو اسکو واصل الی اللہ یا ولی اللہ خدا رسیدہ کہا جاویگا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

نیز عرض ہے کہ نفرت ہر گناہ سے ایک سی نہیں ہوتی اس میں تشکیک ہوتی ہے۔ کوئی گناہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر ناگہانی طور پر ہو جائے تو حالت متغیر ہو جاتی ہے۔ نہ کھانا اچھا معلوم ہوتا ہے نہ پینا۔ نہ آنکھوں میں نیند رہتی ہے پریشانی اور پژمردگی کا ایک عالم ہوتا ہے۔ رونے میں بہت سا وقت گذر جاتا ہے۔ اور بعض گناہوں کا اثر اس سے کم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ درجات کے تفاوت میں اتنا انحطاط ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے طبیعت پر بہت کم اثر پڑتا ہے بس یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ غلطی ہوئی لیکن تغیر حال اور شدومد سے اسکا تدارک نہیں ہوتا۔

بہر حال ایک ہی شخص گناہوں کے تفاوت کیوجہ

ج۔ تو کیا یہ ندامت ہوگی۔ اور آئندہ اس سے امتناع کا عزم اسکو ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ جبکہ گناہ کو گناہ یا معمولی سمجھتا ہے تو اسکے نہ کرنے پر عزم کیسے ہو سکتا ہے سمجھ میں نہیں آتا صرف غلطی کا اقرار تو فساق و فجار ابتلاء معاصی کے وقت بھی کرتے ہیں۔ کیا یہ عزم ہوگا؟

سے متفاوت الاحوال ہوتا ہے. جب بعض گناہوں پر اسکی حالت متغیر ہوئی. تو معلوم ہوا کہ اسکو گناہوں سے کلی نفرت ہے. اور نفرت رسوخ کی علامت ہے. اور بعض گناہوں پر حال متغیر نہیں ہوتا. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفرت میں کمی ہے. اور نفرت کی کمی رسوخ کی کمی پر دال ہے. لہٰذا کہیں رسوخ کی علامت اور کہیں عدم رسوخ کی. دونوں پائی گئیں.

تغیرِ حال نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ عزم نہیں. اس لیے نفرت نہیں. یا عزم عزم ہی نہیں.

یہ بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ سب گناہوں کا اثر ایک ہی درجہ میں ہو.

درست ہے مگر عزم اور اس سے امتناع کا بہر صورت پختہ ہی لازم ہے گناہ کیسا بھی ہو ورنہ توبہ نہیں ہے

حتیٰ کہ خود کبائر میں آپس میں تفاوتِ اثرات مشاہد ہے

جیسا کہ زنا و غیبت. حالانکہ غیبت جسکو اشد من الزنا بھی کہا گیا ہے. اس سے اتنا تغیرِ حال نہیں ہوتا جتنا کہ زنا سے

اس تفاوت سے عزم پر کیا اثر پڑا عزم ترک تو بہر صورت ہر گناہ سے لازم ہی لازم ہے نہو مگر آئندہ کا عزم ترک ہی اس سے توبہ ہے.

بہر حال کیا ہر گناہ میں کمال نفرت ضروری ہے.

جی ہاں.

جبکہ صغیرہ کو یہ سمجھ کر کہ یہ صغیرہ ہے جرأت نہ کرنیکا حکم ہے یا نفرت تفاوت کے باوجود درجۂ توبہ کامل حاصل ہو سکتا ہے. اگر تفاوت کیساتھ ہو سکتا ہے تو کس حد تک تفاوت مخل کمال توبہ نہ ہوگا. چونکہ احقر بھی گناہوں میں تفاوت محسوس کرتا ہے گو نفرت ضرور ہے اس لئے اس الجھن کو دور کرنیکی درخواست عرض کرتا ہے.

آپ نے شئے اور اسکے اثرات کو ایک سمجھ لیا ہے نفرت ہو نہ ہو. توبہ تو وہی عزم ترک ہی ہے. جو اپنی طرف سے پختہ ہی ہونا لازم ہے.

۲۸ ربیع الاول ۷۱ھ

۶/۴/۷۱ھ

مکتوب ۵۵

احقر نے حضرت سے توبہ کے متعلق جو استفسارات کئے تھے. جوابات پڑھ کر غلجان رفع ہوا الجھن اور پریشانی سلجھاؤ اور اطمینان سے مبدل ہوئے. انشاء اللہ حضرت کے تحریر کردہ امور پر عمل پیرا رہے گا. دعا فرماویں کہ توبہ کا اعلیٰ درجہ نصیب ہو.

دل سے دعا کرتا ہوں

اب عرض ہے کہ خوف وخشیت کے متعلق تحریر فرماویں کہ خوف کی تعریف کیا ہے. اور اس کی پہچان کیا ہے.

اللہ تعالیٰ کے عذاب اور انتقام کا خیال رکھنا جس پر پابندی شرائع کی اوامر و نواہی مرتب ہو خلاف ورزی نہ ہونے پر ندامت ہو اور عذاب کا اندیشہ پیدا ہو.

احقر ابھی تک اس فیصلے سے قاصر ہے کہ یہ صفت میرے اندر ہے. یا نہیں. اتنا ضرور احساس ہے کہ طبیعت میں خوف کا کوئی خاص اثر نہیں پاتا. جیسا کہ کسی کا ڈر لگا رہتا ہے تو اسکا استحضار ہوتا ہے. کبھی روتا ہے کبھی حالت کا تغیر ہے. یہ چیز موجود نہیں.

کیا خلاف شرح کرنے پر ندامت نہیں ہوتی. اور اس قضا و تدارک کا خیال نہیں ہوتا میرے خیال میں ہر مومن کو یہ ضرور قلیل و کثیر حاصل ہے یہی اوس خوف کا اثر ہے. روتا نرم ہوتا یہ غیر اختیاری امور ہیں انکے تحصیل کے در پے ہونا غیر مقدور کے پیچھے پڑنا ہے البتہ اسکے حصول کی دعا کی جائے تو حرج نہیں.

قلب کے اندر قساوت اور سختی محسوس کرتا ہوں

کیسا ہی وعظ و ملفوظ ہو رونا نہیں آتا۔ ہاں پہلے کبھی بچپن میں یہ حالت تھی۔ اب بہت چاہتا ہوں کہ پہلے جیسی حالت پیدا ہو۔ مگر نہیں ہوتی۔ بسا اوقات یہی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ بعض آدمیوں کی حالت پر رشک ہوتا ہے کہ دیکھو یہ ذرا سی بات پر پسیج گئے۔ نرم ہو گئے	یہ غیر اختیاری امور ہیں۔
حتیٰ کہ میں دیکھتا ہوں کہ بعض بدعمل ہوتے ہیں ظاہری حالت بھی درست نہیں ہوتی۔ وضع قطع بھی شریعت کیخلاف ہوتی ہے مگر متاثر ہوتے ہیں۔	مگر حقیقی خوف میں کمی ہوتی ہے درنہ وضع قطع شریعت کے خلاف نہ بناتے۔
گو یہ بات ضرور ہے عقل سے سب چیزوں کا یقین و اعتقاد ہوتا ہے مگر طبیعت کی نرمی جو خوف کے اثرات سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ نہیں ہے۔	صرف طبیعات پر نہ مواخذہ ہے نہ اجر صرف خوف کا جو اثر ہے۔ کامر۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ جو موجود نہیں وہ حقیقی خوف کا اثر نہیں۔
۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ	۲۳ رجب ۱۳۷۰ھ چہار شنبہ

مکتوب ۵۶

حضرت کی تحریر سے خوف کے اقسام اور اسکے اثرات و علامات معلوم ہو کر اطمینان حاصل ہوا۔ حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک خوف طبعی غیر اختیاری ہے دوسرا عقلی اختیاری۔ جنکے اثرات و احکام بھی مختلف ہیں۔ قسم اول کا اثر رونا اور قلب کا نرم ہونا ہے۔ اور قسم ثانی کا اثر ندامت قضاء و تدارک کا خیال امر و نہی کی پابندی اور خلاف ورزی پر عذاب و انتقام کا اندیشہ ہے۔

اب عرض ہے کہ قسم اوّل یعنی خوف طبعی کے اثرات بہت کم موجود ہیں مگر چونکہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے. اس لئے احقر بھی اس کاوش کو ختم کرتا ہے. دعا کی درخواست ہے کہ یہ بھی حاصل ہو جائے. قسم ثانی کے اثرات کے بارے میں عرض ہے کہ پابندی شرع کا خیال رہتا ہے. اور خلاف پر نہایت درجہ پریشانی و ندامت ہوتی ہے توبہ کیطرف بھی توجہ ہوتی ہے علی حسب المراتب. مگر استحضار کانہ یرای عین یہ چیز نہیں یا اسکو دوسرے عنوان رسوخ وعدم رسوخ سے تعبیر کیا جائے. جو ارشاد ہو اس پر عمل کرونگا. ۲۲ رجب ۱۳۸۷ھ جمعہ	کچھ حرج نہیں یہ غیر اختیاری ہے. دل سے دعا کرتا ہوں. اپنی طرف سے اسکی حتی المقدر کوشش کرنی چاہیئے. توبہ کے فضائل دوام علی الاعمال کی فضیلت کا مراقبہ کیا کریں ۲۶ رجب ۱۳۸۷ھ یکشنبہ

مکتوب ۵۷

حضرت والا سے پہلے خط میں توبہ کے متعلق کچھ استفسارات کئے تھے. بحمد اللہ جوابات سے اطمینان ہوا. اب عرض ہے کہ خوف کے متعلق تحریر فرماویں کہ اسکا کیا معیار ہے. کس درجہ تک مامور بہ ہے. اور اس کی پہچان کیا ہے. نیز طریقہ حصول بھی تحریر فرماویں.	جس سے مناہی سے انسان محفوظ رہ سکے یا مامورات کی ادائیگی پر خوشی منہیات کے ارتکاب پر پریشانی وعد وعید کا استحضار

مکتوب ۵۸

حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ معیار خوف مناہی سے محفوظ رہنا ہے. اب عرض ہے کہ کوئی شخص ایسا ہے کہ بچپن سے لغویات سے علیحدہ رہتا ہے. تو جو

بچپن سے کسی چیز سے علیحدہ رہا ہو تو بڑے ہو کر وہ اسکی عادت ہوگی۔ اب جو کسی کام کو چھوڑنا ہوگا وہ عادت کی بناء پر ہوگا یا ماحول سابق کا اثر ہوگا چونکہ اچھے کاموں کے اندر رہا ہے اس وجہ سے اسی کے مطابق کرتا ہے۔ اسی طرح وضع قطع اور منصب کی وجہ سے بھی بہت کاموں سے بچنا پڑتا ہے۔ اب عادت بننے یا ماحول کا خیال کرنے کے بعد کسی چیز سے بچنا یا کسی چیز کو کرنا ہوگا۔ تو وہ عادت یا منصب کے خیال سے ہوگا۔ اب اسکی پہچان کہ اس عادت کے ساتھ خوف بھی شامل ہے یا نہیں۔ کس طرح سے ہو سکتی ہے۔ آیا اپنے افعال کے صدور کی وجہ عادت کو سمجھا جائے۔ یا خوف کو۔ اگر عادت کی بناء پر ہو تو اسکو خوف کیسے حاصل ہوگا۔

صرف عادۃً اگر کسی چیز کو ترک کر دیا جائے۔ تو شرعاً یہ تو کوئی چیز نہیں۔ جو کام ہو یا ترک ہو۔ ارادہ اس سے محض امتثال امر ہو اور اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے مواخذہ کا اندیشہ ہے۔ تو یہ محمود اور قابل اجر ہے۔ یہ نیت ہی نہیں۔ منصب کو بحال رکھنا یا محض عادت کیخلاف کرنے کو جی گوارا نہیں کرتا۔ اس پر اجر نہیں

حضرت والا نے خوف کی پہچان تحریر فرمائی ہے کہ مامورات کی ادائیگی پر خوشی اور منہیات کے ارتکاب پر پریشانی ہو۔ اس کے بارے میں بھی عرض ہے کہ جب ایک شخص برے کام کرنیکا عادی نہیں ہے۔ تو انکے ارتکاب سے عادت کے خلاف ہونے پر پریشانی ہوگی۔ اسی طرح عادت کے موافق مامورات پر عمل کرنے میں خوشی ہوگی۔ تو اس پریشانی و خوشی میں عادت کا دخل معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک شخص کو نماز کی عادت ہے جبتک الٹی سیدھی نماز نہ پڑھیگا۔ اسے چین نہ آئیگا۔ اور نماز کے بعد چاہے اچھی طرح سے ادا نہ کی ہو سکون ہو جاتا ہے۔ اگر اسکو خوف ہوتا تو اچھی طرح سے ارکان ادا کرتا۔ اسکا خیال رکھتا۔ بہر حال مامورات کی ادائیگی پر خوشی اور ارتکاب مناہی پر رنج ہوتا ہے

صد اگر خوشی صرف امتثال امر سے ہو۔ اور پریشانی بھی صرف اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ کے امر کے خلاف ہے۔

لیکن بعض چیزوں میں انکا چھوڑنا اور کرنا عادت و وضع کے
خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ عادت ایسی ہے کہ اسکا چھوڑنا مشکل
ہے۔ اب میں متردد ہوں کہ میرے اندر خوف ہے۔ یا نہیں
جو حضرت فرماویں اسپر عمل کرونگا۔

اسکو دیکھ لیں کہ یہ خوشی اور رنج کس وجہ سے ہے عادت کی وجہ سے یا حق تعالیٰ کے خوف کو بھی اسمیں کچھ دخل ہے۔

عرض ہے کہ احقر کی طبیعت ایسی ناقص واقع ہوتی ہے کہ
ذرا سی خلاف بات پر متاثر ہو جاتی ہے جس سے اپنے اندر تکبر اور
قساوت قلب کا شبہ ہوتا ہے۔ زیادہ تر چونکہ معاملہ طلبہ کیساتھ ہوتا
ہے۔ ان کے معاملات سے طبیعت کو الجھن ہوتی ہے۔ برتاؤ
برابر والے یا اجنبیوں جیسا کرتے ہیں۔ ذرا سی تنبیہ پر کنارہ کشی
کرتے ہیں اور دور بھاگ جاتے ہیں۔ ایک طالب علم سے تنبیہاً میں
نہیں بولا۔ انہوں نے بھی کلام ترک کر دیا حتیٰ کہ سلام بھی چھوٹ گیا۔
تقریباً ایک ماہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ انہوں نے کوشش کی کہ یہاں سے الگ
ہو جاؤں۔ تاکہ یہ راضی و ناراضی کا قصہ ہی نہ رہے۔ دوسری جگہ منتقل
ہونے سے ضابطہ کی خانہ پری کرنے کیلئے انہوں نے مجھ سے معافی مانگی
مگر درازی مدت کی وجہ سے میری طبیعت میں کشیدگی بڑھ چکی تھی
اس وجہ سے میں نے معافی سے انکار کر دیا۔ طبیعت قطع تعلق پر
مجبور کرتی ہے۔

معاف کر دینا چاہیے تھا اور شرعاً جس قدر تعلق باقی رکھنا ضروری ہے۔ وہ رکھنا چاہیئے مثلاً سلام۔ اور اس کا جواب۔ سامنے آجانے پر کلام۔

اور عقل کہتی ہے کہ تعلق رکھنے میں کچھ کہا سنا تو جا سکے
گا ورنہ تو اُسے اور موقع آزادی کا ملے گا۔

اسپر عمل کرنا چاہیئے

اسکے ساتھ یہ بھی خیال آتا ہے کہ جب اسے اعراض سے

تو ہمیں پیچھے پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت تحریر فرما دیں کہ کیسا معاملہ کرنا مناسب ہے۔

اسی طرح اور بہت سے جزئیات پیش آتے رہتے ہیں جن سے طبیعت پر اثر ہوتا ہے۔ مثلاً انکا سامنے چار زانو بیٹھنا اور لیٹنا۔ اس سے بے ادبی کی طرف ذہن جاتا ہے۔ جب دل میں ان چیزوں کا خیال ہے جن سے اپنی بڑائی ٹیکتی ہے تو یہ تکبر تو نہیں۔ حضرت دعا فرماویں کہ ترقی علم وعمل نصیب ہو۔ اتباع سنت کامل نصیب ہو۔ نیز استقامت و استقلال نصیب ہو۔

۲۱ / ۱۲ / ۱۷۰ھ

اس پر عمل نہ ہونا چاہیئے اگر اونکی اصلاح کی غرض سے ہو تو تکبر نہیں اپنے کو بڑا اونکو حقیر سمجھنے کی وجہ سے ہو تو تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مقاصد حسنہ پورے فرمائے۔ آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔ ۲۸ / ۱۲ / ۱۷

مکتوب ۵۹

احقر نے حضرت والا سے پہلے عریضہ میں بعض افعال مستحسنہ کے کرنے اور افعال قبیحہ سے بچنے کا منشا عادت کو بتلایا تھا۔ جس پر حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ محض عادۃً کسی چیز کو کرنے اور چھوڑنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر امتثال امر کی نیت اور اندیشۂ مواخذہ کی وجہ سے ہو تو قابل اجر ہے۔ حضرت کی اس تحریر سے فکر ہوئی کہ اپنے افعال کا منشاء عادت جو موجب اجر نہیں اور شرعاً غیر معتبر ہے یا اس میں کچھ خوف وخشیت کا بھی دخل ہے تو احقر نے اس طرح غور کیا کہ افعال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شرعاً ضروری یعنی فرض وواجب دوسرے غیر ضروری جیسے مباحات۔ تو فرض وواجب کے ادا کرنے سے طبیعت میں جو ہلکا پن اور بشاشت وخوشی کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ مباحات کے ادا کرنے میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر فرض وواجب ترک ہو جائیں تو طبیعت پر بوجھ پریشانی اور رنج وغم نمودار ہوتے ہیں۔ اور ترک مباح پر نہ رنج ہے نہ

پژمردگی. تو باوجودیکہ عادت دونوں کی ہے مگر اس تفاوت آثار سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہاں خوف وخشیت اور امتثال کارفرما ہے. اسی طرح افعال متروکہ میں بعض منہی عنہ ہیں اور بعض مباح الاصل. منہی عنہ کے نہ کرنے سے خوشی ہوتی ہے اور بے اختیار منہ سے نکلتا ہے کہ شکر خدا ہے کہ یہ کام چھوٹ گیا. اور اگر کسی مباح کے نہ کرنے کی عادت تھی تو اسکے نہ کرنے میں کچھ خوشی نہیں ہوتی. اس تفاوت آثار سے بھی امتثال امر معلوم ہوتا ہے. اسی طرح بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن کی کوئی خاص عادت کرنے نہ کرنے کی نہیں ہوتی. جب انکا مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے تو انکے کرنے کی اہمیت پیدا ہو جاتی ہے. بلکہ طبیعت مع العقل ان کے کرنے پر مجبور ہوتی ہے. اور اسکے خلاف پر پریشانی ہوتی ہے. اسی طرح کسی فعل کے منہی عنہ معلوم ہونے سے اسکے رکنے کا اہتمام پیدا ہو جاتا ہے اور اسکے صدور پر رنج وغم ہوتا ہے. اس تفاوت آثار سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ منشاء خوف وخشیت ہے. نیز یہ بھی عرض ہے کہ منہیات کے ارتکاب میں پریشانی میں فرق ضرور ہے. بعض میں پریشانی زیادہ. اور بعض میں کم. اس تفاوت کا منشاء سمجھ میں نہیں آتا. اپنی حالت عرض کر چکا. جو حضرت تحریر فرماویں اس پر عمل کرونگا.

احقر نے ایک عریضہ میں تحریر کیا تھا کہ طلبہ کے چار زانو بیٹھنے اور لیٹنے سے طبیعت پر اثر ہوتا ہے. اس پر حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ اگر غرض ہے تو تکبر نہیں اور اگر اپنے آپ کی بڑائی اور انکی تحقیر ہے تو تکبر ہے. اب عرض ہے کہ انکی اصلاح تو تنبیہ سے ہو سکتی ہے. بغیر تنبیہ کے اصلاح کیونکر ہوگی. بعض اوقات تنبیہ کرنے سے طبیعت رکتی ہے. کیوں کہ اس

ف منشاء کے معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے. خود منہیات ہی میں بلکہ مامورات میں بھی فرق مراتب ہے مگر قدر مشترک سب میں یکساں ہے. جس پر آپ عمل کر رہے ہیں مباح چونکہ مباح ہے اسکے ساتھ بھی آپ کا معاملہ درست ہے ایسا ہی مناسب ہے اور اتنا ہی خوف کافی ومعتبر ہے

ف خیال کوئی چیز نہیں عزم اصلاح کا ہو. اپنی بڑائی کا اور دوسرے کے تحقیر کا نہ ہو. یہ ضروری

سے اپنی تعظیم کرانے کا خیال سا پایا جاتا ہے۔

اب رہا حقیر سمجھنا تو اس کے متعلق عرض ہے کہ انکو عند اللہ کم درجہ کا سمجھنا یا غیر معمولی خیال کرنا تو حاشا وکلا یہ چیز نہیں بلکہ دل میں خیال آتا ہے کہ نہ معلوم انکی وجہ سے نجات ہو جائے۔ اور نہ معلوم یہ کن درجات پر فائز ہوں۔ اپنے آپکو زیادہ گنہگار سمجھتا ہوں۔

اور اگر دنیوی اعتبار سے مراد ہے تو یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ انکو اللہ تعالیٰ نے شاگردی اور احقر کو استادی کا درجہ دیا ہے۔ جسکی وجہ سے اقتضاء طبع یہ ہوتا ہے کہ اپنے کو بڑا اور انکو چھوٹا سمجھا جائے۔

چنانچہ اسی لئے معاملہ و تخاطب ان سے چھوٹوں جیسا ہوتا ہے۔

حضرت دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اتباع سنت اور مرضیات میں مشغولی عطا فرمائے۔ اور عافیت دارین نصیب ہو۔

۱۲/ محرم سنہ ۷۲ھ یوم السبت

ہے جسکو خود مبتلی بہ خیال کرکے خود بخود ہی سمجھ سکتا ہے۔

اتنا ہی کافی ہے

یعنی دنیوی لقب سے نہ اخروی اعتبار سے

اسمیں حرج نہیں۔

اللہ تعالیٰ آپکے جملہ مقاصد حسنہ پورے فرمائے۔ صلاح و فلاح دارین سے نوازے آپ بھی بندہ کو دعاؤں میں یاد فرماویں۔ ۱۹/۱/۷۲ھ

مکتوب ۶۰

زہد کی حقیقت و معیار حصول و تحصیل	الرغبۃ عن ماسوی اللہ۔ ماسوی اللہ کے فنا اور ماعند اللہ کے بقاء کا مراقبہ اور ہر وقت اسکا خیال

نیز اسکی پہچان و طریقۂ حصول تحریر فرمادیں
تاکہ اسکے حصول کی کوشش کروں
ترقی علم وعمل فلاح دارین اتباع سنت
کی دعا فرمادیں۔

دونوں کے تقابل کی صورت
میں ماعنداللہ کو ترجیح دینا۔
اللہ تعالیٰ آپکے اور میرے جملہ
مقاصد حسنہ پورے فرمائے۔
۱۶ر۳ر۷۲ھ

مکتوب ۶۱

حضرت نے حصول زہد کا طریقہ ماسوی اللہ
کے فنا اور ماعنداللہ کے بقاء کا مراقبہ تحریر فرمایا ہے
احقر مراقبہ کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ حضرت
اسکا طریقہ اور تحدید وقت تحریر فرمادیں۔
۹ رج ۲ر۷۲ھ

کسی وقت فارغ میں تخلیہ میں
اسکا خیال استحکام کیساتھ باندھا
جتنی مقدار وقت میں سہولت ہو
۳۰ رج ۲ر۷۲ صبح

مکتوب ۶۲

حضرت اپنی نالائقیوں پر بہت پشیمان ہوں
اپنی حالت بڑی ابتر معلوم ہوتی ہے۔ خط لکھنے
میں بھی سستی ہوجاتی ہے۔ جس سے بہت شرمندگی
ہوتی ہے۔ اور سوچتا ہوں کہ سب نالائقیاں میرے
اندر جمع ہوگئی ہیں۔
اب میں نے طے کیا ہے کہ پندرہ یوم میں ضرور عریضہ
ارسال کرونگا مگر باوجود عزم کے پھر کوتاہی ہوجاتی
ہے۔ اس لئے خلاف ورزی کرنے پر ایک روپیہ

کوئی فکر کی بات نہیں اس نوع
کی کاہلی طبعی چیز ہے۔ ہر شخص
کسی درجہ میں اس میں مبتلا
ہے۔

آپنے جو تجویز لکھی ہے وہ
انشاءاللہ کافی ہوگی۔ مزید الجھن

صدقہ کرنے کا عزم کیا ہے تاکہ یہ سستی اور کوتاہی دور ہو سکے حضرت والا میری رہبری فرماویں۔ اور جو صورت اس سستی کو دور کرنے کی ہو تحریر فرماویں۔ احقر اپنی ناکارگی پر نادم ہے۔ اور اسی لئے خط لکھنے میں جھجک محسوس کرتا ہے۔	اور فکر میں پڑنا بھی ضرر سے خالی نہیں۔ ندامت اور جھجک کو یہیں رہنے دیجئے اور کام میں لگ جائیے۔
حضرت کی خدمت میں حاضری کو طبیعت بہت تقاضا کرتی ہے۔ مگر وقت اور رخصت نہ ملنے کیوجہ سے مشکل معلوم ہوتا ہے۔	اس خیال کو تو دل سے نکال ہی دیجئے کہ فی زمانہ وہاں سے یہاں آنا جانا، امریکہ آنے جانے سے کم نہیں
رمضان میں قرآن سنانے کا سلسلہ رہتا ہے اور اوراد وظائف کی ادائیگی مشکل ہوتی ہے۔ کیا صورت اختیار کروں۔	تعلیم اور قرآن کیساتھ جتنا کام ہو سکے کرتے رہیں

مکتوب ۶۳

حضرت والا سے عرض ہے کہ تبلیغ دین میں ہے کہ زہد مدت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا یہ ہے کہ ایک وقت کے علاوہ کھانے کو نہ ہو۔ اور زہد جنس کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کا یہ لکھا ہے کہ گیہوں کے بے چھنے آٹے کی روٹی کھانا اور لباس کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ زہد کا یہ ہے کہ کھردرے کپڑے کا کرتہ پاجامہ ایک رومال رکھے۔ اور مسکن کے اعتبار سے زہد یہ ہے کہ معمولی سا مکان ہو۔ جس میں زیب و زینت نہ ہو۔ اور اثاث البیت کے اعتبار سے یہ ہے کہ معمولی برتن رکھے۔ اور ہر قسم کی ضرورت کیلئے ایک عدد سے زائد نہ ہو۔ بہر حال ہر اعتبار سے ایک معیار مقرر فرما دیا ہے۔ ان تمام سے احقر اپنے آپ کو دور پاتا ہے۔ نہ ایک وقت کھانے پر اکتفا۔ طبیعت اچھے

عـلہ انڈیا سے آنے کی اجازت طلب کی تھی۔

کھانے اور پہننے کی طرف راغب ہے۔ یہ حال لباس اور مکان کا ہے۔ اس کے خلاف میں پریشانی ہوتی ہے۔ اب احقر کیا کرے۔

جو کچھ کر رہے ہیں وہی کرتے رہیں اور نیت بخیر رکھیں۔ اسباب کی مباشرت ہو اور ان پر نظر نہ ہو۔ یہ بھی توکل ہے اور سنت ہے۔

کیا ان عادات مذکورہ کو ترک کرنا اور محض معمولی اشیاء پر اکتفاء کماً و کیفاً ضروری ہوگا۔ یا محض ان اشیاء کے فانی ہونے کا تصور کرنا اور ناپائدار سمجھنا اور ماعند اللہ کے بقاء کا یقین رکھنا ہی کافی ہوگا۔

جی ہاں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم جیسے ضعفا کے لئے اگر یہی درجہ حاصل ہو جائے تو غنیمت ہے۔

مراقبہ کے لئے کتنا وقت کافی ہے۔

۲۵۔ ۳۰ منٹ کافی ہے

نیز رغبت عن ماسوی اللہ کے کیا یہ بھی خلاف ہے کہ اگر ایک کام میں ضرورت پوری ہو جاتی ہے مگر کسی دوسرے اور جائز طریقہ کو بھی آمدنی بڑھانے کیلئے اختیار کرتا ہے۔ کیا یہ قابل ترک ہے۔

۱۱/۵/۷۳ھ

نہیں۔ اگر آمدنی بڑھانے میں نیت معصیت کی نہ ہو۔

۲/ج ۱/۷۳ھ

مکتوب ۶۴

حضرت والا صبر کے متعلق تحریر فرماویں کہ اسکی کیا حقیقت ہے اور کس درجہ تک اس کا حصول ضروری ہے۔ اور طریقہ حصول کیا ہے

۱۵/ج ۲/۷۳ھ

قلب میں مصائب کے وقت باختیار اعتراض تقدیر پر نہ ہو۔ اور جوارح سے جزع فزع وغیرہ کا صدور نہ ہو قلب کو ایسے وقت رضاء بالقضاء کے طرف قصداً متوجہ کرنا اسکے حصول کا طریقہ ہے۔

۲۵/ج ۲/۷۳ھ

مکتوب ۶۵

صبر کے متعلق عرض ہے کہ الحمد للہ تقدیر پر اعتراض بھی پیدا نہیں ہوتا اور نہ جزع فزع کا صدور، اگر اتنا کافی ہے تو فبہا۔ ورنہ جو چیز قابل التزام اور محمود معاون ہو تو تحریر فرمادیں۔

۲۷ شعبان ۷۳ھ شنبہ

ج۔ جی ہاں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

۷ رمضان ۷۳ھ شنبہ

مکتوب ۶۶

ہندوستان سے پاکستان آنے کو دل چاہتا ہے۔ اس انتقال مکانی کے بارے میں حضرت کی کیا رائے ہے۔

گو یہاں بھی دین کی کمی ہے مگر تاہم بہ نسبت وہاں کے یہاں جان و مال کا امن ہے عوام کی طرف سے ایذاء کا خطرہ کم ہے۔ اگر یہاں معاش کی مستقل صورت بن جائے اور والدین بھی بخوبی اجازت دیں۔ تو انتقال میں حرج نہیں۔ گو ان شان الهجرة شدید وصعب۔ ۲۶ ذیقعدہ ۷۳ھ

مکتوب ۶۷

حضرت والا شکر کی حقیقت تحریر فرمائیں

اللہ تعالیٰ کے انعامات کا لسان و جنان سے اعتراف اور اسکے بعد دونوں سے اسکی حمد و ثناء۔

اور کس درجہ تک اسکا حصول ضروری ہے۔ تاکہ اسکے حصول کی کوشش کی جائے۔

بس اسی قدر جو ذکر کیا گیا ہے۔

نیز طریقہ حصول بھی تحریر فرمائیں

نیز طریقہ حصول بھی تحریر فرمائیں	اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی انعامات کا استحضار
مناجات اور بارہ تسبیح اسم ذات نیز قرآن پاک بھی پابندی سے پڑھتا ہوں. تہجد پڑھنے کی بھی کوشش کرتا ہوں. کبھی کامیابی ہوتی ہے. کبھی نہیں. البتہ بعد عشاء کچھ نفل پڑھتا ہوں. استقلال کی دعاء فرماویں. نیز اتباع کامل صلاح دارین اور ترقی ر علم وعمل کی دعاء فرماویں .	اللہ تعالیٰ توفیق مزید اور استقلال سے نوازے .
	اللہ تعالیٰ یہ سب حاجات پوری فرمائے آپ بھی مجھے اپنی دعاؤں میں نہ بھولیں .
۴/۱/۷۴ جمعہ	۲۱/۱/۷۴ھ

مکتوب ۶۸

شکر کے متعلق حضرت سے استفسار کیا تھا. الحمدللہ کہ لسان و جنان سے اعتراف ہوتا رہتا ہے. نعمتیں تو بے انتہا مگر جو ظاہری نعمتیں ہیں انکے تصور سے بے اختیار زبان سے شکر جاری ہوتا ہے اور دل سے اعتراف ہوتا ہے. بالخصوص ان نعمتوں کے ضد کے سامنے آنیسے مثلاً کوئی مریض ہے اسکو دیکھکر فوراً صحت کیلئے دعا اور اپنی صحت پر زبان سے شکر نکلتا ہے. یا کوئی دوسرا شخص کسی اور مصیبت میں مبتلا ہے. اور میں اس سے محفوظ ہوں تو فوراً اسکی بے انتہاء نعمتوں کا تصور ہوکر اسکی حمد وثنا کا جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اسکی بے انتہاء نعمتوں کا استحضار ہوتا رہتا ہے. بہر حال اس درجہ تک شکر اپنے اندر پاتا ہوں. اسمیں حضرت والا جو کمی محسوس فرمائیں اسپر متنبہ فرمائیں .	نعماء باطن کے متعلق بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے مثلاً کسی کافر کو دیکھ کر اپنے دولت ایمان خداداد پر شکر ادا کرنا. عرض کر دیا ہے .

مکتوب ۶۹

حال	تحقیق
حضرت سے گذارش ہے کہ صدق واخلاص کی حقیقت تحریر فرمائیں۔ اس کا طریقہ حصول بھی تحریر فرمائیں۔	ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اپنے اختیار سے غیر اللہ کی طرف خیال نہ کرنا

مکتوب ۷۰

حال	تحقیق
حضرت نے جو صدق واخلاص کی حقیقت بیان فرمائی۔ اسکا خلاصہ مشاہدۂ حق یا مراقبہ حق ہے۔ اب عرض ہے کہ احقر اپنے کو اس سے عاری پاتا ہے۔ مشاہدہ حق تو بہت اونچی چیز ہے۔ مراقبہ بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے عبادت میں طرح طرح کے خیالات آتے رہتے ہیں۔	اپنی طرف سے کوشش ہونی چاہیئے۔ اس پر اجر ملیگا۔ باوجود کوشش کے بھی اگر حاصل نہ ہو تو اجر میں کمی نہ ہوگی انشاء اللہ
اگر یکسوئی کی بھی جائے اور توجہ ہٹائی جائے۔ پھر تھوڑی دیر میں وہی حالت ہوجاتی ہے اگرچہ غیر اللہ کی طرف خیال نہیں کیا جاتا مگر جب مختلف خیالات آتے ہیں تو اس میں ابتداءً یا وسطاً میں اختیار کو بھی دخل ہوسکتا ہے۔ کہ کچھ اپنے قصد سے بھی سوچنے لگے۔ اب ایسی حالت میں بندہ حیران ہے کہ کیا کرے کامیابی بہت مشکل ہورہی ہے۔	اختیار کے بعد پھر انسان حقیقت کا مکلف ہے۔

مکتوب ۷۱

حال	تحقیق
توکل کی حقیقت اور اس کے حصول کا طریقہ	اپنے جملہ حالات میں اللہ تعالیٰ پر نظر

تحریر فرمائیں.	ہو. اور اسباب ہی سمجھ کر انکی مباشرت کرے. اور یہ مراقبہ کیا کریں.
۱۷/۶/۶ ۷ ھ	کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے ہاتھ میں کوئی خیر و شر نہیں. ۲۶/۶/۲/۲ ۷ ھ تو اتر

مکتوب ۲

حضرت نے توکل کے بارے میں جو ارشاد فرمایا. اب عرض ہے کہ اسباب کے بغیر طبیعت کو سکون نہیں ہوتا. اسباب کے اختیار کرنے کے بعد اس شئے کا حصول ہو یا نہ ہو پھر اس شئے کے عدم حصول کا زیادہ غم نہیں ہوتا. گو ہر حال میں اختیار اسباب ہو یا نہ ہو. ثمرہ مرتب ہو یا نہ ہو. عقلاً یہی تصور و اعتقاد رہتا ہے کہ سب چیزیں منجانب اللہ ہیں طبیعت کو کامل قرار اختیار اسباب ہی سے ہوتا ہے. احقر نے اپنی حالت عرض کر دی. جو

حضرت ارشاد فرمائیں اسپر عمل پیرا رہونگا.	سب صحیح ہے یہی ہونا چاہیئے.
حضرت نے مراقبہ کا ارشاد فرمایا تھا. اسکی تجدید فرماویں کہ کتنی دیر ہو.	کم از کم ۱۵ - ۲۰ منٹ
۳/۱۲/۴/۷ ھ	۷/۱۱/۴/۷ ھ

مکتوب ۳

عرض ہے کہ محبت کی کیا پہچان ہے.	محبوب کے کہنے کے موافق عمل کرنا اور اسکو اوسکے رضاء کا سبب سمجھنا.
اور کونسا درجہ اسکی مطلوبیت کا ضروری ہے.	اسکے اوامر و نواہی پر عمل کرنا اور اوسکے طرف سے آنیوالے حالات پر صابر و شاکر رہنا.
اور طریق حصول محبت کیا ہے	اسکے محبین سے تعلق رکھنا اور انکے طریق کار کو دستور العمل بنانا.

مکتوب ۷۴

محبت کے متعلق استفسارات پر جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ تو عرض ہے کہ علامات محبت یعنی محبوب کے کہنے کے موافق چلنا اور اسکو اسکے رضا کا سبب سمجھنا دونوں چیزیں اپنی دانست کے مطابق موجود ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ پہلی چیز یعنی کہنے کے موافق چلنے میں زلات ہوتی ہوں لیکن کوشش اتباع ہی کی رہتی ہے اسی طرح درجہ مطلوبیت میں آنیوالے حالات پر صبر و شکر بھی ہوتا ہے امر و نہی پر بھی عمل کی کوشش رہتی ہے کبھی لغزش ہونا امر آخر ہے۔ ۱۶۔۲۔۷۵ھ

یہ کافی ہے انشاء اللہ تعالیٰ ۲۰۔۲۔۷۵ھ

مکتوب ۷۵

فکر موت کے بارے میں عرض ہے کہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ نہیں ہے مگر با استحضار نہیں رہتا کبھی کبھی استحضار ہو بھی جاتا ہے جبکا طبیعت پر یہ اثر ہوتا ہے کہ سامان دنیا سے بے رغبتی ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اس سے ذہول ہو جاتا ہے جو علاج حضرت تحریر فرمائیں عمل پیرا رہوں گا۔ ۵۔۳۔۷۵ھ

یہی کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ ۱۲۔۳۔۷۵ھ

مکتوب ۷۶

عرض ہے کہ حسب ارشاد گرامی تبلیغ دین سے جو امراض کئے تھے۔ ابتک بالترتیب ان ہی کے متعلق استفسارات کرتا ہوں. اب وہ سلسلہ تو پورا ہوگیا. انشاء اللہ آئندہ جو چیز جس امر کے متعلق پیش آتی رہے گی حضرت کی خدمت میں عرض کرکے درستی کرتا رہونگا. اس کے علاوہ احقر کیلئے کچھ اور تجویز فرمادیں کہ اسپر عمل کرتا رہوں

احقر معمولات سابقہ یعنی بارہ تسبیح اسم ذات و مناجات و تلاوت و تہجد نیز مراقبہ توکل پر پابند ہے. اب احقر مستدعی ہے کہ کوئی مستقل معمول احقر کیلئے تجویز فرمادیا جائے کہ احقر اسپر ہمیشہ عامل رہے. ۴۔۹۔۷۵ھ

بہتر ہے. گذشتہ امراض کے علاج پر غور فرماتے رہیں.
استغفار اور درود شریف کی کوئی معین مقدار روزانہ پڑھا کریں. کم از کم بعد عشاء استغفار کی ایک تسبیح اور ہر نماز کے بعد درود شریف ۱۰ مرتبہ ۱۴۔۲۔۷۵ھ

باب ہشتم

روئیداد علالت ورحلت

روئیداد علالت و رحلت

قابل رشک صحت ۔ حضرت کی صحت مدتوں قابل رشک رہی۔ حضرت کی احتیاط خوئے اعتدال اور ہر بد پرہیزی سے پرہیز کا نتیجہ تھا کہ صحت اچھی رہتی۔ پچھتر چھہتر سال کی عمر میں بھی رات کے وقت مطالعہ اور لکھنے پڑھنے کا کام بے تکلف کرتے تھے سہارنپور کے قیام کے دوران اچانک درد گردہ کا حملہ ہوا جو اس قدر شدید تھا کہ اکابر مظاہر العلوم مایوس ہو گئے۔ اس کے بعد بینائی اچانک کمزور ہونا شروع ہوئی جس کے علاج کی لئے آپ کو دوبار دہلی جانا پڑا۔ اور وہاں ڈاکٹری اور یونانی دونوں علاج کئے جس سے اللہ تعالیٰ نے بہت جلد شفاء عطاء فرمائی۔ بے خوابی کی شکایت قیام مظاہر العلوم کے دوران ہی آپ کو ساتھ لگ گئی تھی جس میں برابر اضافہ ہوتا چلا گیا آخر میں یہاں تک نوبت آگئی کہ گاہے گاہے رات بھر ایک لمحہ کے لئے بھی نیند نہ آتی اس مرض کی وجہ سے آپ سفر بہت کم کرتے کہ جگہ بدلنے سے نیند بالکل غائب ہو جاتی۔ گھر پر یا جہاں عادت ہوتی کچھ آرام مل جاتا اس بے خوابی کی شکایت کے باجود کیا مجال کہ طبیعت میں چڑچڑاپن ' اکتاہٹ یا اضطراب پیدا ہو۔ زبان سے بہت کم ان تکالیف کا اظہار ہوتا اس بے خوابی اور مسلسل دماغی کام کی وجہ سے ضعف دماغ اور ضعف بصارت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ جس کی وجہ سے بعد میں آپ کو تدریسی اور تعلیمی سلسلہ کم کرنا پڑا ساتھ ساتھ دائمی قبض اور کثرت پیشاب کا مرض بھی بڑھنے لگا۔ اشتہا بھی کم ہو گئی ان مستقل اور عارضی بیماریوں سے اعصاب اور قوئی پر غیر معمولی اثر پڑنے لگا۔ اور فشارالدم یعنی (بلڈ پریشر) کی شکایت بھی ہونے لگی بے خوابی کی تکلیف کم از کم پینتیس سال اور دوسری تکالیف ساتھ آٹھ سال متواتر رہیں۔ ماہر حکیم اور ڈاکٹروں سے برابر

علاج ہوتا رہا۔ اس سلسلہ میں راولپنڈی میں بھی بارہا تشریف آوری ہوتی رہی۔ مختلف طبیب اور ڈاکٹر نہایت دلسوزی اور والہانہ توجہ سے علاج کرتے رہے کیونکہ ان میں سے اکثر معتقدین اور جاں نثار تھے لیکن ان معالجات سے کلی استیصال نہیں ہوا۔ افاقہ اگر ہوا تو عارضی ہوا۔ ڈاکٹری علاج کرنل حق نواز صاحب راولپنڈی' کرنل محمد شعیب صاحب راولپنڈی ڈاکٹر عبدالشکور صاحب غور غشتی اور ڈاکٹر محمد صادق صاحب (حال انگلینڈ) نے کیا یونانی علاج حکیم اشتیاق احمد صاحب سہارنپوری مرحوم (راولپنڈی) اور حکم محمد شفیع صاحب (لدھیانوی) اور حکیم رفیع احمد صاحب نبیرہ حکیم محمد اجمل خان مرحوم (کراچی) نے کیا۔ آپ نہایت احتیاط و التزام سے دواء استعمال فرماتے۔ ان مسلسل امراض سے آپ کی زبان پر یہ لفظ آجاتا کہ اب دماغ متحمل نہیں رہا۔ کتابوں کی تقاریظ بعض اہم کتابوں کا مطالعہ حتی کہ بعض اہم امتحانی پرچوں کے ملاحظہ میں بھی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ جب احباب و مخلصین کا کہیں باہر بلانے کا اصرار بڑھتا تو فرماتے کہ تم میری بیماریوں کا حال کیا جانو۔ لاہور کراچی اور مشرقی پاکستان کے احباب نے مختلف مواقع پر بڑا اصرار کیا۔ حتی کہ واپسی ٹکٹ ہوائی جہاز تک کے انتظام کر دیئے مگر فرماتے کہ قویٰ اب ان اسفار کے متحمل نہیں۔ بایں ہمہ امراض ' متعلقین کے استفسار پر خیریت ہی تحریر فرماتے۔ وفات کے چند ماہ قبل بعض حضرات نے خدمت اقدس میں حاضری کی اجازت چاہی تو صرف اتنا تحریر فرمایا کہ میری طبیعت اچھی نہیں تشریف نہ لائیں۔ مرض الموت سے کچھ قبل طبیعت پر کمزوری اور نقاہت بڑھ گئی تھی۔ ان متعدد طویل بیماریوں کے باوجود چہرے کی رونق و تازگی میں کمی ذرہ برابر محسوس ہوتی تھی نو وارد آپ کو دیکھ کر یوں سمجھتا تھا کہ آپ کی صحت قابل رشک ہے۔

ان مذکورہ بالا عوارض کی وجہ سے قریب سفر کا بھی تحمل باقی نہیں رہا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے سفر پاکستان کے موقعہ پر جب راولپنڈی میں حضرت مولانا سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ تو

سہارنپور آجاؤ ۔ حضرت مولانا نے عوارض کا ذکر کیا لیکن اس کے باوجود حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے خلوص و محبت کا اظہار کرتے ہوئے حاجی محمود صاحب سے کہا کہ تم حضرت مولانا کے سہارنپور لانے کا انتظام کرو۔ لیکن افسوس بعد میں ملکی حالات کی وجہ سے یہ سفر اختیار نہ کیا جاسکا۔ اس کے ساتھ ہی صاحبزادگان اور بعض دوسرے مخلص احباب نے دوبارہ حج اور عمرہ جانے کے لئے عرض کیا۔ باوجود ضعف و امراض کے ارادہ فرما لیا تھا۔ پاسپورٹ بھی بن گیا تھا مگر اللہ کو منظور نہ تھا ایام حج سے قبل ہی آپ واصل الی اللہ ہو گئے۔

مرض الموت اور اس کے دوران ۔ شب جمعہ ۱۰ دسمبر ۱۹۶۵ء مطابق ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ سخت سردی میں حسب معمول آپ تہجد کے لئے اٹھے کمرہ میں گرم پانی کا انتظام پہلے سے ہوتا۔ اندر ہی وضوء کا معمول تھا۔ اتفاقاً اس رات کمرے میں آپ تنہا تھے۔ اہالیان خانہ دوسرے کمرہ میں تھے۔ آپ نے وضوء کرکے نماز تہجد ادا کرنی شروع کی۔ کافی دیر کے بعد دوسرے کمرے میں خلاف توقع معمولی جہر سے استغفر اللہ استغفر اللہ کی آواز سنی گئی۔ جب کافی دیر تک یہ آواز آتی رہی تو اہالیان خانہ کو خیال ہوا کہ یہ آواز کیسے آرہی ہے۔ چنانچہ جب وہ آئے تو دیکھا کہ حضرت دائیں جانب سجدہ میں گرے ہوئے ہیں اور اذکار و استغفار کی ہلکی ہلکی آواز بلند ہو رہی ہے۔ یہ فالج کا شدید حملہ تھا جس سے دائیں جانب ساری متاثر تھی۔ ہاتھ اور پاؤں بے حرکت ہوگئے۔ زبان لڑکھڑانے لگی۔ اسی حالت میں چارپائی پر لٹا دیئے گئے۔ الفاظ ادا کرنے کی کوشش فرماتے۔ مگر پوری طرح سمجھ میں نہ آتے۔ ہاں "اللہ" یا لا الہ الا اللہ صاف سمجھ میں آجاتا۔ تاہم ہوش و حواس بحال تھے اسی حالت میں تھوڑی دیر بعد فجر کی نماز بیٹھ کر چارپائی پر ادا فرمائی۔ صبح حضروکے ڈاکٹر معائنہ کے لئے آئے۔ تشخیص فالج کی ہوئی۔ انہوں نے اپنے طور پر علاج شروع کیا۔ پنڈی کے ڈاکٹروں سے مشورہ کے بعد انہوں نے رائے دی کہ فوری طور پر پنڈی پہنچائے

جائیں۔ جمعہ کا دن گزرا معمولی ہوش کے دوران ظہر عصر مغرب عشاء کی نمازیں سہارا لے کر تیمم سے ادا کیں۔ بلکہ حاضرین کو بھی اذان سننے کے بعد نماز کے لئے جانے کا حکم فرماتے۔ ہفتہ کے دن صبح طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ ڈاکٹروں کے مشورہ سے پنڈی ایک بجے پہنچے۔ الحاج ڈاکٹر کرنل محمد شعیب صاحب ایم۔ ایچ راولپنڈی کے زیر نگرانی ماہر و اسپیشلسٹ فوجی ڈاکٹروں نے معائنہ کیا۔ علاج سے فوری طور پر وہ اضمحلال کم ہوتا نظر آیا جو صبح سے طاری تھا۔ ڈاکٹر حضرات نے کنٹونمنٹ جنرل ہسپتال میں داخلہ مناسب سمجھا۔ ہسپتال میں علاج شروع ہوا۔ مکمل ہوش تو نہ تھا مگر پھر بھی اتنا ضرور تھا کہ اگر کوئی آجاتا۔ اور تعارف کرایا جاتا۔ تو بایاں ہاتھ مصافحہ کے لئے آگے بڑھاتے۔ دو تین دن کے بعد نمایاں فرق محسوس ہونے لگا۔ ڈاکٹر بھی پر امید ہو گئے۔ بتاتے کہ اب حالت خطرہ سے باہر ہو گئی۔ مگر یہ مرض چونکہ طویل ہوتا ہے اس لئے صحت میں عرصہ لگے گا۔ کروٹ بدلنے کے لئے رات کو بھی تین تین آدمی جاگتے رہتے۔ کیونکہ ہر دو گھنٹہ کے بعد ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق کروٹ بدلنا ضروری تھا۔ ان ایام میں فالج زدہ پاؤں میں بھی معمولی حرکت محسوس ہوتی تھی۔ زیارت کرنے والوں کو بھی پہچان لیتے۔ مگر زبان گویائی پر قادر نہ تھی۔ البتہ "اللہ" "خدایا" "لا الہ الا اللہ" کے الفاظ واضح طور پر سمجھ میں آتے

۱۹ دسمبر یعنی ۲۵ شعبان کو صبح سے طبیعت میں کمزوری زیادہ محسوس ہونے لگی۔ رات بھی بے چینی سے گزری۔ کئی بار رات کے وقت ڈاکٹروں کو بلانا پڑا۔ مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ دوائی یا پینے کی کوئی چیز بھی بمشکل نگل سکتے۔ ان ایام میں بڑے بڑے فوجی اور سول ڈاکٹر برابر معائنہ کے لئے آتے رہے۔

۲۱ دسمبر یعنی ۲۷ شعبان کو صبح سے بالکل مایوسی کی کیفیت ہو گئی۔ اکابر و احباب کا ارادہ یہی ہوا کہ بھبودی لے چلیں۔ مگر بعض بڑے ڈاکٹروں نے کہا. کہ ہم اپنی سی کوشش بہر حال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر میجر جنرل محمد ایوب صاحب اور

ڈاکٹر احمد صاحب (مورگاہ) نے پھر معائنہ کیا۔ کچھ انجکشن تجویز کئے۔ مگر انہوں نے بھی کہا کہ آپ اگر یہاں سے لے جانا چاہیں تو لے جائیں۔ کیونکہ طبیعت مسلسل گر رہی ہے۔ اور کسی چیز سے سنبھلنے نہیں پاتی۔

بے نظیر خدمت ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کے لئے ہر جگہ ایسی خدمت و نگہداشت کا انتظام فرمایا اور ایسے مخلص ' جاں نثار ' ہر وقت کے حاضر باش ' مزاج دان ' و طبع شناس ' خادم میسر فرمائے تھے۔ جو شاید اس زمانے میں کسی بڑے سے بڑے رئیس و امیر کو بھی نصیب نہ ہوئے ہوں گے امراء کو خدام کی بڑی سے بڑی تعداد حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن وہ اس عقیدت و محبت اور دلسوزی و خلوص کو کہاں سے لاسکتے ہیں جو خدا کے مقبول بندوں کے ان مخلص خدام میں ہوتی ہے۔ جو اس خدمت کو اپنے لئے سرمایہ سعادت اور ذریعہ نجات تصور کرتے ہیں۔ ان خدام میں صاحبزادگان کے علاوہ۔ مولانا عبدالشکور صاحب۔ مولانا فضل الرحمن صاحب۔ مولانا عبدالجلیل صاحب۔ مولانا محمد وجیہ صاحب مولانا عبدالحمید صاحب۔ اختر حسن صاحب۔ احمد عبدالعزیز صاحب سابق ویونگ ماسٹر کوہ نور ملز مولانا عبدالخالق صاحب۔ مولانا عبدالرؤف صاحب۔ بہبودی و راولپنڈی کے احباب و اصحاب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

پنڈی میں ہسپتال کے قیام کے دوران ہر وقت حضرات علماء اور شہر کے احباب اور دیندار حلقوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ جس کو بھی حال معلوم ہوتا تھا۔ حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوتا۔ ہسپتال والوں کی طرف سے خصوصی رعایت کی بناء پر وقت کی پابندی ختم کر دی گئی تھی۔ کراچی۔ حیدر آباد۔ لاہور سے بھی احباب و متعلقین پہونچ آئے تھے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے خلوص اور محبت کا اندازہ بھی اس وقت ہوتا تھا۔ باوجود اپنی شدید تدریسی مشغولیت کے ہمہ وقت حضرت مرحوم کی خدمت اپنی سعادت سمجھتے۔ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مرحوم۔ مولانا قاری محمد امین

صاحب اور دیگر مقامی علماء بھی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ بھی اکوڑہ خٹک سے عیادت کے لئے مع احباب کے تشریف لائے اور آخر وقت تک پنڈی قیام رہا۔

جن ڈاکٹر حضرات نے بیماری میں خصوصی توجہ فرمائی اور انتہائی دلسوزی اور عقیدت کے ساتھ علاج فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

میجر جنرل ڈاکٹر محمد ایوب صاحب ایم ایچ راولپنڈی۔ الحاج ڈاکٹر کرنل محمد شعیب صاحب ایم ایچ۔ کرنل حق نواز صاحب کرنل آئی ڈی۔ حسن صاحب۔ ڈاکٹر میجر منظور صاحب انچارج کنٹونمنٹ جنرل ہسپتال ' ڈاکٹر احمد صاحب -مورگاہ ڈاکٹر قمر الاسلام صاحب۔ ڈاکٹر مقبول صاحب۔ اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

یوم وداع کی کرامت - ۲۱ دسمبر کو انتقال سے چند گھنٹے قبل ڈاکٹر احمد صاحب (مورگاہ) معائنہ کے لئے آئے۔ آپ پر مکمل غشی طاری تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کے لئے آلہ (سٹیتھو سکوپ) کرتہ کا دامن ہٹا کر سینہ پر رکھا۔ اور پھر کرتہ اسی طرح چھوڑ دیا۔ حضرت کی فطرتی حیاء کا اندازہ لگائیے کہ اس بے ہوشی اور غشی کی حالت میں لڑکھڑاتے ہوئے ہاتھ سے اپنی قمیص کے دامن کو نیچے کرکے سینہ کے حصہ کو چھپا دیا۔ اس موقع پر کھڑے ہوئے حضرات متحیر ہو گئے۔ مولانا غلام اللہ خان ' مولانا عبدالحق صاحب اور دیگر حضرات نے اس وقت حضرت کی اس واضح کرامت کو محسوس کیا

شام وداع کا منظر۔ تین بجے کے قریب ایمبولینس کار کے ذریعہ روانگی ہوئی راقم سعید الرحمن ' جناب اختر حسین صاحب ' مولانا محمد وجیہ صاحب۔ مولوی عبدالجلیل صاحب۔ فضل قادر صاحب ہمراہ تھے۔ ۴ بج کر ۴۰ منٹ پر راستہ ہی میں لارنس پور کے قریب حضرت کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی سوا پانچ

بجے کے قریب مغرب کے وقت بہودی پہنچے۔ پورے بہودی میں کہرام مچ گیا اہالیان بہودی تو صحت کی خبر کے منتظر تھے مگر اچانک یہ خبر ان کے لئے اضطراب و رنج و الم کا باعث بنی۔ پیچھے بس میں حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب ، مولانا عبدالشکور اور دوسرے حضرات ۷ بجے کے قریب بہودی پہنچے۔ سب حضرات کا مشورہ ہوا کہ نماز جنازہ ۲ بجے بعد ظہر ادا کیا جائے۔ تاکہ دور دراز کے احباب پہنچ سکیں۔ رات ہی کو مختلف اطراف میں ٹیلیفون و تار کے ذریعہ اطلاع دے دی گئی۔

اہلیہ محترمہ اور اہالیان خانہ کی حالت رفیعہ

غمگین کون نہیں تھا جس کو بھی اس خبر جانکاہ کی اطلاع ملی۔ وہ خون کے آنسو رو دیا۔ قلوب پژمردہ ہوگئے تھے۔ حضرت کی اہلیہ محترمہ اور اہالیان خانہ کے غمگین دلوں کے اضطراب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ مگر ہسپتال کے قیام کے دوران بھی سراپا صبر کا نمونہ تھے۔ اور وفات کے بعد بھی اگرچہ آنکھیں اشکبار دل غمگین مگر کیا مجال کہ نوحہ نیاحت یا خلاف شرع کسی رسم کا ظہور ہوتا۔ ایسی کوئی بات جو صبر و ضبط کی منافی تھی صادر نہیں ہوئی۔ اوروں کو بھی اسی کی تلقین تھی۔ باہر کے آنے والے احباب نے خصوصیت سے یہ بات نوٹ کی کہ اس قدر جانکاہ حادثہ کے باوجود کوئی آہ و فغاں اور زور زور سے چیخنے چلانے کی آواز نہیں سنائی دی۔ یہ سب کچھ حضرت کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ کہ ہر مرحلہ پر صبر کی تلقین آپ کی امتیازی تلقین ہوتی۔

حق تعالیٰ کی عجیب امداد شامل حال تھی کہ صاحبزادگان اور اقارب و احباب و متعلقین پر کوئی بدحواسی کی کیفیت طاری نہ تھی۔ صبر کا دامن ہر ایک نے تھاما ہوا تھا ہر شخص اپنی ہمت و استطاعت کی مطابق مختلف قسم کے فرائض انجام دینے میں مصروف تھا۔ تجہیز و تکفین تک یہ عجیب کیفیت طاری تھی۔

تجہیز و تکفین اور جنازہ ۔ بارہ بجے غسل کا اہتمام شروع ہوا۔ جس میں صاحبزادگان مولانا محمد وجیہ صاحب۔ حاجی محمود صاحب۔ حافظ عبدالحمید صاحب ۔ حاجی ہوس خان صاحب اور بعض دیگر اقارب نے یہ سعادت حاصل کی۔ سب کام عین سنت کی مطابق ادا کیا گیا۔ زمزم میں بھگویا ہوا کفن پہنایا گیا۔ جو اہلیہ محترمہ اور بڑے صاحبزادہ اپنے سفرِ حج کے موقع پر ساتھ لائے تھے۔ جنازہ کا وقت بعد ظہر مقرر ہو چکا تھا صبح سے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ دوپہر تک لاہور پشاور تک کے احباب پہنچ آئے تھے۔ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب کا نام باتفاق رائے تجویز ہوا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ باوجود ضعف و پیرانہ سالی کے خصوصی تعلق و محبت کی وجہ سے دوپہر سے پہلے تشریف لے آئے تھے لوگ باوجود سڑک کے زیر تعمیر ہونے اور آمد و رفت میں سہولت نہ ہونے کے بسوں ٹرکوں اور تانگوں میں پہنچ گئے تھے۔ کافی تعداد میں لوگ پیدل آئے۔

ظہر کے بعد ۲ بجے جنازہ گھر سے باہر لایا گیا۔ دونوں طرف لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تاکہ وقت واحد میں سینکڑوں آدمی کندھا دینے کا شرف حاصل کر سکیں۔ جنازہ نکلنے پر کہرام مچ گیا۔ گھر والے رو رہے تھے۔ باہر والے چیخیں مار رہے تھے۔ اس نالہ و فغاں اور پورے وقار و تمکنت کے ساتھ ہزارہا شیدائیوں کے کندھوں پر جنازہ اٹھایا گیا

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

نماز جنازہ حضرت مولانا کے بنائے ہوئے مدرسہ رحمانیہ کے وسیع صحن میں اداء کیا گیا۔ پورا صحن بھر گیا مکبرین کے انتظام کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں عوام سے زیادہ علماء کا اجتماع تھا۔ بقول حضرت شیخ الحدیث مدظلہ میں نے علماء کا اتنا بڑا اجتماع کسی جنازہ میں نہیں دیکھا۔ ہر معاملہ میں اتباع سنت کا لحاظ رکھا گیا علاقائی رواج دعا بعد الجنازہ کا ہے لیکن حضرت کی کرامت دیکھئے کہ اس کا بھی موقعہ نہ

آیا ۔ نماز کے ختم ہونے پر ہی لوگ آخری دیدار کے لئے امنڈ پڑے ہجوم کی کثرت سے تقریباً" ایک گھنٹہ آخری دیدار ہوتا رہا۔ بعض احباب و متعلقین کی حالت قابل دید تھی۔ بار بار آنسو بہاتے ہوئے غمزدہ قلوب کے ساتھ زیارت کر رہے تھے۔

تدفین کا دل گداز منظر۔ مدرسہ رحمانیہ سے میت اٹھا کر مدفن پہنچائی گئی۔ قبر بہبودی کے قبرستان میں اونچی ڈھیری پر سڑک کے قریب بنائی گئی - تاکہ زائرین اور فاتحہ پڑھنے والوں کے لئے سہولت رہے۔ قبر میں اتارنے کی سعادت راقم۔ مولانا محمد وجیہ صاحب۔ مولوی عبدالجلیل صاحب۔ دلاور خان وغیرہ کو حاصل ہوئی ۔ کیسی حسرت اور کس قدر الم کا موقع تھا۔ جس کے دل پر جو بھی گزری حیرت ہے سہا کیسے گیا۔ کلیجہ پھٹ کیوں نہ گیا؟ بس اسی ذات صمدیت ہی کی اعانت تھی ورنہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں تھی شرکاء جنازہ نے منها خلقنكم و فيها نعيدكم و منها نخرجكم تارة اخرى کے تسکین بخش' عقیدے کو دہراتے ہوئے مٹھیاں بھر بھر کر مٹی ڈالنی شروع کی اور بس قبر تیار ہوگئی۔ ازاں بعد مسنون طریقہ پر تلاوت کلام پاک کی گئی اور پھر حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک اور حضرت مولانا بادشاہ گل صاحب اکوڑہ خٹک نے حضرت کے کمالات علمی ' خصائل و فضائل بیان فرمائے۔

حضرت شیخ القرآن جیسے عالم و فاضل اور شعلہ بار خطیب نے جوش عقیدت و حزن میں پرنم آنکھوں سے ایسے انداز میں حضرت کو خراج تحسین پیش کیا کہ سارا ماحول ماتم کدہ بن گیا۔ جذبات کچھ ایسے مجروح تھے کہ ان حضرات کی ان رواں دواں تقریروں کے مختصر حصے یاد رہ گئے۔ حضرت شیخ القرآن کے یہ الفاظ یاد رہیں گے کہ۔

"اس علاقہ میں دو[1] شخصیتیں ایسی تھیں جن کی نظیر اس دور میں نہیں

---

(۱) دوسری شخصیت حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتی متعنا اللہ بطول بقائہ کی

ملتی ان علاقہ کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کس پایہ کی شخصیت تھی۔ کاش کہ ہم ان کی قدر کرتے اور ان سے فیضیاب ہوتے ------ بخدا ! جب حضرت پر نظر پڑتی علم و فضل کا ایک پیکر سامنے ہوتا آج اخلاق و مروت کا مجسمہ ' وہ مسکراتا اور متبسم چہرہ ہم سے روپوش ہوگیا۔ جس کو دیکھ کر ہماری پریشانیاں دور ہوجاتی تھیں۔"

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے اسی دل گداز پیرایہ میں حاضرین سے خطاب فرمایا کہ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ فرمایا۔

"آج حضرت مولانا کے خاندان والے ہی صرف غمزدہ نہیں بلکہ حضرت کے ہزاروں تلامذہ و متعلقین اپنے شفیق شیخ و استاذ سے محروم ہوگئے۔ آج علم و معرفت کی محفل خاموش ہوگئی۔ مولانا کی زندگی ہمارے لئے نمونہ عمل تھی۔ حضرت مولانا علم و معرفت کے ایسے خاموش سمندر تھے جو مدوجزر سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس دور میں اگر ہمیں اپنے اسلاف کے نمونہ کی تلاش ہوتی تو حضرت مولانا کی طرف نگاہ اٹھتی"۔

اس کے بعد مولانا بادشاہ گل صاحب اکوڑہ خٹک نے درد بھرے لہجے میں فرمایا۔

"حضرت مولانا کی شخصیت طریقت و شریعت کے اس اونچے مقام پر فائز تھی۔ کہ ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق ان کے فیض سے خوشہ چینی کرتا۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شارح ابی داؤد کے محبوب تلمیذ تھے۔ نیز حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بھی منظور نظر تھے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کرم آپ کی طرف تھی۔ اور حضرت حکیم الامتہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت سے آپ کے کمالات کے معترف تھے۔ اب ہم کس کے سامنے اپنی مشکلات پیش کرکے حل کریں۔ جب بھی کوئی علمی اشکال پیش آیا مولانا سے حل کرلیتے"۔

چند مبشرات

ذیل میں چند رویائے صادقہ پیش کئے جا رہے ہیں جو حضرت اقدس کی رحلت پر بعض اہل دل اور اہل محبت نہ دیکھے

ا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے تحریر فرمایا کہ میں نے شعبان کی ۲۷ تاریخ کے بعد والی رات میں خواب میں دیکھا۔ کہ حکیم الامتہ مولانا تھانوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی بیماری کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس خواب سے مجھے کھٹکا ہو چکا تھا کہ مولانا کا انتقال ہوگیا ہے انا اللہ و انا الیہ راجعون۔ مولانا حضرت حکیم الامتہ کے مجاز تھے۔ ان کا انتقال حکیم الامتہ کے انتقال کا نمونہ ہے۔

۲۔ ایک دیندار خاتون نے خواب میں دیکھا کہ آگے آگے مولانا صاحب جا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے رسول اللہ ﷺ (اپنے گھر کے سامنے سے گزر رہے ہیں) جب اس کی تعبیر شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب مدظلہ سے پوچھی گئی تو موصوف نے فرمایا کہ اس میں نبی ﷺ نے یہ ظاہر فرمایا کہ آپ کا طریقہ مجھے پسند ہے۔ پھر موصوف نے بطور مثال فرمایا کہ جیسے مولانا صاحب کی طبیعت میں خاموشی تھی تو یہ چیز اور ایسی بہترین عادتیں نبی علیہ الاسلام کو پسند ہیں۔

۳۔ انتقال کی دوسری یا تیسری رات تھی کہ ایک خادم نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں دنیا میں ایک زمانہ رہا تھا۔ لیکن لوگوں سے الگ

۴۔ ایک صالح دیندار نے خوب میں دیکھا کہ میں بہبودی کی غربی محلہ کے کسی جگہ میں ہوں کہ اچانک ڈھول باجے وغیرہ بجتے ہوئے آگئے میں وہاں سے دوڑتا

ہوا نکل گیا اسی خواب میں سمجھتے ہیں کہ دوسرا دن ہے کہ میں پھر اسی جگہ میں ہوں اور پھر یہی سلسلہ شروع ہوا۔ تو میں وہاں سے بھاگنے لگا۔ راستے میں دیکھا کہ نبی ﷺ ہیں۔ اور چند بزرگ ان کے ساتھ اور ہیں۔ ان بزرگوں نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ یہ یہاں سے گانے بجانے سے بھاگتا ہے۔ آگے گیا تو حضرت مولانا صاحب کو دیکھا۔ اور مولانا صاحب ان کو (حافظ فردوس) اپنے بیٹھک میں ساتھ لے گئے۔

وصایا

حضرت مولانا نے اپنے چچازاد بھائی مولانا عبدالقدیم اور دو بڑے صاحبزادگان کے نام ۲۶ جمادی الاولی ۱۳۷۲ھ کو ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا جس میں سے کچھ حصہ افادۂ عام کے لئے درج کیا جاتا ہے اس سے حضرت کی محتاط زندگی ادائے حقوق کا لحاظ۔ سنت نبوی کا اتباع بدعت سے تنفر اور خوف آخرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تحریر کا آغاز اس طرح ہے۔

"موت ہر شخص کے لئے ہے اور وصیت بھی شرعاً"
ضروری ہے۔ اس لئے چند ضروریات بطور وصیت
کے لکھتا ہوں جس پر عمل کریں"

۱۔ تقریباً" دو ماہ کی نمازوں کا فدیہ احتیاطاً" ادا کیا جاوے۔

۲ ---------- جہاں جہاں میرا قیام رہا ہے مثلاً" سہارنپور۔ ملتان۔ ٹنڈوالٰہ یار وغیرہ وہاں کے لوگوں سے میرے ذمہ ان کی حقوق لسانی مالی معاف کرائے جائیں بذریعہ خطوط یا خود جا کر۔ بہبودی کے لوگوں سے دونوں بلکہ تینوں

مسجدوں میں اعلان کرکے میرے ذمہ حقوق معاف کرائے جائیں۔

۳ ۔ -------- ہر نماز کے بعد تین دفعہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مجھے بخش دیا کریں اور سال بھر میں ایک دفعہ قرآن شریف ختم کرکے اس کا ثواب مجھے بخش دیا کریں

۴ ۔ ---------- میرے دفن کے بعد تھوڑ دیر میری قبر کے پاس دو تین آدمی بیٹھ کر تلاوت قرآن کریں اور میری قبر پر کھجور کی ایک شاخ گاڑ دیں۔

۵ ۔ ---------- جمعرات ' چالیسواں ' برسی میرے بعد ہرگز نہ کریں۔ باقی تصدق ایصال ثواب کے لئے کیف ماتفق فیہ طور سے حسب استطاعت جو کچھ کرسکیں کرلیا کریں

۶ ۔ ---------- .سہولت ہوسکے تو مہینہ کے اندر ایک دفعہ یاسال میں میری قبر پر آکر میرے لئے دعائے مغفرت کرلیا کریں ۔ اور ہر نماز کے بعد دعاء میں میرے لئے بھی دعا مغفرت کرلیا کریں۔

۷ ۔ ---------- جہاں تک ہوسکے دین کی خدمت تبلیغ ۔ تدریس میں مشغول رہیں ۔معاش کے لئے معمولی سی تجارت اگر کرسکو تو کرلیں۔

۸ ۔ ---------- کسی دیندار اہل اللہ سے (جس پر تمہارا حسن ظن ہو) بیعت ہو کر اس سے اپنی اصلاح کرائیں کہ بجز خاصان خدا کے تعلق کے دین کی حفاظت مشکل ہے۔

۹ ۔ ---------- آپس میں اتفاق اتحاد سے رہو ۔ اپنے خویش و اقارب سے اتفاق رکھو۔

۱۰ ۔ ---------- دنیا سے بہت زیادہ دین کا خیال رکھو۔

۱۱ ۔ ---------- اپنی والدہ کی خدمت اور انکی تعظیم و تکریم سعادت دارین سمجھو۔

۱۲ ۔ ---------- جہاں تک ہوسکے آپس میں اور لوگوں سے جنگ و جدال ' دنگہ فساد سے اجتناب کرو ۔ کہ اس میں دین و دنیا کی تباہی ہے ۔

۱۳ ۔ ---------- تحمل اور صبر سے کام لیا کرو۔

الدین النصیحة

(طلبہ کو نصیحت)

خیرالمدارس میں قیام کے دوران ۲۸ رجب ۱۳۶۸ ھ (مئی ۱۹۴۹ء بخاری شریف کے ختم کے موقعہ پر طلبہ کو آپ نے کچھ ہدایات اور نصیحتیں فرمائیں ۔ مولانا محمد صادق صاحب (سہگل آباد) نے ان کو مرتب کیا ہے ۔ جسکا اختصار درج کیا جا رہا ہے ۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن صاحب نے ختم بخاری کے موقع پر الدین النصیحة للہ و لرسولہ الخ کے عنوان کے تحت طلباء کو ان ارشادات سے نوازا ۔ فرمایا ۔

طلباء کرام ! علم کی دو قسمیں ہیں ۔ "علم دین ۔ و علم دنیا"

علم دین کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو خدا کے خوش کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے ۔ اور دیندار بن جائے۔ آپ نے صحاح ستہ ختم کرلی ہیں ۔ اگر ابتدائی کتب سے بخاری شریف تک اس لئے پڑھا ہے ۔ کہ اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرلوں اور لوگوں کو دین کی دعوت دوں تو تعلیم کے ہر دور اور ہر لحہ میں ثواب ملے گا ۔ انما الاعمال بالنیات۔

اللہ تعالی کے عائد کردہ اس فریضہ (علم) کے سیکھنے اور اس عظیم فرض سے سبکدوش ہونے کے لئے موقوف علیہ علوم صرف ' نحو ' معانی واصول کا سیکھنا ایسا ہی ہے جیسے نماز سے قبل نماز کی تیاری ۔ جن لوگوں نے ابتداء سے لے کر انتہاء تک اپنی نیت کو صحیح رکھا ' ان کو مبارک ہو اور اگر نیت صحیح نہ تھی تو اس وقت نیت ٹھیک کر لو ۔ انشاء اللہ ایسوں کو بھی اس پر ثواب ملے گا

۔ اور یہ علم دین آپ میں خود اخلاص لے آئے گا۔ بعض بزرگوں کا مقولہ ہے
۔

"تعلمنا العلم لغیرِ اللّٰہ فابی العلم الا ان یکون للّٰہ۔"ہم نے علم کو غیر اللہ کے لئے حاصل کیا۔ مگر علم نے صرف اللہ کے لئے ہونے پر اصرار کیا۔) پس خود بھی شریعت کی مطابق عمل کیجئے اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیں یہی نصیحت الٰہی ہے او جس طرح حضور ﷺ نے امت کی خیر خواہی میں کمی نہیں کی ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم حضور ﷺ کے دین کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہ چھوڑیں اور عالم لوگوں کے لئے خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں اپنی ایذاء سے بچائیں اور حتی الوسع ان کی معاونت کریں۔

صاحبان ! آپ نے پورا سال گزارا ہے۔ ایک مہینہ میں بھی حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ غفلت ہو جاتی ہے یا عمداً" ایسی حرکت ہو جاتی ہے جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ اب آپ جدا ہو جائیں گے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے (اس پر مجلس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں) لہٰذا کوئی باہمی حق باقی ہو۔ آپس میں مالی حق ہو یا مدرسہ کا حق ہو' ادا کرو۔ کوئی قولی حق آپس میں ہو۔ یا حضرت مہتمم صاحب کی کبھی دل تنگی ہوئی ہو۔ اور میں تو بہت گنہگار ہوں (اسپر اس گنہگار کے بھیؔ آنسو پھوٹ پڑے)

مولانا صاحبان ! اب آپ قوم کے مقتدا بن جاؤ گے خدا کے ہاں آپ پر گرفت بھی زیادہ ہوگی۔ اور لوگ آپ کو دیکھ کر کہیں گے وہاں سے پڑھ کر آیا ہے۔ تو جس مدرسہ نے آپ پر احسان کیا ہے۔ کم از کم اسے بدنام نہ کرنا۔ تبلیغ کرنا اور وہ کام کرنا جو آپ کے شایان شان ہوں لوگوں کی نظر میں آپ کی وجاہت ہوگی اور یقین مانو کہ اچھے عمل میں اثر ہے۔ میں آپ سے یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ جب آپ یہاں سے جائیں گے تو اپنے اپنے ماحول میں جائیں گے۔

مدرسہ میں بعض دینی انتظامات ایسے موجود ہوتے ہیں جو گھر کے ماحول میں نہیں ہوتے ۔ دوسرے ماحول میں کار خیر پر وقتیں بھی پیش آتی ہیں ۔ اور بغیر وقتوں کے تو کوئی کام نہیں ہوتا ۔ پس اللہ تعالیٰ سے اچھے اعمال کی توفیق مانگیے ۔

دورہ حدیث شریف کے اختتام پر خوشی کی لہر تھی مگر مولانا کے مشفقانہ نصائح سے ایک سناٹا سا چھاگیا ۔ اکثر قلوب رقت آمیز تھے اور آنکھیں اشکبار تھیں کہ حضرت مہتمم مدظلہ نے اپنے ایک مکالمہ سے مسرت کی لہر دوڑا دی ۔

مہتمم صاحب ۔ حضرت جی آپ تو واعظ معلوم ہوتے ہیں ۔

حضرت مولانا (مسکراتے ہوئے) میں اور وعظ ۔ لوگوں کی نظروں میں جو کچھ وجاہت بنی ہوئی آپ وہ بھی کھونا چاہتے ہیں ۔

مہتمم صاحب ۔ نہیں حضور ۔ جمعہ کا وعظ آپ کے ذمہ لگایا جائے گا ۔ اس پر حضرت جی ہنس پڑے اور مجلس زعفران زار بن گئی ۔

خاندان ۔ مولانا عبدالجلیل صاحب اس بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہیں :۔ حضرت مولانا کا گھرانہ ماشاء اللہ اسرۃ صالحتہ یعنی نیک خاندان کہلانے کا مستحق ہے حضرت کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں ۔ ۱ ۔ مولانا حافظ عبید الرحمن صاحب حال خطیب جامع مسجد بوڈمین اسٹریٹ ۔ شیفلیڈ انگلینڈ ۲ ۔ مولانا قاری سعید الرحمن صاحب خطیب و مہتمم جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ ۔ راولپنڈی ۳ ۔ جناب محمد الرحمن صاحب ۴ ۔ مولانا حافظ احمد الرحمن صاحب مدرس و مفتی مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی ۔ تین صاحبزادے مکمل عالم دین حافظ و قاری ہیں اور خدمت دین میں مصروف ہیں ۔ صاحبزادی کی

شادی حضرت مولانا کے ایک عزیز فضل قادر صاحب سے ہوئی۔

باری تعالی نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اہلیہ حیات بھی ایسی عطاء فرمائی کہ اس زمانہ میں ہزاروں اور لاکھوں میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت مولانا کی نہایت فرمانبردار اور معتقد ' غریب پرور کریم الطبع ' مہمان نواز باسلیقہ بردبار صابر شاکر سفر حضر میں حضرت مولانا اور انکے مہمانوں کی خدمت کے لئے دل و جان سے ہر وقت تیار سہارنپور کے زمانہ قیام میں خوب یاد ہے کہ بسا اوقات گھر میں تین چار بچے بیمار بھی رہتے تھے کبھی خود بھی علیل ہوتیں لیکن گھر کا پورا کام اور مہمانوں کی خدمت اس خوش اسلوبی سے ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے ایسا بھی ہوا کہ سخت گرمیوں میں ٹھیک دوپہر کے وقت چند مہمانوں کو مکلف کھانا کھلایا سی وقت چار مہمان اور آگئے حضرت نے مجھ سے فرمایا گھر جاؤ سالن جو موجود ہو لے آؤ روٹی بازار سے لے آئیں گے۔ میں نے حضرت کا ارشاد سنایا ' سن کر فرمایا کہ آدھ گھنٹہ میں آجاؤ۔ میں اس سے بھی پہلے حاضر ہوا تو دیکھا پورا مکلف کھانا تیار ہے۔ سفرحج میں جب اپنے بڑے صاحبزادہ مولانا عبیدالرحمن صاحب کی معیت میں حجاز مقدس پہنچیں تو گیارہ آدمیوں کا قافلہ تو بہبودی سے گیا تھا چار نفر اور ساتھ ہولئے۔ اس پورے مجمع کا کھانا بہت بہتر طریقہ پر وقت وقت پر تیار فرماتیں۔ بسا اوقات رفقاء سفر میں دو تین آدمی بیمار ہوتے تو ان کے لئے ان کے مناسب الگ کھانا ہوتا۔ ایسی خدمت ہوتی کہ جو گھر میں بھی کسی کو کم نصیب ہوتی ہوگی۔ مدینہ منورہ مکہ معظمہ حتیٰ کہ عین منیٰ میں بھی یہ سب کی مخدومہ اور عبادات کے ساتھ ساتھ خدمت فرماتیں سچ ہے۔ سید القوم خادمھم ' زمانہ دراز سے حضرت مولانا نے اپنی بیٹھک میں تراویح میں ختم قرآن کا سلسلہ جاری کیا تھا جو اب بھی اسی طریقہ پر جاری ہے۔ باری تعالی یہ سلسلہ قیامت تک قائم رکھے۔ جس میں چالیس پچاس آدمی شریک

ہوتے ہیں ان سب کو ہر رات ایک دفعہ کبھی دو دفعہ چائے پلاتے تھے یہ سب کام بہت خاموشی کے ساتھ آں مخدومہ کرتیں تھیں بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ اچانک چالیس یا پچاس مہمان آگئے ۔ سب کھانا ایک دو عورتوں کو پڑوس سے بلا کر تھوڑی دیر میں تیار ہو جاتا ہے ۔بڑے بچے حافظ محمد انور مرحوم کا اچانک انتقال ہوا آنسو ضرور آئے ہوں گے مگر چیخ و پکار وغیرہ کا نام بھی نہیں تھا بلکہ اس حزن و غم میں بھی اپنے گھر کا پورا کام اور مہمانوں کی خدمت خود کرتی تھیں ۔ سخاوت کا یہ حال ہے کہ حافظ عبیدالرحمن صاحب کی شادی پر میرے والد صاحب مرحوم بیماری کی وجہ سے کھانے کے لئے نہ جاسکے ۔ دوسرے تیسرے دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خیال ہوا تو گھر میں فرمایا کہ عبدالجلیل کے والد کے لئے کھانا بھیجدو ۔ تو آں مخدومہ نے اتنا کھانا بھیجا کہ دس بارہ آدمیوں کا کھانا تھا ۔ ہم سب نے خود بھی کھایا اور تبلیغی سلسلے میں آئے ہوئے مہمانوں کو بھی کھلایا ۔ حضرت کے انتقال کے بعد پانچ چھ مہینے تک کثرت سے مہمان آتے تھے قاری سعید الرحمن صاحب خطیب جامعہ اسلامیہ ایک دو جمعہ تو راولپنڈی بالکل نہیں گئے پھر میں نے عرض کیا کہ کم از کم جمعہ کی نماز کے لئے تو جانا چاہیئے ۔ بمشکل تمام مخدومہ نے صرف جمعہ پڑھانے کے لئے اجازت دی ۔ زیادہ رہنے کی اجازت نہیں دی تاکہ مہمانوں کی خاطر خواہ خدمت اور دلجوئی ہوسکے ۔ اگر کہیں ان کی عدم موجودگی میں مہمان آجاتے تو مولانا عبدالرؤف صاحب وغیرہ کے ذریعہ ان کی خدمت خوب ہو جاتی تھی لیکن پھر بھی آں مخدومہ کو قاری صاحب کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے بہت صدمہ ہوتا اور کسی کی خدمت پر تسلی نہ ہوتی بسا اوقات حضرت نے گوشت لانے کے لئے فرمایا جب گوشت لا کر گھر بھیجا تو رومال کو خوب صاف کرکے واپس کیا ۔ احقر تو اکثر مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر رہتا ۔ بہت کم ایسا ہوتا کہ بہبودی میں حضرت موجود ہوں اور

میں حاضر خدمت نہ ہوتا لیکن باوجود اس قدر کثرت آمد و رفت کے بھی اکثر جب کوئی مہمان ہوتا تو بچے کو ۔ ہیحدیتیں کہ عبدالجلیل سے کہو کھانا یہاں کھائے گا اور چائے کے وقت تو اطلاع ملنے پر حضرت مولانا صاحب بیٹھک آگئے اور چند منٹ بعد چائے مع لوازم آگئی ۔ اسی کے قریب قریب معاملہ بہت سے خدام کے ساتھ ہے ۔ ہر ایک سمجھتا ہے کہ مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں ۔ میرے سب اساتذہ میں بلاشبہ حضرت مولانا صاحب میرے زیادہ محسن تھے اور اعزہ میں آں مخدومہ سب سے زیادہ مہربان ہیں.

یہ چند باتیں نمونہ کے طور پر عرض خدمت ہیں مجموعہ حالات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالی نے بہت سے کمالات اپنے فضل و کرم سے آں مخدومہ کو عطاء فرمائے ہیں ۔

میں اپنے دل میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ مجھے برادر عبیدالرحمن ، سعید الرحمٰن محمد الرحمٰن صاحب اور احمد الرحمٰن صاحب میں سے کس سے زیادہ محبت ہے ۔ جس کا سبب بظاہر حضرت مولانا صاحب کے احسانات اور ساتھ ساتھ ان کا بھی اسی طریقہ پر ہونا ہے بارک اللہ فیھم ۔ باری تعالی سب کو نیک صالح اور علم و عمل اور تقوی میں کمال اور ترقی در ترقی نصیب فرمائیں ۔ اور ہم سب کو صلاح کامل اور فلاح دارین نصیب فرمائیں عرض ہے کہ اگر آں مخدومہ یا برادران کی نظران سطور پر پڑے تو اس کو اس خادم کے حسن ظن اور مولانا کی محبت پر محمول فرمائیں اور خود اپنے پروردگار کے سامنے تن تنہا کھڑا ہونے کو یاد کرکے اپنے لئے بھی مغفرت طلب کریں ۔ اور اس خطا کار ، شرمسار کے لئے بھی کہ باری تعالی اپنی وسیع رحمت سے پوری مغفرت نصیب فرمائے آمین لاکھ لاکھ آمین کروڑ کروڑ آمین یا رب العالمین برحمتک یا ارحم الراحمین و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین ۔

حضرت مولانا کا مشاہیر علماء اور اکابر کی نظروں میں مقام

حضرت کے وصال پر بے شمار علماء و مشاہیر نے شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے راقم کے نام تحریر فرمایا کہ یہاں ایک نوٹ اس قسم کا ہونا چاہیئے کہ اس زمانہ میں ہندوپاک کی ڈاک بند تھی۔ زکریا کو بھی اطلاع حجاز کے خط سے آخری رمضان میں ملی۔ جس سے وہاں کے اور لوگوں کو علم ہوا۔ جب کہ یونہی مولانا منظور نعمانی نے بھی اپنے خط میں ذکر کیا۔(مکتوب ۱۲ شعبان ۸۹ھ) ذیل میں چند تعزیتی خطوط کے اقتباسات دیئے جا رہے ہیں۔ جو راقم کے نام پر لکھے گئے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مظاہر العلوم سہارنپور

عزیز محترم عافاکم اللہ تعالی۔ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی رحلت کے حادثہ سے جتنا رنج و قلق ہے۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ یہاں سبھی اہل مدرسہ انتہائی رنجیدہ ہیں۔ اور خبر سننے کے بعد ہی سے دعا اور ایصال ثواب ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق کر رہا ہے۔ اور اس ناکارہ کے تو طالب علمی کے زمانہ سے مولانا مرحوم سے تعلقات تھے۔ حماسہ میں میرے والد کے یہاں میری ان کی تعلیم میں شرکت ہوئی اور پھر ایک ہی سال مدرسی ہوئی۔ اور پھر اس کے بعد سے تو آپ کو معلوم ہے کہ تعلقات بڑھتے ہی چلے گئے۔ افسوس کہ اکابر و احباب بلکہ محبوب اصاغر بھی ایک ایک ہو کر جدا ہو رہے ہیں۔ یہ

ناکارہ ہی سب کے رنج و غم سہنے کے لئے پڑا ہے ۔ بہر حال بجز ایصال ثواب و صبر کے کیا چارہ ہے ۔ حضرت مولانا مرحوم کیساتھ تعلق ہم لوگوں کا ایسا نہیں جس کے بعد دعائے مغفرت یا ایصال ثواب کے لئے کسی تحریر کی ضرورت ہو حادثہ کی خبر سننے کے بعد ماہ مبارک میں ہی حرمین شریفین میں بھی احباب کو دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے لکھ دیا گیا ۔

حضرت مولانا عزیز گل صاحب اسیر مالٹا تلمیذ خاص حضرت شیخ الہند

برادرم حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب زاد اللہ معالیکم السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ اما بعد ۔ حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالی مغفرت اور رحمت سے سرفراز فرماویں ۔ اور آپ حضرات کو صبر جمیل سے بہرہ مند فرماویں ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد ۔ آپ حضرات کے غم میں ہم سب شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں ۔ الحمد للہ کہ آپ عالم ہیں ۔ زیادہ لکھنا مناسب نہیں والسلام ۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب شیخ الحدیث دار العلوم ٹنڈواللہ یار

عزیزم مولوی سعید الرحمٰن سلمہ ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ ۔

جب مولوی محمد وجیہہ الدین صاحب کے نام آپ کا خط آیا کہ مولانا پر فالج کا اثر ہوگیا ہے ۔ اور وہ یہ خط پڑھ کر روانہ ہوگئے تو میں نے شعبان کی ۲۷ تاریخ کے بعد والی رات میں خواب دیکھا کہ حکیم الامت مولانا تھانوی کا انتقال ہوگیا ہے ۔ اس خواب سے ہی مجھے کھٹکا ہوگیا تھا ۔ کہ مولانا عبدالرحمن صاحب کا انتقال ہوگیا ہے ۔ انا للہ ونا الیہ راجعون ۔ حضرت حکیم الامت کے خلیفہ مجاز تھے ۔ انکا انتقال حکیم الامتہ کے انتقال کا نمونہ ہے ۔ دعا کرتا ہوں ۔

اللہ تعالیٰ درجات عالیہ سے نوازے ۔ اور آپ سب صاحبان کو صبر جمیل عطاء فرمائے ۔

مولانا ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب کراچی ۔ خلیفہ حضرت تھانوی

عزیز محترم سلمہ اللہ تعالےٰ ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ آپ کا خط موصول ہوا ۔ سانحہ ارتحال کی اطلاع مجھ کو دو روز قبل ہو چکی تھی ۔ ایسی برگزیدہ اور مغتنم وقت ہستی کی مفارقت یقیناً" آپ حضرات کے لئے اور ہم سب کے لئے انتہائی قلق کا باعث ہے ۔ ان کا سایۂ عاطفت سب ہی کے لئے باعث صد خیر و برکت تھا ۔ اب ان کی مخلصانہ دعا ہائے خیر سے محرومی واقعی سخت محرومی ہے ۔ مگر سن مبارک کافی طویل ہوچکا تھا ۔اور عمر کے ساتھ مجبوریاں اور معذوریاں بھی لاحق ہو جاتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل و کرم کی آغوش میں لے کر ابدی راحت و مسرت قرب عطاء فرماویں ۔ اللہ تعالےٰ ان کے مراتب قرب میں اور درجات مغفرت میں پیہم ترقی عطاء فرمائے ۔ آمین۔ یہ بھی ثابت ہے کہ جس قدر قوی صدمہ ہوتا ہے ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو اپنی قوی رحمت سے بہرہ اندوز فرماتے ہیں ۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق وافر عطاء فرماویں ۔ اور بحیثیت خلف صالح آپ کو اپنے مرحوم والد صاحب کے مسلک اور مذاق دین کی اتباع کی توفیق عطاء فرماویں ۔ مجھے آپ کے یاد فرمانے کی بڑی قدر ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صحت و عافیت اور اپنی رضامندی اور رضاء جوئی کی حیات طیبہ نصیب فرماویں آمین ۔ فقط میری طرف سے سب کو دعاء ہائے خیر۔

(دعاگو احقر محمد عبدالحیؒ عفی عنہ)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی ۔ مفتی اعظم پاکستان

عزیزم محترم ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کا سانحہ پہلے معلوم ہوگیا تھا ۔ دارالعلوم میں ختم قرآن کرکے ایصال ثواب بھی کرایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو صبر جمیل عطاء فرماویں اور اجر جزیل ۔ ایسے حضرات کی موت صرف گھر والوں کے لئے مصیبت نہیں ہوتی بلکہ پورے ملک کے لئے اور اہل زمین کے لئے مصیبت ہوتی ہے ۔ حضرت مولانا مرحوم سے احقر کا تعلق ان کی طالب علمی کے وقت سے تھا عجیب فرشتہ صفت انسان تھے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو مقام عالی عطاء فرماوے ۔

مولانا شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

عزیز القدر قاری سعید الرحمن صاحب سلمہ ربہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا عبدالرحمن نور اللہ مرقدہ کی وفات کی اطلاع پہنچی ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ایصال ثواب ختم قرآن کیا گیا ۔ مولانا مرحوم کی وفات سے مسلمانان پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ۔ اور حاضر میں آپکی شخصیت نوادرات میں سے تھی ۔ آپ علم تقویٰ اخلاق کے مینار تھے ۔ آپ کے بعد اسلامی علوم کے مدرس بھی پیدا ہوتے رہیں گے اور مصنف بھی ۔ مقررین بھی ہوں گے اور صاحب رشدوہدایت بھی ۔ لیکن یہ مشکل ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب جیسی جامع شخصیت دوبارہ پیدا ہو ۔ ہماری دعا ہے کہ حضرت مرحوم کو اللہ تعالیٰ اپنی مخصوص فضل و رحمت سے نوازے ۔ اور پسماندگان کو مولانا کی روحانی برکتوں سے حصہ وافر عطاء فرماویں

علینا لک الاسعاد لو کان نافعا
بشق قلوب لا بشق جیوب

احقر العباد شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ بہاولپور

مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث ۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مخدومی المحترم المکرم جناب حضرت مولانا قاری سعید الرحمن صاحب زیدت الطافکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ ۔ موت سے تو کسی کو مفر نہیں مگر بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی موت ہزاروں کی موت بن جاتی ہے ۔ مخدومی حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہم بنوری کی جدائی ہم سب کے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے ۔ وہ ہمارے سرپرست اور دعاگو تھے ۔ قحط الرجال کے اس پر آشوب دور میں مرحوم و مغفور کا طیب و طاہر وجود مسعود ہم خدام کے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ وہ اسلاف کرام اور اکابرین دیوبند کی زندہ یادگار تھی ۔ انہوں نے زندگی کے تمام لمحات کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کی اشاعت و احیاء میں بسر کئے ۔ انشاء اللہ العزیز ان کو حق تعالے نے اپنی آغوش رحمت میں اونچے مراتب سے نوازا ہوگا ۔ انہوں نے اپنے تین صاحبزادوں کو حفظ قرآن کی سعادت سے نوازا ۔ اور علوم نبویہؐ سے آراستہ کرکے اپنے لئے عظیم صدقہ جاریہ چھوڑا ۔ مرحوم کے ہزاروں شاگرد اور بے شمار متوسلین کی رہنمائی رہتی دنیا تک باقیات الصالحات ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو صبر جمیل واجر جزیل سے نوازے ۔ آمین والسلام ۔

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی خلیفہ حضرت حکیم الامتہ تھانوی و سابق پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن

عزیز اعز و اکرم ۔ و علیکم السلام ورحمتہ اللہ و برکاتہ و وفقنا لمایحب و یرضی آپ کے حضرت والد ماجد اور احقر کے سراپا شفقت مخدوم و بزرگ کے وصال کی اطلاع بہت پہلے مل چکی تھی ۔ الحمد للہ ایصال کے ساتھ مغفرت اور رفع درجات کی دعا کی توفیق ملتی رہی اور انشاء اللہ رہے گی ۔ باقی حاضری واستفادہ کی دولت غالباً صرف دو مرتبہ نصیب ہوئی بار اول ملتان میں بہت زیادہ قرب رہا ۔ اورآخری بار ٹنڈ اللہ یار میں تو کئی دن حضرت کے مہمان ہونے کی سعادت حاصل رہی حضرت کا سب سے بڑا کمال ہمہ وقت ایک ہی نظر آتا رہا ۔ کہ ماشاء اللہ علم و فضل ' ظاہر و باطن کے کمالات کی بڑی نادر جامعیت کے باوجود کسی بات میں قطعاً نہ ان کے اظہار کا کوئی شائبہ پایا جاتا تھا نہ ادنیٰ سے ادنیٰ احساس کا سب کچھ ہو کر کچھ نہ سمجھنے سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ! اگر حضرت کا ملپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ تربیتی خطوط جمع ہوں یا جو زیادہ جمع ہوسکیں ' وہ ضرور شائع فرمادیں ۔ خود اس سراپا سیاہ کار کے یہ چند کلمات جو ایک ہی نشست میں پورے ہوگئے شاید حضرت ہی کا کچھ روحانی فیض یا حضرت حق کا غیبی اشارہ ہو (واللہ اعلم بالصواب) ورنہ ادھر سالہاسال سے یاد نہیں کہ کوئی اتنا لمبا خط بھی ایک نشست میں اور بے تکلف پورا کر پایا ہوں ۔ خدا کرے آپ پڑھ بھی سکیں ۔ اپنی والدہ محترمہ مخدومہ مدظلہا اور سب چھوٹے بڑوں کی خدمات میں عرض سلام و دعا کے بعد اپنے حق میں آپ سب سے سلامتی ایمان پر خاتمہ اور مغفرت کی دعا کا خصوصاً بہت محتاج و ملتجی ہوں ۔ والسلام ۔ مکرر دعاگو ۔

احقر العباد عبدالباری

حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری مدرسہ عربیہ ۔ نیوٹاؤن ۔ کراچی

برادران محترم و اہل خانہ محترمین و محترمات ۔ اثابکم اللہ فی مصابکم و اجزل لکم الاجر و الھمکم الصبر

السلام علیکم

ورحمتہ اللہ وبرکاتہ آج بالواسطہ ٹیلیفون سے یہ دردناک خبر سنی کہ حضرت مولانا واصل بحق ہوئے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون بہت صدمہ ہے ۔ نہ صرف ہمارے مخدوم محترم بلکہ عالم اسلام کے صالح عالم 'خدا رسیدہ بزرگ ہم سے جدا ہوگئے ۔ اللہ تعالی حضرت مرحوم کو درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے ۔ اور آپ کو اور ہم سب کو اجر جزیل و صبر جمیل سے نوازے ۔ آمین ۔ افسوس کہ جنازہ اور آخری زیارت سے محرومی ہوئی بجز تسلیم و رضا بالقضاء اور کیا چارہ کار ہے ۔ خدا کرے کہ آپ لوگوں کو اطمینان نصیب ہو اور رضا بالقضاء کی کیفیت حاصل ہو ۔ خدا کا شکر کہ حضرت مرحوم کے لئے کراچی و بہبودی سے لے کر افریقہ تک لوگ دعاگو موجود ہیں جو ایصال ثواب میں کوتاہی نہیں کریں گے ۔

۲۸ شعبان ۱۳۸۵ھ   والسلام ۔ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ ۔

مولانا اسعد اللہ صاحب ۔ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی و ناظم مظاہر علوم سہارنپور

برادر محترم ! السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

حضرت میرے باپ تھے ۔ مربی ' مرشد ' سرپرست اور شفیق استاذ تھے ۔ حضرت کے مجھ پر اس قدر بے پایاں احسانات رہے ہیں کہ زبان و قلم ان کے اظہار پر قادر نہیں ۔ الفاظ و بیان میں وہ وسعت نہیں کہ انکا احاطہ کرسکیں ۔ حضرت کے ہمارے درمیان سے اٹھ جانے سے صرف حضرت کے شاگردوں اور اقارب مریدوں ہی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دنیائے اسلام کا

وہ عظیم نقصان ہے کہ مجھے تو ظاہری حالت کی بنا پر یہ توقع نہیں کہ اس نقصان کی تلافی ہو سکے گی - یا وہ خلاء جو حضرت کے وصال سے پیدا ہوگیا ہے پر ہو سکے گا -

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

میں مدتوں حضرت کے زیر سایہ اسی مکان میں رہا ہوں جس میں حضرت قیام فرماتے تھے اور مدتوں حضرت سے میں نے وقت تہجد پڑھا - میں نے حضرت کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اس کا مصداق پایا ہے -

یزیدک وجھہ حسنا" اذا ما زدتہ نظرا"

مولانا سید ابوالحسن ندوی - ندوۃ العلماء لکھنؤ -

محب محترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع سب سے پہلے بینات کراچی سے ملی تھی - پھر دوسرے ذرائع سے - آپ کی اس عنایت کا نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھی بھی اس قابل سمجھا کہ اصالتاً" اطلاع دی جائے - مجھے حضرت کی خدمت میں نیاز حاصل تھا - اور خصوصی شفقت فرماتے تھے - اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے میری طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائیے - مولانا کے لئے دعا کرنا اپنی سعادت ہے - خدا اس سے محروم نہ فرمائے - میں بھی آپ سے دعاء کا طالب ہوں -

والسلام

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھنؤ

مکرمی محترمی ! احسن اللہ تعالیٰ الینا والیکم

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا مجھے بہت ہی کم اتفاق ہوا - لیکن بہت ہی کم واقفیت کے باوجود دل میں حضرت مولانا کی الحمد للہ بڑی عظمت تھی - اپنے سلسلہ کے اکابر میں حضرت کو میں مثالی شخصیت سمجھتا تھا - ۲۷ رمضان المبارک کو سہارنپور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سب

سے پہلے انہوں نے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی ۔ ان کو مکہ معظمہ سے اطلاع مل چکی تھی ۔ اس کے بعد جب ڈاک کا سلسلہ جاری ہوا تو رسالہ "بینات" سے کچھ تفصیل معلوم ہوئی ۔ آپ کا کرم نامہ پچھلے مہینے ہی میں مل چکا تھا ۔ حق تعالے شانہ حضرت کے ساتھ رحمت و مغفرت کا وہ خاص معاملہ فرمائے جو اس کی شان عالی کے لائق ہے اور اپنے خاص بندوں کے ساتھ اس کی سنت ہے ۔ اور جناب کو اور جملہ متعلقین و محبین کو اجر سے نوازے اور حضرت کے اقتداء کی پوری توفیق دے اور اپنا بنائے ۔ والسلام ۔

مولانا محمد اسحاق صاحب شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکرم و محترم جناب مولانا صاحب ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ

سیدی و مولائی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کے حالات سے بے خبر تھا ۔ یکایک حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ذریعے سے حضرت مرشد کے انتقال کی اطلاع ہوئی ۔ لیکن خط و کتاب بند ہونے کی وجہ سے عریضہ نہ لکھ سکا ۔

عزیز محترم ۔ حضرت مولانا کے انتقال کی خبر بجلی ہوکر میرے قلب پر گری ۔ بلاشبہ ان کا انتقال "موت العالم موت العالم" کا مصداق ہے ۔ وہ تو انشاء اللہ اعلی علیین میں نعمائے آخرت اور لقائے الہی سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے ۔ لیکن ہم رہ افتادگان کے لئے یہ سانحہ بہت سخت ہے ۔ لیکن یہ سوچ کر صبر آجاتا ہے کہ انہیں راحت حاصل ہوگئی اور وہ اپنے مقصود یعنی وصال الہی کو پہنچ گئے ۔ اور انشاء اللہ عالم آخرت میں اطمینان کے ساتھ ان سے ملاقات بھی ہوگی ' یہ حیات دنیا محض چند روزہ ہے جی چاہتا ہے کہ دو شعر جو ایک اعرابی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بطور تعزیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر سنائے تھے ۔ یہاں نقل کروں ۔ بے شک ان سے بہت تسکین ہوتی ہے ۔

اصبر یکن بک صابرین فانما　　صبر الرعیہ عند صبر الراس
خیر من العباس صبرک بعدہ　　واللہ خیر منک للعباس

جب تذکرہ آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم سامنے کھڑے ہیں۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ناظم جمعیت العلماء اسلام

برادر مکرم مولانا صاحب ! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت کی وفات انفرادی صدمہ نہیں

ہے۔ ہم ان کے لئے نہیں روتے۔ وہ رفیق اعلیٰ سے جاملے اور اسلاف کے نقش اقدام پر چلتے ہوئے ان تک پہنچ گئے۔ یہ حضرات مرتے نہیں زندہ ہوتے ہیں۔ مادی و جسمانی حجابات مرتفع ہو کر ارواح مبارکہ کو استغراق کامل و لذت اکمل نصیب ہو جاتی ہے۔ رونا اپنا ہے کہ ان بزرگوں کی جگہ پر نہیں ہوتی۔ اور ہم اپنے بلند پایہ قابل اعتماد بزرگوں سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ حضرت تھانوی۔ حضرت مدنی حضرت مفتی کفایت اللہ جو بات فرماتے یقین و اعتماد ہوتا۔ بعد میں یہ چند ہی نفوس تھے جن کا کسی سوال پر ہاں یا نہیں بھی قابل استناد تھا

حضرت میرے شفیق استاد تھے۔ ان کے لئے دعا نہ کروں گا کس کے لئے کروں گا۔ مولانا اب ہمیں حضرت بنوری صاحب مدظلہ کے دامن سے وابستہ رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عجیب قران السعدین فرما دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی خدمت کا اجر اور سب کو صبر جمیل عطاء فرمائے آمین۔ فقط غمزدہ

مولانا مفتی محمود صاحب

شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان و امیر جمعیتہ العلماء

السلام علیکم!

محترم و مکرم جناب قاری سعید الرحمن صاحب دام مجدکم

رمضان المبارک میں کسی کی زبانی حضرت مولانا کی وفات کی جانکاہ خبر سنی - اللہ تعالی حضرت مرحوم کی برکتوں سے آپ کو مالا مال فرمائے اور حضرت اقدس کو جنت الفردوس میں مقام اعلی پر فائز کردے - آپ حضرات کے اس عظیم صدمہ پر صبراور صبرپر اجر عطاء فرماوے -

ان للہ ما اعطی ولہ ما اخذو کل عندہ باجل مسی فلتصبر ولتختسب - حضرت مولانا ہم اور آپ سب کے باپ تھے - وہ اکیلے آپ کے نہیں تھے - ان کی وفات پر ہم سب یتیم ہوگئے - انا للہ و انا الیہ راجعون

مولانا مفتی جمیل احمد صاحب

مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

عزیز بھائی السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ایک بے بدل شیخ اور بے نظیر عالم بے مثال صالح سے دنیا خالی ہوگئی - اللہ تعالی ان کو بدل اور آپ سب کو سکون عطاء فرمائیں - آپ سے زیادہ نقصان تو ساری امت کا ہے اسلام کا ہے کہ اب نہ ایسے عالم پیدا ہو رہے ہیں - نہ ایسے بزرگ یوں کہنے کو سب کچھ ہیں مگر کچھ بھی نہیں اس لئے نقصان عالم اسلام کا ہے - اللہ تعالے غیب سے کوئی مثیل و بدیل عطاء فرمائیں -

مولانا محمد چراغ صاحب مولف "العرف الشذی - گوجرانوالہ"

عزیز القدر قاری صاحب - السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

آج حضرت الشیخ کا وصال ہوگیا ہے - انا للہ و انا الیہ راجعون - ان للہ ما اخذ و اعطی - و لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ ے - اللہ تعالی حضرت مرحوم کو جنۃ الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر و اجر بخشے - آمین-

ایسے اہل علم و تقوی حضرات سے ہماری بدقسمتی سے زمین خالی ہوتی جا رہی ہے اور ان کے بدل سے بھی حرمان ہی ہے اللہ تعالی ہمارے حال پر رحم فرماوے - میری طرف سے اپنے اخوان حضرات سے بھی تعزیت کی گزارش کردیں - حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر

والسلام-

مولانا عبدالعزیز صاحب خلیفہ اجل حضرت رائے پوری - سرگودہا

عنایت فرمائم مولوی سعید الرحمٰن صاحب سلمہ - از احقر عبدالعزیز عفی عنہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ - آپ کے والد ماجد استاذی المکرم نور اللہ مرقدہ کے وصال کی اطلاع سے نہایت صدمہ ہوا - مرحوم اکابر کی یادگار تھے - اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرماویں - جنت الفردوس میں جگہ مرحمت کریں قرب خواص سے نوازیں آمین- پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل عطاء کریں - حضرت مرحوم کے لئے ایصال ثواب کیا - اللہ تعالی قبول فرماویں -

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامع اشرفیہ لاہور

بخدمت برادر عزیز سلمکم اللہ تعالی

حضرت الاستاذ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب نوراللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات کا علم ہوا - بے حد صدمہ ہوا - علماء اور صلحاء روز بروز دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں -

خلت الدیار محلہا و مقامہا اور موت العالم موت العالم کا منظر نظروں کے سامنے آرہا ہے - اللہ مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے - اور آپ کو علم اور تقوی کا وارث بنائے آمین - اور ہم سب کو ایمان پر استقامت نصیب فرماوے - آمین والسلام

مولانا محمود داؤد یوسف ۔ مفتی اعظم برما ۔ و ناظم جمعیتہ العلماء برما ۔ رنگون

برادر محترم مولانا سعید الرحمن صاحب زاد فضلہ و کرمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت مولانا استاد محترم کی وفات کی خبر سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ طبیعت ہرگز اس خبر کو سننے پر آمادہ نہ تھی مگر ہم بیکس بندے اللہ تعالے کے حکم کے آگے عاجز و درماندہ ۔ اسی میں اپنی حقیقت کا کچھ پتہ چل جاتا ہے ۔ ۔ حضرت اقدس قدس سرہ تو انعام و اکرام سے نوازے جا رہے ہیں ۔ ہم حضرت کے فراق میں غمگین ہو رہے ہیں ۔ کاش کہ یا تو یہ خبر ہم تک مرنے تک نہ پہنچتی یا رمضان سے قبل ہی ہمیں اس کا علم ہوجاتا ۔ مگر کیسے علم ہو جاتا ۔ جب اللہ تعالی نہ چاہے تو کوئی بھی ذریعہ کیسے کارگر ہوسکتا ہے ۔ اللہ تعالی ہی اس کی حکمتوں کا جاننے والا ہے ۔

برما کے اکثر علماء بالخصوص جو جس جگہ بھی دین کی خدمت کر رہے ہیں اکثر و بیشتر حضرت کے تلامذہ میں سے ہیں اور یہ ناکارہ تو بہت زیادہ حضرت کا مرہون منت ہے ۔

مولانا سیاح الدین صاحب شیخ الحدیث اشاعتہ العلوم ۔ لائل پور

بخدمت اقدس جناب محترم مولانا سعید الرحمن صاحب زید مجدہم

حضرت کی وفات کی روح فرسا خبر سے دل کو بہت صدمہ ہوا ۔ اسی وقت ایصال ثواب کے لئے فاتحہ خوانی کی ۔ اگرچہ مجھے حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ تلمذ یا استرشاد کا رسمی تعلق نہیں تھا۔ لیکن میں ان کے علمی عملی کمالات کا اس قدر معتقد ہوں کہ میں اپنے آپ کو ایک شاگرد اور مرید کی طرح سمجھتا رہا ہوں ۔ میری نگاہ میں موجودہ دور میں پورے پاکستان کے اندر ان کی واحد شخصیت ایسی تھی جس کو اسلاف کا واقعی نمونہ کہا جاسکے ۔ میرے نظریہ کے مطابق وہ واحد شیخ الحدیث تھے اور واحد مرشد و پیر طریقت ، مفتی محمد حسن صاحب کی وفات کے بعد تو جب بھی کسی نے مجھ سے استفادہ باطنی کے حصول

کے لئے کسی مرشد و رہنما کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ میں نے ہمیشہ ہر کسی کو مشورہ یہی دیا کہ اس دور میں صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے کہ ان کو پیر طریقت اور مرشد بنایا جاسکتا ہے۔ اس قلبی تعلق کی بناء پر مجھے اس سانحہ ارتحال سے قلبی صدمہ ہوا۔ اور اس کا افسوس رہا کہ مجھے بروقت اطلاع نہ ہوسکی۔ اور آخری زیارت اور جنازہ کی شرکت سے محروم رہا۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب مدیر المنبر لائل پور

محترم و مکرمی زید مجدہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ:

اس غم انگیز خبر سے بہت صدمہ ہوا۔ اکابرین یکے بعد دیگرے اٹھ رہے ہیں اور صدمے کی شدت اس سے ہوتی ہے کہ ان کی جگہ پر کرنے والے موجود نہیں ہیں اور فساد روز افزوں ہے۔ فالی اللہ المشتکی والیہ المرجع و الیہ المآب حضرت مرحوم کی وفات ایک عالم دین' ایک خادم حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوۃ اور ایک صالح شخصیت کی حیثیت سے بھی الم انگیز تھی۔ لیکن جسے اللہ تعالے نے ایسے عظیم المرتبت والد سے نوازا ہو اس کی حالت غم تو دوسروں سے کہیں زیادہ ہوگی' بالخصوص ان کی مسلسل اور دل سے نکلنے والی دعاؤں کا تو بدل بجز رحمت اللہ کے کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ لیکن لن یصیبنا الاما کتب اللہ لنا اور یہ ایمان و یقین کہ ھو نعم المولی و نعم النصیر۔ اس بنیاد پر اس کے سوا کیا کیا جاسکتا ہے۔

یا ابت انا بفراقک لمحزونون ولکن لا نقول الا ما یرضی ربنا اللہ عزوجل آپ اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطاء فرمائیں اور حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ اپنی مخصوص رحمتوں سے نوازیں۔ آمین ثم آمین

مولانا سید عمران الدین الحسینی ۔ استاذ الحدیث مدرسہ شرعیہ ۔ مدینہ منورہ ۔ والمراقب العام للمسجد النبوی

حکم المهیمن فی الخلائق مبزم
من ذایرد قضاء اذیحکم

حضرت الفاضل مولانا سعید الرحمن صاحب ۔ دام عزہ
آمین

بعد التحیة والاحترام

الصبر باللہ والحکم الی اللہ لا راد لقضائه و قد تکدر خاطرنا و انزعج قلو بنا بوفاة والذکم الذی هو في الحقیقة والد الجمیع فاننا نعزي انفسنا سائلین اللہ تعالی ان یفیض علیه واسع رحمته و یعمه بمغفرته ورضوانه و ان یلهمنا جمیعاً" الصبر الجمیل وعظم اللہ اجرکم فاللہ اسال ان یجعله آخر الاخوان و ان لا یریکم مایکدر الخاطر عزائی للاخوان و لمولانا عبدالشکور صاحب ودمتم

اخوکم عمران

مولانا غلام محمد صاحب ۔ مولف تذکرہ سلیمان کراچی

مخدوم زادہ مکرم دامت الطافہم ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

افسوس ہم لوگ ایک ایسی عظیم المرتبت جامع ظاہر و باطن شخصیت کے فیوض و برکات سے محروم ہو گئے ۔ مخدومی حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ نے ایک مرتبہ ایک جملہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق فرمایا تھا جو ایک دفتر توصیف پر بھاری ہے ۔ فرمایا ۔

"مولانا کی قدر تو وہ پہچان سکے گا جس کو صحابہ کرام کی زندگی پسند ہو"

واقعی حضرت مرحوم ایسے ہی تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ " قدر گوہر شاہ داندیا بداند جوہری" ہم لوگ وہ نظر بھی کہاں سے لائیں جو ان بزرگوں کی عظمت کا اندازہ لگا سکے ؟ یاد آیا ۵۱ء یا ۵۳ء کی بات ہے حضرت مرشدی علامہ سید سلیمان

ندوی قدس سرہ کی خدمت میں راقم عاجز بھی حاضر تھا اور ماسٹر حشمت علی صاحب بھی ' ان دنوں ماسٹر صاحب موصوف کا اصلاحی تعلق مخدومنا حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب قدس سرہ ہی سے تھا ۔ اور اسی جہت سے انہوں نے کچھ ذکر حضرت موصوف کا کیا تو میرے شیخ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ۔

"انکی شان عالی کا کیا کہنا ' ایک ایک خط میں ایک ایک مقام طے کیا ہے "

پھر احقر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ " آپ نے اشرف السوانح میں مکتوبات رحمانی نہیں دیکھے ۔ حضرت کے اس فرمانے سے ہم بے بہروں نے سمجھا کہ اشرف السوانح میں خاص طور پر ان مکاتیب کو نقل کرنے کی کیا حکمت تھی ' اور مکتوب نگار (اعلی اللہ درجاتہ) کا کیا مقام تھا ' میں یہ سمجھتا ہوں کہ کم ہی لوگوں کی نگاہ ان مکاتیب اور مکتوب نگار عالی کی عظمت پر ایسی گئی ہوگی ۔

بہر حال بڑے اٹھ رہے ہیں ' چھوٹے ان خصوصیات سے عاری ہیں بس اللہ تعالی اپنا فضل فرمائے ۔

مولانا منظور احمد بجنوری

خطیب جامع مسجد ڈومیلی جہلم'

مکرمی و محترمی جناب قاری صاحب مدفیوضکم السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ایک بڑی کثیر جماعت کے لئے حرمان کا سبب بن گیا ہی مگر اللہ تعالے کے کام میں بے شمار مصلحتیں ہوتی ہیں اور بے حد حکمتیں ہوتی ہیں جن کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے اس ذات مقدس و تعالے پر نظر کرکے صبر سا آجاتا ہے۔ مگر فطری اضطراب کا استیصال نہیں ہوتا۔ وہ اپنے وقت پر ہی مرور مدت پر ہوگا۔ حضرت علیہ الرحمہ سے اصلی محبت حضرت کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ جن باتوں کو حضرت پسند فرماتے تھی انہی پر ہمت و استقلال کے ساتھ گامزن رہنا محبت ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آمین۔

اللہ تعالی کا نظام عالم اسی طرح رہا ہے کہ جب کبھی کسی بزرگ کو دنیا کی

تکالیف و مصائب و امراض و پریشانیوں سے چھوٹ گئے اور محفوظ ہو گئے۔ اب وہ ایسی عزت و راحت کی جگہ ہیں جس کا تصور کسی بادشاہ کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ ایسی خوشی و عیش میں ہیں جس کے سامنے دنیا کی تمام خوشیاں وغیرہ ہیچ ہیں۔ اس لئے اپنے حرمان اور افسوس کے ساتھ حضرت کی خوشی و راحت و عزت و عیش کا تصور کرے صدمہ کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسے موقع پر ہمارا دشمن ابلیس، صدمہ کو بڑھانا چاہتا ہے تاکہ ہم نہ دنیا کا کام اچھے طور پر کرسکیں نہ دین کا۔ پس رضائے الہی کو مقدم اور سب پر بالا رکھ کر دینی کاموں میں لگے رہنا چاہیئے اور اہل حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور شدت صدمہ کے وقت کسی دوسرے کام میں لگ جانا چاہیئے تاکہ صدمہ اور ابلیس کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صدمہ مزید سے محفوظ فرمائے اور اس کے ضرر سے بھی اور جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے اس کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین　　　　والسلام نیاز مند احقر منظور احمد عفی عنہ

مولانا منظور احمد صاحب۔ جامعہ عربیہ۔ چنیوٹ

برادر مکرم قاری سعید الرحمن! زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔ مزاج شریف

اخبار مشرق میں حضرت کی وفات حسرت آیات کی افسوسناک خبر دیکھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اس صدمہ جانکاہ کی خبر سنتے ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاگیا۔ اور یہ روشن دنیا بالکل تاریک ہوگی۔ آہ اللہ تعالے کا ایسا ولی کامل۔ محدث کبیر۔ فقیہ زمان۔ شیخ المشائخ۔ استاذ الاساتذہ۔ ہزاروں تاریکیوں کو اپنے علم و عمل، ورع و تقوی کے انوار سے روشن کرتا ہوا ان کے دلوں میں عقیدت و محبت کے غیر فانی جذبات کے ساتھ ساتھ نہ مٹنے والے غم کو چھوڑ کر اس دور فانی سے رخصت ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرماتے ہوئے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرماویں۔ اور کروٹ کروٹ آپ پر رحمت کی بارش نازل فرماویں۔ اللہ تعالے آپ تمام پسماندگان

کو صبر جمیل عطاء فرماویں۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت کی وفات سے نہ صرف آپ یتیم ہوئے بلکہ ہم جیسے ہزاروں متوسلین باوجود باپ ہونے کے یتیم ہوگئے۔ حضرت کی شفقتیں حقیقی باپ سے زیادہ تھیں، جن سے ہم ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔ بہر حال یہ اللہ میاں کا فیصلہ شدہ پروگرام ہے جس سے کسی فرد و بشر کو مفر نہیں ہے۔ لہٰذا سوائے صبر کے اور کیا چارہ ہے۔

تعز فلا شئی علی الارض باقیا
ولا وزر مما قضی اللہ و اقیا

حضرت مولانا کے ایک خاص تلمیذ مولانا سید عمران صاحب مدنی، جو مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ میں استاد حدیث اور مسجد نبویؐ کے مراقب عالم (سپرنٹنڈنٹ) ہیں۔ موصوف نے عربی میں تعزیتی تفصیلی مکتوب تحریر فرمایا ہے۔ "عربی مکتوب" ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کل ابن انثی و ان طالت سلامته
یوماً علی آلة حدباء محمول

انتقل الی رحمة اللہ تعالی مولانا و شیخنا الشیخ عبدالرحمن صاحب رئیس مدرسی مدرسة مظاہر العلوم سہارنفور و قد امضی ھذا الرجل الفذ حیاته فی جہاد مستمر فی سلک التعلیم والارشادو التوجیه لقد وصلنی خبر وفاته کتابیاً من قبل ابنه مولانا سعید الرحمن خطیب الجامع الکبیر فی راولبنڈی و قد وقع ھذا الخبر الالیم موقع الصاعقة علی نفوسنا و بدی الدھشة علی وجوه الحاضرین حینما قرات علیہم مضمون الکتاب لما یعلمون جمیعہم بما یتصف به ھذا الرجل الوقود من مزایا یجعله فی مصاف العظماء من المشائخ وکان مثالاً للخلق الحسن و کان اباً

رءوفا شفوقا للطلاب و حليما بمعناه الحقيقى فشيخنا هذا الفقيد كان من تلك الفئة الصالحة وكان جامعاً لشتى العلوم والفنون النقلية منها والعقلية و للاسف لقد ترك هذه الدار الفانيه ليلحق بربه و يتصل باخوته من الاتقياء والصلحاء رحمه الله رحمة واسعة واسكنه فسيح الجنات وكاتب هذه السطور كان يسكن فى جوار فضيلة الشيخ فى الغرفة رقم ١١ فى تلك المدرسة التى اخرجت رجالاً و علماء طحاطحه يشار اليهم بالبنان و قد اشتهر فضيلة بالكرم و حسن الخلق ولين الجانب و هو من اكابر خلفاء مولانا الشاه اشرف على حكيم الامة رحمهما الله رحمة واسعة او كان يتفقدنى دائماً ويسئل عنى كما انه كان يتفقد الطلبة و يواسيهم وكان حلوالحديث مضيافاً وكان لا يخلو غرفته من الضيوف الذين ياتون لزيارته من كل صوب و بين حين و آخركان يدعونى ويقدمنى اليهم ويعرفنى بهم ثم يقول نريد حلاوة تركيه و كنت اتقن هذا النوع من الحلوى وكان يشاركنى فى صنعها و قدرافقته مراراً فى شهرالصوم الى تهانه بهون وكان يقضى هذه الايام المباركة فى جوار مولانا اشرف على صاحب حكيم الامة وكان طويل الصمت و قوراً لا يغضب ابداً و هكذا سار هذا العالم الجليل و امضى حياته فى نشر العلم و تعليمه الى آخر عمره رحمه الله رحمة واسعة رحمة المجاهدين فى سبيله واسكنه فسيح جناته مع الصديقين والشهداء و الصالحين اللهم الهم ذويه الصبر والسلوان و عوضنا عنه خيراً انك سميع مجيب الدعوات

عمران محى الدين

فضيلة الشيخ مولانا صدر الدين عامر الانصاری نائب رئیس تحريرات لمجلة ثقافة الهند دهلی نے اپنی کتاب جامعه مظاهر علوم نبذة من تاريخها وضوء على منها جها ولمعة من خدماتها میں صاحب سوانح کے بارے میں تحریر فرمایا:

الشيخ المغفور له مولانا عبدالرحمان بن الشيخ الحكيم گل احمد الكامل فورى

الشيخ المغفور له مولانا عبدالرحمٰن ابن الشيخ الحكيم . گل احمد الكامل فورى ولد فى ٢٧ اغسطس ١٨٨٢ء١٣٣٠ه وتخرج من مظاهر علوم سنة ١٣٣٢ھ و توظف فى مظاهر علوم سنة ١٣٣٣ھ وتولى منصب رئاسة المدرسين فيها سنة ١٣٤٤ھ وبقى رئيس المدرسين حتى نهاية عام ١٣٦٦ھ مكث فى الجامعة ٣٦ سنه يدرس العلوم العالية. واشتهر بتدريسه الجامع الصحيح للامام الترمذى واعتبر من الفذاذ العلماء فى عصره وحين كان يقضى العطلة السنوية فى ١٣٦٦ھ فى وطنه النقسمت الهند الى الدولتين فلم يستطع العودة الى الجامعة فشغل اوقاته فى خدمة العلم والدين فى المدارس العليا الباكستانية. وقد تولىٰ رئاسة المدرسين فى خير المدارس ملتان ١٣٦٧ھ وبقى رئيساً لهم حتى عام ١٣٦٩ھ . ثم اصبح رئيس المدرسين فى دارالعلوم الاسلامية تندواله يار سنة ١٣٦٩ھ وبقى فيها رئيساً حتى عام ١٣٧٣ھ ، ثم اصبح رئيس

المدرسين فى الجامعة الاسلاميه اكوره ختك سنة ١٣٧٢ھ وبقى فى رياسته حتى عام ١٣٧٥ھ و توفى الىٰ رحمة الله فى ٢٧ شعبان سنه ١٣٨٥ھ (٢١ دسمبر سنه ١٩٦٥ و دفن فى مسقط رأسه بهبودى . وكان رحمه الله مرجعاً فى الحديث يميل الى الشرح والتدريس اكثر منه الى التأليف ويعتز هذا الكاتب بان قرأ الجامع للامام الترمذى على المغفورله . تغمده الله بغفرانه ومن مولفاته الحاوى على مشكلات الطحاوى ومحاضراته على الجامع للامام الترمذى .

اعتراف عظمت

مختلف رسائل کے تعزیتی نوٹ

ا۔ ماہنامہ بینات کراچی

از محدث کبیر محمد یوسف صاحب بنوری

الحمد لله الذی له البقاء والدوام فقال تعالی کل من علیها فان و یبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام والصلوة والسلام علی من هدانا سبل السلام و علمنا الرضاء بالقضاء والانقیاد لقدره والاستسلام و علی اله و صحبه الذین فازوا بالرضوان فی دارالسلام

سہ شنبہ ۲۷ شعبان ۱۳۸۵ھ بمطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کی شام کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے مغربی پاکستان کا آفتاب علم غروب ہوا۔ حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری کا وصال ہوگیا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون رحمہ اللہ ورضی عنہ وارضاہ" وجعل الجنتہ الفردوس منقلبہ ومثواہ۔ کل من علیھا فان اور کل نفس ذائقتہ الموت" سنت الہیہ اور ابدی قانون ہے۔ تسلیم و انقیاد اور رضاء بالقضاء کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئی عندہ الی اجل مسمی

ترجمہ۔ بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک مقررہ مدت تک کے لئے ہے کسی کو نہ مجال انکار ہے نہ مقام چون و چرا

حضرت مولانا عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات دنیائے علم و اخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت امارات ساعت (علامات قیامت) میں سے ہے۔ مولانا مرحوم علوم اسلامیہ و دینیہ اور نقلی و عقلی فنون علم کے جامع ترین عالم تھے۔ اصناف علم و فضل و کمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں۔ وہ عالم و عارف تھے۔

صوفی و محقق اور فقیہ و محدث تھے علم اصول و کلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے۔ غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ کوہ و قار و تمکنت۔ پیکر حلم و رزانت۔ مجسم خمول و تواضع ' خاموشی اور کم گوئی انکی ایک فطری کرامت تھی۔ ایسی جامع کمالات شخصیت اور مجمع فضائل ہستی کی وفات سے پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلاء پیدا ہوا ہے۔ افسوس کہ اس کے پر ہونے کی توقع نہیں ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے غالباً" ۱۳۳۲ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے تحصیل علوم و فنون سے فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث میں فیض حاصل کیا۔ ان کے علاوہ دوسرے اکابر علماء مظاہر العلوم سے فیض یاب ہوئے۔ ۱۳۳۴ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ دورہ حدیث پڑھا۔ اس طرح دیوبند اور سہارن پور کے دو آبہ علم و دین سے سیراب و سرشار ہوئے

حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ اور سہارنپور کے اکابر علم کی نظر انتخاب نے موصوف کو مظاہرالعلوم کی خدمت تدریس کے لئے منتخب فرمایا۔ علوم دینیہ اسلامیہ کی اس اہم درسگاہ میں آپ شروع میں مدرسہ اور اس کے بعد ایک عرصہ دراز تک صدر مدرس کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے آپ کے ان فطری کمالات اور وہبی خصوصیات ہی کی وجہ تھی کہ مظاہر العلوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ترقی کرکے اسی علمی مرکز میں آپ شیخ الکل بن گئے۔ اور اس طرح یک سوئی اور خاموشی کے ساتھ شب و روز تدریس علوم کی خدمت میں مصروف رہے کہ پھر اس پیکر زہد و قناعت و ورع و تقوی نے کسی دنیاوی مقصد کے لئے کہیں کا رخ نہیں کیا۔ اور جب تک پاکستان کی مملکت خداداد ظہور میں نہیں آئی آپ مظاہر العلوم ہی میں قیام پذیر رہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپنی مادر علمی مظاہر العلوم سہارنپور کو بادل ناخواستہ خیرباد

کہا اور ملتان کے شہرہ آفاق دینی و مرکزی درسگاہ خیرالمدارس میں صدر مدرس ہوئے۔اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ) کے قیام کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی سعی اور حسن تدبیر سے شیخ الحدیث دارالعلوم کے منصب کو آپ نے قبول فرمالیا اور کچھ عرصہ اس مرکز علمی میں درس حدیث کی خدمت انجام دیں۔ اس کے بعد دارالعلوم اسلامیہ کی خدمت سے مستعفی ہو کر اپنے وطن بہبودی ضلع کیمبل پور میں قیام فرمایا کچھ عرصہ بعد جناب محترم مولانا سید بادشاہ گل صاحب کے اصرار سے مجبور ہو کر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں منصب صدارت قبول فرمایا اور چند سال علم کی خدمت انجام دی۔ آخر طبعی ضعف اور نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس خدمت سے بھی مستعفی ہوئے۔ اور مستقل طور پر وطن میں ' قیام پذیر ہوگئے اور نہایت خاموشی کے ساتھ طالبین روحانیت کی تہذیب نفس اور اخلاقی اصلاح کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مشتاقان دید اور طالبین فیض اسی طرح خاموشی کے ساتھ فیضیاب ہوتے رہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے وہبی کمالات ار فطری محاسن کی وضاحت کے لئے اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ جس زمانہ میں آپ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدارت تدریس کے منصب پر فائز تھے۔ حضرت حکیم الامت مولاا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے موصوف کو بیعت و ارشاد کا اہل سمجھ کر ازخود مجاز بیعت بنایا۔ حضرت کاملپوری نے معذرت پیش کی۔

حضرت ! میں نے تو اب تک بیعت بھی نہیں کی تو خلافت کا کیا استحقاق ہے

حضرت تھانوی نے فرمایا۔

"میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں ۔"

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمن مرحوم نے درخواست کی کہ اچھا اب مجھے بیعت بھی فرما لیجئے۔ یہ واقعہ شاید پہلی نظیر ہے کہ کسی بزرگ نے بیعت سے

پہلے ہی کسی بزرگ کو خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہو۔ اور اجازت و خلافت کے بعد پھر بیعت کرکے سلوک طے کرایا ہو

یہ واقعہ ایک حکیم امت اور شیخ کامل کی طرف سے مولانا عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی فطری محاسن اور وہبی فضائل کا اعتراف ہے۔ درحقیقت یہ ان کی فطری صلاحیت اور طبعی اہلیت ہی تھی۔ جس کی وجہ سے ان میں ریاضت و مجاہدہ و اصلاح کے بغیر مشیخت کے اوصاف مجتمع ہوگئے تھے۔ وہ از خود اور وہبی طور پر شیخ وقت تھے۔

ان معنوی فضائل و محاسن کے ساتھ اللہ تعالی نے ظاہری حسن و جمال کی نعمتوں سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا۔ اپنی قامت رعنا' نازک اور تراشیدہ نقوش ' روئے منور اور لطافت و نظافت کے ساتھ وہ جمال و کمال کا ایک پیکر نوری محسوس ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو دارالعلوم اسلامیہ میں ان کی صحبت و رفاقت کا شرف حاصل رہا اور مرحوم کے قریب سے قریب تر مطالعہ کا موقع نصیب ہوا۔ لیکن ان کی فطری کمالات و فضائل کی وجہ سے ان کے ساتھ میری گرویدگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

افسوس کہ ایسے نازک دور میں جبکہ امت کو علم و دین کے ایسے اکابر کی سرپرستی کی بیحد ضرورت تھی اس نعمت کا چھن جانا ' بڑا خسارہ ایک بڑی مصیبت اور عظیم حادثہ ہوا

فما كان قيس هلكه هلك واحد ولكنه بنيان قوم تهدما

قیس ایسا نہیں تھا کہ اس کا ہلاک ہونا کسی ایک شخص کی ہلاکت ہو۔ لیکن اس کا ہلاک ہونا تو ایسا ہوا جیسے ایک قوم کی بنیاد منہدم ہوگئی ہو۔

دعا ہے کہ اس پیکر صدق و صفا۔ سراپائے وقار و تمکنت ' مجسمہ ورع و تقوی ' مخزن علم و عمل ' جامع کمالات بزرگ کی روح پاکیزہ ابر رحمت کے فیض قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے۔ اور ان کی قبر مبارک آفتاب کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعہ نور بنی رہے اور انکا نورانی چہرہ سراپا نور ہو۔

اللّٰہم اغفرلہ وارحمہ وارضہ وارض عنہ و احشرہ مع الابرار و المقربین و صلی اللہ علی سیدنا محمد و الہ و بارک وسلم

اللہ کے دو بندے

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ماہ ربیع الاول ۱۳۸۶ ھ

از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

بلاشبہ زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ آدم کی اولاد اپنی دنیوی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھائے۔ اور خود آدمی کی تخلیق کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اور اس ساری کائنات کے خالق و مالک کو پہچانے اور اس کی عبادت و فرمانبرداری کے ذریعہ اس کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرے۔ " وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"

پھر اس مقصد کی طرف دعوت اور اس راستہ کی رہنمائی کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ سارے پیغمبر اسی لئے آئے کہ خدا کو پہچانوائیں۔ اس کی ذات و صفات کے بارے میں بندوں کو بتائیں۔ اور اس کی عبادت و فرمانبرداری کی دعوت و تعلیم دیں۔ جو بندے اپنی تخلیق کے اس خاص مقصد سے غافل ہو کر صرف دنیا کے کیڑے اور نفس کے پجاری بن جائیں ان کی قدر و قیمت ان کے خالق و مالک کی نگاہ میں مکھی اور مچھر سے کچھ بھی زیادہ نہیں رہتی اور ایسے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے ختم ہو جانے سے بھی اس دنیا کی قدر و قیمت اور معنویت میں کوئی کمی نہیں آتی، اور زمین و آسمان جو اس پوری دنیا کے لئے گویا ماں باپ کی طرح ہیں۔ کوئی رنج اور صدمہ محسوس نہیں کرتے، ایسے ہی بعض انسانی گروہوں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

فما بکت علیہم السماء والارض

(نہ تو ان پر زمین روئی اور نہ آسمان نے کوئی آنسو گرایا)

اس کے برعکس جو بندے اپنی تخلیق اور زندگی کے اس مقصد کو یاد رکھیں

اور اللہ کے قرب و رضا کو اپنا نصب العین بنا کر اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزاریں وہ اپنی خالق و مالک کی نگاہوں میں عزیز و محبوب ہوتے ہیں۔ انہیں کو عرف خاص میں "اولیاء اللہ" اور "خلفاء انبیا" کہا جاتا ہے دور نبوت ختم ہونے کے بعد انہیں کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کے فیوض و برکات اس دنیا کو ملتے ہیں۔ وہ جب دنیا سے اٹھائے جائیں تو زمین و آسمان اور اللہ کے معصوم فرشتے احساس و تاثر اور رنج و غم میں ان کے متعلقین و محبین کے شریک ہوتے ہیں۔ ان کی وفات خود ان کے حق میں محبوب حقیقی کا وصال اور ایک طرح کی معراج ہوتی ہے ۔ لیکن ہماری اس دنیا کا ان کے انفاس کی برکت سے خالی ہوجانا دنیا کی روح کے لئے بڑا غمناک حادثہ ہوتا ہے۔

پچھلے چند مہینوں میں ایسی ہی دوبابرکت ہستیوں سے ہماری یہ دنیا خالی ہوگئی۔ ایک حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری قدس سرہ اور دوسرے حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی ثم المدنی۔ مہاجر نوراللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوری

ہندوستان اور پاکستان کے اہل علم میں سے شائد کوئی بھی نہ ہوگا جو حضرت مولانا سے واقف نہ ہو۔ مدت دراز تک ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ مظاہر علوم سہارنپور کے صدر مدرس رہے۔ سلوک کی منزلیں اسی زمانہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی رہنمائی میں طے کیں اور اس طرح کہ اس سلسلہ کی ان کی پوری خط و کتابت اس راہ کے سالکین کے لئے مشعل راہ قرار دے کر " اشرف السوانح" کا جزو بنا دی گئی حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے مولانا مرحوم کو صرف خلافت ہی سے سرفراز نہیں فرمایا ' بلکہ بیعت ہونے والے اکثر علماء و فضلاء کو حضرت قدس سرہ تربیت کے لئے حضرت کاملپوری کے سپرد فرماتے ' اگست ۴۷ء میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن کاملپور ہی میں تھے۔ ملک کی تقسیم جن حالات میں

اور جس طرح ہوئی اور اس کے بعد جو کچھ ہوا اس نے اس کا امکان ہی ختم کر دیا کہ حضرت ممدوح پھر سہارنپور تشریف لائیں۔ اور بلاشبہ اس میں بھی خیر کا یہ پہلو مضمر تھا کہ خطہ پاکستان کو خاص ضرورت تھی۔ کہ ایسی بابرکت ہستیاں وہاں رہیں ------ حضرت مولانا شروع میں کئی سال تک دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار ' (حیدر آباد سندھ) میں صدر مدرس رہے اس کے بعد اپنے وطن ہی میں قیام فرما لیا اور حکیم الامت حضرت تھانوی نے جو امانت اور خدمت آپ کے سپرد کی تھی اس کو انجام دیتے رہے ۔ گزشتہ شعبان کے آخری ہفتہ میں اس وقت وصال فرمایا جب ہندوستان و پاکستان کے درمیان ڈاک کی آمد و رفت کا سلسلہ بند تھا۔ اس لئے اس وقت تو یہاں کسی کو علم ہی نہ ہوسکا۔ رمضان مبارک کے آخری ہفتہ میں جب یہ عاجز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی خدمت میں سہارنپور حاضر ہوا تو حضرت نے ذکر فرمایا۔ ان کو غالباً" حجاز مقدس کے کسی خط سے چند ہی روز پہلے اس کی اطلاع ہوئی تھی۔ پھر جب معاہدہ تاشقند کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان ڈاک کا سلسلہ جاری ہوا تو "ماہنامہ بینات کراچی" سے اور اس کے بعد گزشتہ مہینہ مئی کے شروع میں حضرت مولانا مرحوم کے صاحبزادہ مولانا سعید الرحمن صاحب کے گرامی نامہ سے کچھ تفصیل معلوم ہوئی۔

اہل اللہ کے الوان مختلف ہوتے ہیں۔ کسی پر کسی رنگ کا غلبہ ہوتا ہے کسی پر کسی صفت کا۔ اس عاجز کو حضرت مولانا مرحوم کی چند دفعہ صرف زیارت ہی نصیب ہوئی ہے ۔ اپنا احساس اور تاثر یہ ہے کہ حضرت ممدوح اپنی صورت و سیرت کے لحاظ سے ان خاصان خدا میں سے تھے جو غلبہ ملکیت کی وجہ سے ملائکہ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ حضرت کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا۔ کان الملک نزل من السماء۔ واللہ اعلم باحوال عبادہ

ہفتہ وار صدق جدید لکھنؤ ' یوم جمعہ ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۶ ء
جلد ۱۶ نمبر ۱۵

از ــــــــــــ مولانا عبدالماجد دریابادی ــــــــــــ

شیخ الطریقت مولانا عبدالرحمٰن کیمبل پوری حضرت تھانوی کے خلیفہ تھے۔ اور ایسے نادر روزگار کہ مسند خلافت آپ کو اپنے شیخ سے قبل از بیعت ہی از خود مرحمت ہوگئی تھی ! مدتوں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مسند نشین درس رہے۔ اور وہیں ان سطور کے راقم کو شرف نیاز حاصل ہوا تھا۔ جس پایہ کے عارف وسالک تھے ۔ اسی درجہ کے عالم و فاضل بھی۔ اللہ اکابر امت میں درجہ بلند سے بلند تر رکھے۔ (وفات کا تذکرہ ماہنامہ بینات (کراچی ' میں نظر سے گذرا)

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک۔ جنوری ۱۹۶۶ء

از ــــــــــــ مولانا سمیع الحق صاحب

پرچہ "الحق" تکمیل کے مراحل میں تھا کہ مجسمہ علم و عمل محدث وقت فقیہہ بے بدل شیخ العصر جامع شریعت و طریقت بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب (بہودی ضلع کیمبل پور) کی وفات کا سانحہ فاجعہ پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت مرحوم پر ۱۰ دسمبر بروز جمعہ نماز تہجد کے دوران اچانک دائیں طرف فالج کا حملہ ہوا دوسرے دن آپ کو کنٹونمنٹ ہسپتال راولپنڈی میں داخل کرایا گیا۔ بہترین اور ماہر ڈاکٹروں نے ممکنہ کوششیں کیں۔ ابتداء میں صحت سنبھلی پھر بگڑتی چلی گئی اور حضرت کی زندگی کا ٹمٹماتا چراغ ۲۱ دسمبر کو ۲ بج کر پینتیس منٹ پر گل ہوگیا۔ کیا عجب کہ اس وقت عالم بالا میں یہ صدا گونجی ہو کہ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی۔واصل کا سانحہ ہائلہ راستہ ہی میں پیش آیا جبکہ

صحت سے مایوس ہو کر آپ کو پنڈی سے آبائی گاؤں بہبودی لایا جا رہا تھا۔ اور اس طرح علم و عمل تقوی اور تصوف کا وہ روشن ستارہ غروب ہو ا جسکی روشنی اور تابناکی سے نصف صدی تک علم و عمل کے ایوان جگمگاتے رہے اور جس سے ہزاروں تشنگان علم سیراب ہوئے۔ کل من علیہا فان اللھم اجرنا فی مصیبتنا واخلف لنا خیرامنہا۔

۲۲ دسمبر بروز بدھ ۲ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب مدظلہ (غور غشتی) نے پڑھائی اور بے شمار علما و صلحاء و عقید تمندوں نے شرکت فرمائی۔ دارالعلوم حقانیہ سے حضرت شیخ الحدیث کے علاوہ کئی اساتذہ اور مقامی اراکین نے شرکت کی۔ نماز جنازہ کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اور دیگر علماء کرام نے مرحوم کے مناقب و کمالات پر روشنی ڈالی۔ اور مرحوم کی ذات کو علم و عمل شریعت و طریقت کا مجمع البحرین اور ان کی جدائی کو علمی و روحانی دنیا کے لئے عظیم خلا قرار دیا۔ مولانا مرحوم کی ذات برصغیر میں بقیتہ السلف تھی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے تلمیذ رشید۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری شارح ابی داؤد کے محبوب شاگرد ' حضرت اقدس سیدنا شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے منظور نظر اور حضرت حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی علیہ الرحمتہ کے چہیتے خلیفہ اجل آپ میں علم و حکمت ' اخلاق و کردار ' تقوی و طہارت کی تمام صفات موجود تھیں۔ زندگی بھر علم و حکمت ان کا زیور اور حیاوشرافت ان کا لباس رہا۔ حیات مستعار تدریس و تبلیغ اصلاح و ارشاد میں بسر ہوئی ' زندگی بھی پاکیزہ اور موت بھی رشک آفریں طبت حیاً ومیتاً ۔ بعد وفات چہرہ پر عجیب طمانیت اور نورانیت پائی جاتی تھی ۔ اور محبوبیت و دلکشی ' مسکراہٹ و دلاویزی کا وہی عالم جو عمر بھر ان کا وصف خصوصی رہا۔ غرض خصائص و کمالات کی ایک دنیا تھی جو اس جسد خاکی میں سمٹ گئی تھی مولانا کے یہی اوصاف مدت تک لوگوں کو رلاتے رہیں گے۔ علمی شغف و انہماک تبحر و تعمق کے ساتھ

تواضع و فروتنی ہر لمحہ اتباع سنت کا جذبہ اور اصلاح نفس و ہدایت خلق کی انتھک سعی مولانا مرحوم کی زندگی کے وہ درخشاں نقوش و خطوط ہیں جن پر حضرت مرحوم کے تلامذہ متوسلین و مریدین اور عقیدت مند چل کر سرمایہ دارین حاصل کرسکتے ہیں۔

دارلعلوم حقانیہ اور ادارہ الحق حضرت مرحوم کے سانحہ ارتحال میں حضرت مرحوم کے تمام متعلقین صاجزادگان و دیگر اعزہ کے ساتھ اس صدمہ میں برابر کا شریک اور حضرت مرحوم کے رفع درجات کا متمنی ہے خود غمزدہ راقم تو برادر عزیز مولانا قاری سعید الرحمن صاحب اور دیگر برادران کے تعلق کی بناء پر مشفق سرپرست سے محروم ہوگیا ہے۔ اور خود تعزیت کا مستحق ہے ------ اللہ تعالی برادر مکرم اور دیگر برادران کو اس صدمہ عظمیٰ کے تحمل و برداشت کی توفیق دے اور اولوالعزم والد بزرگوار کی عظیم ذمہ داریوں کے نباہنے کی ہمت دے۔ اللهم اغفرله و نور ضريحه و اجزه عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء وارفع درجته فی عليين و عوّض المسلمين فيه خيرا۔

رسالہ دارالعلوم دیوبند "اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ نمبر ۲۷

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری ایک متبحر عالم دین ایک خدا شناس بزرگ اور محامد و فضائل انسانی کے جامع انسان تھے۔ طبیعت بہت سادہ مزاج نرم رومتانت و تمکنت فطری اور علم و وقار خداداد تھا۔ حدیث علم کلام اصول و منطق ' رجوع الی الحق اور اپنے ساتھیوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا مولانا کی زندگی کا طرہ امتیاز تھا۔ گذشتہ شعبان میں حضرت مولانا کا انتقال ہوا۔ اور پاکستان سے روابط مراسلت کے بند ہونے کی وجہ سے ہم اس حادثہ سے بے خبر رہے۔ اب پاکستانی ڈاک موصول ہوئی تو ہمیں مولانا کے انتقال کی اطلاع ہوئی۔

ایک شمع اور بجھی

دنیا کی یہ زندگی بھی کس قدر ناپائیدار اور غیر یقینی چیز ہے۔ کل تک جو لوگ بڑی شان و شوکت اور بڑے طمطراق سے دنیا میں رہ رہے تھے۔ آج وہ بے بسی و بے کسی کے ساتھ قبروں میں مدفون ہیں۔ کل تک جو لوگ اپنے عزیزوں اور دوستوں میں پیار بانٹتے رہے اور اپنے احباب و اقارب کی محبت اور ان کے ادب و احترام کا مرکز بنے رہے۔ آج وہ پیوند خاک ہیں۔ اگر انسان غور کرے تو اس چند روزہ زندگی کا انجام یہی ہے یہاں انسان ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں بلکہ اس کے بعد کی ابدی زندگی کے لئے کچھ توشہ تیار کرنے کیلئے بھیجا جاتا ہے جو لوگ یہاں آکر دنیا کی رونق اور اس کی ظاہری آب و تاب کے گرویدہ ہوکر اس میں منہمک ہوجائیں اور سفر آخرت کیلئے کچھ توشہ تیار نہ کریں ان سے بڑا کوئی بدبخت نہیں۔ اور جو دنیا کی شان و شوکت اور اس کے حسن و جمال سے مرعوب نہ ہوں اور دنیا کی ریل پیل میں بھی آخرت سے غافل نہ ہو اور جب دنیا سے رخصت ہوں تو ملأاعلی کی طرف سے سلام علیکم طبتم سے انکا استقبال کیا جائے ان سے بڑا سعادتمند کون ہوگا۔

موت کا راستہ ہر ایک کے لئے متعین ہے۔ جس سے ہر ایک کو گزرنا ہے اور کسی کو اس سے مفر نہیں۔ باقی اور غیر فانی صرف خداوند تعالی کی ذات ہے۔

الاکل شی ماخلا الله باطل
وکل اناس لامحالة راحل
وکل حبیب للحبیب مفارق
وکل قریب للقریب زائل
اذالم یدم خیر الخلائق ھھنا
فمن بعد ھم للموت لیس مناضل

لکل الاناسی ذاطریق معبد
فکل علی ذاک الطریق تمرقل
اذا جاء داعی الرب یوماً فعند ذا
لکل شجاع باسل متواکل

مگر بعض لوگ جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو انسانی معاشرے میں ایک بہت بڑا خلا چھوڑ جاتے ہیں جسے بعد میں پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی جانے والوں میں ایک نامور بزرگ اور عالم ربانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء بروز سہ شنبہ تین بجے بعد دوپہر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حضرت مولانا عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے اپنے سن شعور کا آغاز کیا اور کامیاب فارغ التحصیل ' لائق مدرس ' ثقہ عالم اور باعمل صوفی و مرشد کی منزلوں سے گزرتے ہوئے کتاب زندگی کو کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچایا مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد قدس سرہ سے دورہ حدیث پڑھا ' اور سالانہ امتحان میں اول آئے اس کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ وہاں صحیح بخاری اور جامع ترمذی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اور سنن ابی داؤد حضرت علامہ محمد انور شاہ سے اور صحیح مسلم مولانا حافظ محمد احمد صاحب سے۔ اور دیگر کتب حدیث دوسرے اساتذہ سے پڑھیں اور یہاں بھی سالانہ امتحان میں اول آئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد سے بیعت کی اور ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مولانا خلیل احمد آپ کی بہت قدر کرتے۔ اور آپ کے علمی بلند پایہ کے معترف تھے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے بھی ایک دفعہ فرمایا تھا۔ کہ مولانا عبدالرحمن صاحب کے احوال بہت بلند ہیں۔

حضرت مرحوم تقریباً" پینالیس سال مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس رہے۔ اس اثناء میں پینتیس سال آپ صدر مدرس کی پوزیشن پر فائز رہے۔ راقم الحروف کو اپنی طالب علمی کے زمانے سے لے کر اب تک کئی بار حضرت مولانا مرحوم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہمیشہ شفقت اور اخلاق کریمانہ سے نوازش فرماتے۔ درحقیقت حضرت مولانا مرحوم مجسمہ اخلاق تھے۔ ان کے یہاں مہمان نوازی تھی۔ عجز و انکسار تھا۔ اتباع سنت سے اس قدر شغف تھا کہ اپنی وصیت میں پہلے ہی لکھ رکھا تھا کہ وفات کے بعد ان کی تجہیز و تکفین بالکل شریعت اور سنت کے مطابق کی جائے۔ اور دفن کے موقع پر اور دفن کے بعد مروجہ بدعات کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالے نے ان کی اس آرزو کو قبول فرمایا اور ان کی تجہیز و تدفین عین سنت کے مطابق عمل میں لائی گئی۔

۱۷ شعبان بروز ہفتہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن قدس سرہ رات کے آخری حصہ میں نماز تہجد کے لئے اٹھے اور گرم پانی سے وضو کیا۔ نماز کے لئے مصلیٰ پر کھڑے ہی ہوئے ہیں کہ فالج کا شدید حملہ ہوا جس نے بے بس کر دیا۔ آبائی گاؤں بہودی ضلع اٹک سے انہیں کنٹونمنٹ ہسپتال راولپنڈی لایا گیا۔ ہسپتال کے عملہ نے پوری ہمدردی اور مستعدی سے علاج جاری کیا۔ دوران علاج میں قدرے حالت سنبھل گئی تھی۔ اور آنے جانے والے کو شناخت فرمالیتے تھے۔ وفات سے تین روز قبل مولانا غلام اللہ خان صاحب راقم کی معیت میں ہسپتال پہنچے۔ تو دیکھ کر شناخت فرمالیا۔ اور مصافحہ کے لئے بایاں ہاتھ آگے بڑھایا ۲۷ شعبان کو جب حالت زیادہ تشویشناک ہوگئی تو انہیں واپس بہودی لے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ اور دیگر علماء کرام کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ راستہ میں لارنس پور کے قریب آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۲۸ شعبان کو بعد نماز ظہر دو بجے نماز جنازہ ادا کی گئی شیخ

الحدیث حضرت مولانا نصیرالدین صاحب نے امامت کرائی اور ۲.۳۰ بجے عین سنت کے مطابق آپ کی تدفین پایہ تکمیل کو پہنچی۔

نماز جنازہ میں ہزارہا کا مجمع تھا۔ علاقہ چھچھ کے اکثر و بیشتر علماء موجود تھے۔ کچھ لوگ لاہور سے بھی آکر نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ راولپنڈی' کیمبل پور اور اکوڑہ سے بہت سے لوگوں نے شرکت کی۔ دفن کے بعد مولانا عبدالشکور صاحب مدرس دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی مولانا غلام اللہ خان صاحب۔ مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ اور مولانا گل بادشاہ صاحب مہتمم دارالعلوم جامعہ اسلامیہ اکوڑہ نے حضرت مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا اور مولاناعبدالحکیم صاحب ساکن حیدر آباد نے دعا مغفرت کی۔

حضرت مولانا کے اعزہ و اقارب اور آپ کے شاگرد اور مرید ایک شفیق سرپرست اور ایک مشفق استاد اور مرشد سے محروم ہوگئے ہیں۔ خصوصاً" آپ کی اولاد و احفاد اور آپ کے قریب ترین رشتہ داروں کو بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ ادارہ تعلیم القرآن عموماً" اور ادارہ کے نگران مولانا غلام اللہ خان صاحب خصوصاً" حضرت مرحوم کے تمام رشتہ داروں خاص طور سے حضرت مرحوم کے بڑے بھائی حاجی محمد زمان خان صاحب اور آپ کے فرزندان مولانا عبیدالرحمن ' مولانا قاری سعید الرحمن اور مولانا احمد الرحمن سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالی حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ آمین ثم آمین

مشہور عالم دین صاحب طرز خطیب و مصنف مولانا محمد اسلم شیخوپوری نے صاحب سوانح کے بارے میں مضمون تحریر کیا جو روزنامہ جنگ کراچی کے جمعہ ایڈیشن مورخہ گیارہ دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ وہ بعینہ نقل کیا جا رہا ہے

حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری

جن کی شخصیت مشائخ وقت اور اولیاء عصر کی منظور نظر تھی

تاریخ میں کئی ایک شخصیتیں ایسی گزری ہیں جو مرتبہ و مقام کے اعتبار سے اوج ثریا تک پہنچی ہوئی تھیں اور ان کے دامن زہد و تقوی کو نچوڑ کر فرشتے وضو کرتے تھے مگر ان پر اپنی ذات کے انکار، فنائیت، اور تواضع کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ عام لوگ ان کے نام تک سے واقف نہیں ہوتے تھے اگرچہ حق کے متلاشی اور دوائے دل کے طالب ان گوشہ نشین " معالجوں اور عزلت پسند " کیمیا فروشوں " کی یافت میں تلاشِ بسیار کے بعد کامیاب ہو ہی جاتے تھے۔

آج ہم جس عظیم انسان کا اس مختصر مقالہ میں تعارف کرانا چاہتے ہیں اس کا ذوق اور میلان طبع اور جذبات بھی کچھ ایسے ہی تھے باوجودیکہ اس کی شخصیت مشائخ وقت اور اولیاء عصر کی منظور نظر تھی اور اس کی علمی گہرائی، فنی پختگی، ذہنی بلندی، فکری عمق، مجتہدانہ انداز، فقیہانہ بصیرت اور محدثانہ فکر و نظر کا اعتراف علماء کے حلقہ میں کھلے لفظوں میں کیا جاتا تھا اور اسے اپنے دور کے امام تصوف و سلوک کی طرف سے بیعت و ارشاد کی اجازت حاصل تھی مگر اس پر کچھ اس طرح فنائیت کا نشہ طاری تھا کہ عالم بے خودی میں اسے اپنی تواضع اور فناء کا بھی احساس نہ تھا۔ اس نے شیخ الہند جیسے نابغۂ عصر اور عالم یگانہ سے علوم و معارف براہ راست حاصل کئے مگر روایتی دعاوی سے دامن بچائے رکھا۔ امام العصر حضرت علامہ کشمیری کی نادر تحقیقات اور وسیع معلومات سے استفادہ کیا مگر علم و فضل کا علانیہ اظہار نہ کیا، تھانہ بھون کے چشمہ صافی کا آب شیریں سیراب ہو کر پیا مگر

ذکار نہ لیا۔ نہ مشیخیت کے دعوے نہ رموز و نکات کا تکرار نہ خود نمائی نہ خود آرائی۔ جس کسی نے سنا اور جب سنا تو بس " انا" کا انکار کمالات کی نفی عجزو واماندگی کا اقرار' ہیچمدانی کا اعتراف اور اپنی بے حسی اور کوتاہی کا اظہار ہی سنا۔ یہ متواضع انسان جس کی تواضع اور فنائیت کی تعریف میں ہم رطب اللسان ہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو آج سے قریباً" ایک صدی قبل مردم خیز ضلع' کیمبل پور کے قصبہ بہبودی میں مولانا گل احمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ گھر کی فضا دینی تھی۔ اور خاندان کے بہت سے افراد علوم اسلامیہ کے بارے میں گہری واقفیت رکھتے تھے اور گھریلو ماحول میں ذکر و اذکار' تلاوت قرآن اور عبادت و اطاعت کے سلسلے جاری رہتے تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں ہی حاصل کی تھی اور پھر علمائے سلف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علم کی تلاش و جستجو میں صحرا نوردی اختیار کی یہ وہ زمانہ تھا جب ذرائع نقل و حمل صرف بڑے بڑے شہروں تک محدود تھے۔ سڑکیں ناپید تھیں اور سواریاں کم یاب! مگر شوق وارفتہ اور جذبہ صادق نے آپ کے لئے بادیہ پیمائی آسان کر دی تھی۔ تاحد نظر پھیلے ہوئے ریگستان فلک بوس پہاڑ' پرخطر وادیاں' اور مصروف تلاطم نالے آپ کے جذبہ طلب کو ماند نہ کر سکے ' درماندگی و درماندگی' تعب و مشقت' صحرا کی صعوبتیں سفر کی مشکلات' تو زاد راہ کی کمی' اعزا اور اقرباء کی یادیں اور عنفوان شباب کی امنگیں غرض کوئی چیز اور کوئی خواہش آپ کے سامنے رکاوٹ نہ بن سکی۔

میں نے جو کچھ عرض کیا وہ محض خوش کن لفاظی اور پر کشش مبالغہ آرائی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ ہے آپ کی طالب علمانہ زندگی کے واقعات میرے دعوے کے موید ہیں۔ ایک موقع پر اپنی طالب علمی کی یادوں کی راکھ کریدتے ہوئے فرمایا

" ایک بار پنڈی سرال جاتے وقت میں مولوی عبدالغنی صاحب دریائے سواں پار کر رہے تھے دریائے سواں اپنی ہولناکیوں اور پر پیچ راستوں میں مشہور تھا

۔ ہم سے آگے کچھ فاصلہ پر ایک دوسرا شخص بھی دریا عبور کر رہا تھا۔ ہمیں پانی کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ دریا کے وسط میں جب پہنچے تو اچانک پانی کا دباؤ بڑھنے سے ڈوبنے کا خطرہ محسوس ہوا۔ کم عمری کی وجہ سے پانی کا مقابلہ بھی مشکل تھا۔ تیرنا بھی نہیں جانتے تھے۔ کتابوں اور کپڑوں کے بھیگنے کا الگ خطرہ تھا۔ اتفاق سے پار ایک شخص نے ہماری اس پریشان کن حالت کو دیکھا۔ دوڑتا ہوا آیا اور ہم دونوں کو انگلی سے پکڑ کر مختلف پیچدار راستوں سے گزار کر دریا کو عبور کر دیا

آپ مختلف مقامات پر اکتسابی جدوجہد میں مصروف رہے مگر ابھی بھی تشنگی محسوس کرتے تھے۔ اس وقت ہندوستان کی علمی شہرت سن کر وہاں جانے کا ارادہ کیا۔ والد صاحب نے آپ کے اس تعلیمی جذبہ کو دیکھ کر بطیب خاطر جانے کی اجازت دیدی

ہندوستان میں اس وقت دو علمی دینی مراکز کو ہر اعتبار سے فوقیت اور شہرت حاصل تھی۔ یہ فوقیت اور شہرت ان حضرات علماء و صلحاء کی وجہ سے تھی جو صحیح معنوں میں وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق تھے۔ اور علوم دینیہ کی اشاعت کا صحیح اور مخلصانہ جذبہ ان کے قلوب میں موجزن تھا۔ علم کا ایک آفتاب عالمتاب اور مینارۂ نور دیوبند میں " دارالعلوم " کے نام سے جگ مگا رہا تھا اور دوسرا سہارنپور میں ــ

" مظاہر العلوم " کے نام سے ضیا پاشیاں کر رہا تھا دونوں کا نظم و نسق اس وقت کے نامور و جید علماء اور خدا ترس و متقی صلحاء کے ہاتھوں میں تھا دونوں کا منبع حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاک طینت اور قدسی الاصل نفوس تھے۔ ان کی للّٰہیت خلوص، زہد و تقوی اور جذبہ خدمت دین کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں عوام و خواص کے قلوب ان اداروں کی طرف منجذب ہونے لگے۔

مولانا کامل پوریؒ جن دنوں یک فنی علماء کی خدمات میں مختلف علوم و فنون حاصل کر رہے تھے طلباء وعلماء کی مجالس میں ہندوستان کے حضرت مولانا محمود۔

الحسن صاحب شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے علم حدیث میں کمال کا بڑا چرچا تھا یہ ان حضرات کی مقبولیت و محبوبیت کا نتیجہ تھا۔ کہ ان دور دراز علاقوں کے طلباء کے قلوب بھی ان کی طرف منجذب ہوتے رہے۔ حضرت مولانا نے بھی تحصیل علم کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ وہاں بڑے ماہر اور کامل اساتذہ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند دونوں ہی مرکزی اداروں سے فراغت حاصل کی۔ سہارنپور میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ الہند اور ان کے انور التلامذہ حضرت علامہ کشمیری نے حدیث پڑھی۔

چونکہ آپ کے اساتذہ آپ کی ذہانت و فراست علمی دسترس ' محنت و جانفشانی ' احتیاط و تورع ' احساس ذمہ داری اور زہد و تقوی سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے فراغت کے فوراً بعد آپ کو مظاہر العلوم میں تدریس کی ذمہ داری تفویض کر دی گئی اور یوں تو آپ تدریس طالب علمی کے دور میں بھی کیا کرتے تھے۔ آپ کی علمی استعداد اور خداداد ذہانت ایسی تھی کہ طلباء پہلے ہی سے آپ سے بڑی بڑی کتابیں پڑھتے تھے۔ گویا ایک طرف اکتساب فیض ہو رہا تھا تو دوسری طرف فیض رسانی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ آپ کے مایہ ناز اور فرید العصر استاد حضرت سہارنپوری کو آپ کی خداداد صلاحیت علمی قابلیت ' فہمی رسوخ ' استعداد اور پختگی ' تورع اور احتیاط ' احساس ذمہ داری اور محنت اور استادانہ صلاحیتوں پر اتنا اعتماد تھا کہ جب انہوں نے سنہ ۱۳۴۴ھ میں مدینہ طیبہ میں مستقل سکونت کے لئے ہندوستان سے ہجرت فرمائی تو ان کو صدر مدرسی کے عہدہ کے لئے سب سے موزوں شخصیت حضرت کامل پوری ہی کی دکھائی دی۔ چنانچہ آپ کئی سال تک ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی اس مشہور اور معلم دینی درس گاہ اور اسلامی یونیورسٹی اور اخلاقی تربیت گاہ میں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات کے عہدہ پر فائز رہے

ایک صدی کا پورا تہائی حصہ آپ نے مظاہر العلوم میں گزارا۔ آپ کے دور صدارت میں مظاہر العلوم میں ہزار سے زائد تعداد میں طلبہ فارغ التحصیل ہو کر نکلے جو ہندوستان کے تمام اطراف میں نیز حجاز و یمن ' افغانستان ' بلخ و بخارا برما اور

افریقہ تک پھیلے ہوئے ہیں کہ " بحر رحمانی " کی انہار جاریہ بن کر خشک اور بنجر زمینوں کو سیراب اور شاداب کریں ۔ شریعت و طریقت کے یہ سینکڑوں مستفیدین تلامذہ ' اور مریدین جو شرقا" اور غربا" سکونت پذیر ہیں ' قیامت تک آپ کے نام کو روشن اور آپ کی پاکیزہ سوانح کو زندہ رکھیں گے۔

مظاہر العلوم کی اس طویل خدمت کے ساتھ قیام پاکستان کے بعد سولہ سترہ سالہ مزید تعلیمی و دینی خدمات کو بھی جمع کیا جائے تو یہ پوری صدی کا نصف حصہ بنتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ تقریبا" پچاس سال حضرت مولانا نے مسلسل علم دین کی اشاعت فرمائی اور اس آفتاب علم و دین کی ضوفشانیاں ایک طویل عرصہ تک جہاں رنگ و بو کو بقعہ نور بناتی رہیں اس درمیان میں حضرت مولانا نے سوائے چند روزہ بیماری یا دیگر چند اعذار کے نہ طویل سفر فرمایا اور نہ کوئی اور شغل اختیار فرمایا - یہ نصف صدی کا زمانہ کچھ کم نہیں ۔ اس دور انتشار و خلفشار میں کم ہی علمائے کرام ہوں گے جن کو مسلسل نصف صدی مسند درس کی زینت بننا نصیب ہوا ہو گا۔ پاکستان کے قیام کے دوران ١٦ ۔ ١٧ سال تک تدریس علم اور نفع رسانی خلق کو تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ رکھا جائے تو بھی صرف مدرسہ مظاہر العلوم کے صدقات جاریہ آپ کے اتنے زیادہ ہیں کہ اس کی نظیر اس دینی اضمحلال کے دور میں بمشکل مل سکے گی ۔ لیکن باوجود دینی خدمات درس و تدریس ' نفع رسانی ' عبادت و ریاضت خدمت خلق اور تربیت و تزکیہ میں ہمہ وقت کی مشغولیت کے کبھی اس کا وسوسہ بھی نہ آیا کہ آخرت کی کامرانی کا سامان ہو گیا۔ نہ علم پر فخر و ناز ' نہ دینی خدمات پر تکبر اور تعلی ۔ بس زبان پر عجز و انکساری کے الفاظ جاری رہتے ۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کچھ کیا ہی نہیں ۔ جب فرمایا باچشم نم یہی فرمایا کہ دوستوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں کہ شاید کسی کے طفیل مغفرت ہو جائے اور حق تعالی اپنے صلحاء کے حسن ظن کی لاج رکھ لے "

آپ کے اسی احساس اور فکر آخرت ہی نے زندگی کے ایک دور میں آپ کو بے حد بے چین اور مضطرب بنا دیا تھا اور آپ پر اسی فکر و پریشانی اور تہی دامنی

کے احساس نے تسلط قائم کر لیا تھا جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر تمام علوم و فنون میں تکمیل کے بعد طاری ہو گیا۔ اور جس نے انہیں صحرانوردی اور دشت پیمائی پر مجبور کر دیا تھا۔ ہمارے ممدوح نے بھی علمی ملکہ اور پختگی اور رسوخ اور اساتذہ اور مشائخ کی نظر میں محبوبیت حاصل کر لینے کے باوجود روحانی پیاس اور باطنی خلا محسوس کیا۔ تزکیہ نفس اور باطن کی صفائی کی تشویش انگیز فکر نے آپ کو کسی باخدا اور باللہ مرشد اور امراض باطنی کے "معالج" کی تلاش و جستجو پر آمادہ کیا لیکن حضرت مولانا کو اپنے روحانی اضطراب کی تسکین کے لئے دور جانے کی ضرورت نہ پڑی۔ اس "عطار" کی دوکان معرفت قریب ہی تھی جہاں دوائے دل مہیا تھی۔ طالب علمی کے آخری دور میں جس استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا وہ صرف عالم ہی نہ تھے بلکہ شیخ طریقت اور آسمان روحانیت کے ماہتاب تھے۔ میری مراد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس اللہ سرہ سے ہے۔ آپ جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ آپ کے علو مرتبہ اور فخر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ قطب العالم حضرت گنگوہی کے خلیفہ اول تھے۔ بعد میں حضرت کامل پوری نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی سے اصلاحی تعلق قائم کر لیا اور پورے دو سال حکیم الامت سے باطنی اصلاح کرواتے رہے۔

یہ حضرت مولانا کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے کہ آپ کو حضرت حکیم الامت کی طرف سے بیعت سے قبل ہی خلافت سے سرفراز فرما دیا گیا یہ تاریخ تصوف و سلوک میں واقعی نادر واقعہ ہے اس کی نظیر شاید ہی ملے گی۔ پورے دو سال بھی نہ ہوئے تھے جب مسافر نے تصوف و سلوک کی وادیوں میں قدم رکھا تھا مگر وہ اس محدود عرصہ میں اس تیز رفتاری سے چلا کہ عشق و معرفت کی بہت سی منزلیں طے کر گیا اور اب وہ مجدد وقت حضرت تھانوی کی نگاہ میں راستہ کے نشیب و فراز اور پیچ و خم سے پوری طرح باخبر اور ناواقفوں کی رہبری کے لئے ہر طرح لائق اعتماد تھا۔

آپ شیخ کے منظور نظر تو بن چکے تھے مگر کمال تواضع کی وجہ سے اپنے کو منصب ارشاد و تربیت کا اہل نہ سمجھتے تھے اس لئے معذرت پیش کی کہ " حضرت میں نے تو ابھی تک بیعت بھی نہیں کی تو خلافت کا استحقاق کیسا ہے ؟ مرشد کامل نے جواب دیا" میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت نہیں " اس کے بعد حضرت مولانا نے درخواست کی کہ اچھا اب مجھے بیعت بھی فرما لیجئے" اور دراصل حضرت تھانوی کا آپ پر یہ اعتماد اور بھروسہ بلا وجہ نہ تھا بلکہ آپ تھے ہی اوصاف و اخلاق کا ایسا پیکر جمال کہ حضرت تھانوی جیسے مردم شناس عارف باللہ اور حاذق نباض کی نظر سے آپ کی استعداد و صلاحیت ' روحانی مقام اور باطنی معرفت پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی ۔ آپ کی زندگی گوناگوں محاسن اور اوصاف کا دل آویز مرقع تھی اور ظاہر ہے اہل اللہ کے ہاں نسبی شرافت ' مالی وسعت اور علمی فراخی کے بجائے زیادہ قدر محاسن و اوصاف ہی کی ہوتی ہے ۔ درس حدیث اور پھر مسلسل عمل سے آپ کی زندگی محاسن اور فضائل حمیدہ کا مجموعہ بن چکی تھی ۔ مولانا غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں ۔

" محققین کا کہنا ہے کہ شغل حدیث ' صحبت نبوی کا بدل ہے ۔ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب قدس سرہ کی شخصیت اس قول کی کھلی تصدیق تھی ۔ خلوت سے رغبت ' چہرہ پر فکر آخرت ' تکلم محض بقدر ضرورت مگر لبوں کی مسکراہٹ اور لہجہ کی شفقت کے ساتھ طنز و ایراد سے بالکل نا آشنا ' تعریف میں مبالغہ سے گریز ' نشست و برخاست اور چال ڈھال میں متانت اور وقار مگر ہر ادا تواضع میں ڈوبی ہوئی اور اظہار انا سے بچی ہوئی ۔ یہ ہے حضرت مولانا کی شخصیت کے محاسن کی مجمل فہرست

تواضع اور عجز و انکساری ' بے نفسی و فنائیت ' جودوسخا ' محبت و شفقت ' خوف و خشیت ' صبر و قناعت ' عبادت و ریاضت ' توکل و اعتماد ' تصلب فی الدین اور اتباع و انقیاد و غیرہ محاسن و اوصاف جن کی وجہ سے بارگاہ خداوندی میں محبوبیت و مقبولیت حاصل ہوتی ہے وہ آپ کو وافر ملے تھے مبداء فیض نے آپ کا

مزاج و مذاق طبعی اور فطری طور پر ایسا بنایا تھا کہ سیئات سے نفرت اور حسنات سے محبت آپ کی رگ و ریشہ میں بسی ہوئی تھی آپ کے متنوع اور مختلف اوصاف میں سے تواضع اور فنائیت کا وصف ایسا ممتاز نظر آتا ہے کہ آپ کی ساری زندگی گویا اسی کی تعبیر اور تفسیر ہے ۔جامعیت کمال اور علوم میں اس قدر مہارت کے باوجود خرد نمائی کا مادہ بالکل نہ تھا۔ خود نمائی تو درکنار شان اخفاء ایسی تھی کہ نو وارد یہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ اتنے بڑے عالم ہیں تو اضع ایسی کہ طالبین وواردین کے استفسارات کے موقع پر اپنے لئے بغیر تصنع و تکلف کے سوائے "ناکارہ" نالائق جیسے الفاظ کے اور کوئی لفظ استعمال نہ فرماتے تھے ہر ادا سے تواضع ٹپکتی تھی دوران گفتگو یا درس دیتے وقت کبھی ایسی بات نہیں سنی گئی جس سے ترفع اور تعلی کی بو آتی ہو ' مسترشدین کے جھرمٹ میں کھری چارپائی پر بیٹھ جاتے سادہ مگر صاف کپڑے زیب تن فرماتے مکان سے جب مدرسہ تشریف لاتے تو بعض طلباء دار الطلبہ کے گیٹ میں بینچ پر بیٹھے ہوتے جو آپ کو دیکھ کر تعظیما" کھڑے ہو جاتے آپ کو یہ بھی ناگوار گزرتا تھا۔ ترمذی شریف کے سبق میں جب قیام تعظیمی کی بحث آئی تو طلبہ کو سختی سے تنبیہ فرمائی اور بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ میرے لئے کبھی کوئی نہ اٹھا کرے۔ اپنا کام خود کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ دوسرے سے خدمت لینا گوارا نہ ہوتا تھا ہاں اگر کوئی خاص خادم اور بے تکلف ہوتا تو خدمت منظور فرما لیتے تھے۔

اللہ تعالی اس پیکر حلم و عفو اور مجسمہ عجزو نیاز کی تربت پر ہزاروں نعمتیں نازل فرمائے

آمین ثم آمین

لرحلۃ القدوۃ شیخ الحدیث العلامہ مولانا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ

قصیدۂ تاریخیہ

از مولانا جمیل احمد تھانویؒ مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

الشیخ شیخ العلم والعرفان ... عبدُ الالٰہ الراحم الرحمٰن

وہ بزرگ علم دین اور معرفت الٰہی کے بزرگ ... عبدالرحمٰن معبود الرحیم کے خاص بندے

شیخ المعارف والعلوم جمیعھا ... فخر الاماثل فائق الاقران

علوم معرفت اور تمام اقسام علوم دین کے بزرگ ... بے مثل بزرگوں کے فخر ساتھیوں سے فائق

استاذ اھل العلم شیخ اُولی التقٰی ... عملاً وعلماً منبع الفیضان

علمائے دین کے استاذ صوفیوں کے پیر ... علم و عمل دونوں میں فیض کے سرچشمہ

شیخ الطریقۃ والشریعۃ جامعاً ... بالسنۃ العلیاء والایقان

طریقت و شریعت کے جامع پیر و بزرگ ... سنت نبوی کی پابندی اور تکمیل ایمان کیساتھ

شیخ الفنون حقیرھا وجلیلھا ... شیخ الحدیث مفسر القرآن

تمام چھوٹے بڑے فنون کے ماہر استاذ ... شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر

صدر الاساتذۃ الکرم رئیسھم ... باکورۃ والھند والملتان

تمام مدرسین کے صدر اور سب کے سردار ... اکوڑہ خٹک سہارنپور انڈیا اور ملتان میں

وبتندو اللہ یارکان بفضلہ ... متموجاً کالبحر فی الطوفان

اور ٹنڈو اللہ یار میں فیض علم کی ایسی ... موجیں مارے ہے تھے جیسے طوفان کے وقت سمند

حبر ذکّي لوذعي ماجد ... قد قل مثل الشیخ فی الازمان

زبردست عالم بڑے ذہین بڑے ماہر بزرگ ... ان بزرگ جیسا شخص زمانوں میں کم کم ہوا ہے

ورع ولی کامل وخلیفة لحکیم الامة اشرف الاعیان

بہت متقی کامل ولی اور خلیفہ۔ بزرگوں کے اشرف حکیم الامت حضرت تھانوی کے

فالقلب طور للتجلی دائماً والوجه نور کامل اللمعان

اسلئے قلب مبارک دائمی تجلی کا طور تھا اور چہرہ مبارک نور ہی نور بہت کامل چمک والا تھا

اذ فارق الدنیا الدنیة معرضاً عن مرتاها زید بالغفران

جب کمینی دنیا سے جدائی اختیار کی اسکی مشورہ گاہ سے اعراض کرکے تو بخشش کی زیادتی سے نوازدیئے گئے

قد کان بهبودی بکا ملپور فی البنجاب عالیة به فی الشان

بہبودی ضلع کیمبل پور پنجاب کا ان کی برکت کی وجہ سے عالیشان ہو رہا ہے

فیها ولادته وفیها مرقد من نوره فاقت علی البلدان

اسی میں حضرت کی پیدائش ہوئی اور اسی میں وہ مرقد ہے کہ جسکے نور کیوجہ سے بہبودی سب شہروں سے فوقیت لیگیا ہے

ارخ ارتحال الشیخ من بشریٰ لهٗ کن زائداً فی العز والرضوان

٧٠ ٢٣

حضرت کی تاریخ وفات آپکی اس خوشخبری سے حاصل ہے کہ عزت و رضا میں بڑھتے جاؤ

١٣٨٥ھ

جازیٰ اللهُ العالمین بفضله

الله تعالیٰ اپنے فضل سے جزا دیں

شیخی علی الاحسان بالاحسان

ہمارے شیخ کو احسان کرنے پر احسان فرمانے پر

قطعات تاریخ وفات

از مولانا جمیل احمد تھانویؒ مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

عبدالرحمٰن ولی و شیخ تفسیر وحدیث — مصلح و شیخ طریقت بےمثال و بے مثل
حضرت علامہ جن کی ہر صفت تھی لاجواب — علم و تقویٰ و تقدس بے نظیر و بے بدل
حضرت اشرف علی تھانویؒ کے جانشین — جن سے ہر مشکل سے مشکل عقدہ ہو جاتا تھا حل
کیوں ہراساں ہوں نہ اہل علم اور اہل طریق — کیسے حل ہوں مشکلات اور کیسے اصلاح خلل
ہادی علم و عمل نے تو کیا عقبےٰ کا رُخ — رہ کے گرتے ہوئے اب کسطرح جائیں سنبھل
رنج و غم کے آج دل پر کسقدر ٹوٹے پہاڑ — کوئی بتلائے کہ کیسے جائیگا اب دل بہل
آہ اب تیغ اجل سے بے سروپا ہوگئے — فقر ودین، زہدورع، فضل وکرم، علم وعمل

۱۰۰ ۱۰ ۵ ۲۰۰ ۸۰۰ ۲۰۰ ۳۰ ۴۰

۱۳۷۵ھ

....

اک ماہر و شیخ طریق اک فاضل و شیخ الحدیث — ہر علم وفن میں بےبدل لیتا ہے اب راہ عدم
ہر علم ظاہر لاجواب ہر علم باطن بے حساب — یوں جامع شرع وطریق اس عہد میں ہوتے ہیں کم
اس درجہ ہو علم وسیع اور اس قدر گہری نظر — بے شبہ اس دور جہالت میں تھے حضرت مغتنم
وہ نسبت باطن کی قوت اے تعالیٰ شانہ — پھر سنت خیرالورٰی پر بھی سر تسلیم خم
تشریف حضرت لے گئے تورہ گئے اب بے سرے — دین وہُدا فضل وعلیٰ، علم و عمل، حلم وکرم

۶۰ ۵ ۸۳۰ ۴۰ ۷۰ ۷۰ ۷۰ ۲۴۰

۱۳۸۵ھ

۱۔ یعنی ان لفظوں کے سر اور پر الگ ہوگئے اول کا اور آخر کا حرف الگ ہوگیا صرف درمیان درمیان کے حروف رہ گئے ہیں ان کے عددوں کو جمع کرلیجئے، تو تاریخ بن جائیگی مثلاً فقر لفظ تمن ’ف‘ اور ’ر‘ الگ کرکے صرف ’ق‘ رہ گیا جس کے عدد ۱۰۰ ہیں اسی طرح ہر لفظ سے لے لیجئے مجموعہ ۱۳۸۵ ہو جائیگا۔ ۲۔ یعنی ہر لفظ کا سر اور پہلا حرف الگ کیجئے۔ باقی دو دو حرفوں کے عدد لیکر جمع کرلیجئے۔ اس سے تاریخ ہوگی۔ ’دین‘ لفظ سے ’د‘ الگ کرکے ’ین‘ رہ گیا اس کے عدد ہوئے ۶۰ اسی طرح آگے سب کے عدد لے لیجئے مجموعہ ۱۳۸۵ ہے۔

(از مولانا جمیل احمد صاحب تھانویؒ)

جُملہ (۱)

موت العالم الحقیّ موت العالم
۴۴۶ . ۱۷۲ ۱۴۹ ۴۴۶ ۱۷۲

۸۵ ۱۳ھ

(۲)

چوں حضرت شیخ ما زعالم
وز عالمیان ماجدا شد
تاریخ وفات را ہاتف
داخل بہشت ما نداشد

۸۵ ۱۳ھ

﴿۳﴾

عبد رحمٰن حضرت علامۂ قدسی صفات
از جہاں دار فانی رفت در دار جناں
از پے تاریخ رحلت گفت بامن ہاتفے
گو غروب آفتاب علم دینی جہاں

۱۹٦۵ء

﴿۴﴾

حضرت تو وفات پاگئے ہیں
تورنج والم میں مبتلا رہ
تاریخ وفات اگر ہو مطلوب
اب عالم آخرت گئے کہہ

☆

﴿۵﴾

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کجا
۱۴۰۸ ۱۲۸ ۴۰۵ ۲۴

۱۹٦۵ء

﴿٦﴾

تاریخ وفات چونکہ جستم
"داخل بہشت ما نداشد"

۱۳۸۵ھ

﴿۷﴾

شہید گردید حضرت
۳۱۹ ۲۳۸ ۱۴۰۸

۱۹٦۵ء

﴿۸﴾

قبر منزل حضرت مولانا
۳۰۲ ۱۲۸ ۱۴۰۸ ۱۲۸

۱۹٦۵ء

قطعات : از مولانا جمیل احمد صاحب تھانویؒ

(۹)

آہ شہید کبیر حضرت

٦ ٣١٩ ٢٣٢ ١٤٠٨

١٩٦٥ء

(۱۰)

غفر اللہ لآباءہ

١٢٨٠ ٦٦ ٣٩

١٣٨٥ھ

(۱۱)

اطیب اولیا شیخ عبد الرحمٰن

٢٢ ٤٨ ٩١٠ ٧٦ ٣٢٩

١٣٨٥ھ

(۱۲)

قبر مبارک کیلئے

جلوہ۔گاہ شیخ عبدالرحمٰن

٧٠ ٩١٠ ٧٦ ٣٢٩

١٣٨٥ھ

قطعہ تاریخ

از مولانا نجم الحسن صاحبؒ خلیفۂ حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ

عبد رحمٰن مجاز اشرف علی | عاشق اتباع میر عرب
ہفتم و بست ماہ شعباں بود | جاں بحق داد از وفور طلب
سال تاریخ رحلتش جستم | ہاتف غیب شد بشیر طرب
گفت از نفس مطمئنہ او | ادخلی جنتی زحکم رب

١٣٨٥ھ

☆☆☆

عقیدت کے چند آنسو

از جناب انیس الدین صاحب۔ سنٹرل آرمز نیلا گنبد لاہور

خلد میں یہ جشن کا ساماں ہُوا عبدالرحمٰن واصل رحماں ہوا
غلغلہ ہے قدسیان عرش میں اقرب عرش اور اک انساں ہُوا
وہ سراپا نور وہ حسن و جمال پردۂ انوار میں پنہاں ہُوا
وہ سراسر پرتو حُسن ازل واصل انوار بے پایاں ہُوا
تھا جو یکتا میزبانی میں سدا آج وہ اللہ کا مہماں ہوا
تھا یہاں مخدوم صد جن وبشر خلد میں مخدوم صد غلماں ہُوا
ہوں صفات اسکی بیاں کیا بس ہے یہ پیکر اخلاق محبوباں ہُوا
منبع علم و عمل جودو عطا محرم جاں مخزن عرفاں ہُوا
صدر بزم مظہران علم دیں جانشین اشرف دوراں ہُوا
اس تبحر پر تواضع اس قدر ہر ملاقی کو عزیز از جاں ہُوا
تھی تواضع اسکی وجہ امتیاز وہ اس سے حاکم دوراں ہُوا
نیچی نظریں مسکرانا دیکھ کر پہلی صحبت میں ہی دل قرباں ہُوا
دبدبہ ایسا تھا اسکے نُور کا جس نے دیکھا یک بیک لرزاں ہُوا
ٹھیرتی ہی تھی نہ چہرے پر نظر حُسن سے رشک مہِ تاباں ہُوا
قہقہہ دیکھا نہ غصہ ہی کبھی اعتدال اسکا سرور جاں ہُوا
یاد ایاہے کہ تھا وہ رہنما آج جو خود راہی رضواں ہُوا

وہ مزے لوٹینگے وصل یار کے ہم کو انکا غم نصیب جاں ہُوا
عاطفت بے مثل شفقت بے نظیر سب سے محرومی کا یہ ساماں ہُوا
کون ہوگا چارہ گراب اے انیس ختم اپنے درد کا درماں ہُوا
کون ہوگا درد مند بے کساں آہ رخصت یار بے یاراں ہُوا
کون سکھلائیگا اب درس حدیث پردہ پوش استاد استاداں ہُوا
کون بتلائیگا راز معرفت جب جُدا وہ مرشد عرفاں ہُوا
کون دکھلائیگا اب راہ جہاد رخصت اب وہ ہمت مرداں ہُوا
ہیچ ہے اب لفظ انسیت انیس جب جدا ہم سے انیس جاں ہُوا
نامکمل ختم کر اشعار غم نُطق عاجز غم بھی بے پایاں ہُوا
سال ہجری لکھ کے لکھ تاریخ و ماہ جب وصال بندہ رحماں ہُوا
یکہزار وسہ و صد و ہشتاد و پنج یوم بست و ہفتم شعباں ہُوا
بست ویک ماہ دسمبر اور سال عیسوی انیس سو پینسٹھواں ہُوا

اور تاریخ ایک مزید القا ہوئی
عبدالرحمٰن داخل غفراں ہُوا

☆☆☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ

کی یاد میں

از رفعت احمد خان کراچی

ہستی وہ ان کی ہم مہ تاباں کہیں جسے
وہ ذات انکی مہر درخشاں کہیں جسے

ان کی ہر ایک بات میں مضمر تھے سو رموز
وہ سہل ممتنع تھا کہ آساں کہیں جسے

تھی باعث فیوض و کرمہائے بے شمار
ہستی وہ انکی چشمۂ عرفاں کہیں جسے

انکا خلوص و شفقت و اخلاق باوقار
تہذیب کا کمال نمایاں کہیں جسے

نور کمال چہرۂ انور سے جلوہ گر
قلب مصفیٰ آئینہ ساماں کہیں جسے

ہر علم وفن میں رہبر اہل کمال تھے
اقلیم علم وفن کا قلمراں کہیں جسے

ہر چند ان کو نام و نشاں سے غرض نہ تھی
تھانام نامی زینت عنواں کہیں جسے

رفعت ہر ایک سوگوار کس کیلئے ہے
بے آب آج ہر گہر آبدار ہے

تمت بالخیر

☆☆☆

مختصر تذکرہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحبؒ غور غشتوی

صاحب سوانح حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ جس علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ علاقہ چھچھ ہے۔ علاقہ چھچھ کے مشہور بزرگ اور عظیم محدث حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی اور صاحب سوانح کے درمیان قریبی تعلق رہا۔ دونوں طرف سے باہمی عزت ووقار کا سلوک تھا۔ ایک دوسرے کا احترام اور تکریم ہر وقت رہا۔

دونوں لفظ "شیخ الحدیث" سے مشہور تھے۔ ایک نے اپنی زندگی حدیث اور علوم دینیہ کی خدمت کیلئے ھندوپاک کے بڑے مدارس کا انتخاب کیا تو دوسری شخصیت نے اپنی ساری زندگی اپنے علاقہ اور آبائی مسکن غور غشتی میں درس حدیث میں صرف فرمائی۔

مرتب سوانح "تجلیات رحمانی" نے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحبؒ سے ان کی حیات میں انٹرویو کی شکل میں انکے حالات معلوم کر کے قلمبند کیے جو ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک رجب ۱۳۸۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئے۔ حضرت مرحوم کے یہ حالات اس لیے سب سے مستند ہیں۔

تجلیات رحمانی میں انکو بھی بطور تبرک شامل کیا جارہا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين - وصلى الله تبارك وتعالى على سيدنا محمد وآله
واصحابه اجمعين - وبارك وسلم .

اما بعد منقول المسلسل لنصير الدين الغورغشتوي قرء على سعيد الرحمن
ابن مولانا عبد الرحمن الكملپوري لبعض احاديث الصحاح الستة.

واني اجزته لتدريس الكتب الستة الصحاح - ولنفع المسلمين كيف كان
واني اوصي نفسي اولاً واياه ثانياً بتقوى الله عز وجل واتباع السنة
السنية واجتناب البدعة الشنيعة ولا حول ولا قوة الا بالله
العلي العظيم

واني حصل لي الاجازة والقراءة والسماع من شيخنا ومولانا
العلامة حمد الدين الجلالوي - وحصل له الاجازة من مولانا وشيخ مشائخنا
احمد علي السهارنپوري رحمة الله عليه - وحصل له الاجازة من
مولانا وشيخ المشائخ الشاه محمد اسحاق الدهلوي رحمة الله عليه -

(مولانا) نصير الدين (مدظله) الغورغشتوي
٢١ - جمادى الاولى سنه ١٣٨٣ھ

مؤلفِ "تجلیاتِ رحمانی" کو حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی ؒ
کی طرف سے مرحمت فرمائی گئی اجازتِ حدیث کی خصوصی سند کا عکس

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ

ایک شخصیت ....ایک عہد.....................ایک تاریخ

علمی تاریخ کا ایک روشن باب، پیکر معصومیت و جمال، مجسمۂ اخلاص وللہیت، دین کیلئے سراپا فکر، حدیث کا بے لوث خادم اور پٹھانوں کے شاہ ولی اللہؒ۔

دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر تربیلہ اور غازی سے چند میل دور علاقہ چھچھ کا آخری شرقی قصبہ غورغشتی واقع ہے۔ غورغشتی کے اکثر باشندے افغان قبیلہ کاکڑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ صدیوں پہلے اس قبیلہ کے ایک سردار شیخ محمد اشرف کی سرکردگی میں تقریباً چار ہزار افغان مجاہدین کی جماعت قندہار سے جہاد کے لئے ہندوستان آئی۔ پانی پت کرنال اور بعض دوسرے علاقوں میں فوجی یورشوں کے بعد واپس وطن جاتے ہوئے یہ لوگ غورغشتی اور اردگرد علاقوں میں بس گئے۔ یہ قصبہ پٹھانوں کی روایات، غیرت و حمیت، بہادری و جفاکشی اور پھر علم و فضل اور طریقت و مشیخت ہر معاملہ میں امتیازی شان کا حامل رہا ہے، بڑے بڑے مشائخ و صوفیاء یہاں گزرے ہیں۔ جو طالبان حق اور گم کردہ راہوں کیلئے طمانیت اور ہدایت کا سامان مہیا کرتے۔ مشاہیر علماء و فضلاء کے یہاں تقریباً ہر دور میں علم و فضل کی محفلیں جمی رہتیں۔ ایک وقت تھا کہ دور دراز سے علم و فضل کے پیاسے یہاں آکر اپنی تشنگی دور کیا کرتے۔ اور وسعت کے مطابق اپنے دامنوں کو جواہر پاروں سے بھر کر لے جاتے، یہ تو پرانے دور کی باتیں ہیں۔

اس دور میں غورغشتی کی شہرت حضرت بقیۃ السلف فخر المحدثین شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب مدظلہ کی ذات بابرکات سے ہے۔ حضرت ممدوح کی

متوکلانہ زندگی بے تکلف معاشرت ۔اور سادہ رہن سہن کو دیکھ کر قرون اولیٰ کے علماء و محدثین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ زندگی میں تکلف و تصنع، ریا اور نمود کا نام و نشان تک نہیں۔ حضرت کا معصوم چہرہ اذا رء وا ذکر اللہ کا صحیح مصداق ہے۔ ساری زندگی خلوت و گوشہ نشینی اور انقطاع الی اللہ میں گزری، علم حدیث سنت کا جذبہ ہر عمل و کردار میں نمایاں ہے۔ اعضاء و جوارح میں ضعف و کمزوری کے باوجود قلب و دماغ ہر وقت فکر دین میں مصروف ہیں۔

اس مرد درویش نے جس خاموشی، تندہی، یکسوئی اور ظاہری نشوو نما اور دینوی منفعتوں سے بے نیاز ہو کر جسطرح حدیث نبوی کی خدمت کی ہے۔ اس کا تصور بھی اس دور میں نہیں کیا جاسکتا ساری زندگی توکل میں بسر کی تدریسی زندگی کے چند ابتدائی سالوں کے علاوہ تقریباً چالیس سال بغیر کسی دینوی منفعت کے اپنے قصبہ غور غشتی میں ہزاروں تشنگان علوم کی سیرابی آپ کی حیات مبارکہ کا ایک سنہرا باب ہے ۔ آپ کا قیام آجکل اپنی مسجد ہی میں رہتا ہے۔ مسجد کے بائیں طرف آپ کا کمرہ ہے۔ **یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً وعلی جنوبھم ویتفکرون. الخ** کے مطابق سارا وقت عبادات اور ذکر و فکر میں صرف ہوتا ہے۔ واردین و صادرین سے باوجود ضعف کے انتہائی بشاشت کیساتھ ملاقات فرماتے ہیں۔ چڑچڑاپن نام کو بھی نہیں۔ طبیعت میں تحمل اور چھوٹوں پر شفقت بہت زیادہ ہے۔ بارہا خیال ہوا کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر زندگی کے کچھ حالات معلوم کئے جائیں۔ تاکہ اس قحط الرجال کے دور میں اپنے اسلاف اور بزرگوں کے حالات سے کچھ واقفیت حاصل کی جاسکے۔ ویسے تو عموماً حاضری ہوتی رہتی ہے ۔ اور حضرت والد صاحبؒ (حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ) سے خصوصی تعلق و محبت کی وجہ سے نہایت کرم

فرماتے ہیں۔اس مقصد کیلئے حاضری میں اندیشہ محسوس کر رہا تھا کہ کہیں اظہار حالات حضرت کی طبع لطیف پر ناگوار نہ ہو۔ اس لئے خود ہی زندگی کے بعض واقعات کے بارے میں غیر مرتب طریقہ سے کچھ باتیں دریافت کیں۔ حضرت بڑی بشاشت و محبت سے جواب دے رہے تھے جس سے ڈھارس بندھی اور عرض کیا، حضرت کچھ اپنی زندگی کے بارے میں ارشاد فرمائیں، تاکہ ہم جیسوں کیلئے مشعل راہ اور ہدایت کا ذریعہ بنے۔ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ یہ درخواست سنکر بیٹھ گئے اور بے تکلفی سے فرمانے لگے۔ میرے کوئی لمبے چوڑے حالات نہیں ہیں۔ اور نہ ان میں کوئی خاص بات ہے۔ مکرر عرض کیا۔ حضرت نے درخواست قبول فرمائی۔ ضعف و کمزوری اور پیرانہ سالی سے بیٹھے رہنے پر بار محسوس ہونے لگا۔ اس لئے عرض کیا گیا کہ حضرت چارپائی پر لیٹے رہیں۔ اور لیٹے ہی ارشاد فرمائیں۔ چنانچہ حضرت نے اپنی زندگی کے یہ مختصر حالات ارشاد فرمائے۔

سلسلۂ نسب اور خاندان : حضرت کا سلسلۂ نسب اسطرح ہے۔ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب ولد مولانا بہاؤ الدین صاحب ولد مولانا سعد الدین صاحب ولد محمد موسیٰ صاحب ولد اخوند محمد بشارت صاحب۔

آپ کا خاندان قدیم زمانہ سے علم و مشیخت، فضل وکمال اور طریقت و معرفت، نیز ظاہری عزت و شوکت میں ممتاز خاندان رہا ہے۔ آپ کے والد محترم مولانا بہاؤالدین صاحب سلسلہ چشتیہ کے مشہور صاحب نسبت بزرگ گزرے ہیں۔ طریقت و معرفت کے علاوہ جامع عالم و فاضل تھے۔ تفسیر میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ علم حدیث کے علاوہ سب علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ اس علاقہ میں علم حدیث کی تدریس کا رواج اسوقت نہ تھا۔ زیادہ توجہ فقہ تفسیر منطق فلسفہ اور دیگر علوم

آلیہ کیطرف ہوئی۔ (کیا معلوم تھا کہ یہ کمی آپ کے لائق فائق صاحبزادے کے ذریعہ پر ہونا ہے) علوم ظاہریہ باطنیہ دونوں کے پیاسے آپ کے پاس آکر اپنی تشنگی دور کرتے ۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ طالبین علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ معرفت وسلوک کے متلاشی بھی آپ کی خدمت میں حاضر رہتے مگر دوسرے حضرات کی طرح لنگر اور خورد و نوش کا روایتی اور رسمی طریقہ پر انتظام نہ تھا۔ بلکہ سادگی اور نام و نمود سے تنفر ہر پہلو پر نمایاں رہتا۔ انی شریف کے مشہور معقولی عالم استاذ مولانا غلام رسول صاحب جنکا بڑا فیض جاری ہوا، مولانا بہاؤالدین صاحب ہی کے شاگرد اور باطنی فیض یافتہ تھے ۔ انی شریف کے خاندان نے آخر تک اس علمی خاندان سے اپنے تعلق کو نباہا۔

مولانا بہاؤلدین صاحب اپنے والد ماجد مولانا سعد الدین صاحب کے شاگرد بھی تھے ، اور مرید بھی، خلافت آپ کو اپنے والد ماجد ہی سے ملی۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے دادا مولانا سعد الدین صاحب جو اخوان صاحب کے نام سے مشہور تھے بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں ۔ آپ حضرت سوات بابا حاجی عبدالغفور اخوند صاحب سوات کے ہم قرن تھے ۔ اخوند صاحب فرمایا کرتے تھے کہ علاقہ چھچھ میں جب "اخوان صاحب" موجود ہیں تو چھچھ کے لوگوں کو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے۔

ولادت : کیا معلوم تھا کہ مولانا نصیر الدین صاحب آگے چل کر ایک صاحب فیض عالم اور صاحب سلسلہ شیخ کی حیثیت سے نمودار ہوں گے کسی نے سن ولادت محفوظ رکھنے کیطرف توجہ نہ دی۔ جیسا کہ عموماً اس علاقہ ہو ہوتا تھا۔

مگر حضرت نے خود بعض قرائن سے اپنا سن ولادت ۱۲۹۵ھ بیان فرمایا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میرے دادا صاحب کا انتقال ۱۳۰۹ھ میں ہوا مجھے اتنا یاد ہے کہ اس وقت میری عمر ۱۴ سال کی تھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۹۵ھ میں ولادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم : چونکہ یہ علمی خانوادہ تھا۔ اس لئے حصول تعلیم کے لئے آپ کو پہلے باہر جانیکی ضرورت نہ پڑی۔ آپ نے قرآن مجید، فارسی کی کتابیں، نام حق، نظم گلستان وغیرہ اپنے بھائی مولانا شہاب الدین صاحب سے پڑھی۔

حضرت فرماتے ہیں : کہ دوران تعلیم سنا کرتا تھا کہ "ہندکو" میں صرف ونحو کی کتابیں اچھی ہوتی ہیں۔ اس لئے صرف و نحو کی تعلیم کیلئے علاقہ "ہندکو" کے ایک گاؤں "سروبہ" گیا، وہاں کے استاذ سے نحو میر اور دوسری نحو وصرف کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ "سروبہ" میں قیام کے دوران علاقہ "ملے" ملتان کی شہرت سنی کہ وہاں ان فنون کے ماہر اساتذہ ہیں۔ چنانچہ وہاں کچھ عرصہ رہ کر مائۃ عامل ہدایۃ النحو کافیہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ اس کے بعد میں انی شریف کے استاذ مولانا غلام رسول صاحب کے پاس شرح جامی حاشیہ عبد الغفور اور علم معانی وغیرہ کی تعلیم کے لئے گیا۔ انی کے استاذ صاحب اس وقت ضلع کیمبل پور کے ایک گاؤں "نوتھ" کے ایک مدرسہ میں پڑھایا کرتے تھے۔ نوتھ کے ایک عالم مولانا سلطان احمد صاحب بڑے مشہور واعظ تھے۔ وہ مختلف بستیوں اور علاقوں میں وعظ کے لئے جایا کرتے۔ انہوں نے اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا۔ انی کے استاد صاحب وہاں پڑھایا کرتے تھے حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں ان کی خدمت میں "نوتھ" حاضر ہوا۔ بڑی شفقت و محبت سے پیش آئے۔ فرمانے لگے کہ تم میرے مرشد اور استاذ کے صاحبزادے ہو۔ اس لئے تم میرے گھر کے ایک فرد کی طرح رہو گے۔ تمہارا کھانا

ہمارے گھر سے آیا کرے گا۔ ان کی خدمت میں رہ کر علم نحو منطق اور معانی کی تکمیل کی۔

دورہ حدیث : انی کے استاذ مولانا غلام رسول صاحب سے مختلف علوم کی کتابیں پڑھنے کے بعد دورۂ حدیث کیلئے آپ ضلع میانوالی کے قصبہ چکڑالہ، مولانا قاضی قمرالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا قاضی قمرالدین صاحب مشہور محدثؒ اور صاحب مقامات بزرگ گزرے ہیں۔ آپ نے حدیث مولانا احمد حسن صاحب امروھی سے پڑھی تھی۔ جو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاص تلامذہ و مریدین میں سے تھے۔

قاضی صاحب حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ موسیٰ زئی (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ دوران درس حضرت قاضی صاحب اپنے مرشد کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے مجھے بھی خیال آیا کہ میں بھی حضرت خواجہ صاحب سے بیعت ہو جاؤں، مگر اس سال حضرت خواجہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اور بیعت نہ ہو سکا۔

مرشد اول کا انتخاب : خواجہ محمد سلیمان صاحب کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ سراج الدین صاحب آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ اس سلسلہ کے طریقے کے مطابق قاضی صاحب نے خواجہ سراج الدین صاحبؒ سے تجدید بیعت کی اور مراتب مکمل کئے حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں بھی قاضی صاحب کے ہمراہ حضرت خواجہ سراج الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بیعت کر لی۔ مگر حضرت خواجہ سراج الدین صاحب جوانی ہی میں وفات پا گئے۔

مرشد ثانی کا انتخاب : حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ

صاحب کے انتقال کے بعد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی شہرت سن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب حضرت قاضی قمر الدین کے مشورہ سے حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحب سے بیعت ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ سراج الدین صاحب حضرت مولانا حسین صاحب کے شاگرد تھے مگر حضرت خواجہ سلیمان صاحب کے انتقال کے بعد جب خواجہ سراج الدین صاحب خلیفہ ہوئے تو حضرت مولانا حسین علی صاحب نے بھی سلسلہ کے طریقہ کے مطابق اپنے تلمیذ سے تجدید بیعت کی۔ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سال میں دوبار ضرور حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

واں بچھراں میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کا کافی قیام رہا۔ زیادہ تر آپ سلوک و معرفت کیلئے شیخ کی خدمت میں مقیم رہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا قمر الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ بڑے پایہ کے بزرگ اور بہت حلیم الطبع اور متحمل مزاج تھے۔ طلبہ اور عوام دونوں سے بڑی ملنساری سے پیش آتے۔ مگر حضرت مولانا حسین علی صاحب اگر کہیں شرک وبدعت اور رسوم کیطرف میلان دیکھتے تو جلال میں آجاتے۔ ساری زندگی آپ کی شرکت وبدعت اور غلط رسوم کے استیصال میں گزری۔ اس بارے میں آپ کی خدمات ممتاز ہیں۔

سفر رنگون: علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن غورغشتی آکر تدریس میں مشغول ہوگئے۔ چند سال آپ نے صرف و نحو معانی اور دیگر علوم کی تدریس میں صرف کئے۔

نوتھ کے علام مولانا سلطان احمد صاحب کا حال گذشتہ سطور میں معلوم کر

چکے ہیں یہ مشہور واعظ تھے۔ ان کی آمدورفت رنگون میں رہی۔ وہاں کے کافی لوگ ان کے معتقد تھے۔ لوگوں کے اصرار پر آپ نے رنگون کی ایک جامع مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ میں نوتھ میں انی شریف کی استاذ مولانا غلام رسول کی خدمت میں قیام کر چکا تھا۔ اس لئے مولانا سلطان احمد صاحب سے بخوبی واقفیت تھی۔ انہوں نے مجھے رنگون کے مدرسہ میں تدریس کی دعوت دی۔ چنانچہ میں نے دعوت قبول کر لی۔ اور متفرق طور پر چند سال وہاں تدریس میں مشغول رہا۔

سفر حج : رنگون کے قیام کے دوران ہی حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ فرمایا کہ اس وقت حجاز میں سلطان عبدالحمید خان کی حکومت تھی، عجیب دور تھا۔ اسی زمانہ میں روس کے مسلمانوں پر ظلم وستم کی داستانیں زبان زد خلائق تھیں۔ روسی مسلمان مہاجرین کے قافلے حجاز ہندوستان اور دوسرے ممالک میں آرہے تھے۔

دیوبند حاضری : فرمایا: رنگون اور دوسرے مختلف مقامات پر دارالعلوم دیوبند اور حضرت شیخ الہندؒ کی شہرت سنا کرتا تھا۔ دل میں بڑی عظمت تھی، اور ساتھ ہی ساتھ علمی طور پر مرعوبیت بھی تھی۔ رنگون میں قیام کے دوران جب کوئی دیوبند سے پڑھا ہوا عالم آتا، تو دیوبند کی شہرت اور علمی ساکھ کی وجہ سے مسائل میں ان سے بحث میں احتراز کرتے کہ یہ بڑی جگہ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ یہ خداداد علمی شان تھی جو دارالعلوم دیوبند کو من جانب اللہ عطا ہوئی تھی۔ دل میں بارہا خواہش پیدا ہوئی کہ موقع ملے تو دیوبند حاضر ہو کر حضرت شیخ الہندؒ سے استفادہ کروں۔ چنانچہ اسی ارادہ سے رنگون سے واپسی پر دیوبند اترا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ترمذی شریف ہدایہ آخرین، توضیح وتلویح میں داخلہ کا امتحان لیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے الفاظ ابھی تک یاد ہیں کہ طالب علم

لائق نظر آتا ہے" دیوبند میں تین چار ہفتہ قیام رہا۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس سے قبل حدیث کے درس وتدریس میں کافی عرصہ تک مشغولیت رہی تھی۔ جو معلومات تھیں اس سے زیادہ کا اضافہ نظر نہ آیا، نیز طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے واپس آگیا۔

غور غشتی دوبارہ آمد : دیوبند سے واپسی پر نوتھ میں انی استاذ صاحب کی خدمت میں کچھ دن قیام رہا۔ اور پھر غور غشتی میں مستقل قیام کے ارادہ سے آگیا۔ اور درس حدیث کا آغاز کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف سے طلبہ و علماء اٹد پڑے، فارسی اور پشتو بولنے والے حضرات علماء و طلبہ نے خصوصیت سے حضرت کی طرف رجوع کیا۔ یہ حضرت کے خلوص وللہیت کی کھلی نشانی ہے۔ کہ اس دور ودراز قصبہ میں صوبہ سرحد کے قبائلی علاقے اور افغانستان اور ترکستان کے بیشتر حصوں کے طلبہ کے قلوب آپ کی طرف منجذب ہوئے اور حضرت کا فیض عام ہوا۔ غور غشتی میں تقریباً چالیس سال تک مسلسل آپ نے درس حدیث دیا۔ مختلف سالوں میں ساٹھ سے لیکر ڈیڑھ دو سو تک طلبہ آپ کے پاس مقیم رہے۔

حضرت کے اندازہ کے مطابق اس طویل عرصہ میں کم از کم پانچ ہزار کے قریب طلبہ نے براہ راست آپ سے حدیث پڑھی۔ بلاواسطہ تلامذہ کا شمار مشکل ہے۔ اس دور میں اسلاف کے نمونہ پر بغیر کسی دنیوی طمع و نفع کے علم حدیث کی یہ خدمت آپ کے لئے آخرت کا بہترین اور قیمتی سرمایہ ہے۔

علم حدیث سے خصوصی لگاؤ اور شغف کیوجہ سے اتباع کا جذبہ نمایاں ہے۔ بدعت سے طبیعت میں شدید تنفر ہے۔ مگر ساتھ ساتھ ہر معاملہ میں حزم واحتیاط اعتدال اور میانہ روی بھی حضرت کی ایک خصوصی شان ہے۔ تحریک ختم نبوت کے موقع پر حضرت نے باوجود ضعف و کمزوری کے قید وبند کی مصائب جھیلیں۔ اس دور

میں ایک عجیب جوش اور ولولہ ظاہر ہوتا تھا۔

تصنیفی خدمات : آپ نے حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ شریف پر حاشیہ قلمبند فرمایا۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ مختلف کتب کے مطالعہ کے بعد پھر اس کا نچوڑ اور خلاصہ املاء فرمایا کرتے تھے۔ اور پھر خود اسکی تصحیح فرماتے۔ مشکوۃ شریف کا یہ حاشیہ حضرت نے بڑی عرق ریزی سے مرتب فرمایا۔ پشاور کے ایک ناشر نے اس کو طبع کرایا تھا۔ مگر وہ حضرت کے حسب منشاء نہیں تھا۔ مطبع مجتبائی دہلی والوں نے بھی اس کے طبع کا ارادہ کیا تھا۔ مگر تقسیم ملک کی وجہ سے معرض التوا میں پڑ گیا۔ حضرت نے بڑی دل سوزی سے فرمایا کہ کاش کوئی مخلص مطبع والے اسکو طبع کراتے تو میری آنکھوں کو ٹھنڈک ہوتی۔

ایک سوال کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ اس دور میں اسلام کے خلاف جسقدر سازشیں ہو رہی ہیں۔ اسکی نظیر گزشتہ تاریخوں میں نہیں ملتی۔ باطل جسطرح منظم ہو کر حق پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ عرض کیا کہ اس موقعہ پر عوام اور علماء کو کیا کرنا چاہیئے۔ فرمایا عوام کو قرآن وحدیث کی صحیح سمجھ حاصل کرنی چاہیئے۔ اگر فطرت سلیمہ ہو تو قرآن وحدیث تذکیر اور فرق باطلہ سے محفوظ رہنے کیلئے مضبوط ڈھال ہیں۔ علماء اپنی قوت واستطاعت کے مطابق جدوجہد کرتے رہیں۔ اور ساتھ ساتھ انفرادی طور پر ارشاد ربانی :۔

فاتقوا الله مااستطعتم (ڈر اللہ سے جسقدر تم طاقت رکھو) اور فرمان نبوی ﷺ۔ **اذا ارایت شی مطاعا وھوی متبعاً . الی قولہ . واعجاب کل ذی رای رایہ فعلیك نجویصة نفسك** . **الخ** کے مطابق اپنے نفس کی فکر کرنی چاہیئے۔ کہ اب وہ دور آرہا ہے کہ اپنا نفس ہی اگر بچ جائے تو بسا غنیمت ہے۔ ایک سوال کے جواب میں

فرمایا کہ میری قلبی خواہش ہے کہ علماء فروعی مسائل میں زیادہ وقت ضائع نہ کریں۔ بلکہ فرق باطلہ کے سامنے بنیان مرصوص کیطرح ڈٹ جائیں۔ فرمایا علماء کا فروعی مسائل میں افرا تفری اور انتشار فرق باطلہ کو آگے بڑھنے کا موقع فراہم کر رہا ہے۔ فرمایا: دراصل آج ایسی مرکزی شخصیتیں بھی نہ رہیں جو سب کو ایک مرکز پر جمع کرانیکا ذریعہ بن سکیں۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ کاش! ارباب حکومت کے ذہن میں یہ بات آجاتی کہ مسلمانوں کی بھلائی صرف اسلام میں ہے اور اسی کی پناہ میں آکر ہم دین و دنیا کے ہر مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔

معارفِ ترمذی

از افادات

المحدث الکبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن صاحب کاملپوریؒ (صاحب سوانح)

ترمذی شریف احادیث کی ان کتابوں میں سے ہے۔ جسمیں امام ترمذی نے بعض ایسے امور کا اہتمام کیا جو دوسری کتابوں میں نہیں۔ فقہی ابواب پر کتاب کو مرتب فرمایا۔ جو احادیث جن صحابہ سے مروی ہیں۔ بالاختصار انکا بھی استیعاب کیا۔ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر محدثین، فقہاء، علماء اور مدرسین نے مدارس اسلامیہ میں اسکو غیر معمولی اہمیت دی۔ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کاملپوریؒ نے طویل عرصہ تک اس کتاب کی تدریس کی۔ آپ کا درس ترمذی اتنا مقبول و مشہور ہوا کہ آپ کے ایک عظیم تلمیذ عارف باللہ مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندویؒ نے اپنی کتاب "آداب المتعلمین" میں تحریر فرمایا

"کہ درس کا یہ عالم، کہ سب کا اس پر اتفاق تھا کہ ان سے بہتر اس وقت ترمذی پڑھانیوالا پورے ملک میں کوئی نہیں"۔

ترمذی شریف کے یہ افادات معارف ترمذی کے نام سے پہلی مرتبہ تحقیق و مراجعت کے بعد شائع ہو رہے ہیں۔ علماء مدرسین اور طلباء کیلئے یہ بہترین علمی تحفہ ہے۔

مرتبہ : قاری سعید الرحمٰن

ناشر

جامعہ اسلامیہ : راولپنڈی صدر

الحاوی

علی مشکلات الطحاوی

مرتبہ : قاری سعید الرحمٰن

طحاوی شریف علم حدیث کی وہ اہم کتاب ہے جو مدارس دینیہ میں دورۂ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے۔ مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ و مشائخ نے اس کتاب کیطرف خصوصی توجہ فرمائی۔ صاحب سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ نے سالہا سال مظاہر علوم میں طحاوی شریف پڑھائی دوران تدریس موصوف اپنے اشکالات حضرت شیخ الحدث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کو لکھ کر بھیجتے وہ حضرات اپنی آراء تحریر فرماتے۔ بعض مقامات پر جواب الجواب کا سلسلہ چلتا۔ ان اکابر کی تحریرات میں تقریباً ۱۰۰ مقامات کا حل ہے۔ بڑی عرقریزی سے مرتب نے ان کو ترتیب دیا ہے۔ پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے۔ جو مؤتمر المصنفین دارالعوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے شائع کیا تھا۔ اب دوبارہ یہ علمی مواد شائع کیا جاتا ہے۔

ناشر

جامعہ اسلامیہ : راولپنڈی صدر